شرح السنہ

للإمام أبي محمد الحسن بن علي بن خلف البربهاري

ترجمہ: شفیق الرحمن الدراوی حفظہ اللہ

MAKTABA
AL-FURQAN

شرح السنہ

للامام ابی محمد الحسن بن علی بن خلف البربہاری

ترجمہ: شفیق الرحمن الدراوی حفظہ اللہ

MAKTABA AL-FURQAN

مکتبہ الفرقان | خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

نام کتاب

شَرحُ السُّنّہ

تالیف

للإمام أبي محمد الحسن بن علي بن خلف البربهاري

ترجمہ

شفیق الرحمٰن الدراوی حفظہ اللہ

سعودی عرب

دار الوحيين للنشر والتوزيع

س ت: ١٠١٠٢٠٤٨٧٦

فرع: مركز الجامع التجاري شارع باخشب جده

معرض: ٠٢٦٣٣٦٦٤٠ فاكس: ٠٢٦٨٧٤٥٥٧

المكتب الرئيسي الرياض، حي الفيصلة

هاتف: ٠١٢٤٢٣١٢٦

مكتبه دار الفرقان، الرياض

هاتف: ٠١-٤٣٥٨٦٤٦، ٠٥٦٣٠٦٤٧٣٦، ٠٥٠٧٤١٩٩٢١

مكتبه بيت السلام، الرياض

هاتف: ٠١-٤٤٦٠١٢٩، ٠٥٠٥٤٤٠١٤٧، ٠٥٠٢٠٣٣٢٦٠

MAKTABA

مکتبہ الفرقان خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

مكتبة الكتاب | [illegible] لاہور

www.maktabaalfurqan.com +92-321-4210145

فہرست

عرضِ ناشر:

صحیح عقیدے کے اصول وضوابط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ مَنْ وَالَاهُ.

عصر حاضر میں مختلف میدانوں میں مسلم ممالک کے خلاف عموماً حرمین شریفین کے خلاف خصوصاً کچھ ایسی سازشیں اور بڑے منصوبے رچے جا رہے ہیں۔ جن میں سے کچھ سازشوں کا تعلق عقیدہ وسلوک سے ہے اور کچھ کا تعلق کتاب و سنت کی تعلیمات کو چھوڑ کر کسی اور چیز پر اعتماد کرنے سے ہے اور حالت تو یہ ہے کہ ملحدانہ لہریں اللہ کے مقام پر ترید کرنے تک پہنچ چکے ہیں اور یہ لہریں وجود الٰہی کا انکار کرنے، اس کا مستحق عبادت نہ ہونے اور عصر حاضر میں اس کے دین کے فیصلہ سازی کی صلاحیت کے مفقود ہونے پر نوجوانوں کو تربیت دے رہی ہیں۔ ان کے یہ اعمال ملت اسلامیہ کے دائرہ سے کلی طور پر خروج وارتداد سے عبارت ہیں۔

کچھ نوجوان ایسے بھی ہیں جو کھلے طور پر اللہ اور رسول ﷺ کو سب وشتم کرتے ہیں اور ہم تو اب گندے مناہج اختیار کرنے والے اور مسلم ممالک میں فاسد کتابوں پر تربیت پانے والے جن کے سوالات فکری الحاد سے لت پت ہیں، ایسے لوگوں سے ندائیں (tweet) ٹویٹ سننے لگے ہیں جن پر یہ بات صادق آتی ہے کہ ان کے یہ اعمال ہیں اور ایسی حالت میں انسان معذور نہیں مانا جاتا ہے۔

عقائد کے منافی اور عقیدہ میں خراش پیدا کرنے والے لا الہ الا اللہ سے متصادم عقائد کا حامل ہر شخص مرتد اور اپنے گلے سے اسلام کی پٹی اتار پھینکنے والا مانا جائے گا عجیب وغریب بات تو یہ ہے کہ یہ عقائد امت کے بدن میں سرایت کر چکے ہیں اور نوجوانان امت پر الحاد کے دروازے کھولنے لگے ہیں۔

تو آخر ہم کون سا طریقہ بروئے کار لائیں جس سے ہم اپنے نوجوانوں اور نئی نسل کو ان الحادی لہروں کا شکار ہونے سے محفوظ رکھ سکیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان الحادی افکار سے امت کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری علماء وطلبہ، خطباء، منبر و محراب کے ساتھ عوام کی بھی ہے کہ وہ عقیدہ سے متعلق ان مسائل اور عظیم اصولوں کو سیکھیں، ان میں تفقہ پیدا کریں، اللہ کے حکم سے جس نے ان کو حاصل کر لیا اس نے خیر کثیر حاصل کر لیا۔ جس نے عصر حاضر میں جن اہم مسائل پر امت کی تربیت ہونی چاہیے وہ عقیدہ کے مسائل ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم ہر محفل کا آغاز اسی کی تعلیم سے کریں۔ کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ آخر عقیدے کے مسائل سے ہی کیوں شروعات کی جائے؟ اس اعتراض کا جواب یہ دیا جائے گا کہ رسولوں نے اپنی قوموں کو سب سے پہلے جس چیز کی دعوت دی وہ عقیدہ ہی ہے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ (الاعراف : ۵۹)

''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔''

نسل نو کے اذہان کو صحیح عقیدہ کی غذا ملنی چاہیے اگر انسان عقیدہ میں خطا کا مرتکب ہو رہا ہو تو عقیدہ کی یہ مخالفت بڑی ہی خطرناک بات ہوگی اور اس کی یہ خطا بسا اوقات اسے دائرۂ اسلام سے بھی خارج کر دے گی۔ انسان غیر اللہ کی قسم کھائے، کہے کہ نبی ﷺ کی قسم کہ آپ ﷺ بنو آدم کے سردار ہیں۔ انسان ایسی باتوں سے کفر اکبر کا مرتکب ہو جاتا ہے کیونکہ ایسا کہہ کر اس نے نبی ﷺ کی تعظیم کو اللہ کی تعظیم کی مانند ٹھہرا دیا ہے۔ جبکہ یہ تو محض چند جملے ہیں اور اگر کوئی انسان تعویز، دھاگا، گھونگھا یا کوئی پٹہ اپنی یا اپنے چوپائے کی گردن پر اس نیت سے باندھے۔ بعینہٖ یہی چیزیں اسے نفع پہنچاتی ہیں یا نقصان کو ختم کرتی ہیں تو ایسی صورت میں وہ اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار کر پھینک رہا ہے اور اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ محض ایک وسیلہ ہے اور نفع و نقصان کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے تو یہ شرک اصغر مانا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو نفع یا نقصان کا سبب نہیں بنایا ہے جن کو اس شخص نے لٹکا رکھا ہے۔

لہٰذا فقہی مسائل کے مقابلے میں عقیدہ سے متعلق مسائل کی مخالفت کرنا بڑی ہی خطرناک چیز ہے۔ سجدوں میں جاتے وقت آپ اپنا ہاتھ پہلے رکھیں یا گھٹنا پہلے رکھیں کوئی مسئلہ نہیں آپ پہلے اور دوسرے دونوں تشہد میں تورک کریں یا صرف آخری تشہد میں تورک کریں کوئی بہت بڑی خرابی نہیں ہے۔ آپ سورۂ فاتحہ پڑھیں یا نہ پڑھیں مختلف فیہ اقوال کی روشنی میں اس تعلق سے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے آپ کی نماز باطل ہو جائے گی لیکن یہ عمل آپ کو توحید کے دائرے سے نکال کر شرک کے دائرہ میں داخل نہیں کرے گا۔ بہت ہی ضروری ہے کہ پہلے ہم عقیدہ سیکھیں اور سکھائیں کیونکہ دیگر چیزوں کی مخالفت اتنی خطرناک نہیں ہے جتنا عقیدہ کی مخالفت ہے۔

توحید کی صحت اور اس کی قبولیت کے بعد ہی اس کی طاعتیں اور اعمال قبول کیے جاتے ہیں۔ رسولوں نے اپنی دعوتوں کا آغاز جس چیز سے کیا وہ عقیدہ تھا اور جن و انس کی تخلیق اسی مقصد کے لیے ہوئی یقیناً عقیدہ ہی عمل کی بنیاد ہے یعنی عمل کا دار و مدار عقیدہ پر ہے۔

اہل سنت و الجماعت اپنا عقیدہ صرف کتاب و سنت سے اخذ کرتے ہیں اسی بنیاد پر ضروری ہے کہ ہم امت کی تربیت اس نہج پر کریں کہ وہ اپنے عقائد صرف کتاب و سنت سے اخذ کریں عقیدہ کے مسائل میں عقلی گھوڑے نہیں دوڑائے جاتے۔ عقیدہ کے مسائل میں عادات و تقلید کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ عقیدہ کے مسائل میں ذوق و شوق اور حسن آرائیوں کو کوئی جگہ نہیں دی جاتی۔ ان دو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ مصادر کے علاوہ کوئی ایسا تیسرا مصدر نہیں جس سے ہم اپنا عقیدہ اختیار کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنے دانتوں اور اپنے ہاتھوں سے خوب مضبوطی سے پکڑنے کی دعوت دی۔ ہرگز ہم ان سے جدائی اختیار نہ کریں ہر کوئی عقیدہ صرف انہی دونوں صاف و شفاف چشموں سے حاصل کرے۔

قرآن شروع سے آخر تک ہمیں کتاب و سنت کی طبع پر رغبت دلا رہا ہے۔ قرآن اور سنت صحیحہ یا خود نہ ہونے

والی کوئی بھی چیز ہدایت اور اعتقادِ صحیح بن ہی نہیں سکتی اور ان دونوں کی مخالفت کرنے کی صورت میں ہلاکت اور گمراہی مقدر ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کتاب وسنت کے مدلولات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مراد پر ہیں اور وہ ان کا انکار نہیں کرتے اس میں تاویل نہیں کرتے اور ان کی تشبیہ نہیں دیتے اور ان کی مثال بیان نہیں کرتے۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم عام مسائل میں اور خاص طور پر عقیدہ میں سلف کے طے کردہ مفاہیم کے علاوہ کوئی اور مفہوم اپنائیں اور ان کی متعین کردہ مفاہیم کو چھوڑ کر کوئی دوسرا معنی اختیار کریں۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اتباع کریں نہ کہ ابتدا، ہم اقتدا کریں نہ کہ آغاز، وہ قدوہ ہیں اور ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ اہل سنت والجماعت غیبی مسائل میں عقل کو دخل انداز نہیں مانتے ہیں کیونکہ یہ سب توقیفی ہیں عقل کو اس میں دخل اندازی کی کوئی گنجائش نہیں اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا فرمائی تو انہیں کچھ صلاحیتوں اور قدرتوں سے نوازا۔ جب تک عقل ان صلاحیتوں کے دائرے میں رہے گی عقل سلیم مانی جائے گی لیکن جونہی عقل اپنے دائرے سے آگے بڑھے گی تو پھر اس کی واپسی گمراہی و حیرانگی اور خرافات میں مبتلا ہونے اور ٹامک ٹوئیاں مارنے کے بعد ہی ہوگی۔ اشاعرہ کب گمراہ ہوئے، ممثلہ کب گمراہ ہوئے، شیعہ اور خوارج کب گمراہ ہوئے؟ جب انہوں نے عقل کے دائرہ کار کو بہت وسعت دے ڈالی۔

ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اللہ پر ایمان کا تعلق غیب سے ہے اور ہم اس کے اسماء وصفات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان سب کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے اگر انسان ہمیشہ ہی ان انبیاء کی ماہیات تلاش کرنے کا عادی بن جائے تو پھر وہ گمراہی وندامت کا سامنا کرنے کے بعد ہی واپس ہوگا۔ اگر وہ اس سے بچنا چاہتا ہے تو پھر اسے غیبی مسائل میں اپنے عقلی گھوڑے نہیں دوڑانے چاہئیں کیونکہ آدمی کے اسلام کی خوبی ہے کہ وہ لایعنی چیزوں میں نہ پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے عقل کا ایک دائرہ مقرر کیا ہے۔ عقل جب اپنے دائرہ کار میں رہتی ہے تو صحیح کام کرتی ہے لیکن اگر عقل کو بے لگام چھوڑ دیا جائے پھر یہ بہت بڑی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔

یہ کتاب بہت بڑے امام کی تالیف ہے جس نے عقائد کو مختصر بیان کیا ہے۔ اس شاہکار تصنیف کو شرح کے ساتھ پیش کرنا بہت بڑی سعادت ہے جس کا شرف مکتبہ الفرقان حاصل کر رہا ہے۔ میں ان سب بھائیوں کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کی تیاری میں ہمارا ساتھ دیا۔ خاص طور پر شارع اور مترجم اور اس ادارے کے معاون عبدالرؤف بھائی کا بھی، جنہوں نے اسے شائع کرنے میں اپنی محنت صرف کی اور آخر میں ان سب علمائے کرام کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جن کے مشوروں سے ہم یہ عظیم کتاب منظر عام پر لانے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ آپ قارئین کرام کی دعائیں اسی طرح ہمارے ساتھ رہیں تو یہ علمی سلسلہ جاری وساری رہے گا۔ آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے اللہ رب العزت ہم سب کو اپنے دین کا کام کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے، آمین۔

عبدالجلیل، ابوساریہ، پاکستان

27/7/2015

حدیث شارح

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلا ھَادِيَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لا شَرِیْکَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ أَمَّا بَعْدُ!

قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛ وبعد:

مجھے اس بات کا اظہار کرتے ہوئے بھرپور مسرت اور فرحت محسوس ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج آپ بھائیوں کے سامنے علامہ بربہاری رحمہ اللہ کی کتاب "شرح السنۃ" کی اردو زبان میں شرح اور ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

علامہ موصوف رحمہ اللہ چوتھی صدی ہجری کے اہل سنت والجماعت کے ممتاز علمائے کرام میں سے ہیں۔ آپ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ساتھیوں کے شاگرد ہیں۔ عقیدہ کی نشر و اشاعت کے لیے آپ کی کوششیں لائق صد تحسین اور قابل مبارکباد ہیں۔

آپ کا زمانہ ایک ایسا زمانہ تھا جب ہر طرف سے فتنے اٹھ رہے تھے، کہیں رافضیت اور شیعیت کا فتنہ تھا تو کہیں خوارج اور معتزلہ کا۔ کہیں قدریہ اور جہمیہ اپنے پر پھیلائے ہوئے تھے تو کہیں جبریہ اور مرجئہ۔ ان فرقوں کے بڑے بڑے چرب زبان لوگ حکمرانوں کی صفوں میں داخل ہوگئے تھے جس کی وجہ سے ان بدعات اور فتنوں کو ہوا مل رہی تھی۔ اہل سنت والجماعت کو دبایا جا رہا تھا، اور لوگوں کو آزمائشوں میں مبتلا کیا جا رہا تھا۔ ان حالات میں دعوت دین کا کام کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ بات بات پر کوڑے لگائے جاتے، جیلوں میں ڈالا جاتا، اور قید و بند کے ساتھ ساتھ علماء کو قتل بھی کر دیا جاتا تھا۔

ان ایام میں حضرت امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری، ابو زرعہ الرازی اور دیگر ائمہ اہل سنت - رحمہم اللہ اجمعین - پر عباسی حکمرانوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے جو ظلم و ستم ڈھائے وہ کسی بھی تاریخ کے طالب علم پر مخفی نہیں ہے۔

لیکن ان تمام نا مساعد اور نا موافق حالات کے باوجود دین کی یہ شمع جن لوگوں نے اپنے لہو کے ایندھن سے روشن رکھی اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اس عظیم خدمت پر بہترین بدلہ دے، اور جنت میں انہیں انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کی ہمراہی نصیب فرمائے۔ آمین۔

علمائے سلف نے عقیدہ کے بیان میں اور باطل فرقوں کے رد پر بہت ہی اہم کتابیں تالیف کی ہیں۔جن میں سے بیشتر کتابوں سے ہمارے عام طبقہ کے لوگ ناواقف ہیں۔مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی" السنة"؛امام بربہاری کی "شرح السنة۔" امام ابوبکر خلال کی" السنة۔" امام محمد بن نصر المروزی کی" السنة۔" امام آجری کی" الشريعة۔" امام لالکائی کی"شرح أصول اعتقاد أهل السنة و الجماعة۔" امام ابوالشیخ کی" العظمة۔"امام بیہقی کی"الاعتقاد "اوراس طرح بعض دوسرے علماء کی کتابیں: جیسے:" الرد على الجهمية"اور"الرد على القدرية"وغیرہ۔

ان میں بعض فرقے ناپیدا ہو چکے ہیں، اس لیے ان پر ردود کی کتابیں شائع کرنے کی ضرورت نہیں۔لیکن جو فرقے موجود ہیں، جیسے: رافضی، شیعہ اور خارجی وغیرہ ان پر ردود اور اہل سنت کے عقیدہ پر مشتمل سلف صالحین کی کتابیں شائع کرنا وقت کی ایک بڑی اہم ضرورت ہے۔

اس سلسلہ میں ابوسار یہ بھائی مدیر مکتبہ ''الفرقان'' کی کوششیں قابل صد تحسین ہیں کہ وہ ایک بڑے پیمانے پر یہ کام شروع بھی کر چکے ہیں، اوراس کو وسعت دینے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی آپ کے ہاتھوں میں امام بربہاری رحمہ اللہ کی کتاب" شرح السنة" کی یہ شرح پیش کی جاری ہے۔

امام بربہاری رحمہ اللہ کی یہ کتاب اس بات کی مستحق تھی کہ اسے بہترین شکل وصورت میں اچھے ترجمہ اور تشریح کے ساتھ اور بہترین انداز میں اپنے قارئین کے سامنے پیش کیا جائے۔اگر چہ یہ کتاب آج تک بے رغبتی اور عدم توجہی کا شکار رہی۔یا کچھ علماء نے اس پر کام کیا ہوگا تاہم اس تک ہماری پہنچ نہیں ہوسکی۔یا وقت کے ساتھ وہ شروحات اور تراجم ناپید ہو چکے ہیں۔بہر حال جن کتابوں تک ہماری رسائی ہوئی ہے ان میں سے ایک ''منہج اہل سنت'' کے نام سے شیخ ''ناصر العبیلان حفظہ اللہ'' کی کتاب کا ترجمہ ہے۔جو عبد اللہ ناصر رحمانی صاحب حفظہ اللہ کی تقریظ کے ساتھ کراچی سے شائع ہوا ہے۔کتاب میں کئی ایک املائی غلطیوں کے علاوہ سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ یہ نہ ہی عربی زبان میں پوری کتاب کی شرح ہے اور نہ ہی مترجم نے اسے اصل کتاب سے توازن (مطابقت) کر کے مکمل کیا ہے۔یہ پوری کتاب کے ۱۷۲ نکات میں سے صرف نو(۹) نکات کی شرح ہے اور انہوں نے اس کا ویسے ہی ترجمہ کر دیا ہے۔بہر حال ہماری دعا ہے کہ ان کی جدوجہد اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اس پوری کتاب کی کوئی شرح کہیں سے مل جائے جسے اردو شرح کے لیے اصل بنایا جائے؛ مگر شروع میں ایسا نہ ہوسکا۔تاہم ہمارے ایک علم دوست بھائی عبد اللہ الجیز انی حفظہ اللہ نے سعودی عرب کے ممتاز عالم شیخ ناصر العقل حفظہ اللہ کی صوتی شرح انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کر دی۔جس کو سن کر اس سے بہت سے نکات لیے گئے۔ مگر یہ شرح بھی کئی لحاظ سے ناقص تھی:

۱۔ شیخ صاحب حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے صرف فرماتے ہیں: كما جاء في الحديث اور یہ نہیں بتاتے کہ یہ

حدیث کس کتاب میں ہے اور اس کی اصل عبارت کیا ہے۔

۲۔ شیخ صاحب کئی ایک اہم نکات سے تعرض کیے بغیر گزر جاتے ہیں۔

۳۔ بعض جگہوں پر بہت طویل شرح کر دیتے ہیں جو اس معاشرہ کے لحاظ سے مناسب ہے، اور وہ امور ہمارے ہاں نہیں پائے جاتے ہیں، اس لیے میں نے انہیں اردو ترجمہ میں ذکر ہی نہیں کیا۔ شیخ صاحب کی یہ شرح انٹرنیٹ کی ویب سائیٹ "طریق الإسلام" پر موجود ہے۔

کچھ ہی عرصہ بعد جدہ جانا ہوا تو وہاں سے شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کی شرح بھی مل گئی، جس سے باقی رہ جانے والی کمی پوری کر دی گئی ہے۔

میں نے اس کتاب پر درج ذیل کام کیا ہے:

۱۔ کتاب کے ترجمہ کے لیے اسی نسخہ کا انتخاب کیا ہے جس سے شیخ ناصر العقل حفظہ اللہ نے شرح کی ہے۔ یہ شیخ خالد بن قاسم الردادی حفظہ اللہ کا محقق نسخہ ہے۔

۲۔ میں نے اسلوب بھی وہی اختیار کیا ہے جو شیخ ردادی کا ہے۔ صرف بعض جدید اصطلاحی علامات کے استعمال میں کئی جگہ ان کا طریقہ ترک کیا ہے۔

۳۔ شیخ الردادی حفظہ اللہ سے جن احادیث کی تخریج رہ گئی تھی میں نے ان کی تخریج بھی کر دی ہے۔

۴۔ وہ نکات جن کی شرح نہ ہی شیخ ناصر العقل حفظہ اللہ نے کی اور نہ ہی شیخ العبلان حفظہ اللہ نے، اور نہ ہی شیخ الردادی حفظہ اللہ نے ان سے تعرض کیا ہے، میں نے ان کی شرح بھی کر دی اور تخریج احادیث بھی اور پھر کئی جگہ پر اپنی طرف سے مناسب اضافہ بھی کیا ہے۔

۵۔ قاسم الردادی نے مختلف نسخوں میں تقابل کے بعد تصحیح میں جو حواشی دیے ہیں، ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان کی تصحیح پر اعتماد کرتے ہوئے اسے ہی نقل کیا۔

۶۔ شیخ الردادی حفظہ اللہ نے اس ضمن میں جو مقدمات اور وضاحتی مضامین وغیرہ لکھے تھے، وہ آدھی کتاب سے زیادہ ہیں، میں نے انہیں بھی ترک کر دیا ہے اور ایسے ہی آخر میں آیات اور احادیث کی فہرست کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ یہ سب کچھ میں نے کتاب کے حجم کو کنٹرول کرنے کے لیے کیا ہے۔

۷۔ جہاں پر عبارت کے درمیان میں اگر کوئی معمولی چیز اپنی طرف سے اضافہ کی ہے اس کے لیے میں نے دو قسم کی علامتیں استعمال کی ہیں () اور --۔

۸۔ اکثر طور پر مختلف پیرائے ترجمہ وتشریح کرتے وقت ہمارے عجم معاشرہ کی ضرورت اور وہاں کے فتنوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف شبہات مثلاً: انکار عذابِ قبر؛ انکار حوض اور شفاعت اور اس طرح کے دیگر فتنوں اور شبہات کے رد میں میں نے باقی علمائے کرام کی کتابوں سے بھی جواب تلاش کر کے درج کیے ہیں؛ اور خود بھی اپنی علمی

صلاحیت کے مطابق کوششیں صرف کی ہیں، جس کے لیے میں کسی قید کا پابند نہیں ہوں۔ البتہ اس بات کا ضرور اہتمام کیا ہے کہ کوئی ضعیف یا موضوع حدیث یا منہج اہل سنت والجماعت کے خلاف کوئی بات اس کتاب میں نہ آنے پائے چونکہ اس کتاب کا تعلق عقیدہ سے ہے۔

۹۔ میں نے کتاب کو فائدہ مند بنانے کے لیے سب سے اوپر اصل عربی عبارت دی ہے اور اس کے اوپر ''مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:'' لکھ دیا ہے، اس کے بعد اصل عربی عبارت ہے، پھر ترجمہ اور اس کے نیچے تشریح اور اس کے نیچے حاشیہ ہے۔

۱۰۔ شرح کو عنوان بھی دے دیا گیا ہے تا کہ آسانی رہے۔

۱۱۔ چونکہ پہلی بار کتاب پر کام مکمل ہو چکا تھا، اس کے بعد شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کی شرح ملی؛ مگر پھر بھی میں نے اپنی جمع کردہ شرح اور شیخ صاحب حفظہ اللہ کی شرح کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے جس چیز کی ضرورت محسوس کی؛ اس کا اضافہ کر دیا ہے۔

۱۲۔ کتاب کے شروع میں عقیدہ کی مختصر تعریف اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کا اجمالی خلاصہ نکات کی صورت میں بیان کر دیا ہے، جس سے عقیدہ کے مسائل سمجھنے میں مدد ملے گی۔

آخر میں میں اللہ تعالیٰ سے عجز وانکساری کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور اسے ہمارے نیک اعمال میں اضافہ کا ذریعہ بنا دے اور اسے عوام الناس کے لیے فائدہ مند بنا دے، اور ان لوگوں کو بھی اس کے اجر سے نواز دے جو کسی طرح بھی اس کام میں معاون اور مددگار ثابت ہوئے ہیں۔

میں اپنے تمام قارئین بھائیوں سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ اس کتاب میں جو غلطی ہو اس کی اطلاع دینے؛ اصلاح کرنے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازنے میں بخل سے کام نہ لیں، آپ کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اس کے بعد ان شاء اللہ امام ابو بکر آجری کی کتاب " الشریعہ " اور امام خلال کی کتاب " السنۃ " اور ابو الشیخ کی کتاب " العظمہ " کے تراجم اور حواشی بہت جلد پیش کیے جا رہے ہیں، آپ بھائیوں سے گزارش ہے کہ ان کی جلد تکمیل کے لیے دعا گو رہیں۔

آپ کا بھائی

شفیق الرحمن الدراوی

شکر و تقدیر

میں اپنے والدین اور ان محترم اساتذہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری تربیت کی۔
خواہ ان کا تعلق اسکول کی زندگی سے ہے، یا دینی مدارس کی زندگی سے۔
اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے اور ان کے نیک اعمال میں برکت عطا فرمائے۔
جو اساتذہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔
حقیقت میں یہ ان ہی لوگوں کا صدقہ جاریہ ہے۔
جو اساتذہ قید حیات ہیں خاص کر جامعہ محمدیہ مظفر آباد، جامعہ احسن العلوم العربیہ کراچی اور الجامعة الاسلامية (مدینہ طیبہ) کے تمام مشائخ کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے میری تربیت کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

كما أقدم خالص الشكر والتقدير إلى أخي في الله ، المحسن البار ، الأستاذ/ المهندس رضا أمين عطية السعدى حفظه الله ورعاه ، الذي وفّر لي الفرصة الطيبة المباركة لإنجاز مخططي وللدعوة في سبيل الله ۔ أللّٰهم وفقه لما تحبه وترضاه ، واجعل عمله هذا في ميزانه حسناته يوم القيامة، ويسر عليه في الدنيا والآخرة كما هو يسر علينا لعمل دينك ۔

عقیدہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

عقیدہ کا لغوی مفہوم:

لفظ عقیدہ عَـقَـدَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی باندھنے اور مضبوط گرہ لگانے کے ہیں، اسی سے پختگی اور پیوستگی جماؤ اور ہم آہنگی بھی ہے، عربی زبان میں کہا جاتا ہے عـقـد العهد و البيع یعنی پختہ عہد اور خرید و فروخت کا معاملہ کیا، نیز کہا جاتا ہے عقد الازار یعنی ازار کو اچھی طرح کسا اور العقد (باندھنا) الحل (کھولنا) کی ضد ہے۔

عقیدہ کا اصطلاحی مفہوم:

عقیدہ ایک ایسے پختہ ایمان اور قطعی حکم اور فیصلہ کا نام ہے جس میں شک کی گنجائش نہ ہو، چنانچہ جس پر انسان ایمان رکھتا اور اس پر اپنے قلب وضمیر سے پوری طرح مطمئن ہوتا، نیز اسے لائق اتباع دین و مذہب سمجھتا ہے وہی اس کا عقیدہ کہلاتا ہے۔

اب یہ پختہ ایمان اور مستحکم فیصلہ صحیح ہوگا تو عقیدہ بھی صحیح ہوگا، جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، اور اگر باطل ہوگا تو عقیدہ بھی باطل ہوگا، جیسا کہ جملہ گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے۔

اہل سنت کا مفہوم:

عربی لغت میں سنت، طور طریقہ اور سیرت کو کہتے ہیں، خواہ اچھی ہو یا بری۔

اور اصطلاح میں سنت اس اسوہ اور طریقہ کو کہتے ہیں جس پر رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم علمی اعتقادی، قولی اور فعلی طور پر گامزن تھے، یہی وہ سنت ہے جس کی اتباع اور پیروی لازم ہے، اور جن کے متبعین لائق مدح وستائش اور مخالفین قابل صد مذمت ہیں۔

چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ (فلاں اہل سنت میں سے ہے) تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ صحیح سیدھے اور لائق تعریف طریقہ والوں میں سے ہے۔

جماعت کا لغوی مفہوم:

جماعت عربی زبان میں مادہ (جمع) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی جمع کرنے، اتفاق کرنے اور اکٹھا ہونے کے ہیں جو تفرقہ اور اختلاف کی ضد ہے، علامہ ابن فارسؒ فرماتے ہیں: (جیم میم اور عین) کا مادہ کسی شے کے ملنے اور اکٹھے ہونے پر دلالت کرتا ہے، کہا جاتا ہے:

((جمعت الشيء جمعا)) یعنی میں نے فلاں شے کو اکٹھا کر دیا۔

اصطلاحی مفہوم:

جماعت سے مراد امت کے سلف صالحین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعینؒ اور قیامت تک ان کی صحیح اتباع اور پیروی کرنے والے وہ جملہ افراد ہیں جنھوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول جیسی حق اور صحیح شاہراہ پر اتفاق کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جماعت وہ ہے جو حق کی موافقت کرے، خواہ تنہا آپ ہی کیوں نہ ہوں۔''

نعیم بن حماد رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یعنی جب جماعت میں فساد و بگاڑ پیدا ہو جائے، تو آپ پر ضروری ہے کہ فساد و بگاڑ سے پہلے جماعت جس منہج اور عقیدہ پر گامزن تھی اسی پر قائم رہیں، اس صورت میں اگر آپ تنہا ہیں تو تنہا آپ ہی جماعت شمار ہوں گے۔''

عقیدۂ اہل سنت والجماعت کے بنیادی اصول

۱۔ عقیدہ کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی صحیح احادیث اور سلف صالحین کا اجماع واتفاق ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر وہ سنت جو صحیح ہو، چاہیے وہ خبر واحد ہو اور اس کا تعلق عقائد سے ہو، کا قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔

۳۔ کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے ان نصوص کا سہارا لیا جائے گا جن میں ان کی توضیح کی گئی ہے اور سلف صالحین اور ان کے منہج پر چلنے والے ائمہ کرام کے فہم وادراک پر اعتماد کیا جائے گا، اور محض لغوی احتمالات کی بنیاد پر ان میں سے کسی ثابت شدہ چیز کو رد نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ دین کے تمام اصولوں کو نبی کریم ﷺ نے صاف صاف طریقہ سے بیان کر دیا ہے، اس لیے اب کسی کو دین کے اندر نئی چیز داخل کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

۵۔ ظاہری باطنی تمام امور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات کو تسلیم کرنا ضروری ہے، لہٰذا کتاب وسنت کا کوئی حکم، قیاس، فسق، کشف، یا کسی شیخ وامام کے فرمان ورائے کی وجہ سے رد نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ جو بھی عقلی دلیل، صحیح حدیث کے موافق ہو اور ان دونوں کے مابین کسی قسم کا کوئی تعارض نہ ہو قبول کر لی جائے گی لیکن تعارض واختلاف کے وقت حدیث کو ترجیح حاصل ہوگی۔

۷۔ عقائد کے باب میں شرعی الفاظ کا استعمال کا التزام ضروری ہے اور جو الفاظ لوگوں نے گھڑ رکھے ہیں ان سے اجتناب لازمی ہے اور وہ الفاظ جن کے معانی مخفی وپوشیدہ ہوں، اور جن میں صحت وخطاء کا احتمال ہو ان کے بارے میں بڑی باریکی سے چھان بین کرنی چاہیے اور ان میں سے جو بھی حق اور درست ہو اسے اس کے شرعی لفظ کے ساتھ باقی رکھا جائے گا، اور جس کا معنی باطل وغلط ہوگا اسے رد کر دیا جائے گا۔

۸۔ معصوم عن الخطا صرف اللہ کے رسول ﷺ ہیں، اسی طرح پوری امت محمدیہ گمراہی پر اکٹھا ہونے سے بھی معصوم ہے لیکن انفرادی اعتبار سے امت کا کوئی شخص خطاؤں سے مبراو معصوم نہیں، اور جس چیز کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جائے اس کے حل کے لیے کتاب وسنت کی جانب رجوع کیا جائے گا دلیل جس کا ساتھ دے گی اسے قبول کر لیا جائے گا، ساتھ ہی امت کے مجتہدین کی اجتہادی غلطیوں پر انہیں معذور سمجھا جائے گا۔

۹۔ اچھے خواب برحق ہوا کرتے ہیں اور یہ نبوت کا ایک حصہ ہوا کرتے ہیں، صحیح فراست بھی برحق ہوا کرتی ہے اور اس سے کرامت وبشارت کا ظہور ہوتا ہے بشرط کہ وہ شریعت کے مطابق ہو، لیکن یہ چیز عقیدہ وشریعت کا مصدر نہیں ہوا کرتیں۔

۱۰۔ دین کے اندر جنگ وجدال مذموم شے ہے البتہ اچھے ڈھنگ سے بحث ومباحثہ مشروع ہے، جس چیز کے بارے میں غور وخوض کی ممانعت صراحتا آئی ہے اس کی پابندی ضروری ہے اور جس چیز کے بارے میں مسلمان کو علم نہیں اس میں عقل کو دخل دینے سے گریز ضروری ہے اور اس کے متعلق علم کو اللہ کی جانب لوٹا دینا چاہیے۔

۱۱۔ کسی بھی چیز کی تردید کے لیے منہج وحی کا التزام ضروری ہے، جس طرح سے کسی چیز کے ثبوت واقرار اور اعتقاد کے سلسلہ میں منہج وحی کی پابندی ضروری ہے، لہٰذا بدعت کی تردید بدعت سے نہ کی جائے اور نہ ہی تقصیر کا موازنہ غلو سے کیا جائے اور نہ ہی اس کے برعکس۔

۱۲۔ دین کے اندر ہر طرح کی نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں دخول کی موجب ہے۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفتوں کے بارے میں صحیح اصول یہ ہے کہ جس نام یا صفت کو اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے اللہ کے لیے بیان کیا ہے، بغیر کسی سے مشابہ قرار دیے ہوئے اور بغیر اس کی کیفیت وماہیت وحالت بیان کئے ہوئے ویسے ہی ہو بہو ثابت کیا جائے، اور اللہ نے جس چیز کی نفی اپنی ذات کے لیے کی ہے اور جس کی نفی اس کی ذات کے لیے اس کے رسول ﷺ نے کی ہے بلا کسی تحریف، تبدیل اور بلا کسی صفت کو بیکار وناکارہ سمجھے ہوئے ویسے ہی ثابت کیا جائے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱)

''اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔''

ساتھ ہی نصوص شرعیہ کے معانی اور اس کے دلائل پر بغیر تعطیل وتکییف کے ایمان رکھنا ضروری ہے۔

۱۴۔ فرشتوں کے وجود پر اجمالی ایمان رکھنا، رہی بات تفصیلی ایمان کی تو ان میں سے جن کے نام، اوصاف اور اعمال کے بارے میں صحیح احادیث میں بیان آیا ہے آدمی کے لیے اپنے علم کی حد تک ان پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

۱۵۔ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنا واجب ہے، لیکن یہ خیال رہے کہ قرآن کریم ان میں سب سے بہتر ہے اور اس نے سابقہ ساری کتابوں پر عمل کو منسوخ کر دیا، اور یہ کہ قرآن سے پہلے کی ساری کتابوں میں تبدیلی کی جا چکی ہے اس لیے صرف قرآن پر عمل کیا جائے گا اور باقی کتابوں کی جانب التفات نہ کیا جائے۔

۱۶۔ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام پر ایمان لانا واجب ہے، اور یہ کہ وہ لوگ دنیا کے باقی انسانوں سے افضل ہیں۔ اس بات پر ایمان رکھنا کہ محمد ﷺ کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور یہ کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں جس نے اس کے برخلاف عقیدہ رکھا وہ کافر ہے۔

۱۷۔ آخرت کے دن پر ایمان رکھنا، اور اس سے پہلے جتنی نشانیاں ظاہر ہونے والی ہیں ان سب پر ایمان رکھنا۔

۱۸۔ اچھی بری تقدیر کے اللہ کی جانب سے ہونے پر ایمان رکھنا، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت تک پیدا ہونے والی چیزوں کا علم ان کے وجود سے پہلے ہی سے ہے اور انہیں اس نے لوح محفوظ پر لکھ دیا ہے، اور یہ کہ جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا چنانچہ وہی ہوتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور جو چاہیے کر گذرنے پر اختیار رکھتا ہے۔

۱۹۔ غیب سے تعلق رکھنے والی چیزوں کے سلسلہ میں صحیح حدیث سے جو کچھ ثابت ہے اس پر ایمان رکھنا جیسے: عرش، کرسی، جنت، جہنم، قبر کی نعمت اور اس میں ہونے والا عذاب، پل صراط، اعمال کو تولنے کے لیے نصب کیا جانے والا میزان وغیرہ بغیر تاویل وہیر پھیر کے ایمان لانا ضروری ہے۔

۲۰۔ نبی کریم ﷺ کی شفاعت پر ایمان لانا، اسی طرح انبیاء کرام، فرشتوں، اور قیامت کے دن نیکوکار لوگوں کی شفاعت پر ایمان رکھنا، کیونکہ اس کی تفصیل صحیح احادیث میں آچکی ہے۔

۲۱۔ قیامت کے روز جنت اور میدان محشر میں مؤمنین کا اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہونا برحق ہے، جس شخص نے اس کا انکار یا تاویل کی وہ جادۂ حق سے منحرف، البتہ اللہ کا دیدار دنیا میں کسی کے لیے نہیں ہے۔

۲۲۔ اولیاء وصالحین کی کرامتیں برحق ہیں، البتہ ہر خلاف عادت کام کرامت نہیں ہوتی، بلکہ یہ ڈھیل ہوتی ہے اور کبھی یہ شیاطین اور اہل باطل کی تاثیر کا نتیجہ ہوا کرتی ہے، کرامت کے پرکھنے کا معیار کتاب وسنت ہے، جو کتاب وسنت کے موافق ہو وہ کرامت اور جو اس کے مخالف ہو اسے کرامت تصور نہیں کیا جائے گا۔

۲۳۔ تمام مومنین اللہ کے اولیاء ہیں اور ہر مؤمن کی ولایت اس کے ایمان کے بقدر ہوا کرتی ہے۔

۲۴۔ کسی قسم کی عبادت غیر اللہ کے لیے انجام دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ اکیلا ہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے اور اس کی ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات میں اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے، اگر کسی نے عبادت کی ان قسموں میں سے جیسے: دعا، پناہ کی طلب، مدد، نذر، نیاز، ذبح، توکل، خوف، امید اور محبت وغیرہ میں سے کسی بھی عبادت کا غیر اللہ کے لیے انجام دیا اس نے شرک کیا، اگر چہ وہ ملک مقرب ہو یا نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو۔

۲۵۔ عبادت کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ اللہ کی عبادت بیک وقت پوری محبت اور امید وخوف کے ساتھ انجام دی جائے۔، پس جس شخص نے صرف اللہ سے محبت رکھ کر عبادت کی وہ زندیق ہے اور جس نے صرف خوف کھا کر عبادت کی وہ حروری ہے اور جو صرف اس سے امید لگا کر عبادت کرے وہ مرجئہ فرقہ سے ہے۔

۲۶۔ مطلق اطاعت اور تسلیم ورضا صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، اللہ کی ذات پاک کے حاکم ہونے پر ایمان رکھنا اس کے رب ومعبود ہونے پر ایمان کے مصداق ہے، اس کے اوامر واحکامات میں کوئی شریک نہیں ہے، جس چیز کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں کی ہے، اسے طاغوتوں کے پاس فیصلہ کے لیے لے جانا، شریعت محمدیہ

کے سوا کسی اور شریعت کی پابندی کرنا اور اس میں کسی طرح کی تبدیلی کرنا کفر ہے، اور جو یہ اعتقاد رکھے کہ کچھ مخصوص افراد شریعت محمدیہ کی پابندی سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں وہ کافر ہے۔

۲۷۔ دین کی تقسیم ایسی حقیقت کی جانب جو خاص لوگوں کے لیے ہو اور شریعت کی جانب جس کے پابند (خاص لوگوں کے علاوہ) صرف عام لوگ ہوں، اور سیاست کو دین سے الگ کر دینا باطل ہے، بلکہ جو بھی حقیقت وسیاست، شریعت کے مخالف ہو وہ کفر یا گمراہی ہے۔

۲۸۔ غیب کا علم صرف اللہ کو ہے کسی شخص کے متعلق علم غیب کا اعتقاد رکھنا کفر ہے، ساتھ ہی یہ اعتقاد رکنا ضروری ہے کہ اللہ بعض غیبیات سے اپنے رسولوں کو باخبر کر دیا کرتا تھا۔

۲۹۔ کاہنوں اور نجومیوں کی سچائی کا اعتقاد رکھنا کفر ہے، اور اوران کے پاس آنا جانا کفر ہے۔

۳۰۔ شریعت میں وسیلہ کا ایک خاص حکم ہے اس لیے ہر وہ کام جو شرک یا بدعت کا سبب ہو اس کا روکنا ضروری اور واجب ہے۔

۳۱۔ اہل قبلہ میں سے کسی کو جنتی یا جہنمی کہنا جائز نہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کے جنتی اور جہنمی ہونے کے بارے میں نص سے ثابت ہے۔

۳۲۔ مسئلہ تکفیر شرعی احکام میں سے ایک ہے، جس کا مرجع کتاب وسنت ہے، لہٰذا کسی مسلمان کو کسی بات یا عمل کی وجہ سے اس وقت تک تکفیر جائز نہیں، جب تک اس کے کفر پر کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو، اور کسی شخص کے کسی قول وعمل کی بنیاد پر کفر کا حکم لگا دینے سے اس وقت تک اس کا کافر ہونا لازم نہیں آتا جب تک اس کے اندر کفر کی ساری شرطیں نہ پائیں جائیں اور تمام ممانعات رفع نہ ہو جائیں، یہ بات یاد رہے کہ مسئلہ تکفیر خطرناک احکام میں سے ایک ہے، اس لیے کسی مسلمان کی تکفیر سے پہلے چھان بین، تحقیق وتدقیق واجب ہے اوا ایک مسلمان کی تکفیر سے پرہیز لازمی وضروری ہے۔

۳۳۔ قرآن کریم اپنے حروف ومعانی کے ساتھ اللہ کا کلام ہے اسے اللہ نے نازل کیا اور یہ مخلوق نہیں، اسی نے اسے اتارا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جائے گا، یہ ایک زندہ جاوید معجزہ ہے، جو نبی کریم ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتا ہے اور قیامت تک ہر طرح کی خرد برد سے محفوظ رہے گا۔

۳۴۔ بندوں کی ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے بعض بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ اپنے فضل سے ہدایت بخشتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی گمراہی اس کے عدل کے ساتھ مستحکم ہے۔

۳۵۔ بندے اور ان کے افعال مخلوق ہیں، جن کا اس کے سوا کوئی خالق نہیں پس اللہ بندوں کے افعال کا خالق ہے، اور درحقیقت یہ افعال ان کے ذریعہ انجام پائے جاتے ہیں۔

۳۶۔ دین میں فرقہ بندی اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ انگیزی جائز نہیں جس چیز میں مسلمانوں کے مابین اختلاف ہو

جائے اسے کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اصول ومنہج پر پیش کرنا ضروری ہے۔

۳۷۔ صحابہ کرام سب کے سب سچے اور امانت دار ہیں، وہ اس امت کے سب سے افضل لوگ ہیں، ان کے ایمان اور فضیلت کی گواہی دینا دین کا ایک حصہ ہے، اور ان سے محبت کرنا دین وایمان کا ایک جزء ہے، اور ان سے بغض وعناد کفر ونفاق ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کے آپسی اختلاف کے بارے میں خاموشی واجب اور ان کی قدر ومنزلت گھٹا دینے والے امور سے اجتناب ضروری ہے۔ ان میں سب سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ انہیں خلفائے راشدین کے معزز لقب سے جانا جاتا ہے۔ اسی ترتیب مذکور کے بموجب ان کی خلافت کا اثبات کیا جانا چاہیے۔

۳۸۔ آل رسول اور ان کے اہل بیت سے الفت ومحبت اور ان سے عقیدت ودوستی، امہات المومنین، زوجات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور ان کے فضائل کی معرفت، اور ائمہ سلف سے محبت اور علماء اہل سنت ونیز ان کی بہترین پیروی کرنے والے لوگوں سے محبت اور بدعات اور خواہشات کے پجاریوں سے اجتناب دین کا ایک حصہ وجز ہے۔

۳۹۔ اللہ کی راہ میں جہاد اسلام کی بلند چوٹی کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔

۴۰۔ بھلائی کی نشر واشاعت اور برائی کی روک تھام حسب منشا شریعت اسلام کا ایک عظیم ترین شعار ہے، اور اس کی اجتماعیت کی حفاظت کا سبب بھی یہ دونوں (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) حسب طاقت واجب ہے، اور اس میں مصلحت کا خیال رکھنا چاہیے۔

مصنف کے حالاتِ زندگی

آپ کا نام امام اہل سنت، قدوۃ، مجاہد، اپنے دور کے شیخ حنابلہ اور بزرگ رہنما جناب ابو محمد حسن بن علی بن خلف بر بہاری رحمہ اللہ ہیں۔ ❶

آپ بغداد میں پیدا ہوئے، اور وہیں پر پلے بڑھے۔ وہیں پر پروان چڑھے اور خواص اور عوام میں شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ ❷

آپ کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور ان سے علم حاصل کیا۔ ان میں سے اکثر بغدادی ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ایک سُنی علمی حلقہ میں پروان چڑھے۔ جس کا آپ کی زندگی پر بہت بڑا گہرا اثر تھا۔

طلب علم اور مشائخ:

امام بر بہاری رحمہ اللہ علم حاصل کرنے میں بہت ہی متحرک اور حریص تھے۔ آپ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بڑے بڑے ساتھیوں سے علم حاصل کیا۔ آپ کے اہم مشائخ میں سے:

۱۔ أحمد بن محمد بن الحجاج بن عبد العزیز ابو بکر المروزی؛ امام؛ فقیہ، قدوۃ؛ محدث؛ نزیل بغداد ہیں- رحمہ اللہ -۔ جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ساتھی تھے؛ ان کا انتقال ۲۷۵ ہجری میں ہوا۔ ❸

۲۔ سہل بن عبد اللہ بن یونس التستری؛ ابو محمد: امام عابد، زاہد؛ واعظ رحمہ اللہ؛ بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ان کا انتقال اسی سال کی عمر میں ۲۸۳ ہجری میں ہوا۔ ❹

علمی منزلت:

حضرت علامہ بر بہاری رحمہ اللہ کی بلند منزلت اور علمی حیثیت اس دور کے عوام و خواص پر مخفی نہیں تھی۔ اس لیے قدر دانوں نے آپ کی خدمات کو بڑے خوبصورت الفاظ میں سراہتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ امام ابن ابی یعلی -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں:

''(علامہ بر بہاری رحمہ اللہ) اپنے زمانے میں اپنے طائفہ کے شیخ تھے اور بدعات پر انکار کرنے میں پیش پیش

❶ بر بہار ایک ہندوستانی دوا ہے جس کی نسبت سے آپ کو بر بہاری کہا جاتا ہے۔
❷ دیکھیں: الأنساب للسمعانی (۱/۳۰۷)؛ اللباب لابن اثیر (۱/۱۳۳)۔
❸ تاریخ بغداد (٤/٤٢٣) طبقات الفقهاء للشيرازي (١٧٠)۔
❹ العبر (۱/٥٦) و "السیر" (۱۳/۳۳۰)۔

رہتے تھے اور انہیں اپنے ہاتھ اور زبان سے روکنے کی کوشش بھی کرتے۔ حکمران طبقہ میں آپ کی آواز سنی جاتی تھی اور اپنے ساتھیوں پر مقدم اور بڑی فضیلت کے مالک تھے۔ علماء عارفین میں سے ایک تھے۔"

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"آپ بڑے فقیہ اور رہنما انسان تھے۔ عراق میں حنابلہ کے شیخ مانے جاتے تھے اور حکمران طبقہ میں آپ کا بڑا چرچا تھا اور آپ کا بہت ہی خیال رکھا جاتا تھا۔ آپ بات میں سچے؛ رزق حلال کھانے والے اور متقی انسان تھے۔"

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جامع العلوم اور زاہد تھے۔ اہل بدعت کے خلاف بہت ہی سخت تھے۔"

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"عالم و زاہد؛ فقیہ حنبلی؛ واعظ ...... آپ اہل بدعت و اہل معاصی کے خلاف بہت سخت تھے۔ آپ بڑی شان و شوکت والے تھے۔ چھوٹے اور بڑے آپ کی قدر کیا کرتے تھے۔"

زہد وتقوی:

امام بربہاری رحمہ اللہ زہد وتقوی میں خاص طور پر جانے جاتے تھے۔ ابو الحسن بن بشار نے ذکر کیا ہے کہ امام بربہاری رحمہ اللہ نے اپنے والد کی میراث سے اپنے آپ کو پاک رکھا جس کی مقدار ستر ہزار درہم تھی۔

امام ابو یعلی فرماتے ہیں:

"دین میں بہت سارے مقامات پر امام بربہاری رحمہ اللہ کے نوادر مجاہدات پائے جاتے ہیں۔"❶

اہل بدعت کے خلاف موقف:

امام بربہاری رحمہ اللہ اہل بدعت کے بہت سخت خلاف تھے۔ انہیں اپنے ہاتھ اور زبان سے روکتے تھے۔ واہل بدعت کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اہل سنت والجماعت کے منہج اور مسلک پر سختی سے کاربند رہے۔ آپ اس دین کو خالص رکھنے کے بڑے حریص تھے اور جو کچھ بھی اہل بدعت وخواہشات کے پجاری فرقوں نے اس میں اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے اس سے بہت دور رہنے والے تھے۔ جیسے جہمیت، اعتزال، اشعریت، تصوف، شیعیت اور رافضیت وغیرہ۔

آپ کے شاگرد:

* لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے علمی استفادہ کیا۔ آپ کے شاگردوں میں سے:

۱۔ امام ابو عبد اللہ بن عبید اللہ بن محمد العکبری ہیں؛ جو ابن بطہ کے نام سے مشہور ہیں۔ محرم ۳۸۷ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔"❷

❶ شرح السنة / صالح الفوزان ۸۔
❷ دیکھو: "العبر" (۲/ ۱۷۱) اور "السیر" (۱۶/ ۵۲۹)۔

۲۔ امام حکیم محمد بن احمد بن اسماعیل البغدادی؛ ابوالحسین بن سمعون۔ نصف ذی قعدہ ۳۸۷ ہجری میں انتقال ہوا۔ ❶

۳۔ احمد بن کامل بن خلف بن شجرہ ابوبکر، جو کہ اس کتاب کے راوی ہیں۔ ❷

۴۔ محمد بن محمد بن عثمان اُبوبکر۔ ❸

آزمائش و امتحان:

یہ بات پہلے گزارش کی جا چکی ہے کہ حکمران طبقہ میں آپ کی آواز سنی جاتی تھی۔ عام اور خاص لوگوں پر آپ کی ہیبت تھی۔ اس وجہ سے اہل بدعت آپ سے بہت ہی حسد رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے خلیفہ قاہر باللہ اور اس کے وزیر ابن مقلہ کے کان بھرنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ ۳۲۱ ہجری کو خلیفہ نے امام بربہاری رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ امام بربہاری رحمہ اللہ روپوش ہوگئے؛ اور آپ کے ساتھیوں کی ایک بہت بڑی تعداد پکڑی گئی۔ ان سب گرفتار شدگان کو بصرہ لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابن مقلہ سے یہ انتقام لیا کہ خلیفہ اس سے کسی بات پر بگڑ گیا، اور اسے وزارت سے معزول کردیا۔ ابن مقلہ بھاگ گیا، اور خلیفہ نے اس کے گھر کو آگ لگادی۔ اسی دوران قاہر باللہ کو بھی خلیفہ راضی نے بروز بدھ ۶ جمادی الآخرۃ ۳۲۲ ہجری کو معزول کر کے گرفتار کرلیا؛ اس کی آنکھوں میں سلایاں پھیر کر اسے اندھا کردیا گیا۔ اس کے بعد امام بربہاری رحمہ اللہ کی شان و شوکت بحال ہوگئی۔ حتی کہ ماہ صفر ۳۲۳ ہجری کو امام ابوعبداللہ بن عرفہ المعروف نفطویہ رحمہ اللہ کا جب انتقال ہوا تو امام بربہاری رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی نماز جنازہ میں بڑے بڑے لوگوں نے شرکت کی۔

وفات:

امام صاحب کی یہ شان و شوکت اہل بدعت کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اس لیے وہ خلیفہ راضی کے پاس چغل خوریاں کر کے آپ کے خلاف بھڑکانے لگے اور اپنی طرف سے من گھڑت باتیں بیان کرنے لگے۔ یہاں تک کہ خلیفہ قاہر باللہ نے ایک بار پھر امام بربہاری کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، اور آپ روپوش ہو گئے۔ اسی عالم میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ گھر کا خادم آپ کو غسل دیکر اکیلا ہی آپ پر نماز جنازہ پڑھنے لگا، تو گھر کی مالکن نے دیکھا کہ اس کے پیچھے سبز اور سفید کپڑوں والے کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔

جب نماز جنازہ ختم ہوگئی تو کوئی ایک بھی نظر نہ آیا۔ پھر آپ کو اسی گھر میں دفن کردیا گیا۔

اللہ تعالیٰ امام بربہاری رحمہ اللہ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے- آپ نے عقیدہ کی نشر و اشاعت میں بہت ہی تکلیفیں اٹھائیں۔ آپ اہل سنت والجماعت کے بے باک وکیل؛ جرأت مند ترجمان، اور گمراہیوں کے خلاف بہت ہی جری مردِ میدان تھے اور اہل بدعت کے خلاف سیسہ پلائی ہوئے دیوار ثابت ہوئے۔

---

❶ دیکھو: "العبر" (۲/ ۱۷۲) اور "السیر" (۱۶/ ۵۰۵)۔

❷ کتاب کے راوی اور ثقہ وعادل ہیں۔ دیکھیں: "میزان الاعتدال" ۱/ ۱٤۱، اور "السیر" (۱۳/ ۲۸۳)۔

❸ تاریخ بغداد (۳/ ۲۲۵) اور المیزان (٤/ ۲۸)۔

مقدمہ

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِلإِسْلَامِ ، وَمَنَّ عَلَيْنَا بِهِ ، وَأَخْرَجْنَا فِي خَيْرِ أُمَّةٍ ، فَنَسْأَلُهُ التَّوْفِيْقَ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى وَالْحِفْظَ مِمَّا يَكْرَهُ وَيَسْخَطُ .))

''تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت دی اور ہم پر اس کے ذریعہ سے احسان کیا اور ہمیں بہترین امت میں پیدا کیا۔ ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس چیز کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے اور اس چیز سے محفوظ رکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور ناراض ہوتا ہے۔

شرح: ...... یہ کتاب کا خطبہ ہے۔ آپ نے سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی کتاب کو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' سے شروع کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ اپنی تحریروں اور تقریروں کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے فرمایا کرتے تھے اور آپ کے بعد اہل علم سلف صالحین رحمہم اللہ کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ کہ وہ کتاب اللہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی کتابوں کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے '' الحمد للہ '' سے شروع کرتے ہیں۔

☆ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا معنی یہ ہے کہ: ''تمام تر تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کی تعریف اس کی ذات کی وجہ سے بھی کی جاتی ہے اور اس کے اسماء وصفات کی وجہ سے بھی اور اس کے افعال پر بھی وہ تعریف کا سزاوار ہے۔

حمد کا حقیقی مستحق کون؟

حمد کی تمام تر انواع واقسام اسی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ؛ وہی اس کا حقیقی مستحق ہے۔ اس لیے کہ تمام تر نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں۔ اللہ کے علاوہ جس کی بھی تعریف کی جائے گی ، وہ محدود ہوگی۔ اتنی ہی تعریف ہوگی جتنی اس سے بھلائی پیش آئی ہو۔ مگر مطلق اور کامل و شامل حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوگی۔ یہ بات جائز نہیں ہے کہ کوئی کہے: ''تمام تعریفیں فلاں کے لیے ہیں۔'' ایسا کہنا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہی زیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

''تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان رحم والا۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَo﴾

''اصل تعریف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور اجالا بنایا پھر بھی کافر اپنے مالک کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔''

حمد اور شکر میں فرق یہ ہے کہ حمد بغیر کسی وجہ کے بھی ہوسکتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ جب کہ شکر انعام یا عنایت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور شکر گزاری کسی بھی منعم (انعام کرنے والے) کی ہوسکتی ہے۔

رب العالمین کا معنی

مصنف کا قول: ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ رب کا معنی ہے مالک اور متصرف اور ''عالمین'' جمع ہے عالم کی۔ اس سے مراد تمام تر مخلوقات ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان تمام تر مخلوقات کا خالق و مالک، مدبر و متصرف ان تمام کا پالنہار اور معبود برحق ہے۔

اسلام کی نعمت

مصنف کا قول: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ))...... ''تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت دی۔'' اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

(المائدۃ: ۳)

''آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنا انعام مکمل کر دیا، اور تمہارے لیے دین اسلام کو چن لیا۔''

سو اسلام کی وجہ سے مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام تمام ہوا۔ اس پیرائے میں انسان کا یہ اعتراف ہے کہ اس کو اسلام کی طرف ہدایت کا ملنا یہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور فضل ہے۔ یہ اعتراف مومن اس وقت بھی کرے گا جب وہ جنت میں چلا جائے گا، فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾۔

''اور وہ کہیں گے: تمام تر تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی طرف ہدایت دی؛ اور ہم ہرگز یہ ہدایت پانے والے نہ تھے، اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا۔''

مصنف کا فرمان: ((وَمَنَّ عَلَيْنَا بِهٖ))...... ''اور اس کے ساتھ ہم پر احسان کیا۔''

یعنی اسلام اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ پر کسی انسان کے لیے کوئی چیز واجب نہیں۔ وہ جس کو جو کچھ بھی دیتا ہے، جیسے ایمان کی نعمت، صحت و عافیت، تندرستی و سلامتی، امن و امان رزق وغیرہ یہ سب کچھ اس کا **فضل** ہے۔

بہترین امت ہونے کا سبب

مصنف کا فرمان: ((وَأَخْرَجْنَا فِيْ خَيْرِ أُمَّةٍ)) ...... ''اور اس نے ہمیں بہترین امت میں پیدا کیا۔'' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ٥﴾

(آل عمران: ١١٠)

''لوگوں کے (فائدے اور صلاح) کے لیے جتنی امتیں پیدا ہوئیں ان سب میں تم بہتر ہو تم اچھا کام کرنے کا حکم دیتے ہو اور برے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ ایمان لاتے ہو اگر (تمھاری طرح) کتاب والے (یہود اور نصاریٰ) بھی ایمان لاتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا (اس دنیا کی حکومت اور دولت سے) ان میں تھوڑے تو ایمان دار ہیں اور اکثر نافرمان ہیں۔''

آیت مبارکہ میں ((كُنْتُمْ)) سے مسلمانوں کو خطاب ہے اور ((خَيْرَ أُمَّةٍ)) سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کی راہ پر چلنے والے لوگ خواہ ان کا تعلق کسی بھی زمانے یا جگہ سے ہو اور ((لِلنَّاسِ)) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا بہترین امت ہونا ان کی ذات تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ ان کے پاس جو خیر اور بھلائی ہے؛ وہ متعدی ہے۔ یعنی اسے وہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں، دین کی دعوت اور تعلیم دیتے ہیں؛ علم نشر کرتے ہیں، اور خود بہترین عمل کر کے دوسروں کے سامنے اس کا نمونہ بھی پیش کرتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں، اور لوگوں کی بھلائی پر حریص اور اس کے متمنی رہتے ہیں۔ وہ صرف اپنی ذات کی بھلائی و خیر خواہی کے لیے دنیا میں نہیں آئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دنیا میں نکالا ہے، تاکہ وہ لوگوں کے لیے بھی ایسے ہی بھلائی کریں؛ اور انہیں نفع پہنچائیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: ((فَنَسْأَلُهُ التَّوْفِيْقَ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى)) مراد یہ ہے کہ انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ذات اسے نیک عمل کرنے کی توفیق دے، اور دین پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ بھلے وہ حق بات کا جاننے والا، اس کا معتقد اور اس پر عمل کرنے والا ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ تمام تر توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: ((وَالْحِفْظَ مِمَّا يَكْرَهُ وَيَسْخُطُ .)) ...... ''اشارہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ نیک اعمال کی توفیق کے ساتھ ساتھ برائی اور شر سے بچنے کی دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔ یہی انبیاء کرام اور صالحین کی سنت رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی:

﴿وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ☆رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾

(ابراهيم: ٣٥_٣٦)

''اور مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پوجا سے بچا کر رکھ۔اے میرے مالک! ان بتوں نے بے شک بہت آدمیوں کو گمراہ کردیا ہے۔''

جناب رسول اکرم ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ وَطَاعَتِكَ .)) ❶

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین اور اطاعت پر ثابت رکھ۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اعمال و اقوال اور اعتقاد سے محفوظ رکھے جن سے وہ ناراض ہوتا ہو، اور ان اعمال کی توفیق دے جنہیں وہ پسند کرتا ہے، اور جن سے وہ محبت کرتا ہے۔

اسلام اور سنت

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((إِعْلَمُوْا اَنَّ الْاِسْلَامَ هُوَ السُّنَّةُ ، وَالسُّنَّةُ هُوَ الْاِسْلَامُ ، وَلَا يَقُوْمُ أَحَدُهُمَا إِلَّا بِالْآخِرِ .))

''جان لیجیے کہ اسلام ہی سنت ہے، اور سنت ہی اسلام ہے۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔''

شرح:......(مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان):((اعلم)):''جان لیجیے۔ یہ لفظ کسی بھی پیرائے کے شروع میں لایا جاتا ہے۔ اس سے مقصود بعد میں آنے والے حکم کی طرف متوجہ کرنا دھیان دلانا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی یہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ٥﴾ (المائدة: ٩٨)

''جانے رہو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے۔''

(مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان):[اسلام ہی سنت ہے......] یہاں سے اسلام کے معانی و مفہوم کا بیان شروع کیا جارہا ہے۔ اسلام اپنے عام معانی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے اور اسلام کا اطلاق توحید پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ (آل عمران: ١٩)

❶ صحيح، أخرجه الترمذى ٢١٤٠، وابن ماجه ٣٨٣٤؛ والحاكم فى المستدرك ١٩٢٧ـ وقال الألبانى: صحيح ـ صحيح الجامع ٧٩٨٧ـ

''بیشک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

سنت کا معنی اور اطلاق

عربی زبان میں سنت طریقہ کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾

(النساء: ٢٦)

''اللہ چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے اور تمہیں اگلے لوگوں کے طریقے بتائے۔''

مصنف رحمہ اللہ نے اس مختصر سے جملہ میں سنت کا معنی بیان کیا ہے۔ سلف صالحین کی عادت تھی کہ وہ تعریفات کو انتہائی مختصر الفاظ میں بیان کیا کرتے تھے۔ پہلی تین صدیوں تک علمائے سلف کی یہی عادت رہی۔ ان میں بلا وجہ تکلف نہیں ہوتا تھا۔ وہ انتہائی بلیغ عبارت کے مختصر اور شرعی الفاظ پر توجہ دیتے تھے۔ وہ تکلف میں نہیں پڑتے تھے کہ اس سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ تقریباً یہی راہ یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے۔ یعنی اسلام وہ دین ہے جس کے اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت میں اسے مشروع ٹھہرایا ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی شریعت لے کر آئے تھے۔ کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اس لحاظ سے اسلام ہی سنت ہے، اور سنت ہی اسلام ہے۔ اسلام اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اسے مان نہ لیں۔ ایسے ہی اسلام سنت پر عمل کیے بغیر پورا نہیں ہوسکتا۔ یہ تعریف اسلام کے بڑے جامع اور اہم معانی میں سے ہے۔ سنت کے باقی اصطلاحی معانی اسی سے نکلتے ہیں، اور ان سے مقصود سنت پر عمل کرنا اور اسے اپنانا ہے۔

سنت کے اصطلاحی معانی

سنت کے اصطلاحی معانی بہت سے ہیں؛ ان اصطلاحی معانی میں سے:

۱۔ اسلام: یہ سنت کا سب سے پہلا اصطلاحی معنی ہے جیسا کہ امام بربہاری رحمہ اللہ نے یہاں پر بیان کیا ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، اسے جملہ طور پر ماننا، اور اس کی تصدیق کرنا، اور اس کے تقاضوں کے مطابق حتی الامکان عمل کرنا۔

۲۔ قرآن کے مقابل سنت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ سنت شریعت کا دوسرا اہم ترین مصدر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ.))[1]

---

[1] مسلم؛ باب: حجة النبي صلی اللہ علیہ وسلم ۲۱۸

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تم ہرگز گمراہ نہیں ہوں گے، وہ ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سنت کو قرآن کے بعد شریعت کا ایک مصدر قرار دیا ہے۔

۳۔ ہر وہ چیز جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو، خواہ آپ کا قول ہو یا فعل، یا تقریر، یا آپ کا اخلاقی اور پیدائشی وصف؛ محدثین کے ہاں یہ سنت کہلاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ، تَمَسَّكُوا بِهَا ؛ وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ؛ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) ❶

''تم پر میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کا طریقہ اپنانا لازم ہے۔ اسے مضبوطی سے تھام لو؛ اور اپنی داڑھ کے دانتوں سے پکڑ لو اور نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچو، بیشک (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

۴۔ سنت کا اطلاق بدعت کے مقابل پر ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: یہ سنت ہے اور یہ بدعت ہے۔ یعنی جس کی مشروعیت کی کوئی شرعی دلیل موجود ہو وہ سنت ہے، اور جس چیز کو لوگ بغیر کسی شرعی دلیل کے دین سمجھ کر ایجاد کر لیں وہ بدعت ہے۔

۵۔ سلف صالحین کے منہج اور ان کے علم و عمل پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔

۶۔ تشریع اور احکام کے لحاظ سے نفل کے مقابل پر سنت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: ''ہذہ سنۃ۔'' یعنی لیس بفرض۔ ''یہ سنت ہے، یعنی فرض نہیں ہے؛ اور نہ ہی واجب ہے اور نہ ہی نفل ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((إن الله فرض عليكم صيام رمضان و سننت لكم قيامه)) ❷

''بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کیے ہیں؛ اور میں نے اس کا قیام تمہارے لیے سنت بنایا ہے۔''

۷۔ فرض سے کم اور مستحب پر بھی سنت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(مصنف رحمہ اللہ کا فرمان): (اور سنت ہی اسلام ہے......) اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام اور سنت دونوں ایک ہی چیز ہیں، ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔'' اس لیے کہ قرآن و سنت آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ سنت مطلق راہ - راہِ خیر - کو بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ مسند أحمد : ٤/ ١٢٦؛١٢٧۔ سنن أبي داؤد ، كتاب السنة ، ح : ٤٦٠٧۔ سنن الترمذي كتاب العلم ، ح : ٢٦٧٦؛ سنن ابن ملجة ح : ٤٢۔

❷ ابن ماجة ، باب ما جاء في قيام رمضان ، صحيح۔ انظر : السلسلة الصحيحة للألباني برقم ١٠٩١۔

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ٥﴾ (النساء: ٢٦)

''اللہ چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے اور تمہیں اگلے لوگوں کے طریقے بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو ایمان کے لیے بنیادی شرط قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥﴾ (النساء: ٦٥)

''تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اُس سے اپنے دل میں حرج محسوس نہ کریں بلکہ اُس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔''

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں؛ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا وَإِنِّي أُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ ، أَلَا وَ إِنِّي أُوتِيْتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَهُ ؛......)) ❶

''آگاہ ہو جاؤ مجھے کتاب اور اس کے ساتھ اس جیسی چیز دی گئی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ مجھے قرآن اور اس جیسی چیز دی گئی ہے......''

سو جو آدمی اسلام کا دعویٰ کرتا ہو، اور سنت پر عمل نہ کرتا ہو، وہ مسلمان ہی نہیں ہے اور جو انسان سنت کو جانتا ہے، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرتا ہو، اور نہ ہی سنت پر عمل کرتا ہو، تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ہونے کے لیے کتاب وسنت دونوں پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ کتاب وسنت میں کسی طرح بھی تفریق نہیں کی جا سکتی۔

جماعت کی اہمیت

۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فمن السنة لزوم الجماعة؛ فمن رغب عن الجماعة وفارقها فقد خلع رِبقةَ الإسلام من عنقه ؛ وكان ضالًا مضلًا .))

''اور سنت میں سے ہے کہ جماعت کو لازم پکڑا جائے۔ اور جو کوئی جماعت سے بے رغبتی کرے اور اس سے جدا ہو جائے، تو یقیناً اس نے اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے اتار پھینکا۔ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا بن گیا۔

❶ صحیح ؛ أحمد ٤/ ١٣٠ - ١٣١ ۔ أبو داؤد ٤٦٠٤ ۔ والترمذی ٢٦٦٤ ۔ مختصر الشریعه ص ٤٣ ۔ رواه عبدالرزاق في المصنف ۹۷۔

شرح: ......سنت کی کئی اقسام ہیں۔ان میں سے ایک قسم جماعت کے ساتھ مربوط رہنا ہے۔ یہاں پر جماعت سے مراد مسلمانوں کی وہ جماعت ہے جو حق پر قائم ہو۔ رہ گئی وہ جماعتیں جو حق پر نہیں ہیں، وہ گروہ اور دھڑے ہیں۔ بھلے ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ بڑھ جائے،ان کا اثر ورسوخ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔مگر جب تک وہ حق پر نہیں ہیں ،انہیں جماعت نہیں کہا جاسکتا۔کیونکہ جماعت کے لیے حق پر ہونا ضروری ہے۔

جماعت کو لازم پکڑنے کے دلائل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: (سنت میں سے ہے کہ جماعت کو لازم پکڑا جائے......):یعنی جماعت کے ساتھ تعلق اور ربط ،اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے انعامات میں سے ہے۔جس کا مظہر اُتحاد واتفاق کی صورت میں سامنے آتا ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جماعت کے ساتھ منسلک رہنے کا حکم دیا ہے،اورتفرقہ بازی سے منع کیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (آل عمران : ١٠٢)

''اورسب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اُس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُس سے بچالیا۔اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''

ایک حدیث میں ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عليكم بالجماعة؛ وإياكم و الفرقة؛ فإن الشيطان مع الواحد ، وهو مع الإثنين أبعد؛ من أراد بحبوحة الجنة فليلزم الجماعة)) ❶

''تم پر جماعت کے ساتھ منسلک رہنا واجب ہے،اور اپنے آپ کو تفرقہ بازی سے بچاؤ۔ بیشک شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے،اور وہ دو سے زیادہ دور ہوتا ہے اور جو کوئی جنت کی خوشبو پانا چاہے اسے چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فإن يد الله على الجماعة)) ❷

---

❶ أرواء الغليل ٦/٢١٥؛ الجامع الصغير؛ ح: ٤٣١١۔ قال الألباني صحيح، أنظر: صحيح الجامع برقم: ٢٥٤٦۔ضلال الجنة ١/٣٥۔

❷ الجامع الصغير؛ ح: ٢٧٢٩۔ قال الألباني صحيح، أنظر: صحيح الجامع برقم: ١٨٤٨٦۔ضلال الجنة ١/٣٣۔

''اس لیے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔''

جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو فتنے اورگروہ بندیاں واقع ہونے کی خبر دی تو انہوں نے پوچھا: اگر میں ان حالات کو پالوں تو آپ مجھے کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أن تلزم جماعة المسلمين و إمامهم-قلت : فإن لم يكن لهم جماعة و لا إمام؟ قال: فاعتزل تلك الفرق كلها؛ ولو أن تعض بأصل شجرة حتى يدركك الموت)) ❶

''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کی ہمراہی کو اپنے لیے لازم کرلو۔'' میں نے کہا: ''اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت یا امام نہ ہو (تو پھر کیا کروں)؟ ۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان تمام فرقوں سے بچ کر رہو، اگر چہ درخت کی جڑوں کو اپنی داڑھوں سے بھی پکڑو، یہاں تک کہ تمہیں (اسی حالت میں) موت آجائے۔''

جماعت کے بنیادی اصول

اس حدیث کی بنیاد پر جماعت کے لیے دو بنیادی اکائیاں ہیں:

۱۔ یہ کہ جماعت کا منہج کتاب وسنت پر مبنی ہو نہ کہ لوگوں کی آراء اور قیاسات پر۔

۲۔ یہ کہ اس مسلمان جماعت کا امام ہو، جو ان کی قیادت اور رہنمائی کرے؛ اور جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو۔ اس لیے کہ جماعت کا اکٹھا ہونا امام کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں کے لیے امام (اکبر یعنی حاکم) نہ ہو تو پھر ان تمام فرقوں سے دور رہو (بھلے وہ اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہوں، اور انہوں نے اپنی اپنی جماعتیں بنا کر ان کے امراء بھی مقرر کر رکھے ہوں، اس صورت میں یہ تمام لوگ فرقے کہلائیں گے، ان پر جماعت کا اطلاق نہیں ہوسکتا؛ اور ان سے علیحدہ ہونے والے کے لیے کوئی وعید نہیں ہے، بلکہ از روئے حدیث ان سے علیحدہ ہونا واجب ہو جاتا ہے- دراوی جی عفی اللہ عنہ-)

تفرقہ بازی کی مذمت

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جو کوئی جماعت سے بے رغبتی کرے اور اس سے جدا ہو......):

اللہ تعالیٰ نے جہاں ہمیں حق بات پر قائم رہتے ہوئے جماعت کے ساتھ منسلک رہنے کا حکم دیا ہے، وہیں پر تفرقہ بازی سے منع کیا ہے؛ اور اس کی قباحت بیان کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو اس تفرقہ بازی کی وجہ سے لوگوں کا کام تمام کردیا گیا ہوتا؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

❶ متفق عليه۔ رواه البخاري ؛ باب : كيف الأمر إذا لم تكن لهم الجماعة؛ ح: ٣٤١١؛ ومسلم كتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن؛ ح: ١٨٤٧۔

﴿وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ﴾

(الشوری: ١٤)

''اور یہ لوگ جو الگ الگ ہوئے ہیں تو علم (حق) آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے (ہوئے ہیں) اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر تک کے لیے بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور جو لوگ ان کے بعد (اللہ کی) کتاب کے وارث ہوئے وہ اس (کی طرف) سے شبہے کی الجھن میں (پھنسے ہوئے) ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((إن اللّٰه يرضى لكم ثلاثاً ويكره لكم ثلاثاً ـ أن تعبدوه و لا تشركوا به شيئاً، وأن تعتصموا بحبل الله جميعاً، ولا تفرقوا)) ❶

''یقیناً اللہ تعالیٰ تین کاموں سے تم پر راضی ہوتا ہے، اور تین کاموں کو تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے۔ (جو کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، ان میں سے): یہ کہ تم اس کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو، اور آپس میں اختلاف نہ کرو۔''

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

((من فارق الجماعة قيد شبر، فقد ربقة الإسلام من عنقه)) ❷

''جو جماعت سے ایک بالشت کے برابر بھی علیحدہ ہوا، اس نے اپنی گردن سے اسلام کا طوق اتار دیا۔''

جماعتِ حق سے علیحدہ ہونے والوں کے لیے یہ بہت ہی سخت وعید ہے۔ اگر یہ علیحدگی عقیدہ میں ہو، اس طرح سے کہ غیر اللہ کی بندگی کی جائے تو پھر یہ کفر ہے، اس کا انجام خطرناک ہے۔

اگر عقیدہ میں ان سے دوری نہ ہو، دیگر اعمال میں ہو؛ تو پھر بھی نری گمراہی ہے۔ خواہ جو بھی حالت ہو جماعت سے علیحدہ ہونے میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہے۔

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے مکہ مکرمہ میں نماز ظہر کی امامت کرائی اور پھر کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے، اور فرمایا: ''بیشک رسول اللہ ﷺ ہم میں کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''لوگو خبردار ہو جاؤ! تم سے پہلے اہل کتاب بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ امت عنقریب تہتر فرقوں میں

---

❶ موطأ إمام مالك ، باب ماجاء في إضاعة المال و ذي الوجهين ح: ١٧٩٦ ـ مسلم : باب النهي عن كثرة المسألة ؛ ح: ١٧١٥ ـ

❷ صحيح ، أخرجه الترمذي (٢٨٦٣) ؛ أحمد (٤/ ١٣٠) والحاكم (٤٠٤)۔

بٹ جائے گی؛ یہ بہتر فرقے جہنمی ہوں گے، صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، اور وہی لوگ جماعت ہیں۔'' ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' جو کوئی جنت کی خوشبو پانا چاہتا ہو؛ اسے چاہیے کہ جماعت سے منسلک رہے۔ اس لیے کہ شیطان ایک کے ساتھ ہے، اور دو سے وہ دور رہتا ہے۔'' ❷

جماعت سے کیا مراد ہے؟

سنت کی بنیادوں میں سے ایک جماعت کے ساتھ منسلک رہنا ہے۔ اس لیے کہ سنت اپنے وسیع تر معانی اور مفاہیم میں اس وقت تک درست طور پر ثابت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس طرح سے اس کی تطبیق ممکن ہے، جب تک کہ جماعت کو لازم نہ پکڑا جائے۔

جماعت سے مراد اپنے عام معانی میں: اہل حق کی جماعت ہے؛ جن کا منہج کتاب و سنت ہو۔ کہ قول و عمل، اور اعتقاد میں ان سے منسلک رہا جائے اور ان کے نقش قدم پر چلا جائے۔

امت کی عمومی مصلحت کے لیے جماعت سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی امام -حکمران- پر جمع ہو جائیں؛ یا کسی حق بات پر جمع ہو جائیں؛ ہدایت یافتہ جماعت وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی راہ پر قائم ہو۔

جماعت کا معنی

جماعت کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے؛ ان میں سے:

۱۔ جماعت سے مراد اپنے زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی راہ پر چلنا کامیابی کی ضمانت ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں تفرقہ والی حدیث کے آخر میں حق جماعت کی نشاندھی کرتے ہوئے فرمایا تھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون ہوں گے؟ فرمایا:

''وہ اس راہ پر چلنے والے ہوں گے، جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں'' ❸

اس سے مراد یہ ہے کہ جس اساس پر جماعت کی بنیاد رکھی جاتی ہے وہ سنت اور اتباع کا التزام کیا جائے۔ یعنی جماعت فقط دعوی کا نام نہیں ہے؛ اس کے لیے سنت کا اور ہدایت یافتہ ائمہ کا اتباع ضروری ہے۔

یہی لوگ مسلمانوں کی جماعت کے پہلے مثالی اور قابل پیروی لوگ ہیں اور ان کے ساتھ لازم رہنا، یعنی ان کے عقیدہ، قول اور عمل کو اپنے لیے کافی سمجھنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

---

❶ یہ حدیث مجموعی طرق روایت کے اعتبار سے صحیح ہے؛ اسے امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں نقل کیا ہے، ح: ۲۹؛ احمد ٤/ ۱۰۲؛ أبو داؤد ٤٥٩٧۔ الدارمی ۲٥٦۔ مختصر الشریعة للآجری ص ۲٦۔

❷ رواہ الترمذي [۲۱٦٥] صححه الألباني سلسله صحیحه [۱۱۱٦]۔

❸ یہ حدیث حسن ہے، اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، کتاب الإیمان باب ماجاء في افتراق هذه الأمة (٥/ ۲٦) تفصیل کیلیے دیکھیں: پیراگراف نمبر ۹٥۔

۲۔ جماعت کا اطلاق ان ائمہ ہدایت پر ہوتا ہے جن کی بات مانی جاتی ہے -یعنی ائمہ اہل سنت والجماعت - یہی لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اس جماعت میں سب سے پہلے درجہ میں شمار ہوتے ہیں اور صفِ اول کے لوگ مانے جاتے ہیں۔

۳۔ جماعت سے مراد: سنت اور حق پر اجتماع ہے۔ یہ اجتماع کبھی حسی ہوتا ہے اور کبھی اعتباری اور کبھی حسی اور اعتباری۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کبھی غربتِ اسلام کے دور میں لوگ کسی سنت پر جمع رہتے ہیں اور اسے مضبوطی سے اپنائے رکھتے ہیں؛ اگر چہ ان کے جسم اور وطن دور دور بھی ہوں۔ انہیں سنت پر جمع ہونے کی وجہ سے جماعت کہا جاتا ہے۔

۴۔ جماعت سے مراد عمومِ مسلمین ہیں۔ جو ہمیشہ اصل اسلام پر قائم رہتے ہیں اور جب امت مشکلات اور پریشانیوں کا شکار ہو، ان حالات میں سنت رسول اللہ ﷺ کو سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ یہی لوگ جب تک حق پر رہیں گے، جماعت ہی کہلائیں گے۔ اگر چہ ان سے بعض ایسی غلطیاں (گناہوں کے کام) بھی ہوں، جن کی وجہ سے انہیں دائرہ اسلام - اہلِ سنت والجماعت - سے خارج نہ کیا جاسکتا ہو۔ اگر چہ ان میں سے کسی ایک سے ایسی بدعت کا ارتکاب بھی ہو جائے جو کفر تک لے کر جانے والی نہ ہو، تو اسے جماعت میں ہی شمار کیا جائے گا۔ ہاں جب قصداً بدعت کا ارتکاب کرے، اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت بھی دے، اس وقت اسے جماعت سے خارج کہا اور تصور کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس نے عموم جماعتِ مسلمین کی مخالفت کی ہے۔ حق پر قائم رہنے والے یہی وہ لوگ ہیں جنہیں سوادِ اعظم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ ان لوگوں کے ساتھ مشروط ہے جو حق پر قائم ہوں۔ خواہ یہ حکمران ہوں، یا علماء اور سردار اور بڑے ذمہ دار لوگ، یا عوام الناس - سب وہ جماعت ہی تصور ہونگے جس کے ساتھ منسلک رہنے کا حکم آیا ہے۔

۵۔ جماعت کا اطلاق ولایت -حکومت- پر ہوتا ہے، جس کا تعلق حاکم یا سلطان سے ہے اور اس کا اطلاق اہل حق پر بھی کیا جاتا ہے اور اہل حل وعقد کو بھی جماعت کہا جاتا ہے اور ان میں سرفہرست والیانِ حکومت اور حضرات علمائے کرام ہیں اور پھر وہ لوگ بھی اس میں شامل ہیں جن کا امت (کے لوگوں) میں اثر رسوخ ہو۔ اس لحاظ سے کہ ان کی ذمہ داریاں ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے: فوجی جرنیل، لشکروں کے سالار اور قائدین، قبیلوں کے سردار اور بڑے؛ وزراء اور انتظامیہ کے لوگ؛ اہل رائے اور مشورہ، جن کے مشورے امت کی مصلحت میں ہوں؛ یہ سبھی جماعت میں شامل ہیں۔ اگر چہ وہ استقامت پر نہ بھی ہوں۔ لیکن وہ اہل حل وعقد میں داخل ہوں، اور آزمائشوں اور پریشانیوں کے وقت ان پر جماعت کا نام صادق آتا ہوتو یہ بھی جماعت میں داخل ہوں گے۔ اہل سنت والجماعت جب احادیث رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ہمیں اہل حق علماء، امراء اور سلاطین کے ساتھ ملتزم رہنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس معنی میں جماعت سے خارج ہونے سے منع کیا ہے؛ خواہ امراء اور سلاطین میں غلطیاں اور کوتاہیاں ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ جماعت کے ساتھ منسلک رہنے میں

خیر و بھلائی کی نصرت؛ اور شر و فساد کا خاتمہ ہے۔ اور ان سے علیحدہ ہو جانے میں دین اور دنیا کا فساد اور آپس میں تفریق ہے؛ یہ چیز دین کے قواعد اور مقاصد شرع کے خلاف ہے۔ اس بنا پر اہل حل وعقد بہت سارے حالات میں اس جماعت میں داخل ہیں۔ ہر حال میں نہیں۔ جب امت کو اہل حق عادل اور امین حکمران بھی میسر آ جائے، اور علماء راسخین بھی ان کی رہبری کر رہے ہوں؛ تو اس وقت جماعت میں یہ تمام لوگ شامل ہوں گے، اور جماعت کے پورے معانی پائے جائیں گے۔ الا یہ کہ خلافت اور ولایت کی شروط میں کمی پائی جائے، اور امت میں بھی نقص اور تقصیر موجود ہو؛ تو اس وقت امت پر واجب ہو جاتا ہے کہ کم سے کم جس چیز پر اکھٹے ہو سکتے ہوں، اس کی طرف رجوع کریں۔ سو اس وقت بھی جو ان اہل حق کے ساتھ رہے گا وہ اس جماعت میں داخل رہے گا، اور جو ان سے علیحدہ ہوگا، اس کا شمار جماعت میں پھوٹ ڈالنے والوں میں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے؛ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((ثَـلَاثٌ لَا يَـغِـلُّ عَـلَيْهِـنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ ، وَ مَنَاصِحَةُ وَلَاةِ الْأَمْرِ ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ)) [1]

''تین امور ایسے ہیں کہ کسی مسلمان کا دل ان کے بارے میں خیانت (و بغض اور شر) میں مبتلا نہیں ہوتا؛ اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص فی العمل (اخلاص للہ) حکام کی خیر خواہی اور (مسلمانوں کی) جماعت کے ساتھ رہنا۔''

۶۔ اس سے مراد لوگوں کا ایک گروہ ہے جو کسی ایک مصلحت پر جمع ہوں، خواہ یہ مصلحت دینی ہو، جیسے مسجد کی جماعت، محلہ کی جماعت، اہل احتساب کی جماعت؛ اہل جہاد کی جماعت؛ یہ سب جماعت ہی شمار ہوں گے اور ان کے شرعی حقوق ہیں۔ خواہ یہ مصلحت دنیاوی ہو؛ جیسے سفر وغیرہ میں جماعت کا امیر بنانا۔ اس امیر کی اطاعت سے خارج ہونے اور جماعت کو چھوڑ دینے میں بھی گناہ ہے، مگر یہ گناہ اس جیسا نہیں جو شرعی مسئلہ پر جماعت سے علیحدہ ہونے میں ہے۔ جیسے کہ انسان مسجد میں نماز با جماعت چھوڑ کر گھر پر نماز پڑھنا شروع کر دے۔

جماعت کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ کبھی تو جماعت سے نکلنے میں اسلام سے نکلنا لازم نہیں آتا اور کبھی اسلام سے نکلنا بھی لازم آ جاتا ہے، جیسا کہ پہلی چار صورتوں میں ذکر ہو چکا۔

اس پیرائے کے آخر میں مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((وکان ضالا مضلا)) ''وہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا بن گیا۔'' یعنی جماعت سے علیحدگی اور دوری کی وجہ سے خود تو گمراہ تھا، مگر جو کوئی اس کی پیروی کرے گا، اور اس کے پیچھے چلے، اسے بھی گمراہ کر دے گا۔ یہ مسلمانوں کی راہ سے دور ہونے کی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] مسند احمد ٤/ ٨٠ و ابن ماجه: ٣٠٥٦۔ وفي المقدمة لسنن ابن ماجة، ح: ٢٣٠: من حديث زيد بن ثابت۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة، ح: ٤٠٣۔

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ١١٥)

''اور جو کوئی سچی راہ کھل جانے کے بعد (یعنی پیغمبر کی پیغمبری معلوم ہو جانے کے بعد) پھر پیغمبر کا خلاف کرے اور مسلمانوں کے رستہ کے سوا دوسرا رستہ لے ہم اس کو اسی راہ پر چلنے دیں گے (اسی حال پر چھوڑ دیں گے) اور (آخرت میں) اس کو درزخ میں لے جا کر ڈال دیں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔''

سو واجب یہ ہے کہ انسان مؤمنین کی راہ پر چلتا رہے، اور ان سے علیحدہ نہ ہو۔

جماعت کی بنیاد کس چیز پر ہے؟

۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والأساس الذي تُبنى عليه الجماعة وهم أصحاب محمد ﷺ و-رحمهم الله أجمعين-[رضي الله عنهم] - وهم أهل السنة والجماعة ؛ فمن لم يأخذ عنهم؛ فقد ضل وابتدع؛ وكل بدعة ضلالة؛ والضلالة وأهلها في النار .))

''اور وہ بنیاد جس پر جماعت کو قائم کیا جاتا ہے وہ محمد ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں1۔ وہی اصل اہل سنت والجماعت ہیں اور جو کوئی (دین کو) ان سے نہیں لیتا؛ وہ حقیقت میں گمراہ اور بدعتی ہو گیا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی اور اس پر چلنے والے سب جہنمی ہیں۔''

اہل سنت والجماعت کا منہج

شرح: ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ اہلِ سنت والجماعت کا سادہ اور سچا منہج بیان کر رہے ہیں۔ حاصل کلام اور خلاصہ یہ ہے کہ جس اساس پر جماعت کی بنیاد رکھی جاتی ہے وہ سنت اور اتباع کا التزام ہے۔ یعنی جماعت فقط دعوی کا نام نہیں ہے۔ اس کے لیے سنت کا اور ہدایت یافتہ ائمہ کا اتباع ضروری ہے۔ یہی وہ دین ہے کہ جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاربند تھے اور ان کے بعد آنے والے خیر القرون کے لوگ جو کہ اس پر چلتے رہے اور ان کے بعد آنے والے جنہوں نے اپنے متقدمین کی پیروی کی۔ ان سب کے کامیاب ہونے کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اور ان سے اپنی رضا مندی کا اظہار کیا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبة: ١٠٠)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے اوّل ہجرت کی اور پہلے اسلام لائے اور جنھوں نے نیکی کے

ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (اللہ ان سے خوش وہ اللہ سے خوش) اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔''

متاخر کو چاہیے کہ وہ متقدمین اہل حق و اہل خیر کی پیروی کرے۔ بھلے ان کے درمیان کتنا طویل زمانہ ہی کیوں نہ ہو اور چاہے یہ پیروی و اتباع عقیدہ و عمل کے لحاظ سے؛ یا احکام و عبادات کے لحاظ سے؛ یا اخلاقیات و معاملات کے لحاظ سے؛ ہر معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ کی اتباع لازم ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے نبی کریم ﷺ کی صحبت اور آپ کا پیغام دنیا بھر میں پھیلانے کے لیے چن لیا تھا۔ انہوں نے وحی کے نازل ہونے کا قریب سے مشاہدہ کیا اور اس کے معانی و مفاہیم، تفسیر و تشریح کو رسالت کی زبان سے سنا اور سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو قیامت تک آنے والوں کے لیے نمونہء ہدایت بنا دیا، اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی راہ کو مثالی راہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ﴾ (البقرة: ۱۳۷)

''اگر وہ - آنے والے - اس طرح کا ایمان لے آئیں جس طرح کا ایمان تم لائے ہو، تو یقیناً وہ ہدایت پالیں گے۔''

۲۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''بیشک تم بہترین امت ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس آیت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت کے سب سے پہلے مخاطبین کے بہترین لوگ ہونے کی گواہی دی ہے اور یہ کہ اصحاب محمد ﷺ (مہاجرین و انصار) صرف خود ہی بہتر لوگ نہیں تھے، بلکہ اس بھلائی اور بہتری کے داعی اور پیامبر بھی تھے جو تمام لوگوں کو اس کی دعوت دیتے تھے۔

۳۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ (يوسف: ۱۰۸)

''کہہ دو کہ میرا رستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے

نہیں ہوں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے پیروکاروں کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ یقین وکامل اعتماد اور بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہے ہیں۔ اس لیے ان کی اتباع کرنا واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ یقین وبصیرت کے ساتھ حق کی دعوت دینے والے ہوں، وہی لوگ حق کو زیادہ اچھی طرح جانتے بھی ہیں۔ جب وہ حق کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروکاری کرنے والے ہیں تو وہ خود بھی واجب الاتباع ٹھہرے۔

۴۔ سنت سے دلیل: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((فَعَلَيْكُم بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ، تَمَسَّكُوا بِهَا ؛ وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ؛ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ......)) ❶

"تم پر میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کا طریقہ اپنانا لازم ہے؛ اسے مضبوطی سے تھام لو؛ اور اپنی داڑھ کے دانتوں سے پکڑ لو اور نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچو، بیشک (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

اس حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خلفاء راشدین کی سنت کو اپنی سنت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے اور ان کی اتباع کو اپنی اتباع کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور پھر اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ اس کو ہم مضبوطی سے پکڑے رہیں۔

اصلی اہل سنت والجماعت

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: [وہی اصل اہل سنت والجماعت ہیں] سے مراد اصحاب محمد ﷺ اور ان کے بعد آنے والے وہ لوگ ہیں جو بھلے طریقہ سے ان کی راہ پر چلتے رہے۔ یعنی کتاب وسنت کی پیروی کرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کی طرف دیکھا، ان دلوں میں سب سے بہتر دل محمد ﷺ کا پایا تو ان کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اس کے بعد پھر اپنے بندوں کے دلوں میں دیکھا تو محمد ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو سب سے بہتر پایا، توان کو اپنے نبی کریم ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی نصرت ومدد کے لیے چن لیا۔" ❷

---

❶ مسند أحمد : ٤/ ١٢٦؛ ١٢٧۔ سنن أبي داؤد ، كتاب السنة ، ح : ٤٦٠٧۔ سنن الترمذي كتاب العلم ، ح : ٢٦٧٦۔ سنن ابن ماجة ح : ٤٢۔

❷ مسند أحمد : ١/ ٣٧٩۔ مسند أبو داؤد طيالسي ، رقم : ٢٤٣ ۔

اس اثر سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جن دلوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بہترین ہونے کا فیصلہ کرلیا ہو اور وہ حق پانے سے رہ جائیں اور ان کے بعد کے لوگ حق پا کر کامیاب ہو جائیں ؛ یہ محض احمقانہ سوچ اور بد نیتی اور حسد پر مبنی بات ہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

''اگر کوئی کسی راہ پر چلنا چاہتا ہو تو وہ محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ کو اپنے لیے راہنما بنائے ۔ وہ لوگ اس امت کے پاکیزہ ترین دلوں والے تھے، علم میں بہت گہرے اور بہت کم تکلف برتنے والے ؛ ہدایت پر بڑے پختہ ترین ، اور اچھے حال والوں میں سے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی صحبت ومحبت اور اپنے دین کی نصرت کے لیے چن لیا تھا۔ ان کے فضائل کو جانیں ، اور ان کی راہ پر چلیں ، بیشک یہ لوگ صحیح حق اور صراط مستقیم پر تھے۔'' ❶

سو وہ لوگ جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ، اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں ؛ اور گالیاں دیتے ہیں ، وہ حقیقت میں چاہتے یہ ہیں کہ وہ کس طرح اسلام کی بنیاد کو منہدم کردیں ۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں کلام کرنے اور ان کی شان میں تنقیص کرنے سے ان کی قدر و قیمت گر جاتی ہے۔ پھر اس صورت میں ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین کوئی واسطہ نہیں رہ جاتا۔ اور یہی ان لوگوں کی چاہت ہے کہ سابقین اولین کے ساتھ ہمارا تعلق اور واسطہ ختم کردیں۔ تاکہ امت گمراہ ہو جائے۔ اگر ایسے نہ ہو تو پھر وہ کون سا سبب ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ آج بھی صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں ، اور انہیں گالی دیتے ہیں ۔

بدعت کی حقیت اور انجام

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان : (اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔ عموم حدیث سے استدلال ہے جو کہ ہر قسم کی بدعت کو شامل ہے ۔ بدعت عبادات ، اعتقادات اور اقوال میں سے ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں موجود نہ ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے :

((من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد)) ❷

''جس نے ہمارے اس کام (یعنی دین) میں نئی چیز داخل کی ، جو اس دین میں نہیں تھی ، وہ مردود ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إياكم و محدثات الأمور ، فإن كل محدثة بدعة؛ و كل بدعة ضلالة)) ❸

''اپنے آپ کو (دین میں) نئی ایجاد سے بچاؤ ؛ بیشک ہر نئی ایجاد کردہ شے بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

---

❶ التمهيد لابن عبد البر ٢ / ٩٦۔ ❷ بخاری ٢٥٥٠ ۔ مسلم ١٧١٨۔

❸ ابو داؤد ٤٦٠٧ ؛ الترمذی ٢٦٧٦ ۔ صحیح

اللہ تعالیٰ کا دین مکمل ہو چکا ہے؛ اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ صرف بدعت اور سنت کی پہچان کر اور حق کی معرفت حاصل کرنے کے لیے دین کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ تاکہ انسان برائی سے بچ سکے اور بھلائی پر کاربند رہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: ((وکل بدعة ضلالة)) ''حدیث کا یہ جملہ کتابوں میں ایسے ہی ثابت ہے: ((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ)) [1]

حدیث میں تمام بدعات کو گمراہی کہا گیا ہے۔ اس میں کسی بدعتِ حسنہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ بدعت میں کبھی کوئی چیز حسن یا خیر و بھلائی کی ہو ہی نہیں سکتی۔

بعض علمائے کرام نے کہا ہے: بدعت ہر وہ چیز ہے جس کے کرنے کے اسباب تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں موجود تھے، مگر انہوں نے ایسے نہیں کیا؛ تو اب اس فعل کا کرنا بدعت ہے۔ خواہ یہ اعتقادی بدعت ہو عملی۔ ایسا کرنے کی وجہ ان مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے راہ نکالنا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں نہیں تھے، مگر بعد میں پیش آئے۔

بدعت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے متعلق اعتقاد ہو کہ ایسا کرنا سنت یا شریعت کا حصہ ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں، اور دین کی نصرت یا ضرورت کے لیے کوئی کام کیا جارہا ہے تو اسے بدعت نہیں کہا جائے گا۔ مثال کے طور پر: آذان کے لیے لاؤڈ سپیکر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ آذان دینے کے لیے آلہ تجہیر بالصوت (لاؤڈ سپیکر) کا ہونا ضروری ہے۔ مگر اس کا استعمال حق کی آواز کو دور تک پہنچانے کے لیے مددگار ہے۔ اس لیے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

دوسری مثال:...... بعض علاقوں میں آذان دینے سے پہلے ایک خاص قسم کا درود پڑھنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس پر بڑے بحث و مباحثے ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ درود بھی خود ساختہ ہے۔ اس کے مذکورہ الفاظ اپنی طرف سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ اس کے اسباب ہونے کے باوجود سلفِ صالحین میں سے کسی ایک نے بھی ایسے نہیں کیا، اور نہ ہی کتاب و سنت میں اس کی کوئی دلیل ہے۔ اب اسے سنت یا شریعت سمجھ کر پڑھنا بدعت ہے۔ فافہم

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (گمراہی اور اس پر چلنے والے سب جہنمی ہیں)۔

گمراہی والے یا تو اپنے کفر کی وجہ سے جہنم میں ہونگے یا پھر اپنے گناہوں کی وجہ سے۔ اس لیے کہ تمام بدعات ایک ہی درجہ میں برابر نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض بدعات ایسی ہیں جن کی وجہ سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور دین میں اس کا کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ جیسے: غیر اللہ سے (ما فوق الاسباب) مدد مانگنا، انہیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا۔ غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنا، یا غیر اللہ کی نذر ماننا؛ جیسے نیازِ حسین، گیارھویں، پیر بابا کی

---

[1] أخرجه النسائي في المجتبى" كتاب الجمعة باب : كيفية الجمعة۔۳/۱۸۸ ۔و البيهقي في "الأسماء و الصفات" (۱/۱٤٥)؛ من حديث جابر بن عبد الله وصححه شيخ الإسلام ابن تيمية رحمہ اللہ في "الفتاوى الكبرى" (۳/۱٦۳)۔

نیاز؛ مائی فاطمہ کی صحن، رجب کے کونڈے۔ یا غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا؛ غیر اللہ کی عبادت کرنا۔ انہیں اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے پکارنا؛ مزاروں پر دھاگے باندھنا اور جھنڈے چڑھانا؛ اور وہاں لے جا کر کھانے تقسیم کرنا، جنہیں ہمارے علاقے میں ڈولی کہا جاتا ہے۔ اور اس سے مقصود مردوں کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ ایسے ہی جمعرات کو مردوں کے حاضر ہونے کا عقیدہ رکھ کر ان کے لیے یا ان کے نام پر کھانے پکا کر تقسیم کرنا؛ مردوں کو اپنی مدد کے لیے بلانا، اور ان کے سامنے اپنی حاجات پیش کرنا۔ شفاعت محمد ﷺ کا انکار؛ عذاب قبر کا انکار؛ اور امورِ آخرت اور تقدیر کا انکار؛ قرآن کو مخلوق کہنا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات وانکار۔ یہ تمام عقیدہ کی بدعات ہیں، جن کی وجہ سے ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

جب کہ بعض بدعات ایسی ہیں جن کی وجہ سے انسان کافر تو نہیں ہوتا مگر اس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور ایسا انسان خطرہ میں رہتا ہے۔ ان بدعات کی مثال: نماز کے بعد اجتماعی ذکر، آذان سے پہلے درود (جب کہ آذان کے بعد مسنون درود پڑھنا ثواب ہے)؛ رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک آنے پر انگوٹھے چومنا (اس کی کوئی اصل دلیل کتاب وسنت میں نہیں ہے)، اور اس طرح کی دیگر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بدعات ہیں، جن کا شکار اچھے خاصے پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے لوگ بھی ہیں؛ ان بدعات جن کے اعداد وشمار کا موقع یہ نہیں ہے، مگر انسان کو دین کا علم حاصل کرنا چاہیے، تاکہ وہ سنت اور بدعت کی پہچان حاصل کرے، اور بدعت سے بچ کر رہ سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔

گمراہی کا عذر باقی نہیں

۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((قال عمر بن خطاب رضي الله عنه: ((لا عذر لأحدٍ في ضلالة ركبها حسبها هدى ❶؛ ولا في هدى تركه حسبه ضلالة؛ فقد بُيِّنت الأمور وثبتت الحجة؛ وانقطع العذر))۔ وذلك أن السنة و الجماعة قد أحكما أمر الدين كله؛ وتبين للناس؛ فعلى الناس الإتباع .)) .

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کسی کا اس بات میں کوئی عذر نہیں ہوگا کہ اس نے گمراہی کو ہدایت سمجھ کر اختیار کر لیا اور نہ ہی ہدایت کو گمراہی سمجھ کر چھوڑ دینے میں کوئی عذر ہوگا۔ کیونکہ امور کی وضاحت کردی گئی ہے۔ حجت قائم ہوچکی ہے، اور عذر ختم ہوچکا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اہل سنت والجماعت (اصحابِ رسول اللہ ﷺ) نے پورے دین کے تمام معاملات کو خوب واقف کروادیا؛ لوگوں کے سامنے اس کی پوری وضاحت کردی؛ (اب تو) لوگوں کے لیے صرف اتباع ہی باقی ہے۔''

❶ أخرجه ابن بطة رحمه الله في "الإبانة الكبرى" (١٦٢) من طريق الأوزاعي۔ وأنه بلغه أن عمر بن الخطاب ذكره ۔ واسناده منقطع اور امام مروزی رحمہ اللہ نے اسے ''السنۃ'' میں عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں: ((لا عذر لأحدٍ بعد السنة في ضلالة ركبها؛ يحسب أنها هدى)) ''سنت آجانے کے بعد کسی کا اس بات میں کوئی عذر نہیں ہوگا کہ اس نے گمراہی کو ہدایت سمجھ اختیار کیا۔''

شــرح: ......اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کو واضح کر دیا ہے، جس کی تفصیل کتاب وسنت میں موجود ہے۔ اس صورت میں اب کسی کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ یہ انسان کی اپنی کمی ہے کہ اس نے کتاب وسنت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ ہی اہل علم سے رجوع کیا۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اس نے گمراہی کو ہدایت سمجھ اختیار کیا): اس جملہ میں تاکید ہے کہ فقط گمان اور خیالات حق بات سے مستغنی نہیں کر سکتے اور نہ ہی حق کے مقابلہ میں معتبر مانے جاسکتے ہیں۔ ہر قوم گمراہی کو ہدایت سمجھ کر ہی اختیار کرتی ہے۔ اگر وہ اسے گمراہی سمجھ لیں تو اسے اختیار ہی نہ کریں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الأعراف: ۳۰)

''اس نے ایک گروہ (مومنوں) کو راہ پر لگایا اور ایک گروہ (کافروں) کو گمراہ کیا جن کی تقدیر میں گمراہی لکھ دی گئی تھی انھوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنایا اور (اس پر بھی) وہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں۔''

جب بھی انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ شیاطین جن وانس کو اپنا مولی و کارساز بنائے گا، اور ان کی راہ پر چلے گا؛ تو یہ شیاطین اسے یہی یقین دلاتے رہیں گے کہ وہ حق پر ہے، اور اس پر اسے کاربند رہنا چاہیے۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الزخرف: ۳۷)

''اور بیشک (یہ شیطان) ان کافروں کو (خدا کی) راہ سے روکتے ہیں اور کافر سمجھتے ہیں کہ وہ ٹھیک رستے پر ہیں۔''

صرف گمان کچھ کام نہیں آتا

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: (حجت قائم ہو چکی ہے، اور عذر ختم ہو چکا ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ جو انسان گمراہی کا ارتکاب کرتا ہے؛ اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ یہ ہدایت کا کام ہے۔ بسا اوقات وہ اس گمراہی کے کام کی وجہ سے ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا؛ یا اس سے وہ کافر نہیں ہو جاتا۔ لیکن اہل حق -قدوۃ- کی موجودگی میں اس کا کوئی عذر معتبر نہیں ہوگا۔ کیونکہ فقط گمان ہی کسی چیز میں کافی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بہت سارے اہل بدعت جن بدعات اور خرافات کا شکار ہیں، وہ ان کے بارے میں یہی گمان رکھتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ اگرچہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو یہ جانتے بھی ہیں کہ فلاں کام بدعت ہے لیکن پھر بھی عمداً اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس اثر میں چند ایک اہم مسائل ہیں:

۱۔ ان لوگوں پر رد ہے جن کی دعوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی راہ اور ان کے منہج سے ہٹ کر ہے۔ اس لیے کہ حق بات واضح ہے اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے ذریعہ حق کو واضح کیا جارہا ہے، اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے

گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ١١٠)

''تم بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے؛ تم اچھی بات کا حکم دیتے اور بری بات سے منع کرتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ (المائدة: ٦٣)

''ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے بلا شبہ وہ بھی برا کرتے ہیں۔''

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من رأى منكم منكراً فليغيّره بيده، وإن لم يستطع فبلسانه، و إن لم يستطع فبقلبه، وذالك أضعف الإيمان)) ❶

''جو کوئی تم میں سے برائی کی بات دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے اپنی زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے دل میں برا جانے، اور یہ ایمان کا کم ترین درجہ ہے''۔

۲۔ اس پیرائے میں جس مخالفت یا اختلاف پر رد کیا گیا ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے منہج اور ان کی راہ سے انحراف ہے۔ علمی مسائل اور احکام میں اختلاف نہیں۔ بلکہ علمی اختلاف کے بارے میں واضح حدیث موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''مجتہد کا اجتہاد اگر درست ہے تو اس کے لیے دہرا اجر ہے، اور اگر اس کے اجتہاد میں غلطی ہوگئی ہو اس پر اس کے لیے ایک اجر ہے۔'' ❷

ارشاد الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد: ٢٥)

---

❶ مسلم: ١٨٦.

❷ بخاری کتاب الاعتصام: ٦٩١٩ - مسلم کتاب الأقضية، ح: ١٦١٧ -

''اور یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔''

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تركتكم على البيضاء ـ ليلها كنهارها ، لا يزيغ عنها بعدي إلا هالك ، ومن يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً ؛ فعليكم بما عرفتم من سنتي و سنة خلفاء الراشدين المهديين ، عضوا عليها بالنواجذ)) ❶

''میں تمہیں کھلی راہ پر چھوڑ کر جا رہا ہوں، جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ میری بعد اس سے کوئی ہٹ نہیں سکتا سوائے ہلاک ہونے والے کے اور تم میں سے جو کوئی زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ تم پر واجب ہے کہ میری جس سنت کو پہچان لو، اور میرے ہدایت یافتہ و تربیت یافتہ خلفاء کی سنت کو پہچان لو (اس کی اتباع اپنے اوپر لازم کرلو)؛ اور اسے اپنی داڑھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔''

دوسری حدیث میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الحلال بين وإن الحرام بين ، وبينهما أمور مشتبهات ؛ فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ؛ ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام)) ❷

''بیشک حلال بھی واضح ہے اور بیشک حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان چند متشابہ امور ہیں۔ جو ان متشابہات سے بچا سو اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرلی؛ اور شبہات میں واقع ہوا سو وہ حرام میں جا گرا۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ فقط سنت کے ظاہر (علم ومعرفت) ہو جانے سے حجت قائم ہو جاتی ہے۔ اب لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی نجات کے لیے کتاب وسنت پر عمل کریں، اور کتاب وسنت کے صحیح احکام کو سیکھیں اور ان کا علم حاصل کریں۔ علمائے کرام کا فرض بنتا ہے کہ وہ حق بات کو لوگوں تک پہنچائیں، اور ان کے لیے کتاب وسنت کے احکام واضح کریں تا کہ کوئی ابہام یا اشکال باقی نہ رہے۔ یہی سنت کا ظاہر ہونا ہے۔

الحمدللہ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کو ظاہر کیا؛ اور آج تک سنت ظاہر اور غالب ہے، اور قیامت تک ایسے ہی رہے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِ ظَاهِرِيْنَ حتَّى يَأْتِيْ أَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِ)) ❸

---

❶ سنن ابن ماجة ؛ باب : اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين ، ح٤٣ ـ صححه الألباني۔

❷ متفق عليه بخاري ١٩٤٦؛ ١٥٩٩، من حديث نعمان بن بشير۔ ❸ رواه البخاري ح ٦٨٨١؛ مسلم ح : ١٩٢٠۔

''میری امت کاایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آن پہنچے گا، اور وہ حق پر قائم ہوں گے''اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:'' جو انہیں ذلیل کرنا چاہے گا، وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے، اور وہ اسی طرح-غالب- ہوں گے۔''

اس ظہور سے حجت قائم ہے۔اور اس لیے بھی حجت قائم ہے کہ حق اہل حق کے ساتھ ہمیشہ ظاہر اور غالب ہی رہے گا اور یہی اہل حق قدوہ و رہنما اور قابل اتباع مثالی شخصیات ہیں اور اہل حق بھی اس دنیا کے آخری وقت تک ختم نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ عیسی بن مریم علیہ السلام کے بعد آنے والی ہوا مومنین کی روحیں قبض کر لے گی۔اور حدیث میں جو آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمین پر کوئی انسان ایسا نہ رہے جو اللہ کا نام لینے والا ہو۔ یہ قیامت کی بڑی نشانیوں کے پیش آجانے کے بعد ہے۔یعنی عیسی علیہ السلام کے ظہور اور مہدی رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ایسے ہوگا۔اس لیے کہ اس کے بعد زمین میں صرف شریر لوگ ہی باقی رہ جائیں گے، جو گدھوں کی طرح بدکنے والے ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ اللہ بھی نہیں کہیں گے۔اس سے پہلے کوئی یہ بات گمان میں نہ لائے کہ زمین اہل حق سے خالی ہو جائے گی؛ چہ جائے کہ عام مسلمان ہی ختم ہو جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

سوادِ اعظم

۵۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله-، أن الدين إنما جاء من قبل الله -تبارك وتعالى-، لم يوضع على عقول الرجال و آرائهم ؛وعلمه عند الله وعند رسوله فلا تتبع شيئاً بهواك؛ فتمرق من الدين فتخرج من الإسلام؛ فإنه لا حجة لك ، فقد بين رسول الله ﷺ لأمته السنة؛ وأوضحها لأصحابه ، وهم الجماعة. وهم السواد الأعظم؛ والسواد الأعظم : الحق و أهله؛ فمن خالف أصحاب رسول الله ﷺ في شيء من أمر الدين فقد كفر .))

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے؛ یہ بات جان لیجیے کہ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔اسے لوگوں کی عقلوں اور آراء پر منحصر نہیں رکھا گیا اور اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس ہے۔سو آپ اپنی خواہشات سے کسی بھی چیز کی پیروی نہ کریں کہ اس وجہ سے آپ دین اور اسلام سے نکل جاؤ گے۔ بیشک (اس صورت میں) تمہارے لیے کوئی حجت نہ ہوگی۔حقیقت میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لیے سنت کو بیان کر دیا ہے اور اپنے صحابہ کے لیے اس کی وضاحت کر دی ہے۔یہی لوگ جماعت ہیں؛ اور یہی سوادِ اعظم ہیں۔(یعنی) سوادِ اعظم حق اور اس کے ماننے والے ہیں۔سو جس نے اصحابِ رسول ﷺ

کی مخالفت امورِ دین میں سے کسی بھی چیز میں کی؛ اس نے یقیناً کفر کا ارتکاب کیا۔

شرح: ...... مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: (دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے) سے مراد یہ ہے کہ بیشک دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے لیے دین اور شریعت مقرر کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (الشوری: ۲۱)

''کیا ان لوگوں نے (خدا کے) شریک بنا رکھے ہوئے جوان کو دین کا وہ رستہ بتلاتے ہیں جس کا خدا نے حکم نہیں دیا اور اگر چکی ہوئی بات نہ ہوتی تو (اب تک کب کا) ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور گناہگاروں (نافرمانوں) کو بے شک تکلیف کا عذاب (ایک دن ضرور) ہونا ہے۔''

دین تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اور مقرر شدہ ہے، جسے انبیاء کرام علیہم السلام نے پوری امانت و وضاحت کے ساتھ اپنے ماننے والوں تک پہنچایا، فرمان ربانی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوری: ۱۳)

''(لوگو) اس خدا نے تمہارے لیے دین ٹھہرایا جس دین پر نوح (پیغمبرؑ) کو چلنے کا حکم دیا اور جس دین کا حکم ہم نے تجھ کو (اے محمدؐ) دیا اور جس دین کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰ اور عیسیٰؑ (پیغمبروںؑ) کو حکم دیا سب سے یہی کہا تھا دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔''

اس پورے پیرائے میں مصادر دین کا بیان ہے۔ مصدر دین وحی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہوئی ہے۔ اس سے مراد وحی ہے، اور وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو، اقوال و افعال اور تقریر میں سے۔

نقل کو عقل پر ترجیح

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرمان: (اسے لوگوں کی عقلوں اور آراء پر منحصر نہیں رکھا گیا)

دین وہ نہیں ہے جسے لوگوں کی عقل اچھا سمجھ لے۔ یہ اللہ کا دین نہیں، بلکہ لوگوں کا اپنا ایجاد کردہ طریقہ ہے جسے وہ دین سے تعبیر کر رہے ہیں۔ دین تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ یہاں سے مصنف رحمہ اللہ نے اہل فرق اور مبتدعین اور باطل ادیان والوں کے مصادر کا بیان شروع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو ہر لحاظ سے مکمل کر دیا ہے۔ چاہے وہ عقائد ہوں یا معاملات یا عبادات، احکام و معاملات ہوں یا سلوک و اخلاقیات، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدة: ۳)

''آج ہم نے آپ کے لیے آپ کا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں آپ پر پوری کر دیں اور آپ کے لیے اسلام کو دین پسند فرمایا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک اُپنے نبی کریم ﷺ کو اپنے پاس نہیں بلایا جب تک یہ دین مکمل نہیں ہوگیا اور پھر آپ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ بھی خود ہی لیا ہے، فرمایا:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

''ہم نے ہی اس کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس دین کی حفاظت کا تھا تو اس کے لیے بطور اسباب ایسے باہمت اور باصفا اور مخلص لوگوں کو بھی پیدا کیا جنہوں نے اپنا مال و جان اور گھر بار قربان کر کے اس دین کی دعوت کو زندہ و تابندہ رکھا۔

اس صاف و شفاف منہج سے ہٹ کر وہی لوگ چل سکتے ہیں بدبختی اور شقاوت جن کا مقدر ہو۔ یہ ٹیڑھا منہجِ فلسفہ؛ متکلمین کے منہج، اور تقدیم العقل علی النقل؛ خواہشات کے مطابق فیصلہ کرنا، اور ایسے ہی شخصی آراء کو شامل ہے۔ جیسا کہ صوفیاء کے طریق کار: کشف، ذوق؛ اور ولی کے علوم؛ جنہیں کبھی کبھار الہام؛ کرامات یا اس طرح کا کوئی بھی دیگر نام دیا جاتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سب خواہشات نفس ہیں۔ ان کے پیچھے پڑ کر دین سے نہ نکل جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ (آل عمران: ۷)

''وہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی۔ جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مرادِ اصلی کا پتہ لگائیں۔''

اس لیے کہ جو بھی دین کو کتاب و سنت سے ہٹ کر لوگوں کی آراء سے لے گا وہ دین سے نکل جائے گا۔ یہ ان لوگوں سے متعلق ہے جن کے پاس کوئی تأویل نہ ہو اور جس انسان کے لیے حق اور باطل کا التباس ہوگیا ہو، اور وہ یہ گمان کرتا ہو کہ وہ اصل دین سے لے رہا ہے اور مصادر دین پر اعتماد کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے عقل کو اساس بنا کر پھر اس کی حمایت اور تائید میں نصوص تلاش کر رہا ہو اور ایسے ہی شیطانی وسوسوں کو علوم ولی کا نام دیا جاتا ہے اور جو انسان تأویل کی وجہ سے ایسے کر رہا ہو وہ اس وقت تک کفریہ کام کرنے کی وجہ سے دین سے خارج نہیں ہوگا جب تک اس پر حجت نہ قائم

ہوجائے، اور اس کا شبہ ختم نہ کر دیا جائے۔ جب کہ عمداً ایسا کرنے والا انسان دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے پاس ہے): اس سے مراد یہ ہے کہ امور الدین توقیفی ہوتے ہیں۔ کسی چیز کے دین ہونے کے لیے ضروری ہے کتاب و سنت میں اس کی دلیل موجود ہو اور بدعات اور ایجادات کو ترک کر دیا جائے جن کی کوئی دلیل اللہ کی کتاب میں نہیں۔ اس لیے کہ دین اس علم پر مبنی ہوتا ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو۔

اتباع خواہشات کی مذمت

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اپنی خواہشات سے کسی بھی چیز کی پیروی نہ کریں): بلکہ آپ کی تمام تر خواہشات اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے تابع ہونی چاہیے؛ اور اس سے کسی بھی صورت میں روگردانی نہ کی جائے۔ اس لیے کہ اپنی من مانی کرنے والا خواہشات نفس کا پجاری ہوتا ہے، وہ احکام شریعت اور وحیِ الٰہی کا پیروکار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ﴾ (القصص: ۵۰)

''پھر اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو سمجھ لے کہ (وہ حق کی پیروی نہیں چاہتے بلکہ) اپنی خواہش پر چلنا چاہتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے بن بتلائے اپنی خواہش پر چلے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ (اسے) بے انصاف (ہیکڑی) لوگوں کو راہ نہیں لگاتا۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ○ إِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّإِنَّ الظّٰلِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَّاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ○﴾

(الجاثیہ: ۱۸، ۱۹)

''(پھر اے پیغمبر موسیٰ کے بعد) ہم نے تجھ کو دین کے ایک رستے (شریعت) پر لگا دیا تو اسی پر چلتا رہ اور نادانوں کی خواہشوں پر مت چل یہ نادان)۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تیرے کچھ کام نہیں آئیں گے اور تجھ میں ان میں دوستی کیسے ہوسکتی ہے) گنہگار گنہگاروں ہی کے دوست ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا اللہ دوست ہے (یا کام بنانے والا)۔''

یعنی بنیادی طور پر دو ہی راہیں ہیں: یا اپنی خواہشات کے پیچھے چلا جائے۔ یا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کی پیروی کی جائے، اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کیا جائے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اس وجہ سے آپ دین اور اسلام سے نکل جاؤ گے): جو انسان اپنی خواہشات کی پیروی

کرتا ہے وہ دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ کسی بھی انسان پر شروع میں جب اپنے نفس کی مخالفت گراں گزرتی ہے تو وہ اتباع دین میں سستی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ پھر وہ اپنی خواہشات کے پیچھے ایسے پڑ جاتا ہے کہ دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کا سارا دین اس کی خواہشات بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیہ: ۲۳)

"(اے پیغمبر) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے اور اللہ نے جیسے اسکے علم میں تھا اس کو گمراہ کر دیا ہے اس کے کان اور دل پر مہر کر دی ہے اور اس کی آنکھ پر اندھیری ڈال دی ہے تو اللہ تعالیٰ نے جب اس کو گمراہ کیا انہیں کون اس کو راہ پر لا سکتا ہے کیا تم غور نہیں کرتے۔"

خواہشات نفس بھی ایک بہت بڑا سرکش طاغوت ہے۔ جس کی مخالفت میں کامیابی کا راز مضمر ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (تمہارے لیے کوئی حجت نہ ہوگی): چونکہ رسول اللہ ﷺ نے سنت کو واضح کر دیا ہے۔ اب اس کی مخالفت کرنے والے کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ وضاحت اور بیان کے بعد گمراہ ہوا ہے۔ وہ جاہل نہیں ہے کہ اس کا عذر معتبر مانا جائے۔ بلکہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا جاننے والا، علماء کے اقوال کی معرفت رکھنے والا ہے۔ اس کے بعد جو چیز اس کی طبیعت کے موافق ہو، اسے قبول کر لینا اور ناموافق کو ترک کر دینا یہی خواہش نفس کی پوجا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (ص: ۲۶)

"اور (نفس کی) خواہش پر مت چل (ایسا نہ ہو) وہ تجھ کو خدا کے (ٹھیک) رستے سے بہکا دے بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے (حق اور انصاف سے) بہک جاتے ہیں ان کو سخت سزا ملے گی اس وجہ سے کہ وہ حساب کا دن بھول گئے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا یؤمن أحدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به .)) ❶

"تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے تمام امور کو بیان کر دیا ہے۔ کوئی ایسی چیز مخفی نہیں رہ گئی جس کی امت کو ضرورت ہو اور اس کے متعلق وضاحت اور بیان موجود نہ ہو۔ ہدایت و گمراہی کی راہیں جدا جدا ہو چکی ہیں۔ اب گمراہ ہونے والے کا کوئی

❶ بغوی شرح سنة۔صححه النووي في (الأربعين)۔

عذر باقی نہیں رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله))❶

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں تم ہرگز کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے جب تک ان کو مضبوطی سے تھام رکھوگے، وہ ہیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔''

خیر سواد اعظم کے ساتھ ہے

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (یہی لوگ جماعت ہیں؛ یہی سواد اعظم ہیں):

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہی اصل میں وہ جماعت ہیں جن کی راہ پر چلنے اور ان کا ساتھ دینے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خير کم قرني ، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم))❷

''تم میں سے بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں، اور پھر جو ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، اور پھر جو ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام تھے۔ پھر ان کے ساتھ ملے ہوئے تابعین ہیں، اور ان کے ساتھ ملے ہوئے تبع تابعین ہیں۔ یہی تین زمانے فضیلت والے زمانے ہیں۔ یہ لوگ ہی اصل جماعت ہیں۔ بعد میں آنے والے لوگ ان کے تابع ہیں۔

سواد اعظم کا معنی

مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''جماعت سواد اعظم'' ہے۔ لفظی طور پر اس کے کئی معانی ہیں۔ جب کہ اس سے مقصود اہل حق ہیں۔ اگرچہ اس کے معانی لفظی طور پر بڑی جماعت کے ہیں اور بسا اوقات یہی اکثریت مراد لی جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بہت سارے لغت کے الفاظ ایسے ہیں جنہیں ان کے شرعی معنی میں محدود کیا جاتا ہے۔ سلف صالحین کے ہاں ''سواد اعظم'' کے شرعی معنی درج ذیل ہے:

۱۔ ''جن کی قدر بڑی ہو'' اور وہ سلف صالحین؛ ائمہ دین ہیں؛ اور جو کوئی عام مسلمانوں میں سے ان کی پیروی کرے۔ اس لیے کہ وہ عوام الناس جو فطرت پر قائم ہوں، وہی کثرت تعداد والے ہیں۔ سو اس اعتبار سے اس کا اطلاق بسا اوقات عموم مسلمین پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی سواد اعظم وہ ہیں جو ظاہری طور پر کسی بدعت کا شکار نہ ہوں۔

۲۔ اس کا اطلاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہی لوگ حقیقت میں سواد اعظم اور کثرت عدد والے ہیں اور امت میں ان پر اعتبار بھی اکثر کیا جاتا ہے۔ اور عوام الناس ان آئمہ دین کے تابع ہیں۔ اس لحاظ سے سواد اعظم خیر القرون کے تین زمانوں کے وہ لوگ ہوں گے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ اور

❶ موطا امام مالک ۱۵۹٤؛ و مسند أحمد بن حنبل۔ ❷ متفق علیه، البخاری (۱٦٥٤) مسلم (۱٦٧٩)۔

منہج پر ہوں، اور وہ عوام جو ان کی اتباع کر رہے ہوں۔ لیکن ان تین بہترین صدیوں کے بعد فرقے اور ان کے پیروکار بڑھ گئے۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ سواد اعظم کے شرعی معنی کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس لیے کہ فقط اکثریت کا اعتبار نہیں ہوگا؛ بلکہ اعتبار حق اور اس کی اتباع کا ہے۔

امورِ دین میں صحابہ کی مخالفت کفر ہے

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جس نے اصحابِ رسول ﷺ کی مخالفت امورِ دین میں سے کسی بھی چیز میں کی؛ اس نے یقیناً کفر کا ارتکاب کیا): کفر میں احتمال ہے کہ اس سے مراد کفر اکبر ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد کفر اصغر ہو۔ یہ سب مخالفت کے لحاظ سے ہے۔

ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی انسان اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہو، مگر وہ اسے گناہ بھی سمجھتا ہو، اور یہ گناہ اس درجہ کو نہ پہنچتا ہو کہ اس کی بنا پر یہ انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی انسان ایسے گناہ کا مرتکب ہو جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہ ہو، یا شریعت کو حقیر سمجھتا ہو؛ یا کسی گناہ کے کام کو اپنے لیے حلال سمجھتا ہو، جیسے کہ سود یا زنا، یا اس طرح کا کوئی اور گناہ۔ تو اس گناہ کی بنا پر وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔

مگر تکفیر (کفر کا فتویٰ لگانے کا) یہ قانون علی الاطلاق نہیں ہے۔ کسی پر کفر کا حکم اس وقت نہیں لگایا جاسکتا جب تک کفریہ بات کرنے والے کے متعلق تحقیق سے کفریہ بات ثابت نہ ہو جائے، اور اس میں کوئی تکفیر سے مانع بھی نہ ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''بیشک تکفیر کی شروط اور موانع ہیں۔ کبھی کسی متعین شخص کے حق میں کفر کی نفی کی جاتی ہے، اور مطلق تکفیر سے کسی متعین شخص کی تکفیر لازم نہیں آتی؛ صرف اس صورت کے کہ تکفیر کی پوری شروط پائی جائیں اور کوئی رکاوٹ یا مانع نہ ہو۔'' [1]

کفر کی اقسام

پھر بھی مصنف رحمہ اللہ کا کہنا:

((فمن خالف أصحاب رسول الله ﷺ في شيء من أمر الدين فقد كفر.))

''سو جس نے اصحابِ رسول ﷺ کی مخالفت امورِ دین میں سے کسی چیز میں کی؛ اس نے یقیناً کفر کا ارتکاب کیا۔''

اس میں بذیل تفصیل ہے:

کفر دو قسم کا ہوتا ہے:

[1] مجموع الفتاوی ۱۲/ ۴۸۷۔

کفر اعتقادی:......اس کی وجہ سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

کفر عملی:......کفر عملی کی وجہ سے انسان اس وقت تک دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب تک وہ ایسے کام نہ کرے جو اسلام کے صریح مخالف ہوں، جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، قرآن مجید کی توہین کرنا، یا انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی کو گالی دینا یا ان کا ٹھٹھہ و مذاق اڑانا، اور ان میں عیب جوئی کرنا اور نقص نکالنا وغیرہ۔

جو شخص عقیدہ کے معاملات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اس کا شمار کفر اعتقادی کے مرتکب افراد میں ہوگا اور اس سے کوئی تاویل وغیرہ قبول نہیں ہوگی۔ جیسے کہ روافض، معتزلہ، شیعہ اور خوارج وغیرہ (اور موجودہ دور میں بہائی؛ قادیانی؛ بابی؛ اور ذکری فرقے۔ ان سب کے عقائد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عقائد اور ان کے علم وعمل کے خلاف ہیں؛ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس شر سے محفوظ رکھے)۔

چونکہ مذکورہ بالا فرقوں میں سے بعض کلمہ گو ہونے کا بہانہ بنا کر اپنے کفریہ عقائد کے حق حجت پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: ائمہ اسلام کا قول ہے: ((لا نكفِّرُ أهلَ القبلة .)) ''ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے۔'' اس لیے اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل پیرایہ نمبر ۵۰ کی شرح میں آرہی ہے؛ وہاں اس کا مطالعہ بہت ہی ضروری بھی ہے اور فائدہ مند بھی۔

بدعت کا انجام

۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن الناس لم يبتدعوا بدعة قط حتى تركوا من السنة مثلها؛ فاحذر المحدثات من الأمور؛ فإن كلّ محدثة بدعة؛ وكل بدعة ضلالة؛ والضلالة وأهلها في النار .))

''اور جان لیجیے کہ: ''بیشک لوگوں نے دین میں کوئی بدعت نہیں ایجاد کی؛ مگر اس کی جگہ سنت میں سے اس جیسی چیز کو چھوڑا ہے۔ پس بدعت کے کاموں سے بچ کر رہیے۔ بیشک (دین میں) ہر ایک نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور گمراہی اور گمراہی پر چلنے والے جہنم میں ہیں۔''

شرح:...... مذکورہ پیرایہ بہت بڑی حکمت ہے جو کہ سلفِ صالحین سے منقول ہے۔ یعنی بدعت کے بڑے اسباب میں سے ایک اہم سبب سنت کا ترک کر دینا ہے۔ اس لیے کہ سنت اور بدعت کے دو متضاد چیزیں ہیں جن کا ایک جگہ پر جمع ہونا ناممکن ہے۔ ایسے نہیں ہوسکتا کہ کوئی انسان سنت پر کاربند بھی ہو اور بدعتی بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بدعت ہمیشہ سے اہل حق یعنی اہل سنت سے بغض رکھتے چلے آئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں حدیث میں اس کام کی ممانعت ہے، یا حدیث نے ایسا کرنا حرام ٹھہرایا ہے؛ تو یہ لوگ اپنے بغض و حسد اور نفرت کو چھپا

نہیں سکتے، بلکہ ان کے اقوال و افعال سے اس کی ترجمانی ہوتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس جب کسی اہل سنت تک حدیث مبارکہ پہنچتی ہے، یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کسی سنت کا علم ہوتا ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے؛ اور دل و جان سے اس کی قدر کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے مصنف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: ''حرام کاموں سے بچ کر رہیں۔'' خواہ یہ حرام کام شرکیہ ہوں، یا کفریہ، یا گناہ کے کام ہوں، کسی بھی لحاظ سے بھی ان میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ! کسی بھی خیر اور بھلائی کی چیز کو حرام نہیں کرتے۔

ہاں جب کوئی ایسی چیز آئے جس میں خیر اور شر برابر ہوں، یا شر کا پہلو غالب ہو تو اس صورت میں اس سے بچنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر خیر کا پہلو غالب ہو تو پھر اس کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ابو اسماعیل ہروی نے اپنی کتاب " ذم الکلام و أهله " میں اپنی سند سے حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

''کوئی بھی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی، (اگر وہ بدعت ایجاد کرلیں تو) اللہ تعالیٰ ان سے اس جیسی سنت کو اٹھا لیتے ہیں، پھر اس سنت کو قیامت تک ان میں نہیں لوٹاتے۔''[1]

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور گمراہی اور گمراہی پر چلنے والے جہنم میں ہیں):

اگر ہم آج کے دور کے اور پرانے دور کے مبتدعین کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ ان بدعات کے بڑے اسباب میں سے ایک سنت سے جہالت اور اس کا ترک کر دینا ہے۔ خواہ اسے عمداً ترک کیا جائے، یہ بغیر عمد کے جہالت کی وجہ سے ایسے کیا جا رہا ہو۔ مثال کے طور پر خوارج۔ یہ سب سے پہلا فرقہ اور پہلے مبتدعین ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف بدعت ایجاد کی، بلکہ اس کی طرف دعوت بھی دینے لگے۔ جب ہم ان کی تاریخ پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے بدعات میں واقع ہونے کا سب سے پہلا اور بڑا سبب سنت سے لاعلمی اور جہالت تھا۔ اس لیے کہ ان کے پاس علم نہیں تھا اور نہ ہی مسائل دین کو سمجھنے کی قدرت رکھتے تھے۔ ان میں سے اکثر نے دین کا علم حاصل ہی نہیں کیا اور جن لوگوں نے کچھ تھوڑا بہت حاصل بھی کیا، انہوں نے منہجِ سلیم اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اپنے جیسے ہی گمراہ لوگوں سے کچھ تھوڑا بہت سیکھ لیا تھا۔ نہ ہی کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے حاصل کیا اور نہ ہی دین کے اصلی مصادر قرآن و سنت کی طرف رجوع کیا۔ اس وجہ سے وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر جہالت کا شکار رہے۔ ایسے ہی جتنے بھی فرقے بعد میں آئے، جیسے شیعہ، قدریہ، جہمیہ سب کے سب جہالت کا شکار رہے ہیں۔ سنت سے اس لاعلمی اور جہالت کے باوجود یہ لوگ غرور و تکبر، اور جاہ پسندی کے ساتھ ساتھ نفس پرستی اور غلبہ پسندی کا شکار تھے۔ امام حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شیطان کو نافرمانی اور گناہ کے کاموں میں سب سے زیادہ محبوب کام بدعت ہے، کیونکہ گناہ اور نافرمانی سے توبہ کرلی جاتی ہے؛ مگر

[1] سنن الدارمی ح: ۹۹

بدعت سے اکثر طور پر توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔''

ایسے ہی بدعت کے لوازم میں سے محدثات [دین میں نئی ایجادات واختراعات] کا شکار ہونا ہے جس کی وجہ سے گمراہیاں پھیلتی چلتی گئیں، اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ وہ حق پر ہیں۔

بدعات سے بچاؤ کی تدابیر

۷۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((واحذر صغار المحدثات من الأمور؛ فإن صغير البدع يعود حتى يصير كبيراً؛ وكذلك كل بدعة أُحدثت في هذه الأمة؛ كان أولها صغيراً يشبه الحق فاغتر بذلك من دخل فيها ثم لم يستطع الخروج منها ؛ فعظمت وصارت ديناً يُدانُ بها؛ فخالف الصراط المستقيم ؛ فخرج من الإسلام .))

''چھوٹے چھوٹے بدعات کے امور سے بھی بچو۔ بیشک چھوٹی بدعتیں بڑھتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ بڑی ہوجاتی ہیں۔ ایسے ہی جو بدعت بھی اس دین میں پیدا ہوتی ہے؛ وہ شروع میں چھوٹی اور حق سے مشابہ ہوتی تھی (؛ جو بھی اس بدعت میں داخل ہوا؛ اس نے اس سے دھوکہ کھایا؛ پھر وہ اس سے نکلنے کی اس میں ہمت نہ رہی؛ وہ بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ اس کا دین بن گئی، وہ جس پر چلتا ہے۔ سو اس نے صراط مستقیم کی مخالفت کی، اور اسلام سے خارج ہوگیا)۔''

شرح:......اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ نے بدعت سے بچنے کی تدابیر بیان کی ہیں، ان میں سے:

۱۔ چھوٹی بدعات میں جب سستی برتی جائے تو یہ بڑی بدعات کے ارتکاب کی راہیں کھولتی ہیں؛ اور یوں انسان ایک کے بعد ایک بدعت میں گھرتا جاتا ہے۔ یہ بدعت کے مفسدات میں سے ایک ہے۔ بدعت کی مثال اس چنگاری کی سی ہے؛ جو الاؤ جلانے کے لیے کافی ہوسکتی ہے؛ یا جس سے گھر بار اور بازار بھی جل سکتے ہیں۔ اس لیے اس دروازے کو مکمل طور پر بند رکھنا چاہیے۔

۲۔ وہ تمام فرقے جن کا اسلامی تاریخ میں ظہور ہوا، وہ ایک ایک بدعت سے اور چھوٹے چھوٹے امور سے شروع کرتے ہیں؛ یا ان کی بدعت ایک دائرہ میں محدود ہوتی ہے۔ پھر خواہشات ان کو لیے اڑتی ہیں؛ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق خبر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((و إنها ستخرج من أمتي أقوام تتجارى بهم تلك الأهواء كما يتجارى الكلب بصاحبه؛ فلا يبقى منه عرق ولا مفصل إلا دخله)) [1]

[1] قال المناوي: اسناد أحمد جيد؛ رواه أحمد (٤/ ١٠٢ برقم ١٦٩٧٩)، والطبراني (٩/ ٣٧٧ ؛ برقم ٨٨٥)؛ والحاكم (١/ ٢١٨ برقم ٤٤٣)، وأبو داؤد ٤/ ١٩ برقم ٤٥٩٧)۔

''بیشک میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے جنہیں خواہشات -نفس- ایسے لیے دوڑیں گی جیسے کتا اپنے مالک کے ساتھ دوڑتا ہے، اور نہ ہی کوئی رگ اور نہ ہی کوئی جوڑ ایسا باقی رہے گا مگر اس میں یہ -خواہشات- داخل ہوں گی۔''

فرقوں کی ابتداء کیسے ہوئی؟

یعنی اہل بدعت خواہشات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، اور خواہشات دھیرے دھیرے ان کو بدعات میں لے جاتی ہیں جیسے کوئی متعدی موذی مرض بیمار کو آہستہ آہستہ ہلاک کر کے رکھ دیتا ہے، ایسے ہی یہ بدعات بھی ہلاک کر کے رکھ دیتی ہیں۔اس لیے لازم یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی اہل علم کی مخالفت نہ کریں، اور نہ ہی ان سے علیحدہ ہوں۔

اس لیے کہ جب فتنوں کی آگ پھیلتی ہے تو پھر گیلی اور خشک ہر چیز کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔نہ ہی اس سے عوام بچ سکتے ہیں اور نہ ہی خواص۔ یہی وجہ تھی کہ خیر القرون کے لوگ بدعات میں سے کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔اور ان کے سامنے کسی کو جرأت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ کسی ادنی سے ادنی بدعت کا کھل کر اظہار کر سکیں۔

مذکورہ بالا پیرائے میں وارد حدیث کا مصداق وہ تمام فرقے ہیں، جو اب خوب پل بڑھ چکے ہیں۔مثال کے طور پر خوارج اور روافض۔ان کا سب سے پہلا اختلاف کبیرہ گناہ کے مرتکب افراد سے متعلق تھا۔(یہ لوگ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر سمجھنے لگ گئے تھے)۔جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنے لگے کہ:''انہوں نے اللہ کے دین میں لوگوں کو حَکَمْ (یعنی جج) بنایا ہے، جو کہ کبیرہ گناہ ہے۔اور پھر یہ نظریہ گھڑا کہ کبیرہ گناہ کفر ہے اور اس کا مرتکب اسلام سے خارج ہے۔اپنے اس قول کی وجہ سے وہ مجبور ہوئے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب انسان کو ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دیں۔ جب ان کو دائمی جہنمی قرار دیا تو اب مجبوراً وہ عام مسلمانوں کو کافر اور مشرک تصور کرنے لگے۔پھر اس بنا پر ان کے لیے کسی بھی قسم کی شفاعت کا انکار کر دیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کر دیا، ان کا یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک وہ جہمی اور معتزلی بن گئے۔

پھر ایسے ہی قدریہ فرقہ نے سب سے پہلے یہ کہنا شروع کیا کہ:''تقدیر قدیم سے نہیں لکھی گئی بلکہ یہ کسی پیش آنے والے معاملہ پر منحصر ہے۔''اور پھر خوارج کی طرح بات سے بات بڑھانے لگے یہاں تک کہ ایک مستقل فرقہ بن گیا اور یہ لوگ بھی پوری طرح معطلہ اور معتزلہ بن گئے۔

ایسے ہی اشاعرہ نے سب سے پہلے کلام کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لوازم میں سے قرار دیا۔اور کہنے لگے کہ:''کلام قدیم ہے، اور بذات خود قائم ہے،،۔یہی عقیدہ اشعری کے زمانہ تک تھا۔پھر اس کے بعد شہرستانی اور جوینی کے دور میں بالکل جہمی فرقہ کی ڈگر پر چل پڑے۔

اس لیے علمائے کرام، طلباء اور عوام الناس کو چاہیے کہ وہ چھوٹے چھوٹے امورِ بدعات کو حقیر نہ سمجھیں جن کی وجہ سے انسان اہل سنت والجماعت کے منہج سے خارج ہورہا ہو، اس لیے کہ بعد میں یہی معمولی بدعات بڑھ کر گمراہیوں کا

ایک طوفان کھڑا کر دیتی ہیں، اور امت تفریق کا شکار ہو جاتی ہے اور پھر وہ مرحلہ آتا ہے کہ ان بدعات سے نجات ملنا نا ممکن ہو جاتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (بیشک چھوٹی بدعتیں بڑھتی رہتی ہیں......):

کوئی بھی بدعت شروع میں اس جذبہ سے نہیں پھیلتی کہ اس میں کوئی برائی اور قباحت ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے حق اور نیکی کی محبت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے جس کی بنیاد جاہلانہ خیر خواہی پر ہوتی ہے، اگر ان میں کچھ ذرہ بھر بھی علم اور عقل ہوتی تو اپنی اس محبت کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھ لیتے۔ سیدنا حضرت ابوموسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور فرمانے لگے: ابوعبدالرحمٰن! میں نے ابھی مسجد کے اندر ایک چیز دیکھی ہے، جو مجھے عیب دار لگی۔ مگر الحمدللہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں خیر وبہتری ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: میں نے مسجد میں چند لوگوں کو مسجد میں حلقہ بنائے بیٹھے دیکھا ہے، وہ بیٹھ کر نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں، اور ان میں سے ایک آدمی ان کو حکم دیتا: ''سو دفعہ اللّٰہُ اَکْبَرُ کہو، وہ لوگ ''اللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے؛ اور پھر وہ ان کو کہتا: سو بار ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہو، وہ سو بار ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہتے۔ پھر وہ ان سے کہتا کہ سو بار ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کہو، وہ: سو بار ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' کہتے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ نے ان سے کیوں نہ کہا کہ وہ اپنی برائیاں اس طرح گنیں؛ اور ان کو آپ یہ ضمانت دیں کہ اس طرح کرنے سے ان کی نیکیاں بھی ضائع نہ ہوں گی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چل پڑے، یہاں تک کہ ان حلقوں میں سے ایک حلقے والوں کے پاس کھڑے ہو گئے۔ ان سے کہا: ''تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! یہ کنکریاں ہیں جن پر ہم اللہ اکبر، لا إله إلا الله، اور سبحان اللہ گنتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم ان پر اپنے گناہوں کو گنو۔ میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ اس طرح تمہاری نیکیاں بھی ضائع نہیں ہوں گی۔ اے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! افسوس تم لوگ کتنی جلدی ہلاکت کی طرف چل پڑے۔ ابھی تو تمہارے اندر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین موجود ہیں اور یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے موجود ہیں؛ جو ابھی پرانے نہیں ہوئے، اور ان کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک تم (اپنے زعم میں) ایسی ملت ودین پر ہو جو ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے؛ یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔ ان لوگوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہم تو صرف خیر خواہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کتنے ہی خیر کا ارادہ اور نیت رکھنے والے ہیں جو خیر کو پہنچ نہیں پاتے۔ بیشک ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایسی قومیں آئیں گی کہ قرآن پڑھیں گی، مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ ان کی اکثریت تم میں سے ہے۔ پھر وہاں سے پھرے اور چلے گئے۔ عروہ بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کی اکثریت کو دیکھا جنگ نہروان کے دن وہ ہم پر نیزے برسا رہے تھے۔'' (یعنی وہ خوارج کے ساتھ مل چکے تھے) ❶

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (وہ شروع میں چھوٹی اور حق سے مشابہ ہوتی تھی......):

یہ قاعدہ بھی علی الاطلاق نہیں ہے۔ کیونکہ بدعات میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جو اسلام سے خارج کر دیتی ہیں، اور بعض اس سے بہت کم درجہ کی ہیں اور ایسی بھی بدعات ہیں جو بدعتی کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتیں۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ساری کی ساری بدعات شر اور برائی ہیں اور یہ آہستہ آہستہ تدریجی طور پر اپنے ساتھی (یعنی بدعتی) کو اسلام سے منحرف کر دیتی ہیں۔ شاید مؤلف رحمہ اللہ کا یہی معنی ہے۔

دین پر ثابت قدمی

۸۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فانظر -رحمك الله- كل من سمعت كلامه من أهل زمانك [خاصة] فلا تعجلن؛ و لا تدخلنَّ في شيءٍ [منه] حتى تسألَ وتنظرَ: هل تكلم به أصحاب رسول الله ﷺ؛ [أو أحد من العلماء] فإن وجدت فيه أثراً عنهم فتمسك به؛ و لا تجاوزه لشيءٍ؛ و لا تختار عليه شيئاً؛ فتسقط في النار .))

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے: دیکھیں! ہر وہ شخص جس کا کلام آپ سنیں، [خصوصاً] اپنے اہل زمانہ کا؛ تو جلدی مت کریں اور ان میں سے کسی بھی چیز میں داخل نہ ہوں؛ یہاں تک کہ اس کے بارے میں دریافت کر لو؛ اور دیکھو: کیا یہ بات رسول اللہ ﷺ کے اصحاب [یا علماء] میں سے بھی کسی ایک نے کہی ہے۔ اگر اس میں کوئی اثر ان [صحابہ] سے مل جائے تو اس کو مضبوطی سے پکڑ لو؛ اور کسی بھی چیز کی خاطر اس سے آگے نہ بڑھو اور نہ ہی اس پر کسی اور چیز کو اختیار کرو، کہ اس کی وجہ سے جہنم میں گر جاؤ۔''

شرح: ......یہ فقرہ بھی دین میں ثابت قدمی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کو بھی اچھی طرح سے سمجھ لینا بہت ہی ضروری ہے۔ خصوصاً ہمارے آج کل کے اس دور میں (یہ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ کا زمانہ ہے، چونکہ مصنف امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں) جب کہ بہت سارے معاملات میں اہل دین، طلباء اور بعض علماء میں ثابت قدمی اور صبر کا

❶ سنن الدارمی، ح: ۲۱۰۔

مادہ بہت ہی کم ہو گیا ہے۔ خواہ یہ دینی معاملہ ہو، یا دنیا کا، کسی سے روایت ہو، یا قصہ و حکایت کا نقل کرنا؛ یا بعض اشخاص پر حکم لگانا، یا بعض اشیاء پر حکم لگانا۔ بعض باتیں اس آخری وقت میں ایسی پھیل گئی ہیں جن سے وہ اہل علم بہت ہی تعجب کرتے ہیں جنہوں نے بڑے علماء کے ساتھ وقت گزارا ہے؛ اوران کی صحبت اور علم کے حصول میں صبر کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ معاملہ کی چھان بین، تحقیق و تدقیق اور اس کا صحیح علم حاصل ہونے تک صبر کیا جاتا اور اس کے بعد حکم لگایا جاتا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس دور کے طلباء نے صحیح طور پر علمائے سلف صالحین کے منہج پر تربیت نہیں پائی۔ اور ان میں سے اکثر لوگوں نے بغیر صحیح اصولوں اور منہج کے علم حاصل کیا ہے۔ اور ان کے علم کا منبع ذاتی مطالعہ، اور ذرائع نشر و اشاعت ہیں۔ جن کی وجہ سے علم میں پختگی اور گہرائی نہیں آتی۔

دراوی کہتا ہے کہ خصوصاً ہمارے آج کل کے اس دور میں جو کہ میڈیا اور ذرائع نشر و اشاعت اور جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے، اور ہر قسم کے لوگ میڈیا پر آکر اپنے اپنے افکار کا اظہار کرتے ہیں، یہ خطرہ بہت ہی زیادہ بڑھ گیا ہے۔ ان حالات میں اہل علم طلباء اور علمائے کرام پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں، اور ہر سنی سنائی پر کان نہ دھریں۔ بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و سمجھ حاصل کریں، اور پختہ علم حاصل کرنے کے لیے علماء حق سے منسلک رہیں۔ اور مختلف شرعی مسائل کے حل کے لیے ان کی طرف رجوع کریں۔

دین کی تعلیم اور سمجھ حاصل کرنا دین کی حفاظت وعصمت کا ایک ذریعہ ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ دین پر ثابت قدمی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے لیے پختہ علم کے ساتھ صبر و استقامت کا بھر پور مادہ چاہیے۔ کیونکہ دشمن یہ چاہتا ہے کہ وہ ہم پر اپنے افکار و آراء اور سیاست مسلط کریں؛ اور ہمیں بھی اسی راہ پر لے کر چلیں جس پر وہ خود گامزن ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (کوئی اثر ان [صحابہ] سے مل جائے تو اس کو مضبوطی سے پکڑ لو):

اس سے مقصود دین کے ساتھ مضبوط تعلق، اور اسے اس کے اصلی مصادر سے لینا ہے۔ اس لیے کہ دین کو خارجی دشمنوں سے اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا داخلی فرقہ بندیوں سے پیدا ہونے والی کمزوریوں سے ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا ہے؛ میں نے اس کا مشرق اور مغرب دیکھا۔ یقیناً میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی اور مجھے سرخ وسفید خزانوں کی چابیاں دی گئیں۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ: ''میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کرنا'' اور ان پر ان کے علاوہ کسی کو مسلط نہ کرنا جو ان کی جڑ ہی کو مٹا دے۔ میرے رب نے کہا: ''اے محمد! جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو پھر اس کو نہیں بدلتا، میں تیری اس دعا کو قبول کرتا ہوں ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا؛ اور ان پر ان کے علاوہ کوئی ایسا دشمن بھی مسلط نہیں کروں گا جو ان کے اصل دین کو مٹا دے اور اگر پوری دنیا کے کافر مل کر بھی ان پر حملہ کر دیں تب بھی وہ ان پر ایسا تسلط نہ حاصل کر پائیں گے۔ مگر یہ ضرور ہوگا کہ

مسلمان ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور قیدی بنائیں گے۔''❶

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بیرونی دشمنوں یہود و نصاری سے اس امت کے بارے میں اتنا خدشہ نہیں تھا، جتنا داخلی آزمائشوں اور تکلیفوں سے تھا۔ یہ داخلی دشمن گمراہ کرنے والے حکمران اور شکوک وشبہات پیدا کرنے والے داعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ (النساء: ١٤١)

''جو آپ کو دیکھتے رہتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے آپ کو فتح ملے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو (اُن سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں تھے اور تم کو مسلمانوں (کے ہاتھ) سے بچایا نہیں؟ تو اللہ آپ میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔''

داخلی دشمنوں کی خطرناکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابو الوفا علی بن عقیل رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے شیخ ابو الفضل ہمدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بدعتی ٹولہ اسلام کے لیے ملحدین سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔ کیونکہ ملحدین دین کو بیرونی ذرائع سے بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ بدعتی ٹولہ دین کو اندرونی طور پر کمزور کرنا چاہتا ہے۔ ان کی مثال اس شہر والوں کی سی ہے جو شہر کے حالات کو بگاڑنا چاہتے ہیں، اور ملحدین کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو باہر سے آکر ان کا ساتھ دیتے ہیں، تو اہل شہر قلعوں اور شہر پناہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ (تاکہ بیرونی مددگار اندر داخل ہوسکیں)۔ لہٰذا یہ ٹولہ اسلام کے لیے اندرونی دشمن ہونے کی وجہ سے زیادہ خطرناک ہے (یہ آستین کے سانپ ہیں)❷

مصنف کا قول: (......اس کی وجہ سے جہنم میں گر جاؤ):

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے اندھی اور جامد تقلید کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ احکام شریعت کے بارے میں کسی کے قول کو خواہشات اور آراء کے مطابق نہیں لیا جائے گا، بلکہ دیکھا جائے گا کہ اس کی اصل کیا ہے؟ اس لیے کہ بعض جہلاء اور اہل کلام جھوٹی اور تحریف شدہ باتیں اپنی طرف سے دین میں داخل کر دیتے ہیں۔ جو درحقیقت دین نہیں ہوتیں، مگر یہ لوگ اپنی جہالت اور گمراہی کی وجہ سے اسے بھی دین ہی سمجھتے ہیں۔ ان سے دور رہنا اور بچ کر رہنا واجب ہے۔

---

❶ مسلم كتاب الفتن، ح: ٢٨٨٩۔ سنن أبي داؤد، كتاب الفتن، ح: ٤٢٥٢۔

❷ الموضوعات ١/ ٥١۔

بلکہ کوشش کر کے دین کو اس کے اصل مصادر اور اہل علم علمائے ربانیین سے ہی لینا چاہیے جو اس دین کے سچے محافظ ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''اس علم (قرآن وسنت) کو ایک جماعت کے بعد دوسری عادل جماعت حاصل کرے گی؛ جو اس علم سے غلو کرنے والوں کی تحریف اور اہل باطل لوگوں کی جھوٹی باتوں اور جاہلوں کی تحریف سے بھی اس کو پاک کرے گی۔'' [1]

وہ اسباب جن کی بنا پر اکثر خلق خدا گمراہ ہوتی ہے ان میں سب سے بڑا سبب اندھی تقلید ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے احکام شریعت کے لحاظ سے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ جو شخص احکام شریعت میں اجتہاد کر سکتا ہو، اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے۔

۲۔ صرف اور صرف مقلد ہو، علم سے بالکل کورا ہو، اس کو ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی رہنمائی کرے۔

۳۔ وہ انسان جو اجتہاد کے درجہ کو نہ پہنچا ہو، لیکن وہ دلیل اور اس کے مواقع استعمال کو جانتا ہو، اور راجح اور مرجوح قرار دینے میں اس کا ذہن صحیح کام کرتا ہو۔

یہ آخری قسم ان دونوں سابقہ قسموں کے درمیان میں ہے۔ اگر اس کی ترجیح پر اعتماد کریں تو یہ مجتہد کے حکم میں ہے۔ اور اگر اس کی ترجیح پر اعتماد نہ کریں تو وہ عام لوگوں کے حکم میں ہے۔ جس کے بارے میں علمائے کرام نے متبع ''اتباع کرنے والے'' کا حکم لگایا ہے۔

لیکن ان تمام امور میں کسی کے اجتہاد پر چلنا ان اجتہادی مسائل میں جائز ہے جن کے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی ایسی دلیل نہ ملے جس کی طرف اس مسئلہ کے حل کے لیے رجوع کیا جائے۔ کتاب وسنت سے دلیل کی موجودگی میں اس کی اتباع لازمی ہے، اجتہاد وہاں پر کام نہیں دے گا۔

گمراہی کے اسباب

[ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں؛ وہ جسے چاہے ہدایت سے نواز دے اور جسے چاہے گمراہ کردے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ''خیر وشر'' دونوں راہیں واضح کردی ہیں اور اسے اس دنیا میں یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے راہ منتخب کر لے۔ فطرت کو اپنانے والا انسان راہِ حق پر ہی قائم رہتا ہے۔ اس کی گمراہی کے اسباب میں شیطانی ہتھکنڈوں کے ساتھ ساتھ بیرونی عوامل کا اثر ہوتا ہے جنہیں یہاں پر مصنف رحمہ اللہ بیان کررہے ہیں۔ در اوی عفی اللہ عنہ]

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي؛ ح: ٢٠٧٠٠ ـ مسند الشاميين برواية أبي هريرة، ح: ٥٩٩ ـ مجمع الزوائد عن عبد الله بن عمر؛ ح: ٦٠١ـ

۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن الخروج من الطريق على وجهين: أما أحدهما: فرجل [قد] زلّ عن الطريق وهو لا يريد إلا الخير ؛ فلا يقتدى بزلته؛ فإنه هالك۔ وآخر: عاندَ الحقَ وخالف من كان قبله من المتقين ؛ فهو ضالٌ مضلُ ، شيطان مريْد في هذه الأمة۔ حقيقٌ على من يعرفه أن يحذِر الناس منه ويبيِن للناس قِصته ؛ لئلا يقع أحد في بدعته ؛ فيهلك .))

''جان لیجیے کہ صراط مستقیم سے خروج کے دو طریقے ہیں: پہلا طریقہ: یہ ہے کہ ایک شخص اس راہِ حق سے ہٹ جائے اور اس کا ارادہ صرف خیر خواہی کا ہو۔ تو اس شخص کی گمراہی کی اقتدا نہیں کی جائے گی ؛ بیشک یہ ہلاکت کا راستہ ہے۔ دوسرا طریقہ: جو شخص حق کی عداوت رکھتا ہو، اور وہ اپنے سے پہلے متقی اور نیک لوگوں کی مخالفت کرتا ہو۔ تو ایسا شخص خود بھی گمراہ ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرنے والا اور اس امت کا شیطان مردود ہے اور جو شخص اس کی حقیقت جان لے، اس پر واجب ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو اس سے بچائے اور ان کے سامنے اس کی حقیقت واضح کرے۔ تاکہ کوئی اس کی بدعتوں کا شکار ہوکر ہلاک نہ ہو جائے۔''

شرح: ...... جب شیخ رحمہ اللہ نے اہل حق کے لیے صحیح اور حق راہ واضح کی؛ تو اب انہوں نے اس راہِ حق سے ہٹ جانے کے دو اسباب لکھے ہیں۔ حقیقت میں یہ مسئلہ عالم کی لغزش سے تعلق رکھتا ہے۔ حق و سنت سے خروج صرف ان دو ہی راہوں سے ممکن ہے۔

پہلی قسم: ...... بغیر کسی ارادہ و عزم کے انسان اس راہ حق سے ہٹ جائے۔ نیک نیتی کے ساتھ خیر کا متلاشی تھا، اس کے عزائم اچھے تھے؛ مگر اس خیر تک پہنچ نہیں سکا۔ اس کا سنت سے خارج ہونا عالم یا طالب علم کا اجتہاد ہو، جس میں وہ غیر کی تلاش میں راہ سے ہٹ جائے۔ اور اس کا گمان یہ ہو کہ وہ راہِ حق پر ہے۔ اس صورت میں مذکورہ مسئلہ میں اس عالم کی بات نہیں مانی جائے گی اور اس سے اس عالم کی قدر و منزلت میں فرق بھی نہیں آئے گا۔ شروع سے لے کر آج تک کتنے ہی علماء ایسے گزرے ہیں جن سے کوئی نہ کوئی انفرادی مسئلہ غلطی کا شکار رہا، اور ان سے ایسی لغزشیں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے علماء پیدا کیے ہیں، جو اس لغزش کی نشاندھی کریں، اور دین کی حفاظت کریں۔ اس لیے کسی کی بھی بات کو حتی کہ عالم کے کلام کو کتاب و سنت کے ترازو سے پرکھا جائے گا؛ صرف اکابر پرستی میں آکر اس پر اندھے پن کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا۔

دوسری قسم: ...... بدعتی کی خواہش پرستی سے تعلق رکھتی ہے، جسے شیطان نے گمراہ کر دیا ہے۔ ایسا انسان حق بات کو جانتا ہے، اور اس پر راہِ حق واضح ہوتی ہے؛ مگر وہ جان بوجھ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔

یہ ان بڑے بڑے بدعتی فرقوں کے سرغنوں کا حال جن پر حجت قائم ہونے کے بعد بھی انہوں نے اپنے ماننے والوں کو بدعت پر ابھارا اور انہیں آشیر باد دیتے رہے۔اس لیے کہ قرآن وسنت سے حجت قائم ہونے کے بعد حق سے سرکشی کرنے والا باغی ہی اپنی رائے پر اڑا رہ سکتا ہے۔ایسا انسان خواہ جتنی بھی پرہیزگاری ظاہر کرے اور تقوی کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو دھوکہ دے، مگر اپنے سے پہلے سلف صالحین اور صراط مستقیم پر چلنے والوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ شیطان مردود ہے؛ اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

بلکہ علمائے اہل سنت کی تصریحات اور وضاحت کے مطابق اکثر خواہشات کے پجاری بدعتی فرقے ''نیکوکار اور عبادت گزار صالحین'' کے روپ میں عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لیے علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: کسی کے نیک اور متقی ہونے کی گواہی اس وقت تک نہ دو جب تک اس کے عمل کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھ نہ لو۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (ایسا شخص خود بھی گمراہ ہے اور......): یعنی وہ گمراہ ہے، اس پر اپنی گمراہی مخفی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ارادہ لوگوں کو گمراہ کرنے کا ہے، اس لیے وہ خود بھی اس گمراہی پر قائم ہے۔ ایسا انسان سرکش اور باغی شیطان ہے اور جو کوئی انسان اس کی حقیقت کو جانتا ہو اس پر واجب ہے کہ لوگوں کی خیر خواہی کا حق ادا کرتے ہوئے ان پر حق اور باطل کو واضح کریں۔ اس موقع پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ لوگوں کو فکری اور اظہار رائے کی آزادی حاصل ہے۔ اس میں دخل اندازی نہیں کی جاسکتی۔ اظہار رائے کی آزادی، اور احترام رائے ایک دوسری چیز ہے؛ اور حق کا اظہار اور دعوت حق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دوسری چیز ہے۔ ایسے موقع پر خاموش رہنا لعنت کا موجب ہے، کیونکہ اس بے جا خاموشی میں دین وایمان کی تباہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ (البقرة: ۱۵۹)

''بیشک جو ہم نے کھلی نشانیاں اور ہدایت کی باتیں اتاریں؛ اب اس کے بعد کہ ہم نے کتاب میں اسے لوگوں کے لیے بیان کردیا ہے، جو کوئی ان کو چھپاتے ہیں ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔''

اس لیے کہ بدعات ومفسدات پر خاموشی اختیار کرنا صرف مبتدع کے لیے ہی خطرناک نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں کے لیے بھی تباہی کا موجب ہے جو اس پر خاموش رہتے ہیں۔ وہ بھی اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے اس معاملہ کو لوگوں کے سامنے واضح کیا جائے، اور انہیں واپس صراط مستقیم پر لانے کی کوشش کی جائے۔

اور سادہ لوح عوام الناس کو ان لوگوں/ شیطان کے چیلوں سے خبردار کیا جائے جو ان کے ایمان وعقیدہ سے کھیلتے ہیں، اور مختلف قسم کے مغربی، ملحدانہ، کافرانہ اور دوسرے خیالات وافکار کو اپنے معاشرہ میں پذیرائی دینے کی کوشش کرتے

ہیں۔ یہ ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اپنی علمی استطاعت کے مطابق نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ ورنہ معاملہ بہت ہی خطرناک ہے۔ یہ آگ تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔

اسلام کے بنیادی اصول

۱۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله- أنه لا يتم إسلامُ عبد حتى يكون متبعاً مصدقاً مسلماً؛ فمنْ زعم أنه [قد] بقيَ شيءٌ من أمر الإسلام لم يكفناه أصحاب محمد ﷺ فقد كذبهم؛ وكفى به فرقة و طعناً عليهم؛ وهو مبتدع؛ ضالٌ مضلٌ؛ محدث في الإسلام ما ليس فيه.))

''اور اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے: جان لیں کہ: انسان کا اسلام اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا؛ یہاں تک وہ اطاعت گزار؛ تصدیق کرنے والا مسلمان بن جائے اور جس کا گمان یہ ہو کہ دین میں کوئی چیز ایسی باقی بچ گئی ہے جو اصحاب محمد ﷺ سے ہم تک نہیں پہنچی۔ اس نے ان سب پر جھوٹ بولا۔ اس کے افتراق اور صحابہ پر طعن کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ایسا انسان خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے؛ اور دین میں ایسی چیز ایجاد کرنے والا ہے جو دین میں سے نہیں ہے۔''

شرح: ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ نے ان اصولوں کا بیان شروع کیا ہے جو اسلام کے لیے لازم ہیں۔ (مگر ان کو ترتیب کے ساتھ ذکر نہیں کیا، اس لیے ان کے ہاں) ان اصولوں میں سے:

۱۔ **اتباع:**...... یعنی دین حق میں کسی قسم کی ملاوٹ کرنا والا بدعتی نہ ہو۔ بلکہ دین کو خالص اسلامی اصولوں پر کتاب و سنت کے مطابق مانتا ہو۔ اتباع: جسے ہم تطبیق سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی دین کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا۔ اور قول و عمل، علم و اعتقاد میں رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے اس صراط مستقیم پر چلنا جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین چلا کرتے تھے۔ یعنی مومنین کی راہ پر چلنا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ (النساء: ۱۱۵)

''اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (یوسف : ۱۰۸)

''کہہ دو کہ میرا رستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

۲۔ **تصدیق** :......یعنی تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے پیغامات اور خصوصاً جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) لے کر آئے ہیں، ان سب کی تصدیق کرنا۔ اور ان میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہ ہو۔

۳۔ **تسلیم** :......تسلیم کا معنی تصدیق سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ بہت سارے لوگ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق تو کرتے ہیں، لیکن عملی طور پر ان کی اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کرتے۔ اس لیے مؤلف رحمہ اللہ نے پہلے تصدیق سے شروع کیا ہے۔ اور اس سے مراد جو کچھ تمام انبیاء لے کر آئے، عمومی طور پر ان تمام انبیاء اور ان کے پیغامات کی تصدیق اور خصوصی طور پر جناب نبی آخر الزمان ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے پیغام، خواہ وہ قولی ہو یا فعلی ہو یا تقریری، ان سب کی تصدیق۔ تسلیم کی دو قسمیں ہیں: دل سے تسلیم کرنا، کہ اس میں کوئی شک و شبہ اور ادنی شائبہ تک باقی نہ ہو اور تسلیم اعضاء: کہ انسان اپنے اعضاء سے اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو بجالائے۔ کسی انسان کا اسلام اس وقت تک صحیح معتبر نہیں ہوسکتا جب تک وہ ان تینوں امور کو بجا نہ لائے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جس کا گمان...... اصحاب محمد ﷺ سے ہم تک نہیں پہنچی):

یعنی جو شخص یہ گمان کرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دین حق کے بیان کرنے؛ اس کے واضح کرنے میں اور رسول اللہ ﷺ سے لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کمی کی ہے اور اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ دین میں قیل و قال کرے، یا اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ کرے۔ ایسا انسان لوگوں کے لیے شر اور برائی چاہتا ہے۔ اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوری امانت کے ساتھ سارے کا سارا دین اپنے سے بعد والے لوگوں تک پہنچا دیا تھا، اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ ایسی بدگمانی کرنے والا انسان جھوٹا گمراہ اور عنقریب ہلاک ہونے والا ہے۔ کیونکہ یہ انسان دوسرے الفاظ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر خیانت کا الزام لگا رہا ہے۔

حالانکہ قرآن و حدیث کا ہم تک سالم پہنچنا، اور پھر قرآن و سنت کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فیصلے ان کی علمی و عقلی اور دینی امانت کے گواہ ہیں۔ جس کے پاس جتنی بھی حدیث تھی، اس نے اس حدیث کی نشر و اشاعت میں کسی طرح بھی کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اللہ کے دین کا حق ادا کر دیا، مگر گمراہ لوگ اس پر چلتے ہیں، اور ان کے خلاف بدگمانی پھیلاتے ہیں۔ اعاذنا اللہ من شرھم.

قیاس کی ممانعت

اس سے مراد عقیدہ کے امور میں قیاس کی ممانعت ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۱۱۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله-: أنه ليس في السنة قياسٌ؛ ولا يضرب لها الأمثال؛ ولا تتبع فيها الأهواء، و[إنما] هو التصديق بآثار رسول الله ﷺ بلا كيف؛ و لا شرح؛ ولا يقال: لما؟ و كيف ؟))

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! جان لیجیے کہ سنت میں قیاس نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے ضرب الأمثال بیان کی جاسکتی ہیں اور نہ ہی سنت میں خواہشات کی پیروی کی جائے گی۔ بیشک سنت بغیر کیفیت اور بغیر شرح کے رسول اللہ ﷺ کے آثار کی تصدیق کا نام ہے اور یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ: یہ کیسے ہے؟ اور کیوں ہے؟''

شرح:......مؤلف رحمہ اللہ کی مراد اس قیاس کی ممانعت ہے جس سے سنت کو رد کیا جائے اور جو اعتقادی امور سے متعلق ہو۔ یا جو مناہج سنت اور اصول دین سے تعلق رکھتا ہو۔ ان میں قیاس درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ عقائد کے امور توقیفی ہوتے ہیں اور توقیفی امور میں قیاس نہیں کیا جاتا ہے؛ ان پر ایمان رکھنا لازم ہوتا ہے۔ یہاں پر بحث عقائد کے امور میں تھی؛ اور یہاں پر سنت سے یہی مراد ہے؛ جیسا کہ سلف صالحین کی عادت تھی۔ اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے قیاس کی ممانعت کا کہا ہے۔ یعنی جب سنت عقیدہ کے معنی میں ہو تو اس میں کوئی قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ عقیدہ کی بنیاد قطعی امور پر ہوتی ہے۔ ایسے ہی مناہج دین ان امور کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوں، اور نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوں۔ بالفاظ دیگر وہ امور جو نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہوں؛ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان پر عمل رہا ہو؛ ان میں قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

رہا فقہی مسائل میں قیاس؛ یعنی کسی چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرنا اور ان دونوں کا مرجع ایک ہی دلیل ہو؛ یا ان کے مابین علتِ حکم مشترک ہو۔ یا ایسے قاعدہ شرعیہ پر قیاس کرنا جو کہ نصوص صحیحہ سے مستند ہو؛ یا کسی نئے پیش آنے والے اجتہادی واقعہ اور مسئلہ کا قرآن و سنت میں موجود مسئلہ پر قیاس کرنا یہ جائز ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اس پر مسلمانوں کا آج تک عمل رہا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ رہے گا، اس دروازے کا کھلا رہنا اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......نہ ہی اس کے لیے ضرب الامثال بیان کی جاسکتی ہیں):

امثال سے مؤلف رحمہ اللہ کی مراد اشباہ و نظائر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے کہا: ''اے میرے بھتیجے!

جب میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سناؤں تو اس کے لیے مثالیں مت بیان کرو۔" ❶

مصنف کا قول: (یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ: یہ کیسے ہے......): یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے باب اور عقیدہ کے امور میں ہے۔ "بغیر کسی شرح کے" کہنے سے مصنف کی مراد ایسی شرح ہے جو اس کے صحیح معنی کے خلاف ہو۔ وہ شرح جو سنت کے دلائل کے برعکس ہو۔ جیسا کہ جہمیہ، قدریہ اور دوسرے ملحد اور زندیق فرقے قرآنی آیات کی من پسند اور جی بھاتی تاویل و تشریح کرتے ہیں۔ جب کہ دین کے باقی ابواب (فقہ عبادات و معاملات) میں شرح، توضیح اور ان آثار کا بیان بہت ضروری بلکہ واجب ہوتا ہے تاکہ لوگ دین کو سمجھ سکیں، یہ کام صرف ان ہی لوگوں کا ہے جو دین کا علم اور اس کی سمجھ کے ساتھ ساتھ مختلف مسائل کی مناسب شرح کرنے پر دسترس رکھتے ہوں۔ یہاں بھی لغو تاویل اور فاسد شرح کرنے کی اجازت ہرگز نہیں۔

علم کلام کی مذمت

۱۲:- (مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں):

((والكلام و الخصومة والجدال والمراءُ محدِثٌ؛ يقدح الشك في القلب؛ وإن أصاب صاحبه الحق والسنة.))

"اور (علم) کلام، خصومت، جھگڑا، اور بے جا ضد بازی یہ ساری چیزیں نئی ایجاد کردہ (اور بدعت) ہیں۔ جو انسان کے دل میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، اگر چہ یہ انسان حق اور سنت کو پا ہی لے۔"

شرح: ...... یہ قاعدہ بھی دین کے ان عظیم الشان قواعد میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں برقرار رکھا ہے، اور جس پر سلف صالحین کا اتفاق رہا ہے؛ کہ دین میں قیل و قال کرنا، اور ناحق جھگڑا کرنا یہ سب حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہدایت پر آنے کے بعد کبھی کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی، مگر جدال کی وجہ سے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾ ❷

"انہوں نے جو مثال بیان کی ہے یہ تو صرف جھگڑنے کے لیے ہے۔ حقیقت میں یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔"

یہ حقیقت ہے کہ جس انسان کی خواہشات تعلیمات نبوت کے تابع ہوں، اس کے ہاں کوئی شک و شبہ اور جھگڑا و جدال نہیں پایا جاتا۔ اس لیے کہ وہ مسلمان اور اطاعت گزار ہے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کو حرز جان سمجھتا ہے، فرمان ربانی ہے:

﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۳۸)

❶ اسے ابن ماجہ نے مقدمہ میں نقل کیا ہے، باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ اور تغليظ على من عارضه۔" رقم ۲۲؛ إسناده حسن۔

❷ الزخرف: ۵۸۔ الشریعة للآجری ۴۵

''اگر میری ہدایت (شریعت یا کتاب یا رسول) تم تک آوے تو اس پر چلنا جو میری ہدایت پر چلیں گے ان کو نہ ڈر ہوگا نہ غم۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴾ (طٰہ: ۱۲۳)

''اگر میری ہدایت (شریعت یا کتاب یا رسول) تم تک آوے تو اس پر چلنا جو میری ہدایت پر چلیں گے نہ ہی وہ گمراہ ہوگا اور نہ ہی بد بخت۔''

یہاں پر مسئلہ اتباع کرنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کا ہے۔ اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے دین میں جھگڑا اسی وجہ سے کیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر ایسے راضی نہ ہوئے جیسے اہل سنت والجماعت راضی ہوئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اہل سنت والجماعت کے تمام گروہ عقائد میں متحد ہیں اور ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو گمراہ فرقوں میں ہے، جن کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (البقرۃ: ۱۳۷)

''پھر اگر وہ (یعنی یہود اور نصاریٰ) اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم لوگ ایمان لائے ہو؛ تو راہ پا گئے اگر نہ مانیں تو (وہ ضد) بدبختی میں گرفتار ہیں قریب ہے (وہ زمانہ) کو اللہ ان کے شر سے تم کو بے فکر کر دے گا اور وہ سنتا (ہے ان کی باتوں کو) جانتا ہے۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے گروہ بندی سے منع کرتے ہوئے اتباع حق کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

''اور (اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے) یہ میری سیدھی راہ ہے اس پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو وہ تم کو اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گی یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے اس لیے کہ تم (ان کا خلاف کرنے سے) بچے رہو پھر (ایک بات اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے پہلے)۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (، اگر چہ یہ انسان حق اور سنت کو پا ہی لے): اس کے باوجود وہ خطا کار ہے۔ اس لیے کہ حق کو پانے کے لیے اس نے درست طریقہ اختیار نہیں کیا۔ درست طریقہ یہ تھا کہ قرآن وحدیث کو چوں و چراں کیے بغیر مان لیا جاتا اور جھگڑے میں پڑنے اور گہرائی میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے دلوں میں حسد و بغض پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر کفر اور گمراہی کے فتوے لگانے لگتے ہیں۔ مبتدعین اور گمراہ فرقوں کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ ان میں کفر کا فتویٰ لگانے کی بیماری بہت زیادہ ہے۔ جب کہ اہل سنت

والجماعت جنہوں نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے اس مصیبت سے محفوظ و مامون رکھا۔

محمد بن الحسین (آجری رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: ''جب اہل علم تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین نے یہ حدیث سنی تو انہوں نے دین میں جھگڑا نہیں کیا اور نہ ہی ناحق کٹ حجتی کی اور مسلمانوں کو کٹ حجتی اور ناحق جھگڑا کرنے سے ڈراتے رہے اور انہیں سنت اختیار کرنے، اور اس راہ پر چلنے کا حکم دیتے رہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔ اور یہی اہل حق کا طریقہ کار رہا ہے۔ (مختصر الشریعه ٤٥)

دین میں (علم) کلام (قیل و قال) پہلی صدی ہجری کے بعد کی ایجاد ہے؛ جسے مختلف فرقوں نے پیدا کیا ہے ۔حضرات سلف صالحین اس سے واقف نہیں تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ دین سلفِ صالحین رحمہم اللہ دین میں جھگڑا و جدال کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ خود بھی بغیر کسی مجبوری کے مناظرہ و جدال نہیں کیا کرتے تھے؛ سوائے اس کے کہ دین کی نصرت کے لیے مناظرہ کرنا لازمی ہو۔ ایسے ہی بعض فرقوں کے ساتھ نادر قسم کے مناظرات ہوئے ہیں ، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مناظرہ خوارج کے ساتھ؛ اور ایسے ہی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا خوارج کے ساتھ مناظرہ ۔ اور بعض ائمہ سلف صالحین کے مناظرے جیسے امام اوزاعی اور ثوری رحمہ اللہ کے قدریہ اور جہمیہ کے ساتھ مناظرے۔ پھر جب فرقے بہت بڑھ گئے تو سلف صالحین نے مجادلہ و مناظرہ کا اسلوب حکمت اور حسن بیان کے ساتھ؛ اس کی پوری شرائط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے؛ دین کی نصرت کے لیے بعض مواقع پر اختیار کیا۔ جس میں کوئی ناحق کٹ حجتی نہیں ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق ہے۔ آپ کی یہ مبارک عادت تھی کہ اپنے فریق مخالف پر حجت قائم کرنے سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں کہتے تھے۔ بھلے دوسرا مناظر باتیں کرتا رہ جائے۔ اسی وجہ سے آپ کے مناظروں میں حاظر ہونے والے بعض خلفاء اور سردار ناراض بھی ہو جایا کرتے تھے۔ مناظرہ کرنے سے سلفِ صالحین کا قصد اپنے مخالف پر حجت قائم کرنا ہوتا تھا۔ جب وہ دیکھتے کہ مناظرہ میں کوئی خواہ مخواہ کٹ حجتی کر رہا ہے، یا لوگوں کو دکھانے کے لیے ضرورت سے زیادہ طول دینا چاہتا ہے؛ تو اس وقت اس مناظر جیسا ہی ردِ عمل نہیں ظاہر کیا کرتے تھے؛ بلکہ خاموش ہو جایا کرتے ۔ اس جھگڑے کا نقصان یہ ہے کہ خود مناظر کے دل میں، اور سامعین کے دلوں میں شک پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ دین کی بنیاد تسلیم و تصدیق اور یقین پر ہے۔ اسی لیے قرآن وسنت میں وارد ہونے والی دلیلیں مختصر اور ایسی ہیں جو بدیہی طور پر سمجھ میں آسکیں؛ اور وہ فطرت سے موافقت بھی رکھتی ہیں ۔انہیں خواہ مخواہ طول نہیں دیا گیا۔ اسی چیز کی ان لوگوں کو ضرورت ہے جو حق اور اہل حق کی نصرت کے لیے اہل باطل سے مجادلہ اور مناظرہ کرتے ہیں۔

مسائل توحید

۱۳۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله-: أن الكلام في الرب -[تعالى]- محدث؛ وهو بدعة ضلالة؛ ولا يُتكلم في الرب؛ إلا بما وصف به نفسه -[عزو جل]- في القرآن؛ و ما بيّن رسوله ﷺ لأصحابه؛ وهو جل ثناؤه واحد: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾......))

''اور جان لیجیے: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے! بیشک رب تعالیٰ میں کلام کرنا نئی ایجاد ہے اور یہ بدعت اور گمراہی ہے۔ رب تعالیٰ کے بارے میں کلام نہیں کیا جائے گا سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات قرآن میں بیان کی ہیں؛ یا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے بیان کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل ثناؤہ اکیلا ہے، (فرمایا): ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔''

شرح: ...... یہ سابقہ اجمال کی تفصیل ہے۔ جب مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ دین میں کٹ حجتی اور ناحق جھگڑا کرنا نئی ایجاد اور بدعت ہے تو وہ سب سے خطرناک مسئلہ بھی بیان کیا جس کے بارے میں خصومات اور مناظرے ہوئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اسماء و صفات کے بارے میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں قیل و قال کرنا نئی ایجاد ہے؛ جسے گمراہ فرقوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا ذرا بھر خوف نہیں ہے؛ کہ وہ ذات و صفات الٰہیہ کے بارے میں جھگڑا کر کے ایسی چیزوں کا انکار کرتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ کبھی تو کلام اللہ کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول نہیں ہے، بلکہ ان کی اپنی ایجاد ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ ہم ان آیات کا معنی نہیں سمجھ سکتے، لہٰذا اس کا معنی اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے خالص اور واضح عربی کلام کو عجمی کلام سے بھی پرے قرار دیتے ہیں جسے عرب نہیں سمجھ سکتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ لوگ مبتدعین اور خواہشات کے پجاری دین میں تفریق پیدا کرنے والے گمراہ فرقے ہیں۔

اس لیے کہ لوگوں میں عقلی اور فطری طور پر اللہ تعالیٰ کو ماننا اور اس پر یقین کرنا ہے۔ اس بارے میں قرآن و حدیث میں جو چیز مجمل بیان ہوئی ہے، اس پر مجمل ایمان رکھا جائے، اور جو چیز مفصل بیان ہوئی ہے؛ اس پر مفصل ایمان رکھا جائے۔ اس سے زیادہ کی عقل میں استطاعت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کلام کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ناحق جھگڑا بازی کرنے سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((المراء في القرآن كفر.)) [1]

''قرآن میں ناحق جھگڑا کرنا کفر ہے۔''

---

[1] صحيح؛ رواه أحمد (۲/ ۲۵۸) وأبو داؤد (۴۶۰۳) و عبد الرزاق في المصنف (۱۴۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں سنا جو قرآنی آیات کو آپس میں ٹکرا رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''بیشک تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اللہ کی کتاب میں سے بعض آیتوں کو بعض دوسری آیات سے رد کرتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی کتاب آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے۔ سو اس کے کچھ حصہ سے باقی کو مت جھٹلاؤ؛ جس بات کا تمہیں علم ہو وہ کہہ دو، اور جس کا علم نہ ہو، وہ اس کتاب کے عالم پر چھوڑ دو۔'' ❶

اسی لیے صحابہ کرام اور سلف صالحین سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی مخلوقات میں تدبر وتفکر کیا جائے؛ اس سے ایمان بڑھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر نہ کیا جائے اس لیے کہ شیطان شکوک وشبہات کے دروازے کھولتا ہے۔

ویسے بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں قیل وقال کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس قدر علم دے دیا ہے، جو اس پر ایمان لانے کے لیے کافی ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے وہ صفات کمال بیان کی ہیں جن کا کسی بشر کے ذہن پر گزرنا بھی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی تمام بشریت مل کر اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی ایسی صفت بیان کرسکتی ہے جیسی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے بیان کی ہیں۔ اصل میں اس پیرائے میں ان لوگوں پر رد ہے جنہوں نے اپنی عقل کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ صفات کو ثابت کیا، اور باقی کا انکار کردیا۔ اس انکار کے نتیجہ میں انہیں ایسی صفات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا پڑیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان نہیں کیں۔ اس طرح انہیں ان کے کیے کا بدلہ مل گیا۔ اس لیے کہ جس نے بھی سنت کو چھوڑا اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں اسے بدعت میں مبتلا کردیا۔

اہل کلام قرآن کے ان آیات کے بارے میں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا بیان ہے، دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے ہیں:

مفوضہ: ...... جو کہتے ہیں؛ ہم ان آیات میں توقف کریں گے، اور کہتے ہیں کہ ان کا ظاہر مراد نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس کی مراد کو سمجھ سکتے ہیں۔

مؤولہ: ...... جو ان آیات کے اصلی معنی سے ہٹ کر اپنی مرضی سے تاویل کرتے ہیں۔

توحید اسماء وصفات

۱۴۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ربنا أول بلا متى؛ وآخر بلا منتهى؛ ويعلم السر و أخفى؛ وعلى عرشه استوى؛ و

❶ رواه مسلم (٢٦٦٦) وعبد الرزاق في المصنف (١٤٢-١٤٣)۔

علمه بكل مكان ؛ لا يخلو من علمه مكان .))

''ہمارا رب تعالیٰ بغیر انتہاء کے سب سے پہلے ہے اور بغیر کسی منتہاء کے سب سے آخر میں ہے۔ وہ خفیہ اور پوشیدہ باتیں جانتا ہے۔ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے'' اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے۔ اس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔''

شرح: ...... یہ مسلمانوں کے متفق علیہ عقائد میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہے، جس کی کوئی ابتداء نہیں، اور ابد تک ہے، جس کی کوئی انتہاء نہیں۔ یہ عقیدہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ایسے ہی آیا ہے، اور اس پر الہامی مذاہب کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحديد : ٣)

''وہ (سب سے) اوّل اور (سب سے) آخر (پچھلا) اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔''

اول: ...... یعنی وہ سب سے پہلے ہے؛ اس سے پہلے کچھ بھی نہیں۔

اور آخر: یعنی اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔

ظاہر، یعنی بلند ہے، اس سے اوپر کچھ بھی نہیں؛

اور باطن: یعنی اس سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں ہے۔

'' مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی ان صفات سے متصف ہیں، اور ہمیشہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے، انہیں کبھی زوال نہیں آئے گا۔ وہ اندھیر رات میں چٹیل چٹان پر چیونٹی کی حرکت کو بھی جانتا ہے......''❶

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء مبارکہ میں سے ایک اسم ''اول'' بھی بیان کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس صفت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس خادم مانگنے کے لیے آئیں تو آپ ﷺ نے ان سے کہا: تم یوں کہو:

((اللهم رب السموات ورب الأرض ورب العرش العظيم ، ورب كل شيء ، فالق الحب والنوى ، ومنزل التوراة والإنجيل ، والفرقان ، أعوذبك من شر كل شيء أنت آخذ بناصيته ، اللهم " أنت الأول" فليس قبلك شيء ، وأنت الآخر فليس بعدك شيء ، وانت الظاهر فليس فوقك شيء ، وأنت الباطن فليس دونك شيء اقض عنا الدين وأغننا من الفقر))❷

❶ اسماء الله الحسنى ص ١.

❷ مسلم ، كتاب التفسير؛ ورواه ابو داؤد والترمذى ، وابن ماجه و صححه الألبانى ۔

''اے اللہ! آسمانوں کے رب اور زمین کے رب، اور عرش عظیم کے رب، ہر ایک چیز کے رب! اے دانے اور گھٹلی کو پھاڑنے والے؛ تورات، انجیل اور فرقان کے نازل کرنے والے؛ میں ہر اس چیز سے تیری پناہ مانگتی ہوں جس کو تو پیشانی سے پکڑنے والا ہے؛ اے اللہ! تو ہی پہلا ہے، تجھ سے پہلے کچھ بھی نہیں؛ اور تو ہی آخری ہے؛ تیرے بعد کچھ بھی نہیں؛ اور تو ہی سب سے بلند ہے، تجھ سے اوپر کچھ بھی نہیں ہے؛ اور تو ہی باطن ہے، تیرے علاوہ کچھ بھی نہیں، ؛ ہم سے قرض ادا کردے، اور ہمیں فقر سے غنی کردے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا پیرایہ اسی عقیدہ کے بیان میں ہے اور ان لوگوں پر رد ہے جو ہر جگہ اور مکان پر اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کے قائل ہیں۔

حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دوسری امہات المؤمنین پر فخر کیا کرتی تھیں؛ اور فرماتی: '' تمہاری شادیاں تمہارے گھر والوں نے کروائی ہیں؛ اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کروائی ہے۔'' ❶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (الحدید: ۳) ''وہی اُول اور (سب سے) آخر (پچھلا) اور ظاہر اور پوشیدہ ہے۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((أنت الأول فليس قبلك شيء، وأنت الآخر فليس بعدك شيء، و أنت الظاهر فليس فوقك شيء، وأنت الباطن فليس دونك شيء)) ❷

''اے اللہ! تو ہی پہلا ہے، تجھ سے پہلے کچھ بھی نہیں؛ اور تو ہی آخری ہے؛ تیرے بعد کچھ بھی نہیں؛ اور تو ہی سب سے بلند ہے، تجھ سے اوپر کچھ بھی نہیں ہے؛ اور تو ہی باطن ہے، تیرے علاوہ کچھ بھی نہیں۔''

اہل علم کا کہنا ہے: یہاں پر ''ظہور'' سے مراد ''علو'' ہے؛ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ﴾ (الکھف: ۹۷)

''پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں۔''

یعنی کہ وہ ان پر بلند ہے؛ [جہاں تک کسی کی پہنچ ممکن نہیں] اور انہوں نے کہا ہے: ''یہ چار اسماء گرامی ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ ان میں سے دو اسماء اللہ تعالیٰ کی ازلیت اور ابدیت سے تعلق رکھتے ہیں اور دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کے بلند ہونے سے اور قریب ہونے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے بلند ہونے کے باوجود قریب ہے، ایسے ہی قریب ہونے میں بھی اپنی شان کے مطابق بلند ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (وہ اپنے عرش پر مستوی ہے......):

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا مسئلہ بھی باقی صفات کی طرح مناظرہ اور مجادلہ کا موضوع رہا ہے۔ جہمیہ معتزلہ اور اشاعرہ اور دوسرے باطل فرقے کچھ تو اس کا انکار کرتے رہے ہیں، اور کچھ نے اس میں تاویل کی ہے۔

❶ بخاری کتاب التوحید. ❷ مسلم، کتاب التفسیر؛ رواہ ابو داؤد والترمذی، وابن ماجۃ وصححہ الألبانی۔

اہل سنت والجماعت کا مذہب باقی اسماء وصفات کی طرح ''استوی'' میں بھی برحق اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی راہ پر رہا ہے؛ کہ یہ استوی حقیقی ہے، مگر اس کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اور یہ استوی ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔

قرآن سے عرش پر مستوی ہونے کے دلائل

عرش پر مستوی ہونے کے کتاب وسنت میں کئی ایک دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ (الرعد: ۲)

''اللہ وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے پھر عرش پر جا ٹھہرا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِیْ سِتَّةِ أَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی اللَّیْلَ النَّهَارَ﴾ (الاعراف: ٥٤)

''کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا؛ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝ لَهُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۝ وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ یَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفٰی﴾ (طه: ٥-٧)

''(یعنی اللہ) الرحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے سب اُسی کا ہے اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ أَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِیْرًا﴾ (الفرقان: ٥٩)

''جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا؛ وہ (جس کا نام) رحمٰن (یعنی بڑا مہربان) ہے تو اس کا حال کسی باخبر سے دریافت کرلو۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (الحديد: ٤)

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا جو چیز زمین میں داخل ہوتی اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔''

احادیث سے عرش پر مستوی ہونے کے دلائل

کتاب اللہ کی طرح احادیث مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے بے شمار دلائل ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لما قضى الله عزوجل الخلق؛ كتب كتاباً فهو عنده فوق العرش: "إن رحمتي سبقت غضبي)) [1]

''بیشک جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو ایک تحریر لکھی جو اس کے پاس عرش پر ہے اس میں لکھا ہوا ہے: ''بیشک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔''

یہ استوی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں، اور نہ ہی اس کی کوئی مثال بیان کر سکتے ہیں، اور نہ ہی اس کی کوئی تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

امام لالکائی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (یعنی اللہ) الرحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔'' کی تفسیر میں نقل کیا ہے، آپ فرماتی ہیں:

''استوی معلوم ہے؛ اس کی کیفیت مجہول اور اس پر ایمان رکھنا واجب ہے، اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے، اور اس کے متعلق بحث کرنا کفر ہے'' [2]

امام مالک رحمہ اللہ سے بھی اس قسم کی عبارت منقول ہے اور آپ کا یہ بھی فرمانا ہے:

''مسئلہ استواء تمام صفات میں ایک قاعدہ اور اصول کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا قول ہے اور جس نے تفویض کا مسلک سلف صالحین - اہل سنت والجماعت - کی طرف منسوب کیا، اور [یہ کہا کہ سلف] ان نصوص کو ان متشابہات میں سے قرار دیتے ہیں کہ جس کے معانی کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے،

---

[1] رواہ البخاری (٧٤٥٣)؛ مسلم (٢٧٥١)، المصنف (٦٥٦)؛ مختصر الشریعہ ١٦٨۔

[2] أقاويل الثقات في تأويل الأسماء والصفات والآيات المحكمات والمتشابهات: مرعي بن يوسف الكرمي المقدسي؛ مؤسسة الرسالة بيروت، ١/١١٨۔

اس نے جھوٹ بولا۔ اس لیے کہ سلف کا کلام اس جھوٹے کی تہمت کے برعکس ہے۔'' ❶

اور جن کا عقیدہ حلول واتحاد کا ہے۔ اگلے حاشیہ میں تفصیل آرہی ہے۔

امام ابوبکر الخلال نے اپنی کتاب " السنة " میں اپنی سند سے اسحق بن راہویہ سے اس آیت: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ کی تفسیر میں نقل کیا ہے: ''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ: ''بیشک وہ- اللہ تعالیٰ- عرش کے اوپر مستوی ہے اور ساتویں زمین کے نیچے تک ہر چیز کو جانتا ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العلو میں عبدالرحمن بن ابی حاتم سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''میں نے اپنے والد اور ابوزرعہ- رحمہما اللہ- سے ''أصول الدین'' میں اہل سنت و الجماعت کے مذہب کے بارے میں پوچھا؛ کہ انہوں نے مختلف علاقوں کے علماء کو کس مذہب پر پایا، اور ان کا کیا عقیدہ ہے؟ تو انہوں نے کہا: ''ہم نے تمام شہروں: عراق، حجاز، مصر، شام اور یمن میں علمائے کرام کو اس مذہب پر پایا کہ ان کا عقیدہ تھا: ''بیشک اللہ تعالیٰ عرش پر ہے، اور اپنی مخلوق سے جدا ہے، جیسا کہ اس نے اپنے اوصاف اپنی کتاب میں بیان کیے ہیں؛ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے بغیر کیفیت کے بیان ہوئے ہیں اور بیشک وہ اپنے علم سے تمام اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کی مانند کچھ بھی نہیں ہے، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے'' ❷

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے: ''جس انسان نے کہا: ''میں نہیں جانتا کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں، اس نے کفر کیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (رحمن عرش پر مستوی ہے)۔

اس کا عرش سات آسمانوں کے اوپر ہے اور وہ اعلیٰ علیین میں ہے، اور اسے اوپر پکارا جاتا ہے، نہ کہ نیچے۔ ❸

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: (اس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے......):

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہیں۔ مگر اپنے علم کے اعتبار سے کائنات کے ذرہ ذرہ کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ (آل عمران: ٥)

''اللہ (ایسا خبیر وبصیر ہے کہ) کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں۔ نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔''

اللہ تعالیٰ کا زمین اور زیر زمین کے رازوں کو جاننا، تحت الثری کے امور سے خبردار ہونا اس کے عرش پر ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور کوئی بھی چیز اس کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ تمام

❶ الارشاد الی صحیح الاعتقاد والرد علی أهل الشرك والإلحاد: شیخ صالح بن فوزان بن عبد الله آل فوزان ١/ ١٤٠۔

❷ اثبات صفة العلو ١/ ١٢٨۔

❸ الصفات الإلهية في الكتاب والسنة النبوية/ ڈاکٹر محمد أمان بن علي الجامي- ٨٤۔

مخلوق اللہ کی نسبت ایسی حقیر ہے گویا کہ کچھ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا اور سب پر بلند ہے، ہم اسے کسی چیز پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (الزمر: ٦٧)

''اوران کافروں نے اللہ کا جیسا مرتبہ تھا ویسا مرتبہ نہیں سمجھا (جب تو شرک کرنے لگے) اور (وہاں تو یہ حال ہے کہ) قیامت کے دن ساری زمینیں (ساتوں زمینیں) اس کی ایک مٹھی میں ہونگی اور آسمان (ایک کاغذ کی طرح) اس کے داہنے ہاتھ پر لپٹے ہوں گے یہ لوگ جن کو اس کا شریک بتاتے ہیں اس کی ذات ان سے (کہی) پاک اور برتر ہے۔''

سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی ہیبت، اس کبریائی اور جبروت کا احساس اور ادراک نہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو دہراتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ٥ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ٥﴾ (الحج: ٧٣-٧٤)

''لوگو (تمھارے سمجھانے کے لیے) ایک مثال بیان کی جاتی ہے دل لگا کر سنو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (بت یا اوتار یا جن یا شیطان یا اولیاء وغیرہ) وہ ہرگز ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے گو اس کے (بنانے کے لیے (سب کے سب) اکٹھا ہو جائیں (سب مل کر بھی نہیں بنا سکتے) اور (خیر بنانا تو کجا) اگر مکھی ان سے کچھ اچک لے (چھین کر چل دے) تو (پھر) اس سے وہ چیز چھڑا نہیں سکتے (وہ ہاتھ کہاں آتی ہے) چاہنے والا اور جسے چاہتے ہیں دونوں بودے کمزور۔ ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ جیسے کرنا چاہیے ویسا مرتبہ نہیں کیا بے شک اللہ تعالیٰ تو طاقت والا زبردست ہے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (وہ خفیہ اور پوشیدہ باتیں جانتا ہے؛ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے): سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہونا اس کے خفیہ اور پوشیدہ باتیں جاننے کے منافی نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب وہ اپنے عرش پر مستوی ہوتا ہے تو لوگوں سے دور ہو جاتا ہے۔ اب نہ ہی وہ دیکھتا اور سنتا ہے اور نہ ہی کچھ جانتا ہے۔ معاذ اللہ

ایسا کرنا تو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے ہر قسم کی تشبیہ اور مماثلت سے بری ہے۔ ایسی صورت میں مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات والی آیات اور احادیث پر مکمل ایمان رکھتے ہوئے بغیر کسی تأویل اور تحریف کے، اور بغیر کسی تشبیہ اور تمثیل کے بیان کرنے کے ان پر ایمان لائے۔ کہ ان الفاظ کے وہی معنی ہیں جو ہم سمجھتے ہیں۔ مگر اس کی کیفیت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ

کے عرش پر بلند ہونے اور خفیہ امور کے عالم ہونے کے مابین کوئی اختلاف یا تضاد باقی نہیں رہے گا۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے۔ اس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے)۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ (آل عمران: ۵)

''بے شک اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الانعام: ۵۹۔ ۶۰)

''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اس کو (بھی وہی) جانتا ہے اور ایک پتہ نہیں گرتا مگر اس کو معلوم رہتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں (یعنی زمین کے اندر یا تاریک مقاموں میں) اور نہ کوئی ہرا نہ کوئی سوکھا جو کھلی کتاب (لوح محفوظ میں)۔ اور وہی اللہ ہے جو رات کو تم کو سلا دیتا ہے (یا تمھاری جان اٹھا لیتا ہے) اور دن میں جو (کام) تم کر چکے تھے اُس کو جانتا ہے پھر سوتے سے تم کو ایک مقرری مدت پوری ہونے کے لیے جگاتا ہے پھر اسی کی طرف تم کو لوٹ جانا ہے پھر جو کچھ تم (دنیا میں کیا کرتے تھے) وہ تم کو جتلا دے گا۔''

یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی مکمل دسترس اور کنٹرول میں ہے۔ کوئی بھی چیز اس کی پہنچ اور علم سے باہر نہیں ہے۔ وہ غیب کا علم جانتا ہے، اور دور ہو کر بھی اپنی قدرت کے ساتھ ہر انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے؛ اور دل کی دھڑکنوں کا جاننے والا ہے اور کائنات کی کوئی ادنیٰ سے ادنی چیز بھی اس کی مشیت کی خلاف نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر چیز میں موجود ہے، اسے عقیدہ حلول و اتحاد کہا جاتا ہے۔ سلفِ صالحین اس عقیدہ کے نام تک سے واقف نہیں تھے۔ بلکہ یہ عقیدہ علم کلام اور علم فلسفہ آجانے کے بعد کی ایجاد ہے۔ جسے جاہل صوفیوں نے ہوا دی اور مسلمانوں کے سادہ لوگ ان کے پھندوں کا شکار ہو گئے۔

ایسے لوگ اپنے عقیدہ اور مذہب کی تائید میں متشابہ آیات پیش کرتے ہیں اور پھر اپنی مرضی سے ان آیات کی تفسیر کرتے ہیں جو کہ حق تعالیٰ کی مراد سے ہٹ کر ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے متشابہات میں بلاوجہ کٹ حجتی کرنے سے منع فرمایا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتٰبِ وَأُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ (آل عمران : ۷)

''وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی۔ جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تا کہ فتنہ برپا کریں اور مرادِ اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مرادِ اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

ایسے لوگ اپنے مذہب کی تائید میں بذیل آیات پیش کرتے ہیں:

﴿وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ﴾ (الانعام: ۳)

''اور آسمان اور زمین میں وہی (ایک) اللہ ہے۔''

نیز یہ آیت مبارکہ:

﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ﴾ (الزخرف: ۸۴)

''اور وہی (ایک) آسمانوں میں معبود ہے اور (وہی) زمین میں معبود ہے۔''

ان آیات سے ایسے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں جن کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ حالانکہ اہل علم اور اہل حق کے ہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ﴾ (الانعام: ۳)

''اور آسمان اور زمین میں وہی (ایک) اللہ ہے تمہاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتیں جانتا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو سب سے واقف ہے۔''

اہل علم کا کہنا ایسے ہی ہے جیسے کہ سنت میں آیا ہے؛ یعنی: ''بیشک اللہ تعالیٰ عرش پر ہے؛ اور اس کا علم تمام خلق کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ ہر خفیہ اور اعلانیہ چیز کا جاننے والا ہے، کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ وہ جہری باتوں کا بھی جاننے والا ہے؛ اور دلوں کے خفیہ حال بھی جانتا ہے۔ وہ ہمارے دل کی دھڑکنوں، اور ارادوں سے واقف ہے۔

اور سورت زخرف والی آیت: ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اہل سماوات کا معبود بھی وہی اللہ ہے، اور اہل زمین کا معبود برحق بھی وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کی عبادت اور پوجا آسمانوں میں ہوتی ہے، اور اس کا حکم چلتا ہے اور اسی کی سچی عبادت زمین میں بھی ہوتی ہے اور اسکے توحید پرست بندے قیامت تک اس کی توحید کی دعوت دیتے رہیں گے، اور اس کی عبادت کرتے رہیں گے، اور لوگوں کو اس طرف بلاتے رہیں گے، اللہ معبود برحق کے علاوہ زمین میں جتنے بھی خودساختہ معبودوں کو پوجا جائے، ان کی عبادت غلط اور باطل ہے، اور

ایسا کرنے والا مشرک غلط راہ پر ہے۔

صفات کے متعلق ایک قاعدہ

۱۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا يقول في صفات الرب : كيف؟ و لم ؟؛ إلا شاك في الله تبارك وتعالىٰ .))

''اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں کوئی یہ نہیں کہتا: کیسے اور کیوں؟ سوائے اس انسان کے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو۔''

شرح: ......اس پیرائے مراد یہ ہے کہ نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صفات مبارکہ کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ وہ کس طرح اور کیسے ہیں؟ اور نہ ہی کسی صفت کی علت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی فلاں صفت ایسے کیوں کر ہے۔ کیونکہ یہ غیبی امور ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔

ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق سوائے ملحدین اور منکرین کے کوئی مشرک یا اہل کتاب شک میں نہیں، تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بار باران لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اقرار کروایا ہے تا کہ انکار کی راہیں بند کی جائیں، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؁ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؁ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؁ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؁ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؁﴾ (النمل: ٦٠ تا ٦٤)

''(کیا وہ شریک بہتر ہیں) یا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمھارے لیے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ساتھ رونق والے باغات اگائے، تمھارے بس میں نہ تھا کہ ان کے درخت اگاتے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو راستے سے ہٹ رہے ہیں۔ (کیا وہ شریک بہتر ہیں) یا وہ جس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان رکاوٹ بنادی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی

(اور) معبود ہے؟ بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔ یا وہ جو لاچار کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے اور تمھیں زمین کے جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔ یا وہ جو تمھیں خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راہ دکھاتا ہے اور وہ جو ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بہت بلند ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یا وہ جو پیدائش کی ابتدا کرتا ہے، پھر اسے دہراتا ہے اور جو تمھیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ کہہ لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو۔''

پھر ایسے لوگوں کا سچا ہونا بیان کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر بغیر کسی تاویل و تحریف کے کامل یقین رکھتے ہیں فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾ (الحجرات: ۱۵)

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور پھر شک و شبہ نہ کریں۔''

سو مراد یہاں پر صفات باری تعالیٰ بھی ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اللہ تعالیٰ پر محض ایمان رکھتے تھے مگر اس کی صفات اور افعال کو اپنے معبودوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو ان کی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لیے برحق اور ثابت مانتے ہیں، اور ان میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کرتے؛ نہ ہی ان کے لیے کوئی مثال بیان کرتے ہیں، اور نہ ہی ان میں تحریف یا تاویل کرتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ ان صفات کے وہی معانی ہیں جو الفاظ سے ظاہر اور عیاں ہیں۔ لیکن ان صفات کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تفویض کرتے ہیں، چنانچہ ان کے ہاں مشہور قاعدہ ہے:

((القول في الصفات كالقول في الذات.))

''اللہ تعالیٰ کی صفات میں کلام ایسے ہی ہے جیسے اس کی ذات میں کلام ہے۔''

یعنی بغیر کیفیت کی گہرائیوں میں جانے کے اس کی حقیقت پر ایمان رکھا جائے۔

اور دوسرا قاعدہ ہے کہ:

((القول في بعض الصفات كالقول في بعض آخر.))

''بعض صفات کے بارے میں کلام کرنا ایسے ہی ہے جیسے بعض دوسری صفات کے بارے میں۔''

اس سے مقصود یہ ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات مانتے ہیں، جیسے اس کا علیم ہونا، خبیر ہونا خالق و قادر ہونا وغیرہ۔ مگر دوسری صفات کا انکار کرتے ہیں: جیسے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ؛ انگلیاں اور پاؤں وغیرہ۔ حالانکہ جیسے اللہ کا علم اور قدرت اس کی شان کے لائق ہے، ایسے ہی اس کے ہاتھ اور پاؤں اس کی شان کے لائق ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

الحمد لمن قدّر خير و خبالا

والشكر لمن صوّر حسناً وّ جمالا

فردٌ صمدٌ عن صفة الخلق بريٌّ

رب أزلي خلق الخلق كمالا

''تمام تر تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے بھلائی اور برائی کو مقدر کر دیا ہے اور اس ذات کے لیے شکر ہے جس نے حسن و جمال کی تصویر سازی کی ہے۔ وہ اکیلا ہے، بے نیاز ہے اور مخلوقات کی صفات سے بری ہے۔ وہ ازلی رب ہے جس نے پوری خلق کو کمال کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔''

قرآن کے بارے میں

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حقیقی کلام کیا ہے، جسے جبریل امین علیہ السلام نے سنا اور پھر اسے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ قرآن نازل ہونے کے وقت سے لے کر آج تک سلف صالحین کا یہی ایمان وعقیدہ رہا ہے اور اسی پر اہل سنت والجماعت آج تک قائم ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی اس عقیدہ کی مخالفت نہیں کی۔ جب جہمیہ اور قدریہ کا فتنہ پیدا ہوا تو لوگ اللہ کے کلام کے متعلق باتیں بنانے لگے، اور قرآن کو مخلوق کہنے لگے۔ چنانچہ جہم بن صفوان اور جہمیہ کے بغل بچوں: معتزلہ، قدریہ، رافضہ؛ زیدیہ؛ اباضیہ اور شیعہ نے یہ مسئلہ جہم بن صفوان سے لیتے ہوئے قرآن کے کلام اللہ اور اس کی صفت ہونے کا انکار کیا اور اسے مخلوق کہنے لگے۔ اور اہل سنت والجماعت کے حق منہج سے بھٹک گئے، اور ان کی مخالفت کرنے لگے۔ اس لیے کہ ان کے ایمان و عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرتا؛ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ چونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بیشتر صفات کا انکار کرتے ہیں، یا اس میں تأویل کرتے ہیں۔ ان حالات میں جہمیہ اور معتزلہ کو بعض عباسی خلفاء کی حمایت بھی حاصل ہوگئی؛ جس کی وجہ سے انہوں نے ڈنڈے کے زور پر اس عقیدہ کو لوگوں سے منوانا شروع کیا۔ بے شمار بے گناہ لوگ قتل کر دیے گئے۔ ہزاروں کی جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے جانا پڑا اور ہزاروں کو کوڑے لگائے گئے۔ ان حالات میں آئمہ اہل سنت والجماعت نے اپنی جانوں کے نذرانے دیکر اس عقیدہ کی حفاظت کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس عظیم قربانی پر اجر عظیم عطا فرمائے۔

اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ قرآن کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کر رہے ہیں۔

۱۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والقرآن كلام الله و تنزيله ونوره؛ ليس بمخلوق؛ لأن القرآن من الله؛ وما كان من الله فليس بمخلوق؛ وهكذا قال مالك بن أنس، وأحمد بن حنبل، والفقهاء

قبلهما و بعدهما؛ و المراء فيه كفر .))

''قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام، اس کا نازل کردہ، اور اس کا نور ہے۔ جو کہ مخلوق نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن اللہ تعالیٰ ہی سے ہے، اور جو چیز اللہ کی طرف سے ہو؛ وہ مخلوق نہیں ہے۔ یہی مالک بن اُنس، احمد بن حنبل اور ان سے پہلے اور بعد کے فقہاء رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور اس میں شک کرنا کفر ہے۔''

شرح: ......قدیم اور جدید ہر دور کے مسلمانوں کا یہ متفق علیہ قول رہا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں۔ اس لیے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اور اللہ کا علم مخلوق نہیں ہوسکتا۔ اس پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ؛ اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی ایک دلائل موجود ہیں۔ جن کا انکار فرقہ جہمیہ اور خوارج کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾

(التوبہ: ٦)

''اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلامِ الٰہی سننے لگے پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ٧٥)

''کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے؟ (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلامِ الٰہی (یعنی تورات) کو سنتے پھر اسے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدلتے رہے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (الاعراف: ١٥٨)

''تو اللہ پر اور اُس کے رسول پیغمبر اُمّی (ﷺ) پر، جو اللہ پر اور اُس کے [تمام] کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور اُن کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔''

اور ارشادِ ربانی ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ﴾ (الفتح: ١٥)

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو تبدیل کر دیں۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ﴾ (البقرة: ۱٤٥)

''اور اگر تم ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے کر آ ؤ تو بھی یہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں۔''

ان آیات سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اپنا کلام؛ اپنے کلمات اور اپنی کتاب کہا ہے؛ اور اسے اپنی طرف مضاف (منسوب) کیا ہے۔ اور ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل ڈالتے ہیں۔

گمراہ فرقوں کا یہ کہنا کہ: ''قرآن کی اضافت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے ہی ہے جیسے اونٹنی کی اضافت، یا مسجد کی اضافت۔ کہا جاتا: ناقۃ اللہ، (اللہ کی اونٹنی)؛ بیت اللہ (اللہ کا گھر)؛ عبد اللہ (اللہ کا بندہ)؛ حالانکہ یہ تمام مخلوق ہیں؛ ایسے ہی کلام اللہ بھی مخلوق ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہی تمہاری تلبیس و افتراء اور کذب بیانی ہے جس میں تم راہ حق سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی دو قسمیں ہین:

۱۔ اضافت معنوی

۲۔ اضافت عینی

اضافت معنوی:...... صفت کو موصوف کی طرف مضاف کرنا ہے اور یہی حقیقی اضافت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات آتی ہیں جیسے سمع، بصر کلام وغیرہ۔

اضافت عینی:...... جیسے: ناقۃ اللہ، (اللہ کی اونٹنی)؛ بیت اللہ (اللہ کا گھر)؛ عبد اللہ (اللہ کا بندہ)۔ یہ تمام مخلوق کے اپنے خالق کی طرف مضاف ہونے کی مثالیں ہیں۔ اسے شرف و عزت اور تکریم کی اضافت بھی کہتے ہیں۔

ان لوگوں نے ان دونوں کو آپس میں ملا دیا؛ اور ان میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت نے عقائد کی کتابوں میں گمراہ فرقوں پر رد کرتے ہوئے یہ بات بڑے زور کے ساتھ کہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہو، تو پھر یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ حکم بھی دیتا ہے، اور منع بھی کرتا ہے؟ جب کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے اوامر و نواہی سے بھرا ہوا ہے۔ علمائے سلف نے اسی عقیدہ کی تعلیم دی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اسے اپنی آراء سے نہ بدلو۔'' [1]

حضرت عبادہ بن ولید بن عبادہ بن صامت رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ''وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہ وہ

[1] رواہ عبدالرزاق في المصنف ١٥٦؛ ابن بطه في الإبانه (٢١)، مختصر الشريعه ٥٧۔

-اپنے والد- عبادہ کی عیادت کے لیے گئے ؛ ان پر موت کے آثار نمایاں تھے۔-ولید نے - اپنے والد - عبادہ بن صامت- سے کہا:

''اے میرے ابا! مجھے کچھ وصیت کیجیے۔ تو انہوں نے کہا: بیٹھو۔ بیشک تم ایمان کی چاشنی ہرگز نہیں پا سکتے اور نہ ہی ایمان کی حقیقت کو پہنچ سکتے ہو یہاں تک ہر اچھی اور بری تقدیر- کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے- پر ایمان لے آؤ۔ میں نے کہا:'' میں کیسے جان سکتا ہوں کہ اچھی اور بری تقدیر کیا ہے؟ فرمایا کہ:'' جان لے کہ جو چیز تجھ سے ٹل گئی ہے، وہ ہرگز تجھے پہنچنے والی نہیں تھی اور جو کچھ تجھے پہنچ گیا وہ ہرگز ٹلنے والا نہیں تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

''بیشک سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے کہا لکھ۔ سو قلم نے اس وقت سے لے کر جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا، لکھ دیا۔ اگر تمہاری موت اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر آ گئی تو جہنم میں جاؤ گے۔'' ❶

محمد بن الحسین آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی ہمیشہ سے اپنی صفات کے ساتھ دیکھتا رہا، سنتا رہا اور کلام کرتا رہا ہے اور جس نے اس کے علاوہ کوئی عقیدہ رکھا اس نے کفر کیا۔

مصنف کا قول: (اس میں شک کرنا کفر ہے):

مراد یہ ہے کہ قرآن کا اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہونا ہمیشہ سے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ رہا ہے، اور اس کے خلاف عقیدہ کو انہوں نے ہمیشہ کفر ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ احمد بن ابی عوف فرماتے ہیں: میں نے ہارون القزوینی سے سنا، وہ فرماتے تھے: میں نے اہل مدینہ کے علماء اور محدثین میں سے کسی کو بھی نہیں سنا مگر وہ ان لوگوں پر رد کر رہے تھے جو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں، اور انہیں کافر کہتے تھے۔ ہارون قزوینی کہتے ہیں: میرا بھی یہی عقیدہ ہے۔'' ❷

احمد بن یونس کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے سنا؛ انہوں نے کچھ قرآن پڑھا اور پھر فرمایا:'' جس نے یہ گمان کیا کہ یہ-قرآن-مخلوق ہے، اس نے اللہ تعالیٰ عظمت والے کے ساتھ کفر کیا۔'' ❸

یعقوب الدورقی نے احمد بن حنبل - رحمہما اللہ - سے اس انسان کے متعلق پوچھا جو قرآن کو مخلوق کہتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:''' جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کا علم مخلوق ہیں؛ سو اس نے کفر کیا؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (آل عمران : ٦١)

''پھر [بھی] اگر کوئی آپ سے اس کے بارے میں جھگڑا کرے اور آپ کے پاس علم آچکا ہے۔''

❶ رواه عبدالرزاق في المصنف (١٨٠) وأحمد بن حنبل في مسنده (٥/ ٣١٧)؛ وابن ابی شیبه في مصنفه (١٤/ ١١٤)؛ و الترمذی في جامعه (٢١٥٥)؛ وصححه الألباني في " ظلال الجنة - وابن أبي عاصم في السنة [١١١]۔

❷ مختصر الشريعه ٥٨؛ المصنف (١٦٢)۔

❸ مختصر الشريعه ٥٨؛ المصنف (١٦٣)۔

کیا یہ قرآن نہیں ہے؟ سو جس نے یہ گمان کیا کہ: اللہ تعالیٰ کا علم، اس کے اسماء اور اس کی صفات مخلوق ہیں وہ کافر ہے، اور اسکے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں؛ جب اس کا عقیدہ ایسا ہو۔ یا اس کی رائے یا مذہب ہو، ایسا شخص ہمارے نزدیک کافر ہے۔'' ❶

ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''جس نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے، اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، اور اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہی جو نہ یہود نے کہی ہے اور نہ ہی نصاریٰ نے۔'' ❷

ابو زکریا یحییٰ بن یوسف زمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''میں نے عبد اللہ بن ادریس سے سنا، ان سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو کہتا تھا قرآن مخلوق ہے۔ تو انہوں نے کہا: ''کیا وہ انسان یہود میں سے ہے؟ - کہا نہیں - پھر کہا: کیا وہ عیسائیوں میں سے ہے؟ کہا نہیں۔ کہا: کیا وہ مجوس میں سے ہے؟ کہا: نہیں۔ پوچھا: پھر کن لوگوں میں سے ہے؟ کہا اہل توحید میں سے ہے۔ تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی پناہ! کہ ایسا انسان اہل توحید میں سے ہو۔ یہ انسان زندیق ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ قرآن مخلوق ہے، یقیناً اس نے یہ گمان یا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سو رحمٰن مخلوق نہیں ہوسکتا اور رحیم مخلوق نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہرگز مخلوق نہیں ہے۔ یہ (عقیدہ کہ قرآن مخلوق ہے) زندیقیت کی اصل ہے۔'' ❸

محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبل - رحمہما اللہ - نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث: ((إن أول ما خلق الله[من شيء] القلم .)) ''بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء میں سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا'' سے - ان لوگوں پر بہت قوی حجت قائم کی ہے - جو کہتے ہیں: ''بیشک قرآن مخلوق ہے۔'' گویا کہ آپ کا کہنا ہے: ''کلام قلم کے پیدا کرنے سے پہلے موجود تھا۔ جب کہ تمام اشیاء میں اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی تخلیق قلم ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تخلیقات سے پہلے بھی موجود تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، اور اس سے کہا: لکھ۔ قلم نے کہا: کیا لکھوں؟ (رب نے) کہا: جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے، پھر اس کے بعد دوات کو پیدا کیا، اور اس کی پیٹھ پر زمین کو پھیلا دیا۔ یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ن

---

❶ صحيح ؛ رواه عبدالرزاق في المصنف ١٧٠؛ مختصر الشريعه ٥٩۔
❷ رواه عبدالرزاق في المصنف ١٧٧؛ السنة لعبدالله بن احمد ٧١؛ مختصر الشريعه ٦١۔
❸ مصنف ١٦١۔ لالكائي ٤٣١۔ مختصر الشريعه ص ٥٧۔

وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ ❶

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی مخلوق قلم ہے، اور کلام اس سے پہلے بھی موجود تھا جو کہ اس کی صفت اور کلام ہے، مخلوق نہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اس میں شک کرنا کفر ہے): اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک کرنا ہے۔ کوئی شخص اگر اس جھگڑے اور مخاصمے کی وجہ سے کسی ایک نتیجہ تک نہ پہنچ سکتا ہو؛ اور وہ کہے کہ: میں سمجھ نہیں پاتا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے یا پھر مخلوق ہے۔ یا کہے کہ مجھے اس کے صفتِ الٰہی ہونے کے بارے میں شک ہے۔ اس کے بارے میں مصنف فرماتے ہیں کہ قرآن کے صفتِ الٰہی ہونے میں شک کرنا کفر ہے۔

دیدارِ الٰہی

۱۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بالرؤية يوم القيامة؛ يرون الله [عزو جل] بأبصار رؤوسهم، وهو يحاسبهم بلا حجاب و لاتُرجمان .))

"روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے دیدار پر ایمان؛ (مؤمنین) اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی ان آنکھوں سے دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ بغیر کسی ترجمان اور حجاب کے ان کا محاسبہ کرے گا۔"

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ثابت اور اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القيامة: ٢٢-٢٣)

"اس روز بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے۔ (اور) اپنے پروردگار کے محوِ دیدار ہوں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ انہیں دیدارِ الٰہی سے روک دیا جائے گا، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ (المطففين: ١٥-١٧)

"بیشک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے اوٹ میں ہوں گے۔ پھر دوزخ میں جا داخل ہوں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔"

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کے دیدار سے روکے جائیں گے جب کہ مؤمنین اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، اور وہ اس سے نہیں روکا جائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا اکرام ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ﴾ (يونس: ٢٦)

"اور جن لوگوں نے احسان کیا، ان کے لیے حسنیٰ (یعنی جنت) ہے، اور زیادہ بھی۔"

❶ مختصر الشريعة ٦٣؛ مصنف (٣٥٠)، ابو يعلى الموصلي في مسنده ٢٣٢٩۔ صحيح، موقوف۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس زیادہ کی تفسیر دیدارِ الٰہی سے کی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ﴾ (ق : ٣٥)

''وہ جو چاہیں گے وہاں ان کو ملے گا اور ''کچھ زیادہ'' بھی ہمارے پاس ہے۔''

مفسرین کرام فرماتے ہیں: ''کچھ زیادہ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرہ کا دیدار ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں:

''لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم قیامت والے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم دوپہر کے وقت سورج کو دیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس کرتے ہو؟ جب بادل نہ ہوں۔'' کہنے لگے: نہیں۔ پھر فرمایا: کیا تم چودھویں کی رات چاند کو دیکھنے میں تکلیف محسوس کرتے ہو؟ جب بادل بھی نہ ہوں۔ کہنے لگے نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے! ایسے ہی تمہیں اپنے رب کے دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو دیکھنے میں تکلیف نہیں محسوس کرتے۔''❶

دیدارِ الٰہی کی اقسام

مصنف رحمہ اللہ کا قول: (......اللہ بغیر کسی ترجمان اور حجاب کے ان کا محاسبہ کرے گا): یعنی قیامت والے دن انسان اپنے رب کے ساتھ خلوت میں ہوگا، اور رب بندے کے اعمال پر اس کا محاسبہ کرے گا۔ یہ محاسبہ اسی زبان میں ہوگا جو وہ سمجھتا ہوگا۔ اللہ اور بندے کے مابین کوئی ترجمانی کرنے والا نہیں ہوگا۔ یہاں پر مصنف رحمہ اللہ کے کلام میں اجمال ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دو قسم کا ہے۔

عام دیدار اور خاص دیدار۔

عام دیدار اہل محشر کے حق میں وارد ہوا ہے۔ یعنی اس موقع پر سارے کے سارے لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

یہ دیدارِ الٰہی کئی مراحل میں ہوگا:

پہلا مرحلہ:......تمام بشریت مسلمان، کافر اور منافق سب خلقت اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کا دیدار کرے گی۔ یہ دیدار محشر میں ہوگا، اور اجمالی ہوگا اور اس دیدار میں لوگوں کے احوال مختلف ہوں گے۔ مؤمنین اللہ تعالیٰ کے دیدار سے لطف اندوز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان میں سے ہی بنا دے۔ کافر اور منافق ذلت، رسوائی اور حقارت کے عالم میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے؛ جس سے لطف اندوز نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے دل میں خوف و ڈر پیدا ہوگا، بے چینی بڑھ جائے گی، جس سے ان کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔

❶ صحیح، رواہ مسلم (٢٩٨٦)؛ بخاری (٧٤٣٨)، مصنف (٥٩٦)، مختصر الشریعه (ص ١٥٨)۔

دوسرے مرحلہ میں صرف مسلمان ہی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، کافروں اور منافقوں سے اپنی شان کے لائق اللہ تعالیٰ پردہ فرمالیں گے۔ بعض علماء نے حشر میں دیدارِ الٰہی کے تین مراحل بیان کیے ہیں۔ پہلے مرحلہ میں تمام بشریت اللہ تعالیٰ کا اجمالی دیدار کرے گی۔ دوسرے مرحلہ میں صرف کفار کو یہ دیدار نصیب نہیں ہوگا، مؤمنین اور منافقین دیدار کریں گے، منافقین اس لیے تاکہ ان کا شوق دیدار بڑھے؛ مگر تیسرے مرحلہ میں انہیں بھی یہ دیدار نصیب نہیں ہوگا، جس کی وجہ سے ان کا عذاب اور بڑھ جائے گا - اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے؛ آمین -۔ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے۔

جب کہ خاص دیدارِ الٰہی جنت میں مؤمنین کو ہی نصیب ہوگا - اللہ تعالیٰ ہمیں بھی انہی لوگوں میں سے کردے -؛ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ہم کلام بھی ہوں گے۔

دیدارِ الٰہی کے منکر فرقے اپنی عادت کے مطابق متشابہ آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہے کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ تو پھر کبھی بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں ہے۔ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۴۳)

''اور جب موسیٰ ہمارے (مقرر کیے ہوئے) وقت پر (کوہ طور پر) آئے؛ اور موسیٰ کے مالک نے اس سے باتیں کیں؛ تو موسیٰ [علیہ السلام] نے کہا: اے مالک میرے (اپنے تئیں) مجھ کو دکھا: میں تجھ کو (ایک نظر) دیکھوں۔ مالک نے کہا: آپ مجھ کو (اس دنیا میں) ہرگز نہ دیکھ سکو گے؛ لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ تھما رہا تو آپ بھی مجھ کو عنقریب دیکھ سکو گے۔ پھر جب موسیٰ کے مالک نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کو چکنا چور کر دیا (ریزہ ریزہ یا زمین کے برابر) اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش کر گر پڑے؛ جب ہوش آیا تو کہنے لگے تو پاک ہے میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں (اس زمانے میں) سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔''

ان کا کہنا یہ ہے کہ عربی زبان میں لفظ: ''لَنْ'' لاکر جب کسی چیز کی نفی کی جاتی ہے تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نفی ہوتی ہے؛ یہ لفظ تابید (ہمیشگی) اور دوام کے لیے آتا ہے۔

جواب:...... یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ آیت کا مفہوم سمجھنے میں تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا ہے۔ لفظ: ''لَنْ'' سے کی گئی نفی ہمیشگی پر دلالت نہیں کرتی؛ بلکہ اس سے مراد یہ دنیا یا ایک لمبا زمانہ ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہود کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢبِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾

(البقرة: ٩٤-٩٥)

''مگر جو (برے) کام وہ پہلے کر چکے ہیں ان کی وجہ سے موت کی آرزو کبھی نہیں کرنے کے اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو خوب جانتا ہے۔ اور (محمد) تو تو ان لوگوں کو سب لوگوں سے زیادہ زندگی پر ریجھے ہوئے پائے گا یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی زیادہ ان میں کا ایک ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو حالانکہ اتنی عمر پانا بھی اس کو عذاب سے نہیں چھڑا سکتا اور اللہ تعالیٰ ان کے کام دیکھ رہا ہے۔''

اس آیت کے مطابق یہود کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، مگر اس کے ساتھ ہی قرآن میں یہ بھی آیا ہے کہ جب ان کا واسطہ آخرت کے عذاب سے پڑے گا تو وہ موت کی تمنا کریں گے تا کہ اس عذاب سے نجات حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ (الزخرف: ٧٧)

''اور دوزخی (داروغہ کو) پکاریں گے او مالک (کچھ ایسا کر) کہ تمہارا پروردگار ہمارا کام تمام کر دے وہ کہے گا تم کو تو (اسی حال میں) رہنا ہیں۔''

یعنی اس وقت وہ موت کی تمنا کریں گے، مگر انہیں موت نہیں آئے گی۔ اس سے ان کا شبہ رفع ہو گیا کہ لفظ: ''لَنْ'' سے نفی ہیشگی کے لیے ہوتی ہے۔

عربی زبان کے مشہور ثقہ عالم ابن مالک اپنی کتاب ''الكافية الشافية'' میں فرماتے ہیں:

ومن يرى النفي بلن مؤبدا

فقوله اردد و سواه فاعضدا

''جس کا خیال یہ ہو کہ لفظ: ''لَنْ'' سے نفی ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے، تو اس کے قول کو رد کیجیے، اور اس کے علاوہ (دوسرے) قول کی حمایت کیجیے۔''

شبہ دوم: ان لوگوں کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتے ہیں:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الانعام: ١٠٣)

''آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے اور وہ مہربان ہے (یا لطیف ہے کثیف نہیں) خبردار۔''

جواب: ......اس آیت مبارک میں دیدار الٰہی کی نفی نہیں ہے، بلکہ ادراک کی نفی ہے جو کہ احاطہ کے معنی میں ہے۔ ذات باری تعالیٰ کا احاطہ تو کوئی بھی نہیں کر سکتا؛ اس پر ہمارا بھی ایمان ہے۔ مگر احاطہ کرنا ایک علیحدہ امر ہے، جب کہ دیدار الٰہی ایک علیحدہ امر ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا دیدار نصیب فرمائے۔

سنت سے دیدارِ الٰہی کے دلائل

احادیثِ مبارکہ میں روزِ محشر میں دیدارِ الٰہی سے متعلق کئی ایک روایات وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ تفصیلی روایت ہے، جو اوپر گزر چکی ہے۔ جس میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے! ایسے ہی تمہیں اپنے رب کے دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو دیکھنے میں تکلیف نہیں محسوس کرتے۔''❶

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اچانک چاند کی طرف دیکھا، اور فرمایا:

''بیشک تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے، جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی تنگی نہیں ہوگی......''

میزان پر ایمان

۱۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإیمان بالمیزان یوم القیامة ؛ یوزن فیه الخیر و الشر ؛ له کفتان و لسان .))

''قیامت کے دن میزان پر ایمان (لانا واجب ہے)؛ جس میں خیر اور شر کا وزن کیا جائے گا؛ اس کے دو پلڑے ہیں، اور ایک زبان ہے۔''

شــرح: ...... قیامت والے دن میزان کا نصب کیا جانا اور اس میں وزن ہونا برحق؛ ثابت اور اہل سنت و الجماعت کے عقیدہ کا ایک جزء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ﴾ (الاعراف: ۷)

''اور اس روز (اعمال کا) تولنا برحق ہے۔ تو جن لوگوں کے (اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے وہ تو نجات پانے والے ہیں اور جن لوگوں کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اس لیے کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ اعمال کے ہلکے اور بھاری ہونے پر جزاء وسزا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾

(القارعة: ٦ تا ٩)

---

❶ صحیح مسلم، باب: صلاۃ الفجر و صلاۃ العصر، ح: ٦٣٣۔

''پھر جس کی تولیں (نیک اعمال کی) بھاری نکلیں گی۔وہ تو چین سے گزران کرے گا۔اور جس کی (نیک اعمال کی) تولیں ہلکی نکلیں گی۔اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔''

نیز اللہ تعالیٰ کفار کے اعمال کے وزن کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکھف: ۱۰۵)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

اس دن میں کمال عدل اور میزان کی حکمت و مصلحت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۴۷)

''اور ہم روزِ قیامت انصاف کا ترازو کھڑا کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اُسکو لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔''

جہاں ترازو کے نصب کیے جانے میں کمال عدل کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے یعنی اچھائیوں اور برائیوں کے وزن کرکے ان پر اتمام حجت کرے گا، وہیں دوسری حکمت کمال رحمت و شفقت کا اظہار بھی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يـؤتى يوم القيامة برجل إلى الميزان ، ويؤتى بتسعة و تسعين سجلًا؛ كل سجل منها مد البصر ، فيها خطاياه ، وذنوبه ، فتوضع في كفة الميزان ، ثم يخرج بطاقة بقدر أنملة فيها " شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله ، فتوضع في الكفة الأخرى ؛ فترجح بخطاياه و ذنوبه))❶

'' ایک انسان کو قیامت والے دن میزان کی طرف لایا جائے گا ، اور نامہ اعمال کے ننانوے دفتر لائے جائیں گے ، ہر ایک دفتر تا حدِ نگاہ پھیلا ہوگا ، ان میں اس کے گناہ اور خطائیں ہوں گی ۔ سو وہ دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے ، اور پھر انگلی کے برابر ایک بطاقہ نکالا جائے گا جس میں: ''لا إله إلا الله محمد رسول الله '' کی گواہی ہوگی؛ اسے ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو یہ ۔گناہوں اور خطاؤں والے پلڑے پر۔ بھاری ہو جائے گا۔''

یہ ترازو اتنا بڑا ہوگا کہ اگر اس کے ایک پلڑے میں زمین و آسمان رکھ دیے جائیں تب بھی وہ نہ بھر سکے۔

---

❶ رواہ أحمد ۲/ ۲۱۳؛ مختصر الشریعہ ص ۷ ۲؛ عبدالرزاق في المصنف ۸۹۶؛ صحیح۔

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قیامت والے دن پل صراط نصب کیا جائے گا، جس کی دھار استرے سے زیادہ تیز ہوگی، اور میزان نصب کیا جائے گا، اگر اس کے ایک پلڑے میں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب رکھا دیا جائے تب بھی وہ ان پر وسیع رہے۔ تب ملائکہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! اس سے کس کا وزن کریں گا؟ ۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''اپنی مخلوق میں سے جس کا چاہوں گا - وزن کروں گا - ۔ تو فرشتے کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے آپ کی عبادت ایسے نہیں کی جیسا کہ عبادت کرنے کا حق ہے۔'' ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے؛ آپ فرماتی ہیں کہ انہیں جہنم کی آگ یاد آئی اور وہ رونے لگ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: ''اے عائشہ! کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قیامت والے دن آپ اپنے اہل خانہ کو بھی یاد رکھیں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین مواقع پر کوئی ایک کسی ایک کو یاد نہیں رکھے گا، - باقی جگہوں پر یاد رکھوں گا - ؛ اور میزان کے نصب کیے جانے کے وقت؛ یہاں تک کہ وہ جان لے کہ اس کا میزان ہلکا ہوا ہے یا بھاری۔ اور کتاب - نامہء اعمال - تقسیم ہوتے وقت؛ یہاں تک کہ وہ جان لے کہ اس کی کتاب اسے دائیں ہاتھ میں ملتی ہے یا بائیں ہاتھ میں۔ یا اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اور پل صراط پر، جب وہ جہنم کی پیٹھ پر نصب کر دیا جائے۔'' ❷

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ملے، اور فرمایا: ''اے ابو ذر! کیا میں تجھے دو کام نہ بتاؤں جن کا کرنا پیٹھ کے لیے ہلکا ہے؛ اور وہ دو عمل میزان میں اپنے علاوہ باقی اعمال سے بھاری ہیں۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ!؛ فرمایا: ''اپنے آپ پر حسن خلق کو لازم کر لو؛ اور زیادہ خاموش رہا کرو؛ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تمام مخلوق اس جیسے عمال نہیں بجا لاسکتی۔'' ❸

میزان روزِ محشر میں اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کے وزن کے لیے نصب فرمائیں گے، جس میں اللہ تعالیٰ کے کمال عدل کا اظہار ہوگا۔ یہ ایک حقیقی میزان ہوگا جس کے دو پلڑے ہوں، اور درمیان میں ایک ڈنڈی ہوگی؛ اور جس کو پکڑنے کے لیے اوپر ایک ڈنڈی ہوگی۔ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جائے گا؛ اور اس میں لوگوں کے اچھے اور برے اعمال کے وزن کیے جائیں گے اور وزن کرنے والے جبریل امین ہوں گے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کا اس ترازو میں کیا تولا جائے گا؟ کیا اعمال تولے جائیں گے۔ یا عمل کرنے والے انسان، یا وہ صحیفے جن میں انسان کے اعمال درج ہیں؟ ان میں ہر ایک چیز کے وزن کیے جانے کی دلیل موجود ہے اور راجح قول یہ ہے کہ ان میں ہر ایک کا وزن ہوسکتا

---

❶ رواہ عبدالرزاق في المصنف ٨٩٦۔ ابو داؤد ٤٧٩٩۔ ترمذی ٢٠٠٤۔

❷ ابو داؤد - کتاب السنۃ ٤١٢٨؛ أحمد ٢٣٥٥٥۔

❸ بهیقی شعب الإیمان، باب في حسن الخلق ح ٧٧٥٣۔ الزهد لهناد بن السری باب: الصمت ح ١١٢١۔

ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق اپنی قدرت اور عدل کے کمال کے اظہار کے لیے جب اور جس چیز کا چاہیں وزن کر دیں۔

مصنف کا قول: (......اس کے دو پلڑے ہیں، اور ایک زبان ہے):

اس کی تخریج ابو شیخ نے اپنی تفسیر میں کی ہے، جیسا کہ الدر المنثور میں (۳/۴۱۸) پر کلبی کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت موجود ہے؛ وہ فرماتے ہیں: ''ترازو کے دو پلڑے اور زبان (درمیانی ڈنڈی) ہے۔''

کلبی پر جھوٹ بولنے کی تہمت ہے، جیسا کہ ''تقریب'' میں (ص ۴۷۹) پر ہے۔ ❶

اگر چہ اس روایت کے راویوں پر جرح کی گئی ہے۔ لیکن دوسری کئی ایک احادیث اور ائمہ سلف کے اقوال اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ قیامت والے دن نصب ہونے والے میزان کے دو پلڑے اور ایک زبان ہوگی۔ مجموعی طور پر اس روایت کو صحت کا درجہ حاصل ہے، اور اس کا انکار ممکن نہیں۔ بعض علمائے کرام نے قیامت کے اس ترازو کی صفات بیان کرتے ہوئے بھی ان چیزوں کو ذکر کیا ہے۔ اس مسئلہ میں پوری تفصیل کے ساتھ عربی میں میرا بھی ایک رسالہ ہے، جس کا نام ہے "خیر الإثاث فی بیان مواطن الثلاث" اس میں مذکورہ بالا کتب کے علاوہ لگ بھگ ڈیڑھ سو کتب سے استفادہ کیا گیا ہے، اس کا مطالعہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

عذاب قبر اور منکر ونکیر

اہل سنت والجماعت قبر کے عذاب پر اور قبر میں کئے جانے والے سوال و جواب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ نیک انسان کو قبر میں ایسی ہی نعمتیں دی جاتی ہیں جیسے بد انسان کو عذاب دیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی قبروں سے نہ اٹھالے۔

قبر دنیا اور آخرت کے مابین کی منزل ہے۔ اسی وجہ سے اسے برزخ بھی کہتے ہیں۔ برزخ کا معنی ہے رکاوٹ؛ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ﴾ (الرحمن: ۱۹، ۲۰)

''اسی نے دو دریا (میٹھے اور کھاری) چھوڑ دیتے ہیں دونو (دیکھنے میں) ملکر چلتے ہیں (پر ملتے نہیں)۔ ان کے بیچ میں ایک آڑ ہے ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتے۔''

یعنی دونوں دریاؤں کے پانیوں کے درمیان ایسی رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے نمکین اور میٹھا پانی آپس میں مل نہیں سکتے۔ اسی سے قبر کو برزخ بھی کہا جاتا ہے۔ جو کہ دار دنیا اور دار آخرت کے درمیان ایک گھر ہے اسے دار برزخ بھی کہتے ہیں۔ قبر میں انسان کا یہ ٹھہراؤ بطور زیارت کے ہوتا ہے، اس کے بعد اس نے اگلے گھر کے لیے کوچ کرنا ہوتا ہے۔

---

❶ تحقيق البرهان في إثبات حقيقة الميزان " لمرعي حنبلي (٥٢)؛ ومجموع الفتاوى لابن تيمية رحمه الله (٤/٣٠٢)۔

چونکہ فتنوں کے دور میں جہاں اہل سنت و الجماعت کے متفق علیہ عقائد کے خلاف کئی قسم کے گروہ پیدا ہوئے اور انہوں نے نئی نئی چیزوں کو ایجاد کرلیا، ایسے ان بدعات میں سے ایک عذاب قبر اور منکر ونکیر اور قبر میں سوال و جواب کا انکار ہے۔ جس پر مصنف رحمہ اللہ ذیل کے پیرائے میں رد کررہے ہیں۔

۱۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بعذاب القبر ومنكر و نكير .))

''اور (اہل سنت والجماعت) عذاب قبر پر اور منکر ونکیر پر (ایمان لاتے ہیں)۔''

شرح: ......قبر میں دفن کیا جانا ابتدائے آدمیت کے اس وقت سے مشہور ومعروف ہے جب روئے زمین پر قتل کا پہلا واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو یوں نقل کیا ہے:

﴿فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ○﴾ (المائدة: ۳۰-۳۱)

''آخر قابیل کے نفس نے اس کی یہی سوجھایا کہ اپنے بھائی کو مار ڈالے پھر اس کو مار ڈالا اور ٹوٹے والوں میں شریک ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کریدتا تھا (اور دوسرے مردہ کوے کو اس میں چھپاتا تھا) اس کو یہ بتلانے کو کہ اپنے بھائی کی لاش کیوں کر چھپائے اس وقت قابیل کہنے لگا ہائے خرابی (اس کوے سے بھی گیا گزرا) مجھ سے اتنا نہ ہوسکا کہ اس کوے کی طرح ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پھر لگا پچھتانے۔''

قبر کا عذاب اور اس کی نعمتیں اہل سنت والجماعت کے متفق علیہ عقائد میں سے ہیں۔ اس کا انکار صرف چند بدعتی گروہوں نے متشابہ آیات کا سہارا لے کر عقل کے بل بوتے پر کیا ہے۔ علامہ علی بن محمد بن سالم المعروف آمدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسلام میں فرقوں اور اختلافات کے ظہور سے قبل؛ اور اختلافات پیدا ہونے کے بعد اکثر اہل سنت و الجماعت کا قبروں میں مردوں کے زندہ کیے جانے، اور دو فرشتوں کے ان سے سوال کرنے، اور ان فرشتوں میں سے ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہونے پر، اور کافروں اور مجرموں کے لیے عذاب قبر کے ثابت ہونے پر اتفاق رہا ہے۔ لیکن بعد میں آنے والے فرقوں جیسے معتزلہ اور خوارج نے اس کا انکار کیا ہے؛ ان کے سرغنے ضرار بن عمرو اور بشر المریسی ان تمام امور کے بالکل منکر ہیں۔'' [1]

اہل سنت والجماعت کے اس عقیدہ و مذہب پر کہ حشر سے پہلے قبروں میں مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے، اور انہیں قبر

[1] ابكار الأفكار في أصول الدين ۲/ ۲۵۳۔

میں عذاب بھی ہوتا ہے، اور نعمتیں بھی ملتی ہیں ؛ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے دلائل موجود ہیں۔ جن میں سے کچھ کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔

کتاب اللہ سے عذاب قبر کے دلائل

۱۔ پہلی دلیل :...... مجرمین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کریں گے کہ اللہ تو نے اس سے پہلے ہمیں دو بار مارا اور دو بار زندہ کیا؛ کیا اب اس مشکل سے نجات ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ (غافر : ۱۱)

''وہ کہیں گے مالک ہمارے تو نے دوبار ہم کو مارا اور دوبار ہم کو جلایا اب تو ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو یہاں سے نکلنے کا بھی کوئی رستہ ہیں۔''

اس میں دو موتوں سے مراد ایک قبروں کی زیارت سے پہلے ہے، اور دوسری موت منکر نکیر کے سوال و جواب کے بعد ہے اور دو زندگیوں سے مراد ایک یہی پہلی زندگی ہے اور دوسری زندگی منکر و نکیر کے سوال و جواب کے لیے دی جانے والی زندگی ہے۔ جیسا کہ مفسرین رحمہ اللہ کا فرمان ہے۔ اس آیت سے عذاب قبر پر استدلال کرنے کی تین وجوہات ہیں :

پہلی وجہ:...... یہ آیت قیامت سے پہلے کے عذاب میں بڑی واضح ہے۔ یہ مرحلہ قبروں سے اٹھائے جانے سے پہلے پیش آئے گا۔

دوسری وجہ:...... قیامت کا عذاب ابدی اور دائمی ہوگا، اس میں کبھی کوئی کمی نہیں آئے گی ؛ اور نہ ہی منقطع ہوگا۔ جب کہ مذکورہ آیت میں عذاب کے صبح وشام ہونے کا ذکر ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی سے ظاہر ہے :

پس جب یہ قیامت کا عذاب نہیں ہے تو یہ بات طے شدہ ہے کہ پھر یہ قبر کا ہی عذاب ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ مردوں کے بارے میں ہے۔

تیسری وجہ:...... اس آیت کریمہ میں علیحدہ علیحدہ دو قسم کے عذاب بیان ہوئے ہیں۔ جس میں قیامت کے عذاب کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ انتہائی سخت اور دردناک عذاب ہوگا اور دوسرا صبح وشام کو دیا جانے والا عذاب ہے، جو کہ قیامت کا عذاب نہیں ہوسکتا، پس یہ بات طے ہوگئی کہ پھر یہ قبر ہی کا عذاب ہے۔

۲۔ دوسری دلیل :...... فرعون جس کو اللہ تعالیٰ نے نشان عبرت بنایا ہے، جس کی لاش قیامت تک ایسے ہی رہے گی، اس کی وجہ سے بھی ہمارے محترم حضرات شکوک و شبہات کا شکار ہوگئے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قبر میں بھی عذاب رکھا ہے ؛ تو پھر یہ تو قبر میں نہیں ہے، اسے عذاب کیسے ہو رہا ہوگا؟ جب کہ اس کی لاش برابر اسی طرح دیکھی جارہی ہے۔

جواب:...... اس دلیل کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ قبر کے اس ظاہری گڑھے میں نہیں اتارا گیا ؛ پھر بھی اللہ

تعالیٰ اپنی قدرت سے اسے عذاب دیتا ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾

(غافر: ٤٦)

''(ڈوبے تو سمندر میں) لیکن صبح اور شام ان کو (دوزخ کی) آگ دکھلائی جاتی ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں لے جاؤ۔''

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ'' قیامت تک تو انہیں صبح و شام آگ پر پیش کر کے عذاب دیا جائے گا؛ جس میں ان کی ذلت رسوائی اور ہتک ہوگی اور قیامت والے دن انہیں حکم دیا جائے گا، اور یہ لوگ انتہائی سخت عذاب میں داخل ہوجائیں گے۔''❶

یہاں پر دو علیحدہ علیحدہ عذاب مذکور ہیں۔ قرآن کی تصریح سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو صبح و شام عذاب ہوتا ہے۔ مگر ہمیں اس کا ادراک اور احساس نہیں۔ ایسے ہی اہل قبر کو بھی عذاب تو ہوتا ہے، مگر ان کے اس عذاب کا ہمیں ادراک نہیں۔ اگر ہم یہ احساس کرنے لگ جائیں؛ تو مردوں کو دفنانا ترک کر دیں۔

یہ واقعہ ان لوگوں کی دلیل نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ آل فرعون کا مسئلہ اپنے باب میں شاذ ہے، کائنات میں کسی اور کے ساتھ ایسا نہیں ہوا اور شاذ سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

۳۔ تیسری دلیل:...... اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے قیامت کے عذاب سے پہلے بھی ایک عذاب بتایا ہے؛ اگر وہ عذاب قبر میں نہیں ہے تو وہ کہاں ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (طور: ٤٧)

''اور ان ظالموں کو اس (عذاب یعنی عذابِ قیامت) سے پہلے ہی ایک عذاب ہونیوالا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

حق بات تو یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ظالموں کے لیے عذاب کا جملہ ﴿عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ (یعنی قیامت سے پہلے عذاب ہونے والا ہے) اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرمین اور ظالموں کے لیے دو طرح کے عذاب ہیں۔ ایک عذاب تو آخرت میں ہوگا؛ اور ایک عذاب اس سے پہلے ہوگا۔ یہ پہلے ہونے والا عذاب قبر کا عذاب ہے۔

۴۔ چوتھی دلیل:...... سابقہ دلیل کے مشابہ ایک اور دلیل ہے، کہ اللہ نے جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا تو انہیں فوراً ایک عذاب میں داخل کر دیا؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا﴾ (نوح: ٢٥)

❶ تفسیر الطبری ٢٧/ ٣٦

''(آخر) اپنے گناہوں کیوجہ سے نوح کی قوم والے ڈبو دیئے گئے پھر آگ میں ڈالے گئے اور خدا تعالیٰ کے سوا ان کو کوئی مدد کرنے والا نہ ملا (جو خدا کے عذاب سے ان کو بچائے۔''

عربی لغت میں لفظ ''فــــاء'' بغیر کسی مہلت کے؛ تعقب کے لیے آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ فوری ملنے والا عذاب قبر کا عذاب ہے۔

۵۔ پانچویں دلیل:...... یہ بھی پہلی دونوں دلیلوں کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حشر سے قبل ایک انتہائی تنگ زندگی ذکر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ (طه: ۱۲٤)

''اور جس نے میری کتاب (قرآن) سے منہ موڑ لیا (دنیا میں) اس کی زندگی تنگ (گزرے گی) اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔''

اس آیت کی تفسیر میں اہل علم مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے تنگی کی زندگی کو عذاب قبر پر محمول کیا ہے اور بعض نے اسے بدحالی اور معاشی تنگی پر محمول کیا ہے۔ یہاں پر ایسا کوئی مانع نہیں ہے جس کی وجہ سے ان دونوں پر اس آیت کا محمول کرنا محال ہو۔

٦۔ چھٹی دلیل:...... جب انسان مر جاتا ہے تو قبر اس کی پہلی منزل ہوتی جہاں پر اسے سوال و جواب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر کافر ہو تو جواب دینے کی سکت نہیں رکھتا، اور اگر ایمان دار مؤمن ہو تو صحیح صحیح جواب دے پاتا ہے؛ جس کے بعد اسے دوبارہ آرام سے سلا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں ثابت قدمی کا ذکر کیا ہے؛ فرمایا:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ (ابراهيم: ۲۷)

''اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا) اور اللہ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((المسلم إذا سئل في القبر يشهد أن لا إله لا الله وأن محمداً رسول الله)) [1]

''جب مؤمن سے اس کی قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔''

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۷۔ ساتویں دلیل:...... زمین ہر انسان کا کچھ نہ کچھ حصہ باقی بچا کر رکھے گی اور باقی جسم گل سڑ کر ختم ہو جائے گا۔ اور یہ

---

[1] تفسیر ابن عباس؛ التحریر والتنویر لابن عاشور ۲۵۲/۱۲؛ تفسیر ابن ابی حاتم ۳۲/۹؛ تفسیر ابن عبد السلام ۹۱/۳)۔

باقی رہ جانے والا حصہ ہی قیامت کو دوبارہ پورے انسان کی صورت میں آئے گا؛ اور اس حصہ سے انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا؛ ہڈیاں اور جوڑ آپس میں ملیں گے، اور روح اسی بدن میں لوٹائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب زمین میں ایک زلزلہ آئے گا تو زمین اپنے مردے نکال کر باہر پھینک دے گی، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا﴾ (زلزال: ۱،۲)

''جب زمین خوب زور سے ہلا دی جائے گی۔ اور زمین اپنے بوجھ (مال دولت مردے وغیرہ) نکال (کر پھینک) دے گی۔''

امام المفسرین جناب حضرت مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((الموتیٰ القتهم من بطنها ، و صاروا علی ظهرها)) ❶

''زمین مردوں کو اپنے پیٹ سے نکال کر باہر پھینک دے گی، اور وہ اس کے پیٹھ پر آ جائیں گے۔''

۸۔ آٹھویں دلیل:...... انسان قیامت تک جیسے بھی ہوگا، اپنی قبروں میں رہے گا۔ اگر چہ اس کی ہڈیاں گل سڑ جائیں، اور قبر کھودنے پر اس کی باقیات کا نام ونشان تک بھی نہ ملے، تب بھی ہمارا ایمان ہے کہ جس خاک میں یہ خاک ملی ہوگی، وہی اس کی قبر ہے، وہیں پر اسے عذاب وثواب کا سامنا ہے، اور جب قیامت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آئے گا تو پھر انہیں اسی زمین میں بنی قبروں سے نکالا جائے گا، فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَن تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ ۝﴾ (الروم: ۲۵)

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے (بے ستون) تھمے ہوئے ہیں (قیامت کے دن) وہ تم کو (ایک بارگی) زمین سے پکارے گا تم (سب) اسی وقت نکل پڑو گے۔''

مندرجہ بالا آیت میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، اور تم اسی زمین میں رہو گے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آئے گا تو اسی زمین سے نکل پڑو گے۔

۹۔ نویں دلیل:...... نفخ صور سننے کے بعد لوگ اپنی قبروں سے میدان حشر کی طرف نکل پڑیں گے۔ ان کے گل سڑنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان میں اس قدر احساس وشعور رہے گا کہ جب صور پھونکا جائے گا تو اس کی آواز سنیں اور سمجھیں گے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝﴾ (یس: ۵۱، ۵۲)

❶ الأهوال ،لابن ابی دنیا ص ۱۱۳۔

''اور صور پھونکا جائے گا تو وہ ایک دم اپنی قبروں سے نکل کر اپنے مالک کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ کہیں گے ہائے ہماری خرابی؛ کس نے ہم کو ہماری آرام گاہ سے اٹھا دیا (فرشتے جواب دیں گے) یہی تو وہ (قیامت) ہے جس کا پروردگار نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔''

نہ ماننے والے ضدی انسان کا کوئی حل نہیں ہوتا۔ جب کہ یقین رکھنے والے مؤمنین کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن بار بار اس بات کی تاکید کر رہا ہے کہ انسان کو اسی مٹی میں واپس جانا ہے، اور قیامت تک پھر اسی میں رہے گا، اور پھر دوبارہ اسی مٹی سے اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں بھی ہے کہ وہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے، اور یہ کہیں گے ہمیں ہماری آرام گاہ سے کس نے بیدار کر دیا؟ آیت کا پہلا جملہ (یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا) دلالت کرتا ہے کہ یہ کفار کا کلام ہے؛ اس لیے کہ قیامت والے دن حسرت و افسوس کرنے والے وہی ہوں گے۔ اور دوسرا جملہ: (هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ) اہل ایمان کی طرف سے کفار کو جواب ہے۔ جو وہ قیامت والے دن دیں گے۔

كماقاله معمر و قتاده ونقل الطبري و عبد الرزاق الصنعاني في تفسيريهما ـ

اگر یہ سب کچھ قبروں میں نہیں ہونا تو پھر زمین سے اٹھایا جانا کیا معانی رکھتا ہے؟ اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وثب القوم من قبورهم لما سمعوا الصيحة؛ ينفضون التراب من رؤوسهم ، و يقول المؤمنون : سبحانك وبحمدك ، ما عبدناك حق عبادتك)) ❶

''جب لوگ صور پھونکنے کی آواز سنیں گے تو اپنی قبروں سے اٹھ پڑیں گے اور اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہوں گے۔ اور مؤمنین کہیں گے: ''تیرے لیے ہی پاکی ہے، اور تیری حمد و ثنا ہے؛ ہم نے تیری عبادت کی ہی نہیں، جس طرح کہ تیرے لیے عبادت کرنے کا حق تھا۔''

حضرت وھب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((يبلون[الموتى] في قبورهم ، فإذا سمعوا الصرخة ، عادت الأرواح إلى الأبدان ، والمفاصل بعضها إلى بعض ، فإذا سمعوا النفخة الثانية وثب القوم قياماً على أرجلهم ينفضون التراب عن رؤوسهم)) ❷

''وہ [مردے] اپنی قبروں میں پڑے بوسیدہ ہوتے رہیں گے۔ جب وہ پہلی بار نفخ صور سنیں گے تو روحوں کو جسموں میں لوٹا دیا جائے گا، اور جوڑ آپس میں مل جائیں گے اور جب دوسری بار نفخ صور سنیں گے تو لوگ اپنے پاؤں پر اٹھ کھڑے ہوں گے، اور وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہوں گے۔''

---

❶ الأهوال ص ١١٤ـ

❷ الأهوال لابن ابى الدنيا ص ٨٦؛ كتاب القبور ١٦؛ البداية و النهاية لابن كثير ١/١٨٣ـ

یہ امت کے علماء ہیں جن آیات کو اسی طرح سمجھے ہیں، اور ان کی تفسیر ہی آج تک نقل کی جاتی رہی ہے۔

۱۰۔ دسویں دلیل:...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت عنقریب آنے والی ہے، اس وقت اللہ ان لوگوں کو اٹھائیں گے جو کہ قبروں میں ہیں، اور انہیں ایک دوسری زندگی عطا کی جائے گی؛ جو ابھی تک عطا نہیں ہوئی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَآ أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنۢبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيجٍ ٥ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُۥ يُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُۥ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ٥ وَأَنَّ السَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ ٥﴾ (حج: ۵ تا ۷)

''تو دیکھتا ہے زمین سوکھی (اس پر سبزی کا نام نہیں) پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ (سبزے سے) لہلہانے اور ابھرنے لگتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار چیزیں اُگاتی ہے۔ یہ سب اس وجہ سے کہ اللہ وہی حق ہے اور وہی مردوں کو (قیامت کے دن) جلائے گا اور وہی سب کچھ کرسکتا ہے۔ اور قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور جو لوگ قبروں میں ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ضرور جلا اٹھائے گا۔''

مفسر علامہ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان تمام لوگوں کو اٹھایا جائے گا جنہیں قبروں میں دفن کیا گیا ہے یا دفن نہیں کیا گیا'' ❶

۱۱۔ گیارھویں دلیل:...... اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ انسان کو اسی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اور پھر وہ اسی مٹی میں دوبارہ لوٹایا جائے گا، (بھلے اس کی قبر کھودی جائے یا نہیں؛ جہاں بھی اس کی خاک (زمین کی) خاک میں مل جائے گی وہیں اس کی قبر ہوگی) اور پھر اسی مٹی (قبر) سے اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مِنْهَا خَلَقْنَٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ﴾ (طه: ۵۵)

''ہم نے تم کو اسی زمین سے) پیدا کیا اور اسی میں (مرنے کے بعد) پھر لیجائیں گے اور اسی سے تم کو دوسرے بار (قیامت کے دن) نکالیں گے۔''

۱۲۔ بارھویں دلیل:...... جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ لوگ تو مر کر گل کھپ چکے ہوں گے، اور قبروں میں کچھ بھی باقی نہیں بچا ہوگا تو کس چیز کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ ان کا کہنا یہ ہے کہ تمام تر آخرت کا عذاب و ثواب روح کے ساتھ ہے۔

جواب: ...... اللہ تعالیٰ جو علیم و قدیر ہے؛ اس نے اپنے سابق علم کی بنا پر پہلے سے ہی اپنی قدرت کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا کہ وہ جیسے چاہے کرسکتا ہے، اور ان لوگوں کا اعتراض ذکر کرکے اس پر رد بھی کیا تھا جو سابقہ دور میں اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے، فرمایا:

﴿وَقَالُوٓا أَءِذَا كُنَّا عِظَٰمًا وَرُفَٰتًا أَءِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ٥ قُلْ كُونُوا۟ حِجَارَةً

❶ أضواء البيان ۶/۱۲۷۔

اَوْ حَدِيْدًا ٥ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴾

(الاسراء: ٤٩ تا ٥١)

''اور کہتے ہیں کیا جب ہم (مرے پیچھے) ہڈیاں اور چورہ (ریزہ ریزہ یا خاک ہو جائیں گے کیا ہم پھر نئے بن کر جی اٹھیں گے۔ (اے پیغمبر) کہہ دے تم (اگر) پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔ یا کوئی اور چیز جو تمھارے دلوں میں بڑی معلوم ہو تو اب (یہ کافر کہیں گے (جب ہم پتھر یا لوہا ہو جائیں تو کون ہم دوبارہ زندہ کرے گا (اے پیغمبر) کہہ دے وہی (تم کو دوبارہ زندہ کرے گا) جس نے پہلی بار پیدا کیا (یہ سن کر اب (تعجب سے) تیرے سامنے اپنے سر ٹکائیں گے اور پوچھیں گے بھلا (بتلاؤ تو) یہ کب آئیگی) کہہ دے عجب نہیں کہ وہ نزدیک ہو۔''

قرآنی قیاس

۱۳۔ تیرھویں دلیل: ......اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقام پر آخرت کی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے اسے دنیا میں زمین کے آباد کرنے پر قیاس کیا ہے، تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ جو ذات بنجر زمین کو حیات بخشتی ہے، وہی ذات قبروں سے مردوں کو نکالنے اور انہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الاعراف: ٥٧)

''اور وہی اللہ ہے جو مینہ سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے وہ خوش خبری دیتی ہیں یہاں تک کہ جب یہ ہوائیں بوجھل بادل کو لادلاتی ہیں تو ہم اس کو مری (اجاڑ سوکھی) بستی کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر وہاں (یا اس بادت سے) پانی برساتے ہیں پھر پانی سے ہر قسم کے پھل اُگاتے ہیں اسی طرح ہم مردوں کو بھی (زمین سے) نکالیں گے تاکہ تم سوچو۔''

آیت میں واضح الفاظ ہیں کہ ہم ان مردوں کو زمین سے نکالیں گے، جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر مردہ اپنے مدفن یعنی قبر سے اٹھ کر آئے گا، اور اللہ کے سامنے پیش ہوگا۔

۱۴۔ چودھویں دلیل: ......ایسے ہی ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ٥ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ٥ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ﴾

(الانفطار: ٣، ٥)

''اور جب سمندر بہہ پڑیں (بہہ کر سب ایک ہو جائیں)۔ اور جب قبریں الٹ دی جائیں (ان میں سے

مردے نکل پڑیں۔ (اس وقت) ہر شخص جان لے گا جو (عمل) اس نے آگے بھیجا اور جو (نشان اس نے دنیا میں) پیچھے چھوڑا۔"

اگر اس میں ذرا بھر بھی اس بات کی کوئی گنجائش ہوتی کہ اس سے مراد یہ قبریں نہیں ہیں تو اس کی طرف کم از کم اشارہ کر دیا جاتا۔لوگ برزخ سے سیدھا میدان حشر میں آئیں گے۔ کیونکہ اس وقت پھر قبروں کا کھولا جانا، اور ان سے مردوں کا نکلنا، ان کا آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرنا، کفار اور مجرمین کا ہائے افسوس کرنا، اور ایمان والوں کا تسلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں پر ایمان کا اظہار کرنا کوئی معنی نہ رکھتا۔

۱۵۔ پندرھویں دلیل:...... قبریں آخر کار کھولی جائیں گی اور اہل قبور ان سے باہر آ جائیں گے اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے سامنے پیش ہوگا؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَا يَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِي الۡقُبُوۡرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوۡرِ﴾ (العادیات: ۹، ۱۰)

"کیا وہ نہیں جانتا کہ جب قبروں کے مردے کرید کر نکالے جائیں گے۔ اور جو باتیں (بری یا بھلی) دلوں میں ہیں؛ وہ کھل جائیں گی۔"

۱۶۔ سولھویں دلیل:...... اہل سنت والجماعت کے مختلف مذاہب میں شروع سے ایک اختلافی مسئلہ سماع موتی کا بھی ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ مردے سنتے ہیں، اور کچھ کہتے ہیں مردے نہیں سنتے۔ نفس مسئلہ میں اختلاف کی تفصیل سے قطع نظر، یہاں پر ایک آیت بیان کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا يَسۡتَوِي الۡاَحۡيَآءُ وَلَا الۡاَمۡوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسۡمِعُ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِي الۡقُبُوۡرِ﴾ (فاطر: ۲۲)

"اور زندے اور مردے برابر نہیں ہیں (یعنی مومن اور کافر) بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو (حق بات) سن لینے کی توفیق دیتا ہے اور (اے پیغمبر) تو ان لوگوں کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں۔"

بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے:

((حين تبوؤوا مقاعدهم من النار)) ❶

"یہ اس وقت ہوگا جب وہ اپنے ٹھکانے آگ میں بنالیں گے۔"

یہ آیت انتہائی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو قبروں میں پڑے ہوئے مردوں کو سنا سکتا ہے، انہیں احساس دلا سکتا ہے۔ مگر اللہ کے بغیر کسی کے بس میں یہ بات نہیں ہے۔ اور کفار کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے وضاحت کر دی کہ ان کے جہنم میں چلے جانے کی وجہ سے انہیں کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی۔

قرآن میں اتنے دلائل ہونے کے باوجود کوئی نہ مانے تو اس کی مرضی ہے، تاہم اتمام حجت کے لیے احادیث

❶ رواه البخاري؛ كتاب التفسير - ح: ۳۹۷۹ - مسلم كتاب الجنائز، باب: الميت يعذب ببكاء أهله عليه، برقم: ۹۳۱ -

مبارکہ سے بھی دلیل دینا ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔

۱۷۔ سترھویں دلیل:...... انسان کی غفلت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○﴾ (التکاثر: ۱۔۲)

''(لوگو) تم کو (مال اور اولاد کے) زیادہ ہونے کی خواہش نے (اللہ تعالیٰ کی یاد سے) غافل کردیا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔''

اس کی تفسیر میں علامہ طحاوی نے مشکل الآثار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: وہ فرماتے ہیں:

''ہم عذاب قبر کے بارے میں شک میں تھے یہاں تک کہ سورت تکاثر نازل ہوگئی۔'' ❶

احادیث رسول اللہ ﷺ سے دلائل

کتاب وسنت کی تعلیمات میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ حدیث شریف قرآنی مسائل کی وضاحت اور تفسیر ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں عذابِ قبر کا مسئلہ وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ جس میں شک وشبہ کی کوئی ادنیٰ سی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی اور نہ ہی اپنی عقل کی وجہ سے اتنی دلیلوں کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

۱۸۔ پہلی دلیل:...... رسول اللہ ﷺ مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر میں سوال و جواب کے وقت اس کی ثابت قدمی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے، اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی دعا کرنے کا حکم دیتے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں:

((كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه ، فقال: استغفروا لأخيكم ، و سلوا له التثبيت ، فإنه الآن يسأل)) ❷

''جب نبی کریم ﷺ مردے کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو قبر پر کھڑے ہوتے، اور فرماتے: اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو، اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو؛ بیشک اب اس سے سوال کیے جارہے ہیں۔''

حدیث کے الفاظ سے واضح ہے کہ میت سے اس قبر میں سوال و جواب کی نشست ہوتی ہے؛ اور اسی سوال و جواب میں کامیابی یا ناکامی پر عذاب وثواب کا فیصلہ ہوتا ہے۔

۱۹۔ دوسری دلیل:...... رسول اللہ ﷺ کو ایک موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اس عذابِ قبر کا احساس دلایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے اہل قبر کے بارے میں دریافت کیا، اور پھر اپنے صحابہ کو عذابِ قبر سے پناہ مانگنے

---

❶ مشکل الآثار ح: ۵۱۷۷۔ شعب الإیمان، فصل في عذاب قبر؛ ح: ۳۹۹۔

❷ أبو داؤد، باب الإستغفار عند القبر للميت في وقت الإنصراف برقم ۳۲۲۳؛ السنن الکبری للبیهقي باب: ما يقال بعد الدفن ۷۳۱۵۔ و صححه الألباني

کی تلقین کی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں ایک مفصل روایت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

((بینما النبی ﷺ فی حائط لبني النجار علی بغلة له ونحن معه إذ حادت به فکادت تلقیه وإذا أقبر ستة أو خمسة أو أربعة......فقال من یعرف أصحاب هذه الأقبر ؟ فقال رجل: أنا۔ قال: فمتی مات هؤلاء ؟ قال: ماتوا فی الإشراك۔ فقال:((إن هذه الأمة تبتلی فی قبورها؛ فلولا أن لا تدافنوا لدعوت الله أن یسمعکم من عذاب القبر الذی أسمع منه))۔ ثم أقبل علینا بوجهه؛ فقال:((تعوذوا بالله من عذاب النار))۔ قالوا: نعوذ بالله من عذاب النار۔ فقال : ((تعوذوا بالله من عذاب القبر))۔ قالوا: نعوذ بالله من عذاب القبر۔ قال:((تعوذوا بالله من الفتن ما ظهر منها وما بطن))۔ قالوا : نعوذ بالله من الفتن ما ظهر منها وما بطن۔ قال: ((تعوذوا بالله من فتن الدجال))۔ قالوا:((نعوذ بالله من فتن الدجال)) ❶

''رسول اللہ ﷺ بنی نجار کے ایک باغ میں خچر پر سوار تھے، اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک خچر بدک گیا قریب تھا کہ آپ ﷺ کو گرا دیتا، آپ ﷺ نے اچانک کچھ قبریں؛ جن کی تعداد چھ یا پانچ یا چار تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان قبروں والوں کو کون جانتا ہے؟۔ ایک آدمی نے کہا: ''میں جانتا ہوں؟ آپ ﷺ نے پوچھا: ان کا انتقال کب ہوا تھا؟ اس آدمی نے کہا: یہ لوگ شرک کے دور میں مرے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں کا قبر میں (آزمائش) امتحان ہو رہا ہے۔ اگر ایسے نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں قبر کا وہ عذاب سنا دیتا جو میں سن رہا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنا رخ انور ہماری طرف کیا اور فرمایا: ''جہنم کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔'' کہنے لگے: ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' پھر فرمایا: ''قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔'' کہنے لگے: ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں'' پھر فرمایا: ''فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو؛ جو ان میں سے ظاہر ہیں، اور جو چھپے ہوئے ہیں۔'' کہنے لگے: ہم فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں؛ جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپے ہوئے ہیں۔'' پھر فرمایا: ''دجال کے فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔'' کہنے لگے: ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔''

۲۰۔ تیسری دلیل:...... **یہودیوں کو عذاب قبر:** حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((خرج النبی ﷺ وقد وجبت الشمس فسمع صوتاً؛ فقال: یهود تعذب في قبورها)) ❷

---

❶ رواہ مسلم في صحیحه ؛جز٤ صفحة ٢١٩٩ ـباب فی الجنة وصفة نعیمها و أهلها باب عرض مقعد المیت من الجنة و النار علیه رقم ٢٧٦٩ ـ أبو داؤد برقم ٣٢٢١ وقال الألباني صحیح۔

❷ رواہ البخاری باب : التعوذ من عذاب القبر : ١٣٠٩ـ

''نبی کریم ﷺ باہر نکلے ، اور اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے آواز سنی اور فرمایا: یہود کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا ہے۔''

حدیث انتہائی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس عذابِ قبر کی آواز بھی لوگوں کو سنادی ، اور اپنے نبی کریم ﷺ کو اطلاع بھی دیدی کہ یہ آواز کیسی ہے؟ آپ نے اپنی امت کو بھی بتادیا کہ یہودیوں کو (ان کی بداعمالی پر) قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

۲۱۔ چوتھی دلیل :...... یہودی عورت کو عذابِ قبر: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((إنما مر رسول الله ﷺ على يهودية ويبكى عليها أهلها ، فقال: إنهم يبكون عليها ، و إنها لتعذب في قبرها)) ❶

''بیشک رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک یہودیہ (کی قبر) پر ہوا، اس کے اہل خانہ اس کے لیے رو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک یہ لوگ اس پر روتے ہیں، اور بیشک اسے اس کی قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔''

۲۲۔ پانچویں دلیل :...... سابقہ امتوں کا عذابِ قبر پر اتفاق ، اور یہودی عورتوں کا واقعہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میری پاس یہودِ مدینہ کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت ؛ یا دو بوڑھیاں آئیں، اور انہوں نے کہا: ''بیشک قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں ، میں نے انہیں جھٹلایا، تو وہ دونوں نکل گئیں، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ۔ میں نے آپ ﷺ سے عرض کی ، اے اللہ کے رسول! بیشک یہودِ مدینہ کی بوڑھیوں میں سے دو بوڑھیاں میرے پاس آئی تھیں، ان کا گمان تھا کہ اہل قبور کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہوں نے سچ کہا۔ بیشک انہیں ایسا عذاب ہوتا ہے جسے تمام چوپائے سنتے ہیں۔'' ❷

۲۳۔ چھٹی دلیل :...... کفن چور بنی اسرائیلی کا قصہ، اور عذابِ قبر پر سابقہ امتوں کا ایمان : حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن رجلا حضره الموت ، فلما يئس من الحياة ، أوصى أهله إذا أنا مت فاجمعوا لي حطباً ، وأوقدوا فيه ناراً ، حتى إذا أكلت لحمي ، وخلصت إلى عظمي ، فامتحشت ، فخذوها ، فاطحنوها ، ثم انظروا يوماً راحاً؛ فاذروه في اليم ، ففعلوا۔ فجمعه الله ، فقال له : لم فعلت ذلك؟ قال : من خشيتك ۔

---

❶ رواه البخاري ح: ۱۲۲۷ ۔ مسلم ، باب : الميت يعذب ببكاء أهله عليه ، ح: ۹۳۲ ۔

❷ بخاری ۱۹۷۲ ؛ مسلم ۵۸۶ ۔ مختصر الشريعه ۱۹۷ ۔

فغفر الله له ـ قال عقبة بن عمرو : و أنا سمعته يقول: ذاك وكان نباشاً)) ❶

’’ بیشک (بنی اسرائیل کے) ایک آدمی کی موت کا وقت آیا۔ جب وہ زندگی سے مایوس ہوگیا تو اس نے اپنے گھر والوں کو وصیت کی : ’’ جب میں مرجاؤں تو تم میرے لیے لکڑیاں جمع کرنا ، پھر ان میں آگ جلانا ، یہاں تک کہ جب میرا گوشت آگ کھا لے اور میری ہڈیاں رہ جائیں ؛ اور وہ بھی جلی ہوئی ہوں ،تو پھر انہیں لے کر پیس ڈالنا ، پھر دیکھنا جس دن تیز ہوا ہو، تو انہیں دریا میں ڈال دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے (اس کے تمام اجزاء کو) جمع کیا، اور پھر اس سے پوچھا: تم نے ایسے کیوں کیا؟ وہ کہنے لگا: اے رب تیرے خوف سے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کردی۔ عقبہ بن عمرو کہتے ہیں: میں نے سنا ہے کہ وہ کفن چور تھا۔‘‘

۲۴۔ ساتویں دلیل:......قبر میں نبی کریم ﷺ کے متعلق سوال اور جواب نہ دے پانے والے کو عذاب قبر: حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((بينما أنا مع رسول الله ﷺ في بقيع الغرقد أمشي خلفه ، إذ قال: ((لا هديت ، لا هديت))۔ قال : أبو رافع :فالتفت فلم أر أحداً، فقلت: يارسول الله! ما شأني؟ قال: لست إياك أريد، ولكن أريد صاحب القبر ، يسأل عني ، فيزعم أنه لا يعرفني ، فإذا قبر مرشوش عليه حين دفن صاحبه)) ❷

میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بقیع غرقد میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اچانک آپ نے فرمایا: ’’تم نے ہدایت نہ پائی، تم نے ہدایت نہ پائی۔‘‘ ابو رافع کہتے ہیں: میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کسی کو بھی نہ پایا؛ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا معاملہ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں آپ کے متعلق نہیں کہہ رہا، بلکہ میری مراد یہ قبر والا ہے۔ اس سے میرے بارے میں سوال کیا جارہا ہے؛ اور وہ گمان کرتا ہے کہ وہ مجھے نہیں جانتا۔‘‘ میں نے دیکھا کہ ایک قبر تھی جس پر دفن کے وقت پانی چھڑکا گیا تھا۔‘‘

۲۵۔ آٹھویں دلیل:......عذاب قبر اور اس کے اسباب کا رسول اللہ ﷺ پر عیاں ہونا؛ اور رسول اللہ ﷺ کا تخفیف عذاب کے لیے تدابیر اختیار کرنا: ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

((مر النبي ﷺ بقبرين ، فقال:" إنهما يعذبان، وما يعذبان في كبير ، أمّا أحدهما فكان لا يستنزه من البول، وأمّا لآخر فكان يمشي بالنميمة۔" فأخذ جريدة رطبة ،

❶ رواه البخاري٣٢٦٦ ؛ و مسلم باب: باب ذكر الدجال و صفته ، ح: ٢٩٣٤ ـ

❷ المعجم الكبير ح: ٩٧٤ـ

فشقها نصفين، فغرز فى كل قبر واحدة، فقالوا: "يارسول الله ﷺ لما فعلت هذا؟ فقال: ((لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا)) (متفق عليه)

''نبی کریم ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا:'' ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک پیشاب میں احتیاط نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا۔'' پھر آپ ﷺ نے ایک ہری ٹہنی لی، اور اس کو بیچ سے چیر کر دو کر دیا، اور ہر ایک قبر پر ایک حصہ گاڑ دیا۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:'' شاید جب تک یہ نہ سوکھیں ان کا عذاب ہلکا ہو۔''

اللہ تعالیٰ ان قبر والوں کی آواز سنا کر آپ پر ان کو ہونے والے عذاب اور اس کا سبب بھی ظاہر کر دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی ایک جماعت بھی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کو بھی خبر دی۔ تاکہ وہ ان اسباب عذاب سے بچ سکیں۔ یہ حدیث صریح نص اور واضح حجت ہے ان لوگوں پر جو عذاب قبر کے منکر ہیں۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ جو لوگ غرق ہو گئے، یا جن کی لاشیں پرندے کھا گئے، یا پھر انہیں درندوں نے کھا لیا؛ اور وہ لوگ جو قبروں میں دفن نہیں کیے گئے، اور جلا دیے گئے؛ انہیں عذابِ قبر کیسے ہوگا؟

یہ اشکال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کامل ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر یہ یقین کر لیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ مردہ کے اجزاء کو جمع کر کے جیسے چاہے انہیں عذاب دے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت کفن چور کے حوالے سے چھٹی دلیل میں گزر چکی ہے۔

۲۶۔ نویں دلیل:...... قبر کا (دباؤ) جھٹکا؛ جس سے کوئی بھی نجات نہیں پائے گا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن للقبر ضغطة، ولو كان أحد ناجيا منها، نجا منها سعد ابن معاذ))[1]

''بیشک قبر کا ایک دباؤ ہے، اور اگر اس سے کوئی نجات پانے والا ہوتا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس سے نجات پاتے۔''

اور انہی کے متعلق ایک دوسری روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) ایسا شخص ہے جس کی وفات پر (اللہ تعالیٰ کا) عرش ہل گیا تھا؛ اور جس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل گئے تھے اور جس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، اسے بھی قبر نے ایک مرتبہ دبایا اور پھر چھوڑ دیا۔''[2]

---

[1] مسند أحمد بن حنبل: ۲۴۳۲۸۔ وصحیح ابن حبان: ۳۱۱۲، قال شعیب أرناؤوط: صحیح علی شرط مسلم۔

[2] النسائی، کتاب الجنائز، باب ضمة القبر وضغطته، ح: ۲۰۵۷۔

۲۷۔ دسویں دلیل:...... رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت کو عذاب قبر کے بارے میں خبر دینا:

حضرت أسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((قام رسول الله ﷺ خطيباً فذكر فتنة القبر التي يفتتن فيها المرء ، فلما ذكر ضج المسلمون ضجة)) ❶

''رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوگئے، اور آپ نے قبر کی آزمائشوں کا ذکر کیا جن سے آدمی کو آزمایا جاتا ہے، جب آپ نے ان کا تذکرہ کیا تو مسلمان ایک بار کانپ کر رہ گئے۔''

۲۸۔ گیارھویں دلیل:...... قبروں پر بیٹھنے کی اور ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت: اگر ان قبروں میں کچھ بھی باقی نہ ہوتا، اور ایسے ہی خالی گڑھا ہوتیں تو پھر ان پر بیٹھنے سے منع کیوں کیا جاتا، اور نماز سے کیوں روکا جاتا؟

حضرت أبو مرثد غنوی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تجلِسوا على القبورِ ولا تصلوا إليها))❷

''قبروں پر مت بیٹھو، اور نہ ہی ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔''

۲۹۔ بارھویں دلیل:...... آگ پر بیٹھ کر جل جانا قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لأن يجلِس أحدكم على جمرة فتحرِق ثِيابه فتخلص إلى جِلدِهِ خير له مِن أن يجلِس على قبر)) ❸

''اگر تم میں سے کوئی ایک انگارے پر بیٹھے؛ اور وہ اس کے کپڑے کو جلا کر اس کی جلد تک پہنچ جائے، یہ اس کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ قبر پر بیٹھے۔''

۳۰۔ تیرھویں دلیل:...... قبر کی آزمائش دجال کے فتنہ کے برابر یا اس کے قریب تر ہے؛ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ولقد أوحِيَ إليَّ أنكم تفتنون فِي القبورِ مِثل أو قرِيب مِن فِتنةِ الدجالِ)) ❹

''بیشک میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہیں قبروں میں آزمایا جاتا ہے مانند دجال کے فتنہ کے یا اس سے قریب تر۔''

۳۱۔ چودھویں دلیل:...... رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہل قبور کے خیر و شر کے بارے میں اطلاع، اور

---

❶ صحيح البخاري، باب: ما جاء في عذاب القبر: ١٣٠٧۔
❷ صحيح مسلم؛ باب: النهي عن الجلوس على القبر و الصلاة عليه؛ ح: ٢٢٩٤۔
❸ سنن أبي داؤد، باب في كراهية القعود على القبر؛ برقم ٣٢٢٠۔
❹ رواه البخاري، باب: من لم يتوضأ إلا من الغشي المثقل، ح: ١٨٤۔

نبی کریم ﷺ کا جوتے پہن کر قبرستان میں چلنے سے منع کرنا: حضرت بشیر (زحم) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((بینما أنا أمشی مع رسول الله ﷺ إذ مر بقبور المشرکین ؛ فقال لقد سبق هؤلاء خیر کثیر ؛ثلاثا۔ فمر بقبور المسلمین فقال : لقد أدرك هؤلاء خیرا کثیرا ثلاثا؛ فحانت من النبی ﷺ نظرة فرأى رجلا یمشی فی القبور وعلیه نعلان؛ فقال: یا صاحب السبتیتین ألق سبتیتیك فنظر الرجل فلما رأى النبی ﷺ خلع نعلیه فرم بهما)) ❶

''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جارہا تھا کہ آپ کا گزر مشرکین کی قبروں پر ہوا؛ تو آپ نے فرمایا: یہ لوگ بڑی بھلائی سے پہلے ہی چلے گئے تین بار فرمایا۔(یعنی دین اسلام سے پہلے چلے گئے)۔ پھر مسلمانوں کی قبروں پر گزرے تو فرمایا: ''ان لوگوں نے بہت بھلائی پائی ۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اچانک ایک شخص کو دیکھا ، جو قبروں کے بیچ میں ہو کر جارہا تھا، اور اس نے جوتے پہنے ہوئے تھے۔تو آپ نے فرمایا: اے جوتیوں والے ! تجھ پر افسوس ہے ، اپنی جوتیاں اتار دے ۔اس نے دیکھا تو پہچانا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں، تو اس نے جوتیاں اتار کر پھینک دیں۔''

۳۲۔ پندرھویں دلیل:...... نبی کریم ﷺ کا خوف اور قبر کے عذاب پناہ مانگنا: انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أن نبی الله ﷺ یقول:((اللهم إنی أعوذ بك من العجز و الکسل والجبن والهرم وأعوذ بك من عذاب القبر وأعوذ بك من فتنة المحیا والممات)) ❷

۳۳۔سولہویں دلیل:...... اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے کی ترغیب دینا۔حضرت مصعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((کان سعد یأمر بخمس ویذکرهن عن النبی صلى الله علیه و سلم إنه کان یأمر بهن اللهم إنی أعوذ بك من البخل وأعوذ بك من الجبن وأعوذ بك أن أرد إلى أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنیا؛ یعنی فتنة الدجال؛ وأعوذ بك من عذاب القبر)) ❸

''حضرت سعد رضی اللہ عنہ پانچ باتوں کا حکم دیا کرتے تھے،اورانہیں نبی کریم ﷺ کی طرف سے بتایا کرتے : کہ آپ ان کا حکم دیا کرتے تھے: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے ، اور یہ کہ مجھے انتہائی بڑھاپے کی عمر میں لوٹایا جائے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنہ سے یعنی

---

❶ الأدب المفرد ؛ج ١ ص: ٢٧١ ۔ برقم: ٧٧٥۔ أبو داؤد ، باب : المشي بين القبور في النعل برقم: ٣٢٣٠۔ قال الشيخ الألباني : صحيح ؛السلسلة الصحيحة برقم: ٢٧٩۔

❷ رواه البخاری برقم: ٦٠٠٦ ۔ باب التعوذ من فتنة المحيا والممات۔

❸ بخاری برقم: ٦٠٠٤ ۔باب التعوذ من عذاب القبر۔

دجال کا فتنہ: اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا تشهد أحدكم فليستعذ بِاللهِ مِن أربع يقول اللهم إني أعوذ بِكَ مِن عذابِ جهنم ومِن عذابِ القبرِ ومِن فتنةِ المحيا والمماتِ ومِن شرِ فتنةِ المسيح الدجالِ)) ❶

"جب تم میں سے کوئی ایک تشہد پڑھے تو اسے چاہیے کہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے؛ وہ کہے: "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے، اور قبر کے عذاب سے؛ اور زندگی اور موت کے فتنہ سے؛ اور مسیح دجال کے فتنہ کی برائی سے۔"

۳۴۔ سترھویں دلیل: ......قبر میں میت پر اس کے ٹھکانے کا پیش کیا جانا؛ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

((أن رسول اللهِ ﷺ قال: إن إحدكم إذا مات عُرِض عليهِ مقعده بِالغداةِ والعشيِ إن كان مِن أهلِ الجنةِ فمِن أهلِ الجنةِ وإن كان مِن أهلِ النارِ فمِن أهلِ النارِ۔ يقال: هذا مقعدك حتى يبعثك الله إليهِ يوم القِيامةِ)) ❷

"بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ایک مرجاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح وشام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں سے ہے، تو اہل جنت میں سے، اور اگر اہل جہنم میں سے ہے تو اہل جہنم میں سے، اور اس سے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تجھے دوبارہ اٹھادے۔"

صحابہ کرام کا عذاب قبر کے متعلق عقیدہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس بارے میں وہی عقیدہ تھا جو کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اس میں کسی قسم کی تاویل یا تحریف نہیں کرتے تھے۔ ان لوگوں نے کتاب اللہ واحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصوص کو ایسے ہی سمجھا؛ اور اسے اپنے ایمان وعقیدہ کا جزء بنالیا۔ چونکہ اہل سنت والجماعت کتب وسنت کی نصوص کو صحابہ کرام کے فہم کے مطابق لیتے ہیں، اس لیے ذیل میں صحابہ کرام کے کچھ واقعات بیان کیے جارہے ہیں۔

۳۵۔ پہلی دلیل: ......حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت ہانی فرماتے ہیں:

((إن عثمان رضي الله عنه إذا وقف على قبر بكى؛ حتى يبل لِحيته قال فيقال له: تذكر الجنة والنار فلا تبكي وتبكي مِن هذا؟ قال: فقال: إِني سمِعت رسول اللهِ -ﷺ- يقول:

❶ رواه مسلم، باب: ما يستعاذ منه في الصلاة، برقم: ١٣٥٢۔
❷ مسلم باب عرض مقعدِ الميتِ مِن الجنةِ أوِ النارِ عليهِ وإثباتِ عذاب ...... برقم: ٧٣٩٠۔

إِنِ القبر أول منازِلِ الآخِرةِ ؛ فمن نجا مِنه فما بعده أيسر مِنه ، ومن لم ينج مِنه فما بعده أشد مِنه .قال: وقال عثمان : ما رأيت منظراً قط إِلا والقبر أفظع مِنه۔قال عثمان رضي الله عنه : وإن النبي - ﷺ - إذا فرغ مِن دفنِ الميتِ قال : استغفِروا لِميتِكم وأسألوا له التثبِيت فإِنه الآن يسأل)) ❶

بیشک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو روتے۔ یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہوجاتی۔وہ کہتے ہیں: آپ سے کہا جاتا: آپ جنت اور جہنم کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے ،مگر اس (قبر) پر روتے ہیں؟ وہ (راوی) کہتا ہے:'' تو آپ نے فرمایا: بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے: بیشک قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔ جو اس سے نجات پا گیا، تو اس کے بعد جو ہونے والا ہے وہ آسان ہے اور جس نے اس سے نجات نہیں پائی ؛ اس کے لیے اس کے بعد بہت ہی سخت ہے۔راوی کہتا ہے : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:'' میں نے کبھی کوئی منظر نہیں دیکھا مگر قبر اس سے زیادہ ہیبت ناک ہے۔''

۳۶۔ دوسری دلیل:......حضرت مسلم بن أبی بکرۃ فرماتے ہیں:

سمعني أبي و أنا قول :((اللهم إني أعوذ بك من الهم و الكسل و عذاب القبر فقال : يا بني ممن سمعت هذا ؟ قلت : سمعت تقولهن قال : الزمهن فإني سمعتهن من رسول الله ﷺ يقولهن)) ❷

میرے باپ نے سنا میں کہہ رہا تھا:'' اے اللہ ! میں غم سے تیری پناہ مانگتا ہوں ،اور سستی سے ، اور قبر کے عذاب سے۔''تو (میرے باپ نے) کہا: اے میرے بیٹے تو نے یہ کلمات کس سے سنے ہیں؟ میں نے کہا : میں نے آپ (یہ کلمات) سے سنے ہیں ، آپ کہا کرتے تھے۔تو انہوں نے فرمایا:''ان کو لازم پکڑ لو، میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، آپ یہ کلمات کہا کرتے تھے۔''

۳۷۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی کریم ﷺ (خطبہ کے لیے) کھڑے ہوئے اور قبر کے اس فتنہ کا ذکر کیا جس سے انسان کو واسطہ پڑتا ہے، جب آپ نے فتنہ قبر بیان کرنا شروع کیا تو لوگ بری طرح چیخنے اور چلانے لگے، جس کی وجہ سے میں رسول اللہ ﷺ کی بات نہ سمجھ سکی۔ جب ان کے چیخنے کا شور ختم ہوا تو میں نے قریب بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے ؛ رسول اللہ ﷺ نے آخر میں کیا فرمایا تھا؟ اس نے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا:'' مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تم لوگ قبروں میں دجال جیسے فتنے کے قریب قریب فتنے سے

❶ السنن الكبرى للبيهقي باب : ما يقال بعد الدفن برقم ۷۳۱۵۔

❷ مستدرك الحاكم ۱/۷۱۵ برقم ۱۹۵٤، هذا حديث صحيح على شرط مسلم و لم يخرجه

آزمائے جاؤگے۔''❶

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سنا نبی کریم ﷺ فرمارہے تھے:

((من مات مرابطا فی سبیل اللہ أو من عذاب القبر ونما له أجره إلى يوم القيامة))❷

''جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مرجائے اسے قبر کے عذاب سے امان مل جاتی ہے؛ اوراس کا اجر قیامت تک کے لیے بڑھادیا جاتا ہے۔''

امام سیوطی رحمہ اللہ نے عذاب قبر پر تواتر نقل کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:''جن احادیث سے عذاب ثابت ہوتا ان کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔آپ نے یہ شعر کہے ہیں:

إن سوال الملكين من قُبِرَ
حقٌ؛ و الإيمان به فرض شهر
تواترت به الأحاديث التي
قد، بلغت سبعين عند العدة

''بیشک منکر نکیر کا قبر میں دفن کیے گئے انسان سے سوال کیا جانا حق ہے،اوراس پر ایمان لانے کا واجب ہونا مشہور ہے۔اس بارے میں جو احادیث ہیں وہ متواتر ہیں،جن کی گنتی ستر تک پہنچتی ہے۔''

عذاب قبر سے نجات کی دعائیں

حضرت أبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:بیشک رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اللهم إِنی أعوذ بِك مِن عذابِ القبرِ ومِن عذابِ النارِ ومِن فِتنةِ المحيا والمماتِ ومِن فِتنةِ المسِيح الدجالِ))❸

''اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے؛ اور زندگی اور موت کے فتنہ (آزمائش) سے؛ اور مسیح دجال کے فتنہ سے۔''

حضرت أبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:''جب تم میں سے کوئی ایک (اپنی نماز میں) تشہد اخیر سے فارغ ہوجائے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے:

❶ سنن النسائی برقم٢٠٦٤۔باب التعوذ من عذاب القبر ۔ قال الشيخ الألبانی : صحيح ۔ ومثله في البخاری ، كتاب الجنائز ، باب : ما جاء في عذاب القبر ۔

❷ صحيح ابن حبان: باب فضل الجهاد برقم ٤٦٢٥۔قال شعيب الأرناؤوط : أسناده قوی ۔

❸ صحيح البخاری برقم : ١٣٧٧۔

((مِن عذابِ جهنم ومِن عذابِ القبرِ ومِن فِتنةِ المحيا والمماتِ ومِن شرِ المسِيحِ الدجالِ))❶

''جہنم کے عذاب سے، اور قبر کے عذاب سے؛ اور زندگی اور موت کے فتنہ (آزمائش) سے، اور مسیح دجال کے شر سے۔''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ دعا ایسے سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے:

((أعوذ بِك مِن عذاب جهنم وأعوذ بِك مِن عذاب القبر، وأعوذ بِك مِن فِتنةِ المسِيح الدجال، وأعوذ بِك مِن فِتنةِ المحيا والممات وأعوذ بِ مِن فِتنة القبر))❷

جہنم کے عذاب سے، اور قبر کے عذاب سے؛ اور مسیح دجال کے شر سے؛ اور زندگی اور موت کے فتنہ (آزمائش) سے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

((اللهم رب جبرائيل وميكائيل ورب إسرافيل أعوذ بك من حر النار ومن عذاب القبر)) ❸

''اے اللہ جبریل اور میکائیل کے رب اور اسرافیل کے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں آگ کی گرمی سے، اور قبر کے عذاب سے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور منکر ونکیر پر (ایمان لاتے ہیں):

منکر اور نکیر دو فرشتے ہیں جو قبر میں آ کر سوال کرتے ہیں۔ یہ تو صحیح روایات سے ثابت ہے کہ قبر میں دو فرشتے انسان کے پاس آئیں گے، جو اسے بٹھائیں گے اور اس سے سوال کریں گے۔ ان سوالات کی تفصیل بھی بعض احادیث میں آئی ہے۔ بعض احادیث میں ان فرشتوں کے اوصاف اور نام بھی مذکور ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا قُبِرَ أَحَدُكُمْ أَوْ الإِنسَانُ ، أَتَاهُ مَلَكَان أَسْوَدَان أَزْرَقَان ، يُقَالُ لِأَحدِهِمَا الْمُنْكَرُ ، لِلآخِيرِ النَّكِير - فيقُولانِ لَهُ : مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هَذَا الرَّجُلِ ؟ فهو قائل ما كان يقول - فإن كان مؤمنا ، قال : هو عبد الله ورسوله ، أشهد أن لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله ، فيقولان : إنا كنا لنعلم أنك تقول ذلك - ثم يفسح له في قبره

❶ صحيح مسلم ؛باب ما يستعاذ منه في الصلاة ؛ برقم : ١٣٥٤ ـ

❷ الأدب المفرد بالتعليقات برقم: ٦٩٤ـ صحيح المشكاة ـبرقم ٩٤١ـ

❸ سنن النسائي برقم: ٥٥١٩ ـ باب الاستعاذة من حر النار ـ قال الشيخ الألباني: صحيح

سبعون ذراعاً في سبعين ذراعاً - وينور له فيه ؛ ثم يقال له : نم - فيقول : دعوني أرجع إلى أهله فأخبرهم -فيقال له : نم كنومة العروس الذي لا يوقظه إلا أحب أهله إليه ؛ حتى يبعث الله من مضجعه ذلك ، وإن كان منافقاً ، قال : لا أدري- كنت أسمع الناس يقولون شيئاً ، وكنت أقوله ، فيقولان له : إن كنا لنعلم أنك تقول ذلك ، ثم يقال للأرض ، التئمي عليه ، فتلتئم عليه ، حتى تختلف عليه أضلاعه ؛ فلا يزال فيها معذباً حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك .)) ❶

''جب تم میں سے کسی ایک -انسان- کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو کالے نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ اس آدمی سے کہتے ہیں: اس آدمی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ وہ وہی کچھ کہے گا جو کچھ (اس دنیا کی زندگی میں) کہا کرتا تھا۔ اگر وہ مؤمن ہوگا تو کہے گا: وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ دونوں فرشتے اس سے کہیں گے: ''ہم جانتے تھے کہ تم یہی جواب دو گے۔ پھر اس کی قبر کو ستر مربع گز کھلا کر دیا جاتا ہے اور اسے اس کے لیے روشن کر دیا جاتا ہے؛ اور اس سے کہا جاتا ہے: سو جا۔ وہ کہتا ہے: مجھے چھوڑ یے میں اپنے گھر والوں کو خبر کردوں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے: سو جا؛ اس دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے گھر والوں میں سے سب سے محبوب شخص کے علاوہ کوئی نہیں جگاتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی اسی آرام گاہ سے اٹھائیں گے اور اگر [مردہ] منافق ہوگا تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا۔ میں بھی وہی کہا کرتا تھا جو لوگ کہا کرتے تھے۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں: ہم جانتے تھے تم یہی جواب دو گے۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے: اس پر لپٹ جا۔ زمین اس پر لپٹ جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں آپس میں گھس جاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اسی ٹھکانے سے اٹھائیں گے۔''

اس حدیث شریف میں وضاحت کے ساتھ قبر کے انعام و عذاب کا تذکرہ بھی ہے اور فرشتوں کے ناموں منکر و نکیر کا ذکر بھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن العبد إذا وضع في قبره ، وتولى عنه أصحابه ؛ إنه ليسمع قرع نعالهم ، أتاه ملكان ، فيقعدانه ، فيقولان : ما كنت تقول في هذا الرجل ؟ في محمد ﷺ؟ قال : فأما المؤمن فيقول : أشهد أن عبد الله و رسوله ، قال : فيقال له : أنظر إلى مقعدك من النار- قد أبدلك الله به مقعداً من الجنة -"قال رسول الله ﷺ: فيراهما كلاهما

❶ حسن، رواه عبدالرزاق في المصنف (٨٥٨)، الترمذي (١٠٧١)۔

أو قال: جميعاً۔"قال: قتادة: وذكر لنا أنه يفسح له في قبره سبعون ذراعاً، ويملأ عليه خضراً إلى يوم القيامة۔"ثم رجع إلى حديث أنس، قال: وأما الكافر والمنافق: فيقال له: ما كنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول: لا أدري؛ كنت أقول ما يقول الناس۔ فيقال له: لا دريت ولا تليت، ثم يضرب بمطراق من حديد ضربة بين أذنيه، فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين)) ❶

''جب بندہ کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھی -قبر سے- واپس پلٹ جاتے ہیں، تو بیشک وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بیٹھاتے ہیں۔ وہ دونوں اس سے کہتے ہیں کہ: اس آدمی کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ یعنی محمد ﷺ کے بارے میں؟ فرمایا: سو جو کوئی مؤمن ہوگا وہ کہے گا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ فرمایا: پھر اس سے کہا جاتا ہے: جہنم میں اپنے ٹھکانے کی طرف دیکھ لے، اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے اسے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ یا فرمایا کہ ان سب کو دیکھ لیتا ہے۔''

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم سے بیان کیا گیا کہ: اس کی قبر کو ستر ہاتھ کھول دیا جاتا ہے، اور اسے سبزہ سے بھر دیا جاتا ہے۔'' (پھر انہوں نے دوبارہ حضرت اُنس رضی اللہ عنہ والی روایت بیان کرتے ہوئے فرمایا): اور رہا کافر اور منافق؛ سو اس سے کہا جاتا ہے: تم اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟۔ تو وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا، میں بھی وہی کچھ کہا کرتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ اس سے کہا جائے گا: ''نہ ہی تو نے جانا اور نہ ہی تو نے پڑھا۔ پھر لوہے سے اس کے دونوں کانوں کے درمیان ایک مار ماری جاتی ہے۔ وہ ایسی چیخ مارتا ہے؛ جس کو اس کے قریب میں ثقلین- جنات اور انسانوں- کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے۔''

عذاب قبر کے منکر کا حکم

الغرض عذاب قبر کے مسئلہ پر دلائل حدِ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں اور جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے، وہ راہ حق اور منہج سلیم سے ہٹے ہوئے ہیں، پس جو انسان دلائل جاننے کے باوجود تکبر اور تعصب کی بنا پر انکار کرے وہ کافر ہے۔ ہاں اگر کوئی انسان جہالت کی بنا پر اس کا منکر ہو، یا متأول ہو، یا مقلد ہو کہ اسے اپنے سے پہلے لوگوں سے یہ مسئلہ ایسے ہی وراثت میں ملا ہو، اور اس پر حق بات عیاں نہ ہو، تو ایسا انسان کافر تو نہیں ہے، مگر گمراہ ضرور ہے۔ اسے سمجھانا چاہیے اور لوگوں کو اس کے عقیدہ سے خبردار کرنا چاہیے تاکہ لوگ اس کی گمراہی کا شکار نہ ہوں۔

❶ رواه البخاري (١٣٧٤)؛ ومسلم (٢٨٧٠)؛ مختصر الشريعه ص ١٩٩۔

حوض پر ایمان

۲۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بحوض النبي ﷺ؛ ولكل نبي حوض؛ إلا صالح النبي عليه السلام؛ فإن حوضه ضرعُ ناقته .))

''اور رسول اللہ ﷺ کے حوض پر ایمان (لاتے ہیں)؛ اور ہر نبی کے لیے ایک حوض ہوگا، سوائے حضرت صالح علیہ السلام کے، ان کا حوض ان کی اونٹنی کے تھن ہوں گے۔''

شرح: ......قیامت والے دن ہر نبی کے لیے ایک حوض نصب کیا جائے گا جس سے وہ اپنی اپنی امت کی میزبانی فرمائیں گے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے بھی ایک حوض نصب ہوگا۔ جو باقی تمام حوضوں سے بڑا ہوگا۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی امت باقی تمام امتوں سے بڑی امت ہے۔ اس حوض کو بھرنے کے لیے جنت میں کوثر سے دو پرنالے نکال کر اس میں ڈالے جائیں گے۔ کوثر ایک نہر ہے جس کا ذکر سورت کوثر میں آیا ہے اور اس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کر رکھا ہے۔ کوثر آپ ﷺ کی خاصیت ہے۔ جب کہ حوض تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے علیحدہ علیحدہ ہوں گے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ "النهاية" (۲/ ۵-۳۱) میں فرماتے ہیں:

''حوض نبوی محمدی ﷺ - اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس سے قیامت کے دن سیراب کرے - کا ذکر کئی متوافر سندوں کے ساتھ متواتر احادیث میں آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((أنا فرطك على الحوض ، من ورد شرب ، ومن شرب لم يظمأ أبداً)) ❶

''بیشک میں تم لوگوں سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور جو میرے پاس آئے گا، وہ پیئے گا، اور جو- اس حوض سے- پیئے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا۔'' (پوری روایت تفصیل کے ساتھ آگے آرہی ہے)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((والذي نفسي بيده ليردن الحوض عليَّ رجال حتى إذا عرفتهم ، ورفعوا اختلجوا دوني)) ❷

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! حوض پر میرے پاس ایسے لوگ آئیں گے جب میں ان کو پہچان لوں گا؛ ان کے اور میرے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا۔''

اس حوض کی کئی صفات بھی احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

❶ رواه البخاري (۷۰۵۰) مسلم (۲۲۹۰)، عبدالرزاق في المصنف (۸۳۱)، مختصر الشريعه ص ۱۹۵۔
❷ رواه البخاري ۶۵۸۲؛ ومسلم برقم ۱۳۰۴؛ عبدالرزاق في المصنف ۸۲۷؛ مختصر الشريعه ۱۹۴۔

((قلت یارسول الله ! ما آنية الحوض ؟ قال : والذي نفس محمد بيده لآنيته أكثر من عدد نجوم السماء؛ وكواكبها في ليلة مظلمة المصيحة ؛ من آنية الجنة ؛ يشخب فيه ميزابان من الجنة ؛ من شرب منه لم يظمأ ؛ عرضه مثل طوله ؛ ما بين عمان إلى إيلة ؛ ماؤه أشد بياضاً من اللبن ؛ وأحلى من العسل)) ❶

''میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ! حوض پر برتن کیسے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس حوض کے برتن آسمان کے ستاروں سے بڑھ کر ہوں گے اور اس کے صاف موسم میں اندھیر رات میں تاروں اور کواکب سے بڑھ کر ہیں؛ جو جنت کے برتنوں میں سے ہیں۔ اس میں جنت سے دو پرنالے بہائے جاتے ہیں۔ جس نے اس سے پی لیا، وہ کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا۔ اس کی چوڑائی اس کی لمبائی کے برابر ہوگی۔ عمان سے ایلہ تک۔ دودھ سے بڑھ کر سفید اور شہد سے بڑھ کر میٹھا ہوگا۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرا حوض اتنا اور اتنا لمبا ہے۔ جس پر ستاروں کی تعداد کے برابر جام ہیں۔ اس کے پانی کی خوشبو مسک سے زیادہ ہے، اور شہد سے زیادہ میٹھا؛ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے بڑھ کر سفید ہے؛ جو شخص ایک بار حوضِ کوثر سے پانی پی لے گا، اسے کبھی بھی پیاس نہیں لگے گی اور جو شخص اس سے محروم رہا وہ کبھی بھی سیراب نہیں ہوگا۔'' ❷

چونکہ اس میں نہر کوثر سے دو نہریں لا کر بہائی گئی ہوں گی؛ اس لیے اسے حوضِ کوثر کہنا درست ہے، اور اس پر یہ اصطلاح صادق آتی ہے۔ جب کہ باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے حوضوں کو کوثر کہنا درست نہیں۔ کوثر آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

حوض کے پہلے میزبان

رسول اللہ ﷺ کا اس حوض پر اپنی امت کی میزبانی کرنا بھی ثابت ہے۔ عام مؤمنین کو یہ سعادت نصیب ہوگی۔ مگر مبتدعین کو اللہ تعالیٰ اس سعادت سے محروم رکھیں گے، اور انہیں اس حوض سے نہیں پلایا جائے گا۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بیشک میں تم لوگوں سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور جو میرے پاس آئے گا، وہ پیے گا، اور جو اس حوض سے پیے گا وہ کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا۔ میرے پاس کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا

❶ رواه مسلم برقم ۲۳۰۰؛ عبدالرزاق في المصنف ۸۲۹؛ ومختصر الشريعة ص ۱۹٤۔

❷ یہ حدیث حسن ہے؛ اسے طبرانی نے روایت کیا۔ الترغيب والترهيب ٥٢٥٨۔

اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا۔''

رہا یہ مسئلہ کے سب سے پہلے میزبانی کن خوش نصیبوں کی کی جائے گی۔ اس بارے میں بھی وضاحت موجود ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے حوض پر سب سے پہلے جو لوگ آئیں گے وہ فقراء مہاجرین ہوں گے۔ گرد آلود سر؛ میلے کچیلے کپڑے؛ ناز و نعم میں پلی ہوئی عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھنے والے، جن کے لیے (امراء) کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔'' ❶

حوض سے محروم رہنے والے

کافر اور منافق لوگ اس حوض پر پانی پینے کے لیے آنے کی کوشش کریں گے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہاں سے دور ہٹا دیں گے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں حوض سے (غیر مسلموں) کو ایسے ہٹاؤنگا جس طرح اونٹوں کا مالک دوسرے اونٹوں کو ان کے باڑے سے ہٹاتا ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ ہمیں پہچانیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں تم میرے پاس آؤ گے تو وضو کی وجہ سے تمہارے ہاتھ، پاؤں اور پیشانیاں چمک رہی ہوں گی۔ یہ صفت تمہارے علاوہ کسی دوسری امت میں نہیں ہوگی۔'' ❷

ایسے ہی اہل بدعت کو بھی اللہ تعالیٰ اس سعادت سے محروم رکھیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں حوض پر تمہارا استقبال کروں گا؛ تم میں سے بعض لوگ وہاں لائے جائیں گے، پھر مجھ سے دور ہٹا دیے جائیں گے۔ میں کہوں گا: ''اے میرے رب! یہ تو میری امت کے لوگ ہیں؟ جواب میں کہا جائے گا: ''آپ کو نہیں معلوم انہوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی بدعات ایجاد کر لی تھیں۔'' ❸

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی روایت میں اس کے بعد ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان -دھکے کھانے والوں- کے متعلق فرمائیں گے: یہ تو میری امت کے افراد ہیں- پھر انہیں کیوں روکا جا رہا ہے؟- تو بتایا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کر لی تھیں۔ تو میں کہوں گا: ''سحقاً سحقاً لمن غير بعدي۔'' ❹

---

❶ صحیح: ترمذی ابواب صفة القيامة، ح: ۱۹۸۹۔ ❷ ابن ماجه كتاب الزهد، باب ذكر الحوض، صحیح۔
❸ رواه البخاري، ابواب صفة القيامة؛ باب: ما جاء في صفة الحوض ح: ۱۹۸۸۔
❹ مسلم ۱۷۹۳۔ بخاری ۷۰۵۰۔

''دوری ہو دوری ہو، ان کے لیے جنہوں نے میرے بعد- اس دین کو- بدل ڈالا۔''

ایسے ہی ظالم حکمرانوں اور ان کی مدد کرنے والوں کو بھی اس ظلم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ اس شرف اور نعمت سے محروم رکھیں گے ۔حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نبی کریم ﷺ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

سنو!'' ہم نے عرض کیا: ''ہم سننے کے لیے بالکل تیار ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے بعد حکمران آئیں گے، ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرنا اور ان کے ظلم پر ان کی مدد نہ کرنا؛ بیشک جس نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی، اور ان کے ظلم پر تعاون کیا، وہ حوض پر نہیں آئے گا۔'' [1]

صحیح اَحادیث میں اس کے علاوہ اور بھی کئی صفات وارد ہوئی ہیں، جنہیں طوالت کے خوف سے ترک کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ کئی مبتدعین، متکبرین، معاندین کی ناک خاک آلودہ ہی کیوں نہ ہو؛ جو اس کا انکار کرتے ہیں؛ اور اس کے وجود کے منکر ہیں اور یہ بات بہت مناسب ہے کہ ان کے درمیان اور اس حوض پر وارد ہونے کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے۔ جیسا کہ بعض سلف صالحین رحمہم اللہ کا فرمانا ہے: ''جو کسی کرامت کا انکار کرتا ہے، وہ اسے نہیں پا سکتا۔''

اگر بدعتی انکار کرنے سے پہلے ان احادیث کا علم حاصل کر لیتا، جن کا ہم ذکر کرنے جا رہے ہیں، تو وہ کبھی بھی اس کا انکار نہ کرتا۔ شارحین حدیث اور آئمہ اہل سنت والجماعت نے اس موضوع پر مفصل احادیث ذکر کرکے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ [2]

انبیاء علیہم السلام کے حوض

ہر نبی کے لیے حوض کا ہونا حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بیشک ہر نبی کا حوض ہوگا، اور وہ ایک دوسرے پر رشک کریں گے کہ کس کے ماننے والے اکثر آتے ہیں، اور میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ لوگ ہوں گے۔'' [3]

حضرت صالح علیہ السلام کا استثناء؟

صحیح بات یہ ہے کہ باقی انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح آپ کے لیے بھی ایک حوض ہوگا، جس پر آپ اپنی امت کی میزبانی فرمائیں گے۔ جو روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ کے لیے حوض نہیں ہوگا؛ یہ من گھڑت ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے بھی

---

[1] رواہ الطبرانی وابن حبان، حدیث حسن ۔ الترغیب والترھیب ۳۳۱۵۔

[2] مزید دیکھیں: " شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص (۲۲۰)؛ معارج القبول (۲/ ۱۹۹-۲۰۷)؛ وکنز العمال (۱۴/ ۴۱۵- ۴۳۷)۔

[3] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے " التاریخ الکبیر " (۱/۱/۴۴) میں؛ اور امام ترمذی نے اپنی سنن میں "کتاب صفۃ القیامۃ؛ باب ماجاء فی صفۃ الحوض (۴/ ۶۲۸) میں؛ اور ابن ابی عاصم نے "السنۃ " (۷۳۹) میں، اور الطبرانی نے " الکبیر " (۲۱۲/۷) میں نقل کیا ہے اور البانی رحمہ اللہ نے اسے " الصحیحۃ " (۱۵۸۹) میں صحیح کہا ہے۔

یہاں پر چوک کھائی ہے؛ اوران سے اس کے بیان میں غلطی ہوگئی ہے۔ ورنہ اس کی کوئی معقول وجہ نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ اونٹنی کا ظاہر ہونا آپ کا ایک معجزہ تھا، جو اس کے طلب کرنے پر اللہ کے حکم سے ظاہر ہوا، مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ کسی بھی نبی کو دنیا میں دیے جانے والے معجزہ کی بنا پر آخرت میں کسی کرامت یا انعام سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔ مذکورہ بالا قول من گھڑت ہے۔ کسی بھی صحیح حدیث سے ایسا کوئی بھی مسئلہ ثابت نہیں ہے؛ یہ ذکر موضوع حدیث میں آیا ہے۔ اس کو عقیلی رحمہ اللہ نے "الضعفاء (۳/۶۴-۶۵) میں نقل کیا ہے اور وہاں سے ابن جوزی رحمہ اللہ نے "الموضوعات (۳/۲۴۴) میں عبدالکریم بن کیسان عن سوید بن عمیر کی مرفوع سند سے لیا ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جھوٹی حدیث ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ عقیلی۔ نے کہا ہے: ''عبدالکریم نقل کرنے میں مجہول ہے اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے عبدالکریم کے حالاتِ زندگی لکھتے ہوئے ''المیزان" (۲/۶۴۵) میں فرمایا ہے:

''مجاہیل میں سے ہے، اور اس کی حدیث منکر ہے۔ پھر یہی حدیث ذکر کی اور فرمایا: ''یہ من گھڑت ہے۔''

اسے حمید بن زجویہ نے ابن عساکر سے اپنی ''تاریخ'' میں نقل کیا ہے، جیسا کہ اللآلي المصنوعة'' (۲/۴۴۴-۴۴۵) میں دوسری سند ''کثیر بن مرہ'' سے مرسل روایت میں ہے۔'' خواہ جو بھی ہو، ایسی حدیث بالکل قابل اعتماد نہیں ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں مسلسل مجاہیل ہیں۔

شفاعت کا مسئلہ

اہل سنت والجماعت کے بنیادی اور اصولی مسائل میں سے ایک شفاعت کا مسئلہ بھی ہے۔ اور یہ شفاعت اپنی ان شروط کے ساتھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہیں۔ اس مسئلہ کا تعلق چونکہ براہ راست عقیدہ سے ہے اور دوسرے کئی ایک مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی لوگ افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ تو ایسے ہوگئے کہ جنہوں نے سرے سے کسی بھی قسم کی شفاعت کا ہی انکار کردیا؛ اور دوسری طرف وہ لوگ تھے جنہوں نے شفاعت کے بارے میں اتنا مبالغہ کیا کہ وہ شرک کے گڑھوں میں جا گرے۔ انہوں نے ہر کس و ناکس کو اپنا شفیع و کارساز مان لیا۔ اس لیے مصنف رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اس بارے میں بیان کررہے ہیں جو کہ ہر قسم کے غلو اور افراط و تفریط سے مبرا و پاک ہے۔

۲۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإیمان بشفاعة رسول الله ﷺ للمذنبین الخاطئین في [یوم] القیامة وعلی الصراط؛ ویخرجهم من جوف جهنم؛ وما من نبي إلا وله شفاعة؛ وکذلك الصدیقین والشهداء و الصالحین؛ ولله بعد ذلك تفضل کثیر فیمن یشاء؛ والخروج من النار بعد ما احترقوا و صاروا فحماً.))

''[اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ] خطا کاروں اور گنہگاروں کے لیے قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پر ایمان؛ اور (پل) صراط پر ایمان [لانا ضروری ہے]؛ اور انہیں جہنم کے پیٹ سے نکالا جائے گا؛ اور کوئی بھی نبی ایسا نہیں مگر اس کے لیے شفاعت ہوگی؛ اور ایسے ہی صدیقین اور شہداء اور صالحین کے لیے (شفاعت ہوگی؛ اس پر بھی ایمان رکھنا واجب ہے) اور اس کے بعد جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہے گا، ان کے لیے بہت زیادہ فضل ہوں گے۔ اور جل جانے اور کوئلہ بننے کے بعد جہنم سے نکالے جانے پر ایمان [لانا ضروری ہے]۔''

شرح: ......شفاعت کی تمام اقسام کبیرہ گناہوں کے مرتکب اہل ایمان و اسلام کے لیے ہوں گی۔ کافر اور منافق کے بارے میں کسی نبی کو بھی شفاعت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ منکرین شفاعت یہ گمان کرتے ہیں کہ جو کوئی آگ میں داخل ہوگیا، اس سے کبھی بھی باہر نہیں آئے گا۔ یہ معتزلہ اور خوارج اور ان لوگوں کا مذہب ہے جو لوگ احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ جس کی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ؛ اور اُقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے بعد تابعین کے عقیدہ میں کوئی دلیل اور اصل نہیں ہے۔

معتزلہ اور خوارج اور ان کی راہ پر چلنے والے ان تمام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ نہ ہی سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں؛ اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدہ کی طرف۔ بلکہ وہ متشابہاتِ قرآن سے ان دلیلوں کو رد کرتے ہیں اور اپنی طرف سے عقل استعمال کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کا طریقہ کار نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کا طریق کار ہے جو راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور شیطان جن کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے لوگوں سے ڈرایا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمیں ایسے لوگوں سے ڈرایا ہے اور ہر دور کے ائمہ مسلمین نے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر یہ آیات ایسے ہی لوگوں سے ڈرانے کے لیے نازل کی تھیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾

(آل عمران: ۷)

''وہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی۔ جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور اس کی تاویل تلاش کرنے کے لیے۔''

یزید الفقیر رحمہ اللہ سے روایت ہے: ہم مکہ میں تھے۔ اور میرے ساتھ میرا ایک بھائی تھا جسے ہم طلق بن حبیب کہتے تھے۔ اور ہم حروریہ کے نظریہ (عقیدہ) پر تھے۔ ہمیں یہ بات پہنچی کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں۔ وہ ہر سال حج کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ ہم بھی ان کے پاس آئے؛ اور ان سے کہا: ہمیں آپ کے بارے میں

معلوم ہوا ہے کہ آپ شفاعت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان آپ کے خلاف ہے۔ انہوں نے ہمارے چہروں کی طرف دیکھا اور کہا: کیا تم اہل عراق میں سے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں۔ آپ مسکرا دیے اور فرمایا: قرآن میں یہ کہاں ہے؟ ہم نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (آل عمران: ۱۹۲)

''اے رب جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اُسے رُسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

اور اس کا فرمان ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ز وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾

(المائدہ: ۳۷)

''وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں مگر اُس سے نکل نہیں سکیں گے اور اُن کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ (الحج: ۲۲)

''جب بھی وہ چاہیں گے کہ اس رنج (و تکلیف کی وجہ سے) دوزخ سے نکل جائیں تو پھر اُسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔''

ان کے مشابہ آیات قرآن میں ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا: ''کیا تم کتاب اللہ کو زیادہ جانتے ہو یا میں زیادہ جانتا ہوں؟ ہم نے کہا: نہیں بلکہ آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ''سو اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ پر ان آیات کے نزول کا مشاہدہ کیا، اور رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کی تفسیر سیکھی؛ بیشک عقل مند کے لیے قرآن مجید میں شفاعت موجود ہے۔ ہم نے کہا: قرآن میں شفاعت کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: ''سورت مدثر میں ہے:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾

''کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے اور اہلِ باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔ تو (اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔''

پھر آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں سمجھتے کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ ٹھہراتے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

''بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام خلق کو پیدا کیا اور اس کے لیے کسی ایک سے مدد نہیں لی اور نہ ہی اس کے بارے

میں کسی سے مشورہ کیا؛ پھر انہیں موت دی۔ اس پر بھی کسی ایک سے مدد نہیں لی اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی سے مشورہ کیا۔ پھر انہیں زندہ کیا اور اس کے لیے کسی ایک سے مدد نہیں لی اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی سے مشورہ کیا۔ پھر ان میں سے جن کو چاہا اپنی رحمت سے جنت میں داخل کیا، اور جن کو چاہا انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے آگ میں ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ موحدین پر مہربانی فرمائیں گے۔ پھر اس نے اپنی طرف سے ایک فرشتہ کو پانی اور نور دیکر بھیجا۔ وہ جہنم میں داخل ہوا، اور ان ہی لوگوں کے پاس گیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا اور صرف انہی لوگوں کے پاس گیا جو دنیا سے اس حال میں نکلے ہوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرایا ہو۔ انہیں وہاں سے نکالا یہاں تک کہ انہیں جنت کے صحن میں لے کر آ گیا۔ پھر وہ دوبارہ اپنے رب کے پاس گیا؛ اور وہاں سے پانی اور نور لے کر آیا۔ وہ ان پر چھڑکا، وہ پانی صرف ان لوگوں کو ہی پہنچا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا۔ اور صرف انہی لوگوں کو پہنچا جو دنیا سے اس حال میں نکلے ہوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرایا ہو؛ اسے پانی کا یہ چھڑکاؤ پہنچا۔ پھر انہیں بھی نکالا یہاں تک کہ جنت کے آخری - پچھلے - حصہ میں پہنچا دیا۔ پھر شفاعت کرنے والوں کو اجازت دی گئی؛ انہوں نے ان کے لیے شفاعت کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے انہیں جنت میں داخل کیا۔'' [1]

حضرت یزید بن صہیب رحمہ اللہ کہتے ہیں میرا گزر جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ پر ہوا، وہ ایک حلقہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے۔ میں نے سنا آپ فرما رہے تھے کچھ لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں: اس دن میں اس عقیدہ کا منکر تھا۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے ان لوگوں پر تعجب نہیں ہے۔ لیکن اے اللہ کے رسول کے صحابیو! مجھے آپ پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴾ (المائدہ: ۳۷)

''وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں مگر اُس سے نکل نہیں سکیں گے اور اُن کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔''

(میرے اس ردّ اور سوال و جواب پر) مجھے آپ کے ساتھیوں نے جھڑکا۔ آپ ان میں سب سے بردبار اور حلیم مزاج تھے۔ انہوں نے کہا: اس آدمی کو چھوڑ دو۔ پھر آپ نے (میرا شبہ دور کرنے کے لیے) فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴾ (المائدہ: ۳۶-۳۷)

---

[1] مصنف عبد الرزاق: ۲۰۸۶۳؛ اصل حدیث مسلم میں ہے نمبر ۱۹۱۔ دیکھو: مختصر الشریعہ ص ۱۸۵۔

’’جولوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اوراس) کا سب مال ومتاع ہواوراس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوتا کہ قیامت کے روز عذاب (سے چھٹکارا حاصل کرلے) کا بدلہ دیں تو اُن سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ (ہر چند) چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں مگر اُس سے نکل نہیں سکیں گے اور اُن کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔‘‘

اور فرمایا: ’’کیا تم قرآن میں نہیں پڑھتے:

﴿عَسٰٓى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (الاسراء: ۷۹)

’’قریب ہے کہ اللہ آپ کو مقامِ محمود پر فائز کردے۔‘‘

فرمایا:

’’سو بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ان گناہوں کی وجہ سے عذاب دیں گے اور اگر وہ چاہے گا کہ انہیں اس عذاب سے نکال دے، تو وہ انہیں نکال دے گا۔ -یزید رحمہ اللہ- کہتے ہیں کہ: ’’اس دن کے بعد میں نے کبھی اس عقیدہ کو جھٹلایا نہیں۔‘‘ ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لکل نبي دعوة مستجابة ؛ فتعجل كل نبي دعوته ، وإني أختبأت دعوتي شفاعة لأمتي إلى يوم القيامة ؛ فهي نائلة إن شاء الله لمن مات و لم يشرك بالله شيئاً)) ❷

’’ہر ایک نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہوتی ہے اور میں نے اپنی دعا کو قیامت والے دن اپنی امت کے لیے شفاعت کے طور پر بچا کر رکھا ہے۔ یہ ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو اس حالت میں مریں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ ٹھہرایا ہو۔‘‘

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي)) ❸

’’میری شفاعت میری امت کے بڑے گنہگاروں کے لیے ہے۔‘‘

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم کسی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ - پھر ایک لمبی حدیث بیان کی - جس میں ہے-: ’’بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

((أتاني الليلة آتٍ من ربي ؛ فخيرني بين الشفاعة و بين أن يدخل نصف أمتي الجنة ؛ فاخترت الشفاعة۔"فقلنا : يا رسول الله! اجعلنا في شفاعتك ۔ فقال : إنكم

❶ صحیح ۔ رواہ عبدالرزاق في المصنف (٧٧٤) مختصر الشریعه ص ١٨٦۔

❷ رواه البخاري برقم٦٣٠٤؛ مسلم برقم١٩٨۔عبدالرزاق في المصنف ٧٨٦؛ مختصر الشريعه ١٨٨۔

❸ رواه الترمذي برقم ٢٥٦٦؛ ابن ماجه برقم ٤٣١٠؛ مختصر الشريعه ١٨٨ عبدالرزاق في المصنف ٧٧٨۔

أهـل شـفاعتي - ثم أقبلنا مع رسول الله ﷺ إلـى الـناس فقال: أتاني الليلة آتٍ من ربـي ؛ فخيرني بين الشفاعة و بين أن يدخل نصف أمتي الجنة ؛ فاخترت الشفاعة" فـقـالـوا: يا رسول الله! اجعلنا من أهل شفاعتك - فقال رسول الله ﷺ: أشهد من حضر أن شفاعتي لمن مات من أمتي ، لا يشرك بالله شيئاً)) ❶

" آج رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا۔اور مجھے اختیار شفاعت اور آدھی امت کے جنت میں داخل کرنے -دو میں سے ایک کا - اختیار دیا۔سو میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ہم نے کہا : اے اللہ کے رسول! ہمیں بھی اپنے اہل شفاعت میں کر دیجیے ۔آپ ﷺ نے فرمایا:" تم میری شفاعت کے اہل لوگوں میں سے ہو۔" پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کچھ لوگوں کی طرف گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا:" آج رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا۔اور مجھے اختیار شفاعت اور آدھی امت کے جنت میں داخل کرنے -دو میں سے ایک کا - اختیار دیا۔سو میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ! ہمیں بھی اپنے اہل شفاعت میں کر دیجیے ۔آپ ﷺ نے فرمایا:" میں تم سب حاضرین کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میری شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو اس حال میں مریں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول!

((من أسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة ؟ فقال النبي ﷺ: لقدظننت يا أبا هريرة أن لا يسـألني عن هذا الحديث أحد أول منك ؛ لما رأيت من حرصك - أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال : لا إله إلا الله خالصاً من نفسه)) ❷

"لوگوں میں کون سا خوش نصیب ہوگا جو روزِ قیامت آپ ﷺ کی شفاعت کو پائے گا ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے علم پر تیری حرص دیکھ کر اس بات کا یقین تھا کہ یہ سوال تجھ سے پہلے کوئی نہیں پوچھے گا ۔ میری شفاعت پانے والا خوش نصیب وہ ہوگا جس نے اخلاص قلب کے ساتھ" لا إله إلا الله کہا ہوگا۔"

شفاعت قہری کی نفی

اللہ تعالیٰ شفاعت قہری کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاتَّقُوا يَوْماً لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئاً وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ

❶ صحيح؛ أحمد (٢/ ٢٨)؛ والترمذي (٢٥٧١)؛ رواه عبدالرزاق في المصنف (٧٩٣) -

❷ رواه البخاری باب الحرص على الحديث ٩٩؛ وباب صفة الجنة ح: ٦٢٠١ - مختصر الشريعه ١٨٩ عبدالرزاق في المصنف (٧٨٨)-

﴿وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ﴾ (البقرہ: ٤٨)

''اور اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی نفس کسی کے کام نہ آئے گا، اور نہ ہی کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ ہی کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔''

نیک اعمال کے بغیر کسی کی شفاعت کام نہیں آئے گی؛ اور سب سے بڑا نیک عمل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بناتے ہوئے اسلام قبول کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ‌ؕ وَالۡكٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾ (البقرہ: ٢٥٤)

''مسلمانو جو ہم نے تم کو دیا اس میں سے خرچ کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس دن کہ نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی نہ سفارش (کچھ کام دے گی بغیر اللہ کے حکم کے) اور کافر ہی (اپنی جانوں پر) ظلم کرتے ہیں۔''

کفر اور شرک کا عقیدہ رکھنے والے کے اعمال بھی اس کے کام نہیں آئیں گے اور نہ ہی کسی سفارش کرنے والے کو ان کی سفارش کرنے کی اجازت دی جائے گی، اور نہ ہی کوئی شفاعت کام آئے گی؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَذَرِ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَعِبًا وَّلَهۡوًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَذَكِّرۡ بِهٖۤ اَنۡ تُبۡسَلَ نَفۡسٌ ۢ بِمَا كَسَبَتۡ ‌ۖ لَيۡسَ لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ ۚ وَاِنۡ تَعۡدِلۡ كُلَّ عَدۡلٍ لَّا يُؤۡخَذۡ مِنۡهَا ؕ اُولٰۤـئِكَ الَّذِيۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا كَسَبُوۡا ۚ لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ﴾ (الانعام: ٧٠)

''اور (اے پیغمبر) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور دنیا کی زندگی نے ان کو فریب دے رکھا ہے (دھوکے میں ڈال رکھا ہے) اُن کو (اُن کے حال پر) چھوڑ دے اور قرآن کے ذریعے سے نصیحت کرتا رہ ایسا نہ ہو کوئی جان اپنے کیے کے بدل ہلاکت میں پڑ جائے اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی حمایتی ہو اور نہ سفارشی اور اگر وہ سب طرح کی چھڑایاں (فدیے) دے تو بھی اس کی طرف سے قبول نہ ہوں یہی ہیں وہ لوگ جو اپنے کیئے کے بدل آفت میں پھنس گئے (یا ہلاکت میں پڑ گئے یا ذلیل وخوار ہوئے) اُن کو پینے کے لیے گرم کھولتا پانی ہے اور تکلیف کا عذاب کیونکہ وہ (دنیا میں) کفر کرتے رہے۔''

ان آیات مبارکہ میں اور ان جیسی دوسری آیات میں شفاعت قہری کی نفی کی گئی ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دیدیں گے، اور ان کو آگ نہیں چھوئے گی کیونکہ وہ آل رسول اور سید ہیں۔ ایسے لوگ بہت ہی سخت دھوکہ میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا تمام موحدین اور مومنین کے لیے روز قیامت میں اثبات برحق اور عین ایمان کا حصہ ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ بھی اپنی مرضی سے یہ کام اس وقت

تک نہیں کر سکیں گے جب تک آپ کو اللہ کی جانب سے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ملے گی۔

شرکیہ عقیدہ کا رد

شفاعت کے بارے میں یہ ایک اہم ترین مسئلہ ہے جس کی من پسند اور غلط تأویل کا سہارا لے کر بعض مبتدعین نے ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کر رکھا ہے۔ انہوں نے ہر کس و ناکس کو اللہ کی بارگاہ میں اپنا سفارشی سمجھ لیا ہے کہ وہ مختار کل ہے جو جب جیسے اور جس کو چاہے اللہ کے عذاب سے چھوڑا دے اور اسے وہ شفاعت کا نام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ (سبا: ۲۲۔ ۲۳)

''کہہ دو کہ جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے اور اللہ کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے اضطراب دُور کر دیا جائے گا تو کہیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ (فرشتے) کہیں گے کہ حق (فرمایا ہے) اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾

(یونس: ۱۸)

''اور یہ (لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔''

یعنی آڑے وقت میں کسی سے مراد مانگنا، اور اسے اس مراد کے برلانے پر مافوق الاسباب قادر سمجھا جاتا ہے اور ان کے لیے امراء و سلاطین اور بادشاہوں کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ جنہیں ہم اپنا سفارشی سمجھ کر ان سے دعا کرتے ہیں، یہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچے ہوئے اور اس کے مقرب ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی کسی بات کو رد نہیں کرتا اور یہ ہمیں اللہ سے لے کر دیتے ہیں۔ ہم جب ان کے سامنے فریاد کرتے ہیں تو یہ اللہ کے سامنے ہماری فریاد پیش کرتے ہیں، اور پھر ہماری مشکل حل کرواتے ہیں، اور بگڑی بنواتے ہیں۔ یہی وہ شفاعت ہے جسے شفاعت قہری کہتے ہیں۔ دنیا کے امور میں اور اس دنیا میں شفاعت قہری ممکن ہے۔ مثال کے طور پر: بادشاہ کے سامنے مجرم کا جرم

ثابت ہوجائے ،مگر کوئی امیر یا وزیر سفارش کرکے اسے سزا سے بچالے۔ حالانکہ آئین میں ایسے انسان کے لیے سزا ہے، اور بادشاہ اس کو سزا بھی دینا چاہتا ہے۔مگر اسے کسی نہ کسی کا یا تو خیال رکھنا پڑتا ہے، یا اس سے دب کر بات ماننی پڑتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا، تو اس کے حمایتیوں میں کمی ہوگی اور نظام حکومت میں گڑبڑ پیدا ہوگی۔ جب کہ اللہ کی بارگاہ میں ایسا کوئی اندیشہ یا ایسا معاملہ ہرگز نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت ایمان کی بنیاد پر ہوگی اوران لوگوں کے لیے ہوگی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

((لیخرجن من النار قوم قد محشتهم النار فيدخلون الجنة بشفاعة الشافعين ، يسمون جهنميين)) ❶

'' ضرور کچھ لوگوں کو جہنم سے نکالا جائے گا جنہیں آگ نے جلا ڈالا ہوگا ، اور سفارش کرنے والوں کی شفاعت سے وہ جنت میں داخل ہوں گے، ان کا نام رکھا جائے گا'' جہنمی۔''

مگر رہا یہ سوال کہ کس انسان کا خاتمہ کس چیز پر ہوا ہے؟ اور کون شہید ہے؟ یا کون ریا کاری سے جان دینے والا ہے؟ اس کے بارے میں ہم فیصلہ نہیں کرسکتے اور پھر ان میں سے بھی جن لوگوں کو شفاعت کی اجازت ملے گی ، اور جن کے لیے شفاعت کی اجازت ملے گی، اور جب اجازت ملے گی ، اس سے ادھر ادھر تجاوز ہرگز نہیں ہوسکتا۔ وہ جھوٹے پیر جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہاں سے بچالیں گے، یا ہمارا پیر بچالے گا؛ یا ہمارے پیر کی؛ یا فلاں بڑے کی بات اللہ تعالیٰ رد نہیں کرے گا؛ یہ سب اللہ تعالیٰ پر جرأت رندانہ ہے۔بس اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی شفاعت نصیب کردے اوران لوگوں کی بھی شفاعت جن کو اس کی مشیت میں شفاعت کا حق ملنا ہے۔آمین۔

قبولیتِ شفاعت کی شرائط

شفاعت کے قبول ہونے کے لیے دو بنیادی شرطیں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کرنے والے کے لیے اجازت کہ وہ شفاعت کرے۔جنہیں اللہ تعالیٰ جب تک اجازت نہیں دے گا وہ کسی کی سفارش نہیں کرسکیں گے۔فرمایا:

﴿قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (الزمر: ٤٤)

''(اے پیغمبر) کہہ دے سفارش تو ساری اللہ کے اختیار میں ہے آسمان اور زمین (سب) میں اسی کا راج ہے پھر (مرنے کے بعد بھی) تم کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔''

۲۔ جس کے لیے شفاعت کی جارہی ہے اس کے لیے اللہ کی رضامندی؛ کہ وہ شفاعت پانے کا مستحق بھی ہو؛ کافر یا

❶ أخرجه أحمد (٥/ ٤٠٢)؛ وابن خزيمة (١٧٨)؛ وابن أبي عاصم (٨٣٦)؛ وحسنه الألباني في ظلال الجنة۔''

مشرک نہ ہو۔ کافر اور مشرک کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ﴾ (مدثر: ٤٨)

''تو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ دے گی۔''

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں شرطوں کو یکجا طور پر دو مقام پر مزید بھی بیان کیا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ (طه: ١٠٩)

''اس دن کسی کی شفاعت کام نہ آئے گی مگر جس کو رحمٰن (سفارش کرنے کی اجازت دے اور اس کی بات پسند کرے۔''

دوسرے مقام پر اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ (النجم: ٢٦)

''آسمان کے فرشتے تو کتنے ایسے ہیں کہ ان کی سفارشی کچھ کام نہیں آسکتی مگر ہاں اللہ جس کے لیے چاہے حکم دے اور اس کی مرضی ہو (تو یہ اور بات ہیں)۔''

تیسری چیز کہ جب تک اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت نہیں دیں گے، اس وقت تک کوئی بھی اس کی بارگاہ میں کسی کے لیے بھی سفارش نہیں کر سکے گا۔ جیسا کہ شفاعت کبریٰ والی حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تمام مخلوق کا حساب و کتاب شروع کرنے کے لیے شفاعت کرنے والے ہوں گے تو آپ اللہ تعالیٰ سے اجازت حاصل کرنے کے لیے ایک لمبا عرصہ تک سجدہ میں رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بیان کر کے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے حکم آئے گا کہ: ''اب سر اٹھائیں، جو مانگنا ہے وہ مانگیں، آپ کو دیا جائے گا، اور سفارش کریں آپ کی سفارس قبول کی جائے گی۔ اس حدیث کی تفصیل شفاعت کبریٰ کے مسئلہ میں آرہی ہے۔

شفاعت کی اقسام

ویسے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سفارش عام ہو جائے گی۔ ایک وقت محشر میں وہ بھی آئے گا کہ انسان کی عبادات، صدقات و خیرات اور اعمال، نیک عزیز و اقارب اور دوست و احباب سب اللہ کی بارگاہ میں انسان کے لیے سفارش کریں گے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ محمد ﷺ نبی ء رحمت جو اپنی امت کے لیے شفاعت کریں گے اس کے مراحل کی تفصیل یہ ہے۔ سب سے پہلے شفاعت کی دو بڑی قسمیں ہیں:

خاص شفاعت: ...... یہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہوگی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا كان يوم القيامة؛ أوتيت الشفاعة؛ فأشفع لمن كان في قلبه مثقال حبة من

إیمان ، ثم أشفع لمن كان في قلبه مثقال ذرة ؛ حتى لا يبقى أحد في قلبه من الإيمان مثل هذا ۔"وحرك الإبهام والمسبحة)) ❶

''جب قیامت کا دن ہوگا مجھے شفاعت کرنے کا اختیار دیا جائے گا، میں اس انسان کے لیے شفاعت کروں گا جس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ پھر میں ان لوگوں کے لیے شفاعت کروں گا جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، پھر میں ان کے لیے شفاعت کرونگا جن کے دل میں اتنا بھی ایمان ہوگا'' اور آپ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو حرکت دی۔''

عام شفاعت:...... اس میں باقی تمام مخلوق کی شفاعت ہوگی۔

اب شفاعت محمد ﷺ کی آٹھ قسمیں ہیں:

شفاعت کبریٰ

شفاعت کی یہ قسم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ شفاعت قیامت والے دن اس وقت ہوگی جب لوگ حساب و کتاب شروع کیے جانے کے لیے بے تاب ہوں گے، اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جا کر شفاعت کے لیے عرض کریں گے، مگر وہ سب اپنا اپنا عذر پیش کر کے شفاعت کرنے سے انکار کر دیں گے۔ آخر کار یہ تمام لوگ خاتم الأنبیاء والمرسلین جناب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے، اور آپ کے سامنے سفارش کرنے کے لیے اپنی عرض پیش کریں گے۔ آپ ﷺ انکار نہیں فرمائیں گے؛ اور نہ ہی فوراً شفاعت کریں گے؛ بلکہ اس کی اجازت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے اور ایک لمبے عرصہ کے بعد آپ ﷺ کو شفاعت کی اجازت ملے گی اور آپ لوگوں کا حساب و کتاب شروع ہونے کے لیے سفارش کریں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز لوگ جمع ہوں گے اور کہیں گے: ہمیں اپنے رب کے حضور سفارش کروانی چاہیے تاکہ وہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ۔ ہمیں اس جگہ ۔یعنی حشر۔ کی تکلیف سے نجات دے۔ چنانچہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اپنی روح پھونکی، اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کو سجدہ کریں، آج آپ ہمارے رب کے حضور ہمارے لیے سفارش کریں، (کہ وہ حساب شروع کر دے، اور ہمیں حشر کے اس عذاب سے نجات دے)۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے: '' میں اس لائق نہیں؛ اور اپنی غلطی یاد کر کے نادم ہوں، آپ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں، وہ اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں [ان سے سفارش کرنے کے لیے کہیں]۔ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے، تو وہ

❶ البخاري (۷۵۱۰)؛ و مسلم (۱۹۳)؛ مختصر الشریعه ص ۱۹۱ وعبدالرزاق في المصنف (۸۰۳)۔

کہیں گے: ''میں آج تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ اپنی غلطی یاد کرکے نادم ہوں، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنایا ہے۔لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔تو وہ کہیں گے: 'میں آج تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔اپنی غلطی یاد کرکے نام ہوں۔'' وہ کہیں گے: تم حضرت موسیٰ علیہ السلام ے پاس جاؤ، انہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں براہِ راست اپنے کلام سے نوازا ہے۔لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔تو وہ کہیں گے: 'میں آج تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔وہ کہیں گے: تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔تو وہ کہیں گے: ''میں آج تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔'' وہ کہیں گے: تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ان کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کیے جا چکے ہیں۔ پھر لوگ میرے پاس آئیں گے۔تو میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجازت طلب کروں گا اور جیسے ہی اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ جتنی مدت چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا؛ پھر کہا جائے گا: ''سر اٹھائیں۔سوال کرو؛ دیے جاؤ گے؛ اور بات کرو، سنی جائے گی؛ سفارش کرو، قبول کی جائے گی۔'' پھر اس وقت میں اپنا سر اٹھاؤں گا؛ اور- اس اجازت کے ملنے پر- اپنے رب کی حمد وثنا بیان کروں گا۔ جو اللہ تعالیٰ مجھے- اس وقت- سکھائے گا۔میں اللہ کے حضور لوگوں کے لیے سفارش کروں گا جو مان لی جائے گی۔'' [1]

دوم:......ان کے لیے شفاعت جن کے نیک اور بد اعمال برابر ہوں گے، انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ (فاطر: ۳۲)

• ''پھر ہم نے (تیرے بعد) اس قرآن کو وارث اپنے ان بندوں کو کیا جن کو ہم نے چن لیا ان میں کچھ تو گناہ گار ہیں اور کچھ بیچ بیچ میں چلنے والے ہیں اور کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں یہی تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔''

کی تفسیر میں منقول ہے:

سابق بالخیرات (بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جانے والا) بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوگا اور مقتصد (درمیانی راہ پر چلنے والا) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا اور (ظالم لنفسہ) اپنی جان پر ظلم کرنے والا گنہگار اور اصحاب اعراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ [2]

---

[1] متفق علیہ؛ دیکھو: اللؤلؤ والمرجان حدیث نمبر ۱۱۸۔

[2] دیکھو تفسیر ابن کثیر ذیل الآیہ۔

سوم: ......ان لوگوں کے شفاعت جن کے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہے، انہیں جہنم میں نہ داخل کیا جائے۔ جب لوگ پل صراط پار کر رہے ہوں گے، اور ان کے اعمال کم پڑ جائیں گے، اس وقت جناب رحمۃ للعالمین پل صراط پر کھڑے سفارش کر رہے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

((و نبیکم قائم علی الصراط یقول رب سلم رب سلم ؛ حتی تعجز اعمال العباد ، حتی یجيء الرجل فلا یستطیع السیر إلا زحفاً ، قال: وفي حافتي الصراط کلالیب معلقة مأمورة بأخذ من أمرت ......)) ❶

''اور تمہارے نبی پل صراط پر کھڑے دعا فرما رہے ہوں گے: ''اللہ سلامتی ہو، اللہ سلامتی ہو، یہاں تک کہ لوگوں کے اعمال عاجز آ جائیں گے۔ حتی کہ ایک آدمی کو لایا جائے گا، وہ چلنے کی طاقت نہیں رکھے گا؛ مگر گرتے ہوئے۔ فرمایا: پل صراط کے دونوں کناروں پر کانٹے لٹکے ہوں گے، جنہیں لوگوں کو پکڑنے کا حکم دیا گیا ہوگا۔''

چھارم: ......اہل جنت میں سے بعض لوگوں کا مقام بلند ہونے کے لیے سفارش۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((دخل رسول اللہ ﷺ علی أبي سلمة و قد شق بصره فأغمضه؛ ثم قال: إن الروح إذا قبض تبعه البصر فضج ناس من أهله ؛ فقال: لا تدعوا علی أنفسكم إلا بخیر ، فإن الملائكة یؤمنون علی ما یقولون ثم قال: " اللهم اغفر لأبي سلمة ؛ وارفع درجته في المهدیین ، واخلفه في عقبته في الغابرین واغفر لنا و له یارب العالمین)) ❷

پنجم: ......ان لوگوں کے لیے شفاعت جو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قلت یاجبریل! هولاء أمتي؟ قال:لا ؛ ولكن انظر إلی الأفق ، فنظرت ، إذا سوادٌ كثیرٌ ، قال: هولاء أمتك ؛ و هولاء سبعون ألفاً قدّامهم لا حساب علیهم ، ولا عذاب ۔"قلت: ولِمَ؟ قال: كانوا لا یتكوون و لا یسترقون ، و لا یتطیرون و علی ربهم یتوكلون ، فقام إلیه عكاشة بن محصن فقال: ادع الله أن یجعلني منهم ؛قال: اللهم ! اجعله منهم ۔ثم قام رجل آخر۔ قال: ادع الله أن یجعلني منهم ؛قال: سبقك بها عكاشة)) ❸

---

❶ مسلم ح: ۵۰۳۔ مستدرك حاكم ح: ۸۷۴۹۔ قال الألباني : صحیح۔
❷ مسلم ح: ۹۲۰۔ صحیح ابن حبان ۷۰۴۱۔
❸ رواه البخاري ح: ۶۵۴۱۔ مسلم ۵۴۹۔

''میں نے جبریل امین علیہ السلام سے کہا: یہ میری امت ہیں؟ فرمایا نہیں؛ لیکن افق کی طرف دیکھو۔ پس میں نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ جبریل نے کہا: یہ آپ کی امت ہے، اور یہ وہ ستر ہزار لوگ ہیں جن کے آگے نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ ہی عذاب۔ میں نے کہا وہ کیوں؟ کہنے لگا: یہ ایسے لوگ تھے جو نہ تو تعویذ گنڈے کرتے تھے، نہ ہی بد فالی پکڑتے تھے، اور نہ آگ سے داغتے تھے، اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے تھے۔'' عکاشہ بن محصن آپ کی طرف کھڑے ہوگئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کریں مجھے بھی ان میں سے ہی بنادے، آپ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اسے بھی انہی میں سے بنادے۔ پھر ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوگیا، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کریں مجھے بھی ان ہی میں سے بنادے۔ تو آپ نے فرمایا: ''عکاشہ تم پر سبقت لے گیا ہے۔''

ششم: ...... مستحق عذاب لوگوں کے عذاب میں تخفیف کے لیے شفاعت؛ جیسا کہ اپنے چچا ابو طالب کے لیے ہوگی کہ اسے کم سے کم عذاب دیا جائے۔

ہفتم: ...... مؤمنین اور موحدین کے جنت میں داخل کیے جانے کے لیے سفارش۔ (مسلم، ح: ۱۹)

ہشتم: ...... وہ اہل کبائر جو جہنم میں داخل کیے جا چکے ہیں، ان کے لیے سفارش کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہنم کے عذاب سے نجات دے۔ جس کے بارے میں واضح حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کے لیے ہوگی۔

قرآن کی شفاعت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''روزہ اور قرآن روزِ قیامت بندہ کے لیے سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے رب! میں نے اسے کھانے - پینے - اور دن میں خواہشات کی تکمیل سے روکے رکھا؛ میری سفارش اس کے متعلق قبول کرلے اور قرآن کہے گا: کہ میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، اس کے متعلق میری شفاعت قبول فرمالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔'' [1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((القرآن مشفّع ، وماحل مصدّق ، ومن جعله أمامه قاده إلى الجنة ، ومن جعله خلف ظهره ساقه إلى النار)) [2]

''قرآن شفاعت کرنے والا، اور سچا دفاع کرنے والا ہے جس نے اس کو اپنا امام بنایا یہ اسے جنت کی طرف لے کر جائے گا، اور جس نے اسے اپنے پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا، یہ اسے جہنم کی طرف لے کر جائے گا۔''

---

[1] مسند أحمد ۲/ ۱۷٤۔ [2] ابن حبان: ۱۲٤۔

ایسے ہی قرآن کی بعض سورتوں کی خاص شفاعت ہوگی۔ حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سورة من القرآن ماهي إلا ثلاثون آية، خاصمت عن صاحبها حتیٰ أدخلته الجنة، ألا وهي تبارك)) ❶

'' قرآن میں ایک سورت ہے وہ صرف تیس آیات ہیں، قیامت والے دن وہ اپنے پڑھنے والی کی طرف سے جھگڑا کرے گی، یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کردے، اور وہ ہے'' تبارک'' [یعنی سورۃ الملک]

سورت بقرہ اور آل عمران کی شفاعت

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

'' قرآن مجید اور اس پر عمل کرنے والوں کو قیامت کے روز اس طرح لایا جائے گا کہ سورت بقرہ اور آل عمران (ایک نور کی شکل میں) اس کے آگے آگے ہوں گی۔ گویا کہ وہ دو بادل ہیں، یا سیاہ رنگ کے دو سائبان ہیں جن سے روشنی چمکتی ہے؛ یا صف بستہ پرندوں کی دو قطاریں (سایہ کیے ہوئے) ہیں؛ اپنے پڑھنے یا یاد کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کریں گی۔'' ❷

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' تم میں سے کسی ایک کا اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرنا اس سے بڑھ کر حق پر نہیں ہوگا، جو مؤمنین اپنے جہنم میں داخل ہونے والے بھائیوں کے بارے میں رب سے جھگڑا کریں گے۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارے بھائی ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، اور حج کرتے تھے، انہیں جہنم میں داخل کردیا گیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، جاؤ! اور ان میں سے جن کو پہچانتے ہو نکال لاؤ۔ وہ انہیں نکالیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ان میں سے جس کے دل میں ایک مثقالِ دینار کے برابر بھی ایمان ہو، اسے نکال لاؤ۔ یہاں تک کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے نصف مثقال کے برابر، پھر فرمائیں گے، رائی کے دانے کے برابر۔ پھر فرمائیں گے: ذرہ کے برابر۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: مؤمنین کے بہترین لوگوں نے شفاعت کردی، اب ارحم الراحمین باقی رہ گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر یا دو مٹھیاں بھر کر جنت میں داخل کردیں گے۔'' ❸

---

❶ طبرانی/ حسنه البانی؛ وفی معناه رواه ابو داؤد و الترمذی۔

❷ مسلم: ۳۰۵۳۔

❸ كتاب الإيمان لابن منده (۲/۷۹۹؛ ح: ۸۱۶)؛ التوحيد لابن خزيمة (۴۲۴، ح: ۴۳۰)؛ الشريعة للآجري (۳۳۵، ح: ۸۶۱)؛ مستدرك حاكم كتاب الأهوال (۴/ ۶۲۶)؛ سنن ابن ماجه، باب الإيمان (ح: ۱۰)؛ سنن نسائی، باب زيادة الإيمان (ح: ۵۰۱۰)؛ اور اس کی اصل بخاری شریف میں ہے، باب: وجوه يومئذ ناظرة (ح: ۷۲۳۹)۔

افراد کی شفاعت

قیامت کی سخت ترین گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قائم کی جانے والی دوستی اس کی بارگاہ میں کام آئے گی؛ اور نیک دوست ایک دوسرے کے بارے میں اللہ کے ہاں سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾ (الزخرف: ٦٧)

''(جو آپس میں) دوست (ہیں) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے)۔''

افراد کی آپس میں ایک دوسرے کے متعلق شفاعت کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں۔ ان میں مجمل بھی ہیں۔ جیسا کہ ابھی اوپر گزرنے والی حدیث؛ اور مفصل بھی ہیں جن میں مؤمنین کے بعض خاص طبقات کی شفاعت کا بیان ہے، جیسے: شہید، حافظ قرآن، وغیرہ۔

شہید کی شفاعت

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((للشهيد عند الله ست خصال: يغفر له من أول دفعة من دمه، ويرى مقعده من الجنة، ويجار من عذاب القبر، ويأمن من الفزع الأكبر، ويحلى حلة الإيمان، ويزوج من الحور العين، ويشفع في سبعين إنساناً من أقاربه)).و في الترمذي، وابن ماجة - وفي رواية للترمذي:((ويوضع على رأسه تاج الوقار، الياقوتة منها خير من الدنيا وما فيها، ويزوج اثنتين وسبعين زوجة من الحور العين، ويشفع في سبعين من أقاربه)) ❶

''شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ انعام ہیں: خون کے پہلے قطرہ کے ساتھ ہی اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا؛ اور عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جائے گا؛ اور اسے ایمان کا زیور پہنا دیا جائے گا، اور اس کی شادی حور عین سے کر دی جائے گی؛ اور وہ اپنے ستر قریبی رشتہ داروں کی شفاعت کرے گا۔'' ترمذی کی روایت میں ہے: ''اس کے سر پر وقار کا تاج رکھ دیا جائے گا، جس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا، اور بہتر جنتی حوروں سے اس کی شادی کر دی جائے گی اور وہ اپنے ستر قریبی رشتہ داروں کی شفاعت کرے گا۔''

---

❶ الترمذي (١٦٦٣)، ابن ماجة (٢٢٥٧)، وصححه الألباني في صحيح ابن ماجة (٢٢٥٧)۔

بچوں کی شفاعت

یعنی وہ مسلمان بچے جو بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے، وہ بھی اپنے والدین کے لیے اللہ کے ہاں سفارش کریں گے۔ حضرت شرحبیل بن شفعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''روزِ قیامت بچوں سے کہا جائے گا:'' جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار! جب تک ہمارے ماں باپ جنت میں داخل نہیں ہوتے (ہم بھی جنت میں نہیں جائیں گے)۔ چنانچہ ان کے والدین کو لایا جائے گا؛ اللہ عزوجل فرمائیں گے:''انہیں جنت میں داخل ہونے سے روکنے کی ایک وجہ ہے۔ اولاد پھر کہے گی:''اے ہمارے رب! ہمارے باپ اور ہماری مائیں! ۔ اللہ عزوجل فرمائیں گے:''اچھا تم بھی اور تمہارے ماں باپ بھی جنت میں داخل ہو جاؤ۔'' ❶

روزہ کی شفاعت

روزہ اور قرآن قیامت کے روز اللہ کے ہاں سفارش کریں گے، اور ان کی سفارش مقبول ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الصيام و القرآن يشفعان للعبد يقول الصيام : رب إني منعته الطعام و الشهوات بالنهار فشفعني فيه؛ و يقول القرآن : منعته النوم بالليل فيشفعان)) ❷

''روزہ اور قرآن بھی بندے کے لیے سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور اپنی خواہشات کے پورا کرنے سے روکے رکھا، لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما اور قرآن کہے گا:''اے میرے رب! میں نے اس بندے کو (رات کے قیام کے لیے) سونے سے روکے رکھا، لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما۔'' چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔''

حاصل کلام

یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دیں گے اس وقت انبیاء، صدیقین اور شہداء، اور صالحین شفاعت کریں گے، جس سے لوگوں کو جہنم سے نکالا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی باقی رہ جائے گی؛ اور ان لوگوں کو جہنم سے نکالا جائے گا جنہوں نے کبھی بھی کوئی خیر کا کام نہیں کیا ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے

❶ یہ حدیث حسن ہے، اسے امام احمد نے مسند میں روایت کیا، ح : ١٨٥٥٢۔

❷ الحاكم في المستدرك ؛باب : أخبار في فضائل القرآن ،برقم ٢٠٣٦؛ وقال : هذا حديث صحيح على شرط مسلم و لم يخرجاه۔ وشعب الإيمان ، فصل في ادمان التلاوة ، برقم ١٩٩٤۔

فضل و کرم اور اس کی رحمت سے ہوگا ، ان لوگوں کی تفصیل کا کوئی علم نہیں کہ کون ہوں گے ؟ سوائے اس اجمال کے کہ انہوں نے کبھی کوئی خیر کا کام نہیں کیا ہوگا۔ لیکن قرآن و حدیث کے اس مبارک ذخیرہ اور سلف صالحین کے عقیدہ اور اقوال میں کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ کسی بھی نبی یا ولی کو شفاعت کا کلی اور حتمی اختیار دیا جائے گا ، اور وہ جسے مرضی ہے جنت میں داخل کردیں ، اور جسے مرضی ہے جہنم میں رہنے دیں ۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ کی قسم کوئی بڑے سے بڑا کافر فرعون اور ہامان ابوجہل اور اس کے چیلے بھی جہنم میں نہ رہتے ۔ بلکہ ہمارے پیغمبر ﷺ سب کو جہنم سے نکال دیتے ، اس لیے کہ آپ رؤوف ہیں ، رحیم ہیں ، رحمت للعالمین ہیں ۔ آپ اپنے چچا ابو طالب کو بھی جہنم سے باہر نہیں نکال سکیں گے ۔ حضرت ابراہیم اپنے والد آزر کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچائیں گے ۔ مگر اللہ کے ہاں کے ان تمام لوگوں کی شفاعت ثابت بھی ہے جو اللہ کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق ان ہی لوگوں کے لیے ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دیں گے اور اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے ۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان : (......اور کوئلہ بننے کے بعد جہنم سے نکالے جانے پر ایمان) : کہ جب تمام قسم کی شفاعتیں ہوجائیں گی ، اور پھر بھی کچھ لوگ جہنم میں رہ جائیں گے تو اس وقت ارحم الراحمین کی رحمت کام آئے گی ، اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے فرمائیں گے جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اسے جہنم سے نکال دیا جائے ، چنانچہ انہیں جہنم سے نکالا جائے گا ، اور جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے ۔ پھر انہیں نہر حیات [زندگی کی نہر] میں ڈالا جائے گا اور ان میں دوبارہ زندگی پیدا ہوگی اور وہ لوگ جنت میں چلے جائیں گے ۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((أما أهل النار الذين هم أهل النار ، فإنهم لا يموتون فيها ؛ وأما ناس من الناس ؛ فإن النار تأخذهم على قدر ذنوبهم فيحترقون فيها فيصيرون فحماً ـ ثم يأذن الله عزو جل لهم في الشفاعة ، فيخرجون من النار ضبائر فيبثون أو ينثرون على أنهار الجنة ؛ فيؤمر أهل الجنة ؛ فيفيضون عليهم الماء ، فتنبت لحومهم كما تنبت الحبة في حميل السيل)) [1]

'' اور رہے وہ جہنمی جو کہ اصلی جہنمی ہیں ؛ بیشک وہ اس میں مریں گے نہیں ۔ اور لوگوں میں سے کچھ لوگ ؛ بیشک آگ ان لوگوں کو ان کے گناہوں کی مقدار میں پکڑے گی ۔ وہ اس میں جلیں گے اور کوئلہ بن جائیں گے ۔ پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے شفاعت کی اجازت دے گا ۔ پھر وہ آگ سے گروہ در گروہ نکالے جائیں گے اور انہیں جنت کی نہروں میں ڈالا جائے گا ۔ پھر اہل جنت کو حکم ہوگا ، وہ ان پر پانی بہائیں گے جس سے ان لوگوں پر گوشت ایسے اگے گا جیسے جھاگ سے کونپل چڑھتی ہے ۔''

[1] رواه والبخاري (٢٢) ومسلم (٨٢) مختصر الشريعه ص ١٩٠ عبدالرزاق في المصنف (٨٠١)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی دوسری روایت ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا دخلوا أهل الجنة الجنة ؛ وأهل النار النار ؛ قال الله برحمته : انظروا من كان في قلبه حبة من خردل من إيمان ؛ فأخرجوه من النار؛ قال : فأخرجوا ؛ و قد عادوا حمماً ، فيلقون في نهر يسمى نهر الحياة ، فينبتون كما ينبت الغثاء في حميل السيل أو إلى جانب السيل ، ألم تروا أنها تأتي صفراء ملتوية)) ❶

''جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائینگے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے فرمائیں گے: دیکھو! جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان پاؤ، اسے جہنم سے نکال دو۔ فرمایا: پھر انہیں نکالا جائے گا، اور وہ کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ انہیں ایک نہر میں ڈالا جائے گا جس کا نام ہوگا ''نہر حیات۔'' وہ اس نہر پر ایسے اگیں گے جیسے سیلاب کی جھاگ میں کونپل اگتی ہے؛ یا اس کی ایک جانب۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو[کہ وہ کونپل] کیسے لپٹی ہوئی پیلے رنگ میں چڑھتی ہے؟''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يخرج من النار قوم بعد ما يصيبهم منها سفع ؛ فيدخلون الجنة؛ يسميهم أهل الجنة الجهنميين))❷

''جہنم سے ایک قوم کو نکالا جائے گا اس کے بعد کے آگ نے انہیں جلا ڈالا ہوگا، وہ جنت میں داخل ہوں گے، اور انہیں اہل جنت جہنمی کہیں گے۔''

پل صراط

قیامت والے دن جو کچھ امور پیش آئیں گے ان میں سے ایک پل صراط کو بھی پار کرنا ہوگا۔ یہ ایک پل ہے جو میدان حشر سے جنت میں جانے کے لیے جہنم پر لگایا جائے گا۔ یہ پل بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز انگارے سے زیادہ گرم ہوگا۔ لوگ اس پر اپنے اعمال کے لحاظ سے چلیں گے۔ جو کوئی اس پل کو پار کر لے گا وہ کامیاب ہو جائے گا (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان ہی لوگوں میں سے بنا دے) اور جو کوئی پار نہ کر سکے، وہ ہلاک ہوگیا (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے)۔ اس پل پر ایمان لانا کتاب و سنت سے ثابت اور اہل سنت والجماعت کے متفق علیہ عقائد میں سے ہے۔ ذیل میں مصنف رحمہ اللہ اس کے بارے میں بیان کر رہے ہیں:

❶ البخاری (٦٥٦٠) و مسلم (١٨٤) مختصر الشریعه ص ١٩٠ عبدالرزاق في المصنف (٨٠٢)۔

❷ البخاری (٦٥٥٩) مختصر الشریعه ص ١٩١ عبدالرزاق في المصنف (٨٠٤)۔

شفاعت کے بارے میں وارد احادیث اور اس کی اقسام کے لیے دیکھیں: النهاية لابن كثير (٢/١٣٩ - ١٧٦)؛ اور شرح العقيدة الطحاوية، لابن أبي العز الحنفي (٢٢٣ - ٢٣٧ بشير عيون)؛ اور كنز العمال (١٤/ ٣٩٠-٤١٥)؛ معارج القبول (٢/ ٢٠٨-٢٢٣)۔

۲۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بالصراط على جهنم؛ يأخذ الصراط من شاء الله؛ و يجوز من شاء الله ؛ ويسقط في جهنم من شاء الله؛ ولهم أنوار على قدر إيمانهم .))

''جہنم پر نصب پل پر ایمان [لانا واجب ہے]؛ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی وہ پل اسے پکڑ لے گا اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے وہ اس کو پار کرلے گا اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوگا وہ جہنم میں گر جائے گا اور لوگوں کے لیے ان کے ایمان کے مطابق نور ہوگا۔''

شــرح: ......اہل سنت والجماعت کے بنیادی عقائد میں سے ایک پل صراط پر ایمان لانا ہے۔ پل صراط جہنم کا پل ہے۔روزِ قیامت جہنم پر پل صراط کا نصب کیا جانا قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ احادیث میں اس کی تفصیلات بھی آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلَى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴾ (يس: ٦٦)

''اوراگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا (کر اندھا کر) دیں پھر یہ رستے کو دوڑیں تو کہاں دیکھ سکیں گے''۔

ایک مقام پر پل صراط پر سے ہر ایک کے گزرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ (مريم: ٦٨-٧٢)

''توقسم تیرے مالک کی ہم تو ان آدمیوں کو (جو قیامت کے منکر ہیں) اور شیطانوں (جنھوں نے ان آدمیوں کو بہکایا) اکٹھا کرینگے پھر جہنم کے گرد گھٹنوں پر گرے ہوئے ان کو حاضر کرینگے۔ پھر ہر جماعت میں سے ہم اس کو الگ کرلیں گے جو اللہ کے مقابلہ پر بے دلیر تھا۔ پھر ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو دوزخ میں زیادہ جلنے کے لائق ہیں (یا جو دوزخ میں پہلے جانے کے سزاوار ہیں۔ اورتم سے کوئی ایسا نہیں جو دوزخ پر سے نہ گزرے) یہ تو تیرے مالک پر لازم ہے کہ اس نے فیصلہ کرلیا ہے۔ پھر جو پرہیزگار ہیں (شرک اور کفر سے بچے رہے ہیں) ان کو تو ہم دوزخ سے نکالیں گے اور کافروں کو اسی میں گھٹنوں کے بل پڑا رہنے دیں گے۔''

امام المفسرین علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان آیات میں ''پل صراط'' کے موجود ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ یہ وارد ہونا پل پر سے گزرتے ہوئے ہی ہوگا۔''❶

❶ جامع البيان ١٦/ ٨٣۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا:

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ (ابراهيم: ٤٨)

''جس دن زمین اس کے علاوہ زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان۔''

-میں نے پوچھا کہ- اس دن لوگ کہاں پر ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پل صراط پر ہوں گے۔'' ❶

صحیح مسلم میں پل صراط کے اوصاف میں ہے:

''تو پھر لوگ محمد ﷺ کے پاس آئیں گے، آپ ﷺ کھڑے ہوں گے، اور آپ ﷺ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا، یہ دونوں پل صراط کے دونوں کناروں پر دائیں اور بائیں کھڑے ہو جائیں گے۔ سو تم میں سے پہلا انسان بجلی کی طرح [پل صراط سے] گزر جائے گا۔ [راوی] فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں! کون سی چیز ہے جو بجلی کی طرح گزر سکے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم بجلی کو نہیں دیکھتے کیسے پلک جھپکنے میں جاتی ہے اور پلٹ آتی ہے۔ پھر اس کے بعد لوگ تیز ہوا کی طرح گزریں گے۔ پھر پرندوں کی طرح گزریں گے۔ اور پھر کجاوے کسی ہوئی سواریوں کی طرح گزریں گے اور آپ کے نبی - ﷺ - پل صراط کھڑے ہوں گے، اور فرما رہے ہوں گے: اے رب سلامتی، سلامتی ہو۔ یہاں تک کہ لوگوں کے اعمال عاجز ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی آئے گا اور چلنے کی طاقت نہیں رکھے گا، وہ گرتے ہوئے گزرے گا۔ آپ نے فرمایا: پل صراط کے کناروں پر کانٹے ہوں؛ جنہیں پکڑنے کا حکم دیا جائے گا؛ کوئی ایسا ہوگا جس کو چرکہ لگا ہو وہ نجات پا گیا؛ اور کوئی ایسا ہوگا جو جہنم میں اوندھے منہ گر جائے گا۔'' ❷

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔'' ❸

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ وہ فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ روزِ قیامت میری شفاعت کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایسا کروں گا'' میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب مجھے تلاش کرنا ہو تو سب سے پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا۔ فرماتے ہیں: ''میں نے کہا: اگر میں آپ ﷺ کو پل صراط پر نہ پاؤں تو؟ آپ نے فرمایا: ''تو پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا۔'' میں نے کہا: ''اگر آپ ﷺ کو میزان کے پاس بھی نہ پاؤں تو [پھر کہاں جاؤں]؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ مسلم: كتاب: البعث والنشور باب صفة الأرض يوم القيامة ح: ٢٧٩١- وابن حبان؛ ح: ٣٣١- مستدرك حاكم ٣٦٣٠-
❷ مسلم كتاب الإيمان؛ باب الشفاعة؛ ح: ١٩٥- ❸ مسلم؛ كتاب الايمان باب اثبات رؤية المؤمنين ربهم-

مجھے حوض پر تلاش کرنا؛ میں ان تین مقامات سے تجاوز نہیں کروں گا۔'' ❶

سب سے پہلے پل صراط پار کرنے والے

پل صراط پار کرنے والوں سب سے پہلی جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کی ہوگی ، اور ان میں سرفہرست خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فأكون أول من يجيز ، ودعاء الرسل يومئذ : اللهم سلم ، سلم)) ❷

''میں سب سے پہلے پل صراط کو عبور کروں گا ، اور اس دن انبیاء دعا کر رہے ہوں گے: ''یا اللہ! سلامتی سے پار لگا دینا ، سلامتی سے پار لگا دینا۔''

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے پہلے مہاجرین میں سے فقراء لوگ پل صراط پار کریں گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا تھا کہ یہودی علماء میں سے ایک عالم آیا اور کہنے لگا: میں آپ سے کچھ پوچھنے کے لیے آیا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پوچھو۔'' یہودی نے کہا: ''جس دن زمین اس کے علاوہ زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان۔'' اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ اندھیرے میں پل صراط کے پاس کھڑے ہوں گے۔'' پھر یہودی نے پوچھا: ''لوگوں میں سے سب سے پہلے پل صراط کون عبور کرے گا ، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فقراء مہاجرین۔'' ❸

پل صراط پر مؤمنین کو کامیابی سے پار ہونے کے لیے ایک نور عطا کیا جائے گا ، جو ان کے ایمان کے مطابق ہوگا؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ج نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا﴾ (تحريم : ٨)

''اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا (بلکہ) ان کا نورِ ایمان ان کے آگے اور داہنی طرف (روشنی کرتا ہوا) چل رہا ہوگا اور وہ اللہ سے التجا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر دے اور ہمیں معاف فرما۔''

اور دوسرے مقام پر مؤمنین کو عطا کیے گئے نور اور پھر جنت کی خوشخبری کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ

---

❶ اسے امام ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے، كتاب صفة يوم القيامة ؛ باب : ما جاء في شأن الصراط برقم ٢٤٣٣۔ وقال هذا حديث حسن غريب ۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے: سلسلہ صحیحہ ١٦٣٠۔

❷ رواه البخاري كتاب الرقاق ، باب الصراط جسر على جهنم ، برقم ٦٥٧٣۔

❸ رواه مسلم كتاب الحيض باب صفة منى الرجل و المرأة ۔

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (الحديد: ۱۲)

''اس دن (اے پیغمبر) آپ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو دیکھیں گے ان (کے ایمان) کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف (پل صراط پر) دوڑتا جاتا ہوگا (فرشتے ان سے کہتے جائیں گے) آج تم کو خوشی ہے وہ کیا ان باغوں میں جانا جن کے تلے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی سدا انہی میں رہو گے یہی تو بڑی کامیابی ہے۔''

منافقین اور نور

منافقین کو پہلے پہل یہ نور دیا جائے گا، پھر جب پل صراط پر گزرنے کا وقت ہوگا، جو کہ اس اس نور سے فائدہ اٹھانے کا وقت ہے؛ تب ان سے یہ نور چھین لیا جائے گا۔ چونکہ انہوں نے اس دنیا میں پہلے اسلام قبول کیا، اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگے تھے، اور پھر انہوں نے کفر کو پسند کیا اور نفاق پھیلانے لگے۔ اس لیے ان کے ساتھ بھی ویسے ہی معاملہ کیا جائے گا۔ ان کو ان کی دھوکہ دہی کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ جب ان سے نور چھین لیا جائے گا تو اس وقت وہ چیخیں اور چلائیں گے، اور مسلمانوں کو پکاریں گے تاکہ ان کے نور سے استفادہ کر سکیں مگر اس وقت کا چیخنا اور چلانا کچھ کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَائَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ٥ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ (الحديد: ۱۴-۱۵)

''منافق ایمانداروں سے پکار پکار کہیں گے کیا (دنیا میں بھائی) ہم تمھارے ساتھ نہ تھے اور کہیں گے البتہ تھے تو سہی مگر تم نے (نفاق کر کے) خود اپنے تئیں بلا میں ڈالا اور تم انتظار کرتے تھے (دل سے ہمارے خیر خواہ نہ تھے) اور خدا) اور پیغمبر ؐ کے طرف سے) تم کو شک ہی رہا اور (وہی تباہی) امیدوں آرزؤوں) نے تم کو دھوکے میں ڈال کر کہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آن پہنچا (تم مر گئے اور شیطان نے) تم کو (نہ چھوڑا) اللہ کے باب میں فریب ہی دیتا رہا تو آج کے دن نہ تم سے چھڑائی میں کچھ لیا جائے گا (فدیہ وغیرہ منظور ہوگا) اور نہ (دوسرے (کافروں سے تم (سب) کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہی تمھاری رفیق ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان قیامت والے دن وہ نور ہوگا جس کی روشنی میں لوگ پل صراط کو پار کریں گے۔ جب کہ کافر اور منافق اندھیرے میں رہیں گے، وہ کچھ سمجھ نہیں پائیں گے کہ انہوں نے کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ

م سب کو اس بد انجام سے محفوظ رکھے، آمین۔

انبیائے کرام علیہم السلام ملائکہ پر ایمان

۲۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإیمان بالأنبیاء والملائکة .))

''انبیائے کرام علیہم السلام اور ملائکہ پر ایمان [لانا واجب ہے]۔''

شرح: ......اللہ تعالیٰ نے لوگوں تک اپنا پیغام اور احکام پہنچانے کے لیے ہر امت سے بعض بزرگ اور مکرم و ترم ہستیوں کو چن لیا تھا، انکو انبیاء اور رسل علیہم السلام کہا جاتا ہے۔ان انبیاء و مرسلین پر ایمان لانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ﴾

(البقرہ: ۱۷۷)

''لیکن بھلائی یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اور آخرت کے دن پر، اور ملائکہ پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر۔''

یز فرمان الٰہی ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾

(البقرہ: ۲۸۵)

''یہ پیغمبر (یعنی حضرت محمد) ایمان لائے اس کتاب پر جو ان کے مالک کی طرف سے ان پر اتری اور (ان کے ساتھ) مسلمان بھی سب ایمان لائے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ہم اس کے کسی پیغمبر کو جدا نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں (اے پروردگار) ہم نے (تیرا ارشاد) سنا اور مان لیا (تسلیم کرلیا سر اور آنکھوں سے) ہمارے گناہ بخش دے (یا ہم کو تیری بخشش چاہیے)۔''

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بلا تفریق تمام انبیاء پر ایمان لانے کے اظہار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۳۶)

''(مسلمانو) تم کہو ہم تو اللہ تعالیٰ پر اور جو ہم پر اترا (قرآن شریف) اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور

یعقوب اور ان کی اولاد پر اترا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو اپنے پروردگار سے ملا سب پر ایمان لائے ہم ان پیغمبروں میں سے کسی ایک کو بھی الگ نہیں کرتے (جیسے یہود کرتے ہیں کہ ایک کو مانتے ہیں اور دوسرے کو نہیں مانتے اور ہم اس کے تابع دار ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی تعریف اوراس کے ارکان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَنْ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ)) (مسلم)

"یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر، اوراس کے ملائکہ پر ایمان لاؤ، اس کی کتابوں پر، اوراس کے رسولوں پر، اورآخرت کے دن پر، اور یہ کہ تم اچھی اور بری تقدیر- کے اللہ کی جانب سے ہونے - پر ایمان لاؤ۔"

ان رسولوں کا کام لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دینا اوران تک اللہ کا پیغام پہنچانا تھا؛ ارشاد الٰہی ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَداً إِلَّا اللّٰهَ وَكَفَى بِاللّٰهِ حَسِيْباً﴾

(الاحزاب: ۳۹)

"وہ لوگ جو اللہ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے، اور اللہ ہی حساب لینے کے لیے کافی ہے۔"

ان انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دینا اور طواغیت کی بندگی سے نجات دلانا ہوتا تھا؛ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوتَ﴾ (النحل: ۳۶)

"اور تحقیق ہم نے ہر امت میں (یہ پیغام دیکر) رسول بھیجے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔"

[طاغوت ہر اس معبود کو کہتے ہیں جس کی اللہ کے علاوہ بندگی کی جائے (اور وہ اس پر راضی بھی ہو)]۔

اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے عالم بشریت میں سے ہی کچھ بزرگ ہستیوں کا انتخاب کیا تھا، اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگ مبعوث ہونے والے رسول کے احوال سے واقف اور اس سے مانوس ہوں، تاکہ وہ بلاوجہ اجنبیت کا بہانا بنا کر انکار نہ کرسکیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَراً رَّسُولًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُّؤْمِنُوْا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى إِلَّا أَنْ قَالُوْا أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَراً رَّسُولًا ﴾ (الاسراء: ۹۳-۹۴)

"آپ [ﷺ] فرما دیجئے: پاک ہے میرا رب؛ نہیں ہوں میں مگر بشر اور ایک رسول۔ اور لوگوں کو ہدایت آجانے کے بعد ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟"

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: ((والإیمان بالأنبیاء)):...... اور انبیاء پر ایمان لانا واجب ہے۔ اگر اس کے بجائے مصنف رحمہ اللہ یوں فرماتے کہ: (والإیمان بالأنبیاء والمرسلین): انبیاء اور مرسلین پر ایمان لانا واجب ہے؛ تو یہ جملہ زیادہ بہتر ہوتا۔ اس لیے کہ نبوت و رسالت دو مختلف مرتبے ہیں۔ نبوت سے رسالت کا درجہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے اور رسول بھی۔ مگر تمام انبیاء رسول نہیں ہوتے؛ ان میں سے جس کو اللہ تعالیٰ چاہے اس منزلت سے نواز دے۔

نبی وہ ہوتا ہے جس پر وحی تو آتی ہے مگر وہ اپنے سے پہلے کے کسی رسول کی دعوت و شریعت کو ہی پھیلاتا ہے اور رسول پر وحی بھی آتی ہے، اور شریعت بھی نازل ہوتی ہے اور اس کی تبلیغ کا حکم بھی ملتا ہے۔

اور جو کوئی انبیاء یا مرسلین میں سے کسی ایک کا انکار کرے گویا کہ اس نے ان تمام انبیاء و مرسلین کا انکار کیا۔ اس لیے کہ ان تمام انبیاء کی دعوت ایک ہی رہی ہے اور تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں۔ اب اگر کوئی یہ گمان کرے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان لاتا ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتا ہے (جیسے کہ یہود) تو یہ لوگ کافر ٹھہرے۔ ایسے ہی جو کوئی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے، اور وہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان رکھتا ہو تو وہ بھی کافر ہے۔ اس لیے کہ ان تمام انبیاء علیہم السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی؛ اور اپنے اپنے ماننے والوں سے اس آخری نبی پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا وعدہ بھی لیا تھا۔ تورات کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

''یہ لوگ وہ ہیں جو اس پر پیغمبر آن پڑھ نبی (یعنی حضرت محمد) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو اچھے کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے منع کرتا ہے اور ستھرا (پاکیزہ) چیزیں ان کے لیے حلال کرتا ہے اور پلید (ناپاک) چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر سے بوجھ اتار دیتا ہے اور وہ پھندے (کھول دیتا ہے) جو ان پر پڑے تھے پھر جو لوگ اس پیغمبر پر ایمان لائے اور اس کی عزت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور پر چلے جو اس کے ساتھ اترا گیا یہی لوگ مراد پانے والا ہیں۔''

اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا

بِرَسُولٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾

(الصف : ٦)

''اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں؛ اور میں ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا''؛ (پھر) جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔''

نبی کریم ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام احمد بھی ہے۔ پس جو کوئی کسی ایک رسول کا انکار کرتا ہے گویا کہ وہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا انکار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ أَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ (النساء: ۱۵۰۔ ۱۵۱)

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کو نہیں مانتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں میں جدائی ڈالنا چاہتے ہیں (مثلاً خدا کو مانتے ہیں اور پیغمبروں کو نہیں مانتے) اور کہتے ہیں ہم بعضے پیغمبروں کو مانیں گے بعضوں کو نہیں مانیں گے اور (کفر و ایمان کے) بیچ میں ایک رستہ بنایا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ کٹے (پکے) کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

قرآنی صراحت کے مطابق وہ لوگ بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو مانتے تھے، اور بعض کا انکار کرتے تھے؛ مگر انبیاء و مرسلین کے درمیان یہ تفریق کرنا ان کے لیے وبال جان بن گیا، اس وجہ سے وہ کافر قرار پائے۔

لیکن چونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، آپ کے بعد نہ ہی کوئی نبی آیا ہے، اور نہ ہی قیامت تک کوئی نبی آئے گا، اس لیے آپ کے بعد کسی نبی کی تصدیق کرنے والا بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ایسے کسی بھی نبی سے معجزہ طلب کرنے والا بھی کافر ہے، اس لیے کہ یہ معجزہ صرف وہی طلب کرسکتا ہے جس کے دل میں آپ ﷺ کے خاتم الأنبیاء ہونے کے بارے میں کچھ معمولی سا بھی شک ہو اور شک و شبہ کے ساتھ ایمان ہرگز کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ یہی اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

ایمان بالرسالت کے ارکان

۱۔ اس بات پر ایمان کہ ان کی رسالت اللہ کی طرف سے برحق ہے، اور کسی ایک رسول کا انکار سب رسولوں کے انکار کے برابر ہے۔ جیسا کا حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے صرف نوح علیہ السلام کو ماننے سے انکار کیا تھا، مگر اللہ نے اسے سب کے انکار سے تعبیر کیا: ارشاد الٰہی ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴾ (الشعراء: ١٠٥)

''نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔'' حالانکہ انہوں نے صرف ایک رسول کو جھٹلایا تھا۔

۲۔ جن رسولوں کے اسمائے مبارکہ ہمارے علم میں آئیں؛ ان پر ان کے ناموں کے ساتھ ایمان لانا، کیونکہ بعض انبیاء و مرسلین کے نام قرآن یا حدیث میں آئے ہیں، سب کے نہیں؛ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ (غافر: ٧٨)

''اے نبی! ہم تم سے پہلے بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو بتائے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔''

۳۔ ان انبیاء و رسل علیہم السلام جن کے نام ہمارے علم میں آئے ہیں، اور ان کے جو حالات صحیح سندوں سے ہم تک پہنچے ہیں، ان پر ایمان۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام؛ حضرت نوح علیہ السلام؛ حضرت ابراہیم علیہ السلام؛ حضرت اسماعیل علیہ السلام؛ حضرت یعقوب علیہ السلام؛ حضرت یوسف علیہ السلام؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام؛ حضرت عیسی علیہ السلام کے قصے جو کہ قرآن میں بھی بیان ہوئے ہیں۔

۴۔ اور جس معزز و مکرم ہستی کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، ان کی شریعت پر مکمل اور غیر متزلزل ایمان، ان کی ذات و اعمال سے محبت اور آپ کی اتباع کرنا؛ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ٦٥)

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)! تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس پر اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کر لیں۔''

ملائکہ پر ایمان

ملائکہ ایک غیبی مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا کیا ہے؛ اطاعت ان کی فطرت ہے، وہ کبھی نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ جس کام کا حکم اللہ دیتے ہیں اسی میں لگے رہتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم: ٦)

''وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے وہی کام کرتے ہیں جس کا حکم اللہ دیتے ہیں۔''

وہ دن رات اللہ کی تسبیح، حمد و ثناء بیان کرتے ہیں اس میں کبھی وقفہ نہیں ہوتا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ٥

يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ﴾ (الأنبياء: ۱۹-۲۰)

''جو فرشتے اللہ کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، اور نہ ہی ملول ہوتے ہیں، شب وروز اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا بھر ناغہ نہیں کرتے۔''

ملائکہ اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مختلف کاموں کی ذمہ داریاں سونپی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مخلوق انتہائی فرمانبردار و اطاعت گزار ہے۔ جب کہ جنات کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا کیا ہے۔ ان میں سرکش اور باغی بھی ہیں، اور نیک و صالح بھی۔ ملائکہ پر ایمان لانا کسی بھی انسان کے مؤمن اور مسلمان ہونے کے لیے بنیادی شرط ہے، اور ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾

(البقرة: ۱۷۷)

''لیکن بھلائی یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اور آخرت کے دن پر، اور ملائکہ پر اور کتاب پر اور انبیاء پر۔''

رسول ﷺ نے ایمان کی تعریف یہ کی ہے:

((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْ تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ)) (مسلم)

''یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے ملائکہ پر ایمان لاؤ، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، اور آخرت کے دن پر، اور یہ کہ تم اچھی اور بری تقدیر۔ کے اللہ کی جانب سے ہونے۔ پر ایمان لاؤ۔''

تمام ملائکہ پر بلاتفریق ایمان لانا واجب ہے، جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے، ان پر بھی؛ اور جن کا نام نہیں لیا ان پر بھی ایمان لانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ﴾ (البقرة: ۹۷-۹۸)

''(محمد) کہہ دیجیے جو کوئی جبریل (فرشتے) کا دشمن ہو (تو یہ اس کی بے وقوفی ہے دشمنی کی کوئی وجہ نہیں) اس نے تو اللہ کے حکم سے قرآن کو آپ کے دل پر اتارا ہے وہ اگلی کتابوں کو سچا بتاتا ہے اور مسلمانوں کو ٹھیک رستہ سوجھاتا ہے اور خوشخبری دیتا ہے۔ جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں پیغمبروں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو (وہ گویا اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے) تو اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے۔''

جو کوئی کسی ایک فرشتے کا انکار کرتا ہے وہ گویا کہ تمام فرشتوں کا انکار کرتا ہے اور جو کوئی کسی ایک فرشتہ سے دشمنی

رکھتا ہے وہ گویا کہ تمام فرشتوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ ایسا کرنے والا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

اس جملے کا تعلق عقیدہ سے ہے اور اس کو یہاں پر بیان کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اسلام کی طرف منسوب گمراہ فرقوں نے یہودیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جبریل علیہ السلام خائن ہیں۔ انہوں نے غلطی کی ہے۔ رسالت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آئی تھی؛ اس نے غلطی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتار دی۔

ملائکہ پر ایمان کے ارکان

ملائکہ پر ایمان کے درج ذیل ارکان ہیں، جن کے بغیر یہ ایمان مکمل نہیں ہو پاتا:

۱۔ فرشتوں کے وجود پر ایمان۔

۲۔ جن ملائکہ کے نام ہمیں معلوم ہو سکے ہیں ان پر ان کے ناموں کے ساتھ ایمان رکھنا، جیسے جبریل، اور میکائیل علیہما السلام، اور جن کے نام معلوم نہیں ہو سکے ان پر اجمالی ایمان کہ وہ فرشتے موجود ہیں۔

۳۔ فرشتوں کی جن ذمہ داریوں کا ہمیں علم ہو جائے اس پر ایمان، مثلاً جبریل کا کام وحی لانا تھا، اسرافیل کا کام صور پھونکنا ہے۔ اور اس طرح باقی کے کام۔

۴۔ ان کی جن صفات کا ہمیں پتہ چلا ہے ان پر ایمان، مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو نور سے پیدا کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے وغیرہ دیگر صفات۔

تخلیق جنت وجہنم

۲۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإیمان بأن الجنة حق و النار حق؛ والجنة و النار مخلوقتان؛ الجنة في السماء السابعة و سقفها العرش؛ والنار تحت أرض السابعة السفلی؛ و هما مخلوقتان؛ قد علم اللہ تعالیٰ عدد أهل الجنة و من یدخلها؛ وعدد أهل النار ومن یدخلها؛ لا تفنیان أبداً؛ هما مع بقاء اللہ تبارك و تعالی أبد الآبدین في دهر الداهرین .))

"اس بات کا ایمان کہ جنت حق ہے اور جہنم حق ہے، جنت اور جہنم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں (یعنی پیدا کی جا چکی ہیں)۔ جنت ساتویں آسمان میں ہے، اور اس کی چھت (اللہ تعالیٰ کا) عرش ہے اور جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے اور ان دونوں کو پیدا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جنتیوں کی تعداد کا اور اس میں داخل ہونے والوں کا علم ہے اور جہنمیوں کی تعداد اور اس میں داخل ہونے والوں کا علم ہے۔ (جنت اور جہنم) یہ دونوں کبھی فنا نہیں ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بقاء سے ہمیشہ ہمیشہ؛ زمانوں کے زمانے رہیں گے۔"

شرح: وہ اعتراض شروع سے لے کر آج تک مبتدعین کے بعض گروہوں کی طرف سے اہل سنت و

الجماعت پر کیے جاتے ہیں۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم دونوں کو پیدا کر دیا ہے۔ مگر مبتدعین کا ایک گروہ برابر اس کا انکار کرتا چلا آیا ہے اور دوسرا مسئلہ کفار اہل جہنم کے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا اور مؤمنین کے ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہنے کا مسئلہ ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جنتی ہمیشہ ہمیشہ جنت میں ہی رہیں گے، وہ کبھی فنا نہیں ہونگے اور نہ ہی جنت فنا ہوگی۔ کافر اور منافق ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے، اور جہنم کبھی فنا نہیں ہوگی۔ جب کہ اہل باطل مبتدعین کا کہنا ہے کہ جنت اور جہنم دونوں فنا ہو جائیں گے۔

اہل سنت والجماعت کے پاس اس عقیدہ پر کئی دلائل موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہی پیدا کر دیا ہے۔ اور ان کے دنیا میں نکالے جانے سے پہلے جنت کے لیے اس کے اہل لوگوں کو پیدا کیا، اور جہنم کے لیے اس کے اہل لوگوں کو پیدا کیا۔ اس میں اسلام کا دعویٰ کرنے والے کسی بھی شخص نے آج تک اختلاف نہیں کیا، اور نہ ہی اس عقیدہ کو جھٹلایا ہے۔ جنت اور جہنم کے پیدا شدہ ہونے کے دلائل میں سے:

۱۔ جنت تخلیق شدہ اور موجود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس روئے زمین پر اترنے سے قبل جنت میں ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ كَمَآ أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ ٱلْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْءَٰتِهِمَآ ﴾ (الاعراف: ۲۷)

''اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوا دیا اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروا دیئے تا کہ اُن کے ستر اُن کو کھول کر دکھا دے۔''

۲۔ اس جنت میں ہر قسم کی سہولیات اور نعمتیں بھی تیار کر لی گئی ہیں، جن سے استفادہ کرنے کی اجازت حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ ٱسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ ٱلْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ﴾ (البقرة: ۳۵)

''اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ'' [پیو لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں داخل ہو جاؤ گے]۔

۳۔ جو لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ آخرت میں ملنے والی جنت یا جہنم ابھی پیدا ہی نہیں کی گئیں۔ یہ سب غلط گمان کرتے ہیں؛ جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جب کہ قرآنی صراحت کے مطابق جنت اور جہنم تیار کیے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ٥ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ٥ سَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴾

(آل عمران: ۱۳۱ تا ۱۳۳)

''اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت

کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔''

۴۔ نیز اللہ تعالیٰ جنت کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

(الحدید: ۲۱)

''(اے بندو!) سبقت حاصل کرو: اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور (اس) جنت (کی طرف) جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے اور جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔''

۵۔ اس جنت کا رسول اللہ ﷺ نے مشاہدہ بھی کیا ہے، اور جنت میں داخل بھی ہوئے، اس مشاہدہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ٥ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ٥ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى﴾

(النجم: ۱۳ تا ۱۵)

''اور انہوں اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔ پرلی حد کی بیری کے پاس۔ اسی کے پاس رہنے کی جنت ہے۔''

۶۔ جہنم کا ایندھن (کافر) انسان اور پتھر ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ (البقرة: ٢٤)

''اگر ایسا نہیں کرتے اور ہرگز ایسا نہ کرسکو گے تو اس آگ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

یہ سب اس بات کے دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کو پیدا کر دیا ہے۔ ان آیات سے استدلال کی وجہ جنت کا حضرت آدم علیہ السلام کے ٹھکانے کے طور پر ذکر کیا جانا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جنت پیدا شدہ اور موجود تھی جس میں آدم اور حوا علیہما السلام رہ رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لما خلق الله تبارك و تعالىٰ الجنة والنار ، أرسل جبريل عليه السلام إلى الجنة فـقـال :" أنظر إليها ، وإلى ما أعددت لأهلها فيها ؛ فنظر إليها ، فرجع إلى الله عزو جل فـقـال : وعـزتك لا يسمع بها أحد إلا دخلها ، فأمر بها فحجبت بالمكاره ۔ فـقـال : اذهـب فانظر إليها ۔ فنظر إليها ، فإذا هي قد حجبت بالمكاره ؛ فقال :

وعزتك ! لقد خشيت أن لا يدخلها أحد ۔ ثم قال : اذهب ، فانظر إلى النار ، وإلى ما أعددت لأهلها فيها ۔ فنظر إليها ، فإذا هي يركب بعضها بعضاً ؛ فرجع ، فقال : وعزتك ! لا يدخلها أحد۔ فأمر بها فحفت بالشهوات ؛ فقال : ارجع إليها ؛ فرجع ، فقال : وعزتك ! لقد خشيت أن لا ينجو منها أحد إلا دخلها)) ❶

''جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت اور جہنم کو پیدا کیا، تو حضرت جبریل علیہ السلام کو جنت کی طرف بھیجا، اور فرمایا: جنت کو دیکھو، اور جو کچھ میں نے اس میں جنت والوں کے لیے تیار کیا ہے، اسے دیکھو۔ جبریل امین نے اسے دیکھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف واپس آئے، اور کہا: '' آپ کی عزت کی قسم! اس کے متعلق کوئی بھی نہیں سنے گا، مگر وہ اس میں داخل ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم دیا، اور اسے مکروہات - ناپسندیدہ اشیاء - سے گھیر دیا گیا اور فرمایا: اب جا کر اسے دیکھو۔ جب جبریل امین نے دیکھا تو اسے مکروہات سے گھیر دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا: '' آپ کی عزت کی قسم! اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا: جاؤ اور جہنم کو دیکھواور جو کچھ میں نے اس میں جہنمیوں کے لیے تیار کیا ہے، اسے دیکھو۔ انہوں نے جہنم کو دیکھا، وہ آپس میں لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ جبریل واپس گئے اور کہا: آپ کی عزت کی قسم! اس میں تو کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اسے شہوات سے گھیر دیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دوبارہ اس کی طرف جاؤ۔ جب جبریل امین دوبارہ گئے اور دیکھا، اور واپس آئے تو فرمایا: '' آپ کی عزت کی قسم! مجھے ڈر محسوس ہو رہا ہے کہ اس میں داخل ہونے سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الجنة حفت بالمكاره ؛ وحفت النار بالشهوات)) ❷

''جنت کو مکروہات سے گھیر دیا گیا ہے، اور جہنم کو خواہشات سے گھیر دیا گیا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أطلعت في الجنة فرأيت أكثر أهلها الفقراء والمساكين ، وإلى النار فرأيت أكثر أهلها النساء))

''میں نے جنت کا مشاہدہ کیا، سو میں نے دیکھا کہ اکثر جنتی فقراء اور مساکین ہیں اور میں نے جہنم کو دیکھا؛

❶ أحمد ۲/ ۳٥٤، والترمذی (۲٥٦۳)۔ وعبدالرزاق في المصنف (۹۱۳)۔ مختصر الشریعہ ص ۲۱۰۔
❷ مسلم (۲۸۲۲)، وعبدالرزاق في المصنف (۹۱٥)،مختصر الشریعہ ص ۲۱۰۔

سو میں نے دیکھا کہ اکثر جہنمی عورتیں ہیں۔'' ❶

حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سيحان و جيحان و الفرات والنيل كل من أنهار الجنة)) ❷

''سیحان و جیحان اور فرات اور نیل یہ سب جنت کی نہریں ہیں::۔

دوسری جگہ حدیث قدسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قال الله تعالیٰ: أعددت لعبادي الصالحين ما لا عين رأت، و لا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر))۔[قال رسول الله ﷺ] فاقرؤوا إن شئتم: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(السجدة: ١٧)......)) ❸

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا، نہ ہی کسی کان نے سنا، اور نہ ہی کبھی کی بشر کے دل پر اس کا خیال گزرا۔'' [پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا] اگر تم چاہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ لو: تو کسی کو معلوم نہیں ان کے (اچھے کاموں کے بدلے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے چھپا کر (آخرت) میں رکھی گئی ہے۔''

عربی میں لفظ: [اعـــداد] جس کے معنی ہیں تیار کرنا۔ یہ پہلے سے کسی چیز کے وجود میں آجانے پر دلالت کرتا ہے اور جب یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھی ہیں؛ اور یہ چیزیں ہیں بھی جنت میں تو ظاہر ہوا کہ جنت بھی پہلے سے تیار شدہ ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اس کی چھت (اللہ تعالیٰ کا) عرش ہے): یہ صحیح حدیث میں ایسے ہی آیا ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن في الجنة مائة درجة أعدها الله للمجاهدين في سبيل الله؛ مابين الدرجتين كما بين السماء و الأرض؛ فإذا سألتم الله فاسألوه الفردوس؛ فإنه أوسط الجنة و أعلى الجنة، وفوقه عرش الرحمن، ومنها تفجر أنهار الجنة)) ❹

''بیشک جنت میں ایک سو درجات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے، اور ہر دو درجات کے مابین اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے مابین ہے اور جب تم اللہ تعالیٰ

❶ رواه البخاری (٣٠٦٩) مسلم (٢٧٣٧)، عبد الرزاق في المصنف (٩١٨)، مختصر الشريعه ص ٢١٠۔

❷ مسلم؛ باب: ما في الدنيا من أنهار الجنة؛ ح: ٢٨٣٩۔ مسند أحمد بن حنبل: ٧٥٣٥۔ قال شعيب أرناؤوط: صحيح و هذا إسناد حسن۔

❸ البخاری (٣٠٧٢) مسلم؛ باب: كتاب صفة الجنة و نعيمها؛ ح: ٢٨٢٤۔ مسند أحمد بن حنبل: ٩٢٦٨۔ قال شعيب أرناؤوط: صحيح و هذا إسناد حسن۔

❹ رواه البخاري، باب درجات المجاهدين في الجنة: ٢٦٣٧.

سے (جنت کا) سوال کرو، تو اس سے (جنت) الفردوس مانگو۔ بیشک یہ جنت کا اوسط درجہ ہے، اور اعلیٰ ترین مقام ہے، اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔''

مصنف کا فرمان: (اللہ تعالیٰ کو جنتیوں کی تعداد...... کا علم ہے): کون جنتی ہوگا اور کون جہنمی ہوگا؟ اس کا اللہ تعالیٰ کو مکمل علم ہے اور ان میں سے ہر ایک ٹھکانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حقدار مخلوق پیدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتَ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ﴾

(الاعراف: ۱۷۲)

''اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرا لیا (یعنی اُن سے پوچھ لیا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں [آپ ہمارے رب ہیں]؛ ہم [اس پر] گواہ ہیں (کہ آپ ہمارے رب ہیں؛ یہ اقرار اس لیے کرایا تھا) کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔''

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو اپنا داہنا ہاتھ ان کی پیٹھ پر پھیرا؛ اور اس سے ان کی اولاد کو نکالا؛ اور فرمایا: ان کو میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے کام ہی کریں گے۔ پھر ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، اور اس سے ان کی اولاد کو نکالا اور فرمایا: ان کو میں نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے، اور یہ جہنمیوں والے کام کریں گے۔'' [یہ سن کر] ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! [اگر ایسا ہی معاملہ ہے] تو پھر عمل کس لیے کیے جائیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے کسی کو جنت کے لیے پیدا کیا تو اسے اہل جنت کے کاموں میں لگا دیا؛ یہاں تک کہ اس کی موت اہل جنت کے کاموں پر آتی ہے اور جب کسی انسان کو جہنم کے لیے پیدا کیا، اور اسے اہل جہنم کے کاموں میں لگا دیا، یہاں تک کہ اس کی موت ان جہنمیوں کے کاموں پر آتی ہے؛ اور وہ اس وجہ سے جہنم میں داخل کر دیا جاتا ہے۔'' ❶

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم ایک جنازہ کے ساتھ بقیع غرقد میں تھے؛ فرماتے ہیں: ''اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے؛ اور بیٹھ گئے؛ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لاٹھی تھی؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر کے لیے سر جھکایا؛ اور اپنی لاٹھی سے زمین پر مارنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بھی

❶ رواہ الترمذي [۳۰۷۵]؛ ابو داؤد [۴۷۰۳]؛ والنسائی [۲۱۰]۔

جان ایسی نہیں ہے، مگر اس کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں لکھ دیا گیا ہے؛ اور اس کا نیک بخت ہونا یا بد بخت ہونا لکھ دیا گیا ہے۔'' ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر توکل نہ کریں، اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ سو جو کوئی ہم میں سے نیک بخت ہوگا، وہ اہل سعادت کے اعمال پر چل پڑے گا، اور ہم میں سے جو کوئی بد بخت ہوگا، وہ اہل شقاوت کے عمل پر چل پڑے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمل کرو؛ ہر ایک کے لیے [اس کے مقدر میں لکھا ہوا عمل] آسان کر دیا گیا ہے۔ جو کوئی اہل سعادت ہیں، ان کے لیے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیے گئے ہیں اور جو کوئی بد بخت ہے، اس کے لیے اہل شقاوت کے اعمال آسان کر دیے گئے ہیں؛ پھر آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت کیں:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ٥ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ٥ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ٥ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ٥ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ٥ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى ﴾ (الليل: ٥ تا ١٠)

''تو جس نے (اللہ کے رستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کو سچ جانا۔ اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا۔ ہم عنقریب اسے سختی میں پہنچائیں گے۔'' ❶

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ وہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا: '' تم جانتے ہو یہ دو کتابیں کیا ہیں؟ ہم نے کہا: ''نہیں یا رسول اللہ ﷺ؛ سوائے اس کے کہ آپ ہمیں بتا دیں۔ آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا: ''یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس میں اہل جنت کے نام ہیں، اور ان کے آباء کے نام اور قبائل کے نام ہیں؛ - [اس تفصیل کے بعد] - پھر اس کے آخر میں اجمالی تعداد کا بیان ہے۔ ان میں نہ ہی کسی طرح بھی کمی ہوگی اور نہ ہی زیادتی۔ تو آپ ﷺ کے صحابہ کہنے لگے: ''یا رسول اللہ ﷺ! پھر عمل کس لیے کیا جائے؟ جب کہ اس معاملہ سے - پہلے ہی - فراغت ہو چکی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میانہ روی کے ساتھ استقامت پر رہو، بیشک جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوگا؛ اگرچہ وہ کوئی بھی کام کرتا رہے۔ اور جہنمی کا خاتمہ اہل جہنم کے کاموں پر ہوگا، خواہ وہ کوئی بھی کام کرتا رہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ان دونوں کتابوں کو رکھ دیا۔ پھر فرمایا: ''تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے، ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک جہنم میں۔'' ❷

---

❶ ابو داؤد باب فی القدر [ح: ٤٦٩٦]؛ الترمذي تفسير سورة الغاشية [٣٣٤٤]؛ بخاری، باب: موعظة المحدث عند القبر [ح: ١٢٩٦]؛ مسلم باب: كيفية خلق آدم فی بطن امه [ح: ٢٦٤٧]۔

❷ رواه الترمذی [٢١٤٢]؛ وأحمد [٢/ ١٦٧]؛ وحسنه الألباني في الصحيحة [٨٤٨]۔ اس معنی میں ایک حدیث مسلم میں بھی ہے۔ مسلم [ح: ٢٦٤٨]؛ وابن حبان [موارد ١٨٠٨]۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: ([جنت اور جہنم] یہ دونوں کبھی فنا نہیں ہوں گے): جنت و جہنم کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا مسئلہ بھی اہلِ سنت والجماعت کے ایمان کا حصہ اور امتیازی مسائل میں شمار ہوتا ہے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جنت اور جہنم ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (النساء: ٥٧)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کو ہم جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (المائدة: ١١٩)

''اللہ فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کی سچائی ہی فائدہ دے گی اُن کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابد الآباد ان میں بستے رہیں گے، اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (التوبہ: ٢٠-٢٢)

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا ان کا درجہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے (بہت بڑا) اور وہی لوگ (حشر میں) کامیاب ہوں گے۔ ان کا مالک ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ہمیشہ کا آرام ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس (بہت بڑا ثواب (موجود) ہے (اس کے ثواب کا خزانہ کم نہیں ہوسکتا۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ﴾ (الحجر: ٤٧-٤٨)

''اور جو کچھ (دنیا میں) ان کے دلوں میں (ایک دوسرے سے) رنج تھا وہ ہم نکال ڈالیں گے بھائی بھائی کی طرح تختوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے (بیٹھے) ہونگے۔ ان کو بہشت میں نہ کسی طرح کی تکلیف ہوگی

نہ وہ (کبھی) اس میں سے نکالے جائیں گے (بلکہ ابدالاباد وہیں چین اڑاتے رہیں گے)۔"

ایسے ہی جہنم کے بارے میں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۞ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ (النساء: ۱۶۸-۱۶۹)

"جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کرتے رہے اللہ اُن کو بخشنے والا نہیں اور نہ اُنہیں رستہ ہی دکھائے گا۔ ہاں دوزخ کا رستہ جس میں وہ ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔"

اور قیامت والے دن جہنمیوں کی پکار اس کے جواب کو اللہ تعالیٰ نے یوں نقل کیا ہے:

﴿وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ﴾ (الزخرف: ۷۷)

"اور پکاریں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمیں موت دے دے وہ کہے گا کہ تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے کہ کافر جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے، مگر وہ اس سے نکل نہیں پائیں، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾ (المائدہ ۳۷)

"دوزخ کی آگ سے نکلنا چاہیں گے اور اس میں سے نکلنے نہ پائیں گے اور ان کو ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ (البقرة: ۱۶۷)

"اور جو ماننے والے ہیں وہ کہیں گے کاش ایک بار اور ہم دنیا میں جاتے اور ہم ان سے الگ (ہوتے جیسے آج کے دن) یہ ہم سے الگ ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ان کو دکھلائے گا جو نرے افسوس ہی افسوس ہوں گے اور ان کو دوزخ سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔"

سنت سے دلائل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يقال لأهل الجنة يا أهل الجنة! خلود لا موت ۔ ولأهل النار ، يا أهل النار : خلود لا موت)) ❶

❶ رواه البخاري: ٦١٧٩.

''اہل جنت سے کہا جائے گا: اے اہل جنت! ہمیشہ ہمیشہ رہو، کبھی موت نہیں آئے گی اور اہل جہنم سے کہا جائے گا: اے اہل جہنم! ہمیشہ ہمیشہ رہو کبھی موت نہیں آئے گی۔''

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يؤتى بالموت كهيئة كبش أملح؛ فينادي مناد: يا أهلأ الجنة! فيشرئبون و ينظرون ؛ فيقول: هل تعرفون هذا؟ فيقولون نعم: هذا الموت ۔ وكلهم قد رأه ۔ ثم ينادي: يا أهلأ النار! فيشرئبون و ينظرون ؛ فيقول: هل تعرفون هذا؟ فيقولون نعم: هذا الموت ۔ و كلهم قد رأه ۔ فيذبح ۔ ثم يقول: يا أهل الجنة خلود فلا موت؛ و يا أهل النار خلود فلا موت)) ❶

اس مسئلہ کی مزید تفصیل جاننے کے لیے دیکھیں:

"توقيف الفريقين على خلود أهل الدارين ۔" للعلامة مرعى الحنبلي؛

اور" كشف الأستار إبطال أدلة القائلين بفناء النار" للأمام الصنعاني؛

اور الرد على من قال بفناء الجنة والنار"؛ لشيخ الإسلام ابن تيميه رحمہ اللہ ۔

آدم علیہ السلام کس جنت میں تھے؟

۲۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وآدم [علیہ السلام] كان في الجنة الباقية المخلوقة فأُخرج منها بعد ما عصى الله [عز وجل]......))

''اور حضرت آدم علیہ السلام باقی رہنے والی پیدا شدہ جنت میں تھے، اللہ تعالیٰ کے حق میں لغزش ہونے کے بعد انہیں وہاں سے اتارا گیا۔''

شرح: ...... اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ نے ان فرقوں کے باطل عقیدہ کی جانب اشارہ کیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام تھے، وہ جنت کوئی اور ہے، وہ وہی جنت نہیں ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے؛ آخرت میں ملنے والی جنت ابھی پیدا ہی نہیں کی گئی ۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ ۝ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا۟ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ۝ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ ٱلشَّيْطَٰنُ قَالَ

---

❶ متفق علیہ ۔بخاری باب: تفسير سورة مريم ح: ٤٤٥٣ ۔ مسلم في الجنة و صفة نعيمها، وأهلها، باب النار يدخلها الجبارون ح: ٢٨٤٩.

یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ (طه : ......)

''ہم نے فرمایا کہ آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم (کو یہ آسائش ہوگی کہ) نہ بھوکے رہو نہ ننگے اور یہ کہ نہ پیاسے رہو گے اور نہ دھوپ کھاؤ گے۔ تو شیطان نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تمہیں (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔''

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اسی ہمیشہ رہنے والی جنت میں تھے جس کا آخرت میں مؤمنین سے وعدہ کیا گیا ہے۔

مسیح دجال

اہل سنت والجماعت کے متفق علیہ اصولی عقائد میں سے ایک مسیح دجال کا خروج ہے۔ شیخ صالح الفوزان فرماتے ہیں: ''یہ یہودیوں میں سے ایک آدمی ہوگا؛ اور یہودی اس کی اتباع کریں گے، یہی وہ مہدی ہے جس کا انتظار یہودی کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ مہدی کا دعوی تمام لوگ ہی کرتے ہیں۔ یہودی بھی اس کا دعوی کرتے ہیں، ان کا مہدی مسیح دجال ہے اور شیعہ بھی امام غائب مہدی کے منتظر ہیں۔ جو کہ (ان کے ایمان وعقیدہ کے مطابق بچپن کی عمر میں ہی) سامراء کے غار میں چھپ گیا تھا اور ان کے عقیدہ کے مطابق یہ مہدی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوگا۔ اور اہل سنت والجماعت بھی مہدی کے منتظر ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح اور متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ یہ اہل بیت میں سے ہی ایک آدمی ہوگا، جس کا تعلق حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہوگا۔ جو کہ آخری زمانے میں نکلے گا؛ اور مسلمان اس کی بیعت کریں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ مسلمان اسی سخت کوش جہاد میں لگے ہوں گے کہ اس وقت دو مسیح نکلیں گے:

۱۔ گمراہی کا مسیح: اس سے مراد مسیح الدجال ہے۔

۲۔ ہدایت کا مسیح: اس سے مراد حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام ہیں۔

مسیح دجال کو مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ زمین پر بہت زیادہ تیز چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسے اسباب مہیا کیے ہوں گے جن کی وجہ سے وہ مہینوں کے فاصلے گھنٹوں میں طے کرے گا اور اسے دجال اس کے دجل کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور دجل کا معنی ہے جھوٹ۔ دجال کا معنی ہوا: بہت بڑا جھوٹا۔ چونکہ یہ جھوٹ میں ساری حدوں کو پار کر جائے گا؛ کبھی خدا ہونے کا دعوی کرے گا تو کبھی کچھ اور اس نے اپنے ساتھ آگ اور پانی لیے ہوں گے جنہیں یہ جنت اور جہنم باور کرائے گا؛ اور کچھ خارق عادت کرشمے وکرتب دیکھائے گا؛ جو کہ کرامات یا معجزات نہیں ہوں گے، بلکہ شیطانی اعمال ہوں گے۔ یہ کرشمے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر اس لیے جاری کرے گا تا کہ لوگوں کا امتحان لیا جا سکے۔ ذیل کے پیرائے

مصنف رحمہ اللہ اس بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کر رہے ہیں:

۲۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإیمان بالمسیح الدجال .))

''مسیح دجال (کے خروج اور اس کے فتنہ) پر ایمان [لانا واجب ہے]۔''

شرح: ...... مسیح دجال کے خروج پر ایمان رکھنا حدیث سے ثابت ہے۔ خروج دجال کے وقت انتہائی شر پھیلا ہوگا، دجال طرح طرح کی آزمائشیں، فتنے اور خرافات لے کر آئے گا۔ یہاں تک کہ حدیث کے مطابق پیدائش آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر قیامت تک کے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پیدائش آدم علیہ السلام سے تا قیامت ''دجال'' سے بڑا فتنہ کوئی نہیں ہے۔'' ❶

صحیح احادیث سے دجال کا خروج ثابت ہے، اور یہ احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

ان احادیث میں سے ایک: حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم آپس میں گفتگو کر رہے تھے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

کیا گفتگو کر رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت ہرگز قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں دیکھ نہ لو؛ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفصیل بتائی:

۱۔ دھواں ۲۔ دجال''مکمل حدیث آگے آرہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ ، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ)) ❷

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے، اور زندگی اور موت کے فتنہ سے، اور مسیح دجال کے شر کے فتنہ سے۔''

اور ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں دجال کے فتنہ سے پناہ مانگا کرتے تھے؛ آپ فرمایا کرتے تھے:

((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ)) ❸

---

❶ مسلم كتاب الفتن، باب في بقية أحاديث الدجال؛ ح : ۲۹۴۶۔

❷ البخاری (۱۳۷۷)، مسلم (۵۸۸)، مختصر الشریعه ص ۲۰۳۔

❸ مسلم (۵۹۰)، مختصر الشریعه ص ۲۰۳ و عبد الرزاق في المصنف(۸۷۵)۔

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے، اور زندگی اور موت کے فتنہ سے، اور مسیح دجال کے فتنہ سے۔''

رسول اللہ ﷺ نے دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگی اور امت کو اس سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ دجال کو پیدا کیا جا چکا ہے، اور اسے لوہے کی زنجیروں سے باندھ دیا گیا ہے۔ اس بارے میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی بڑی مشہور ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الدَّجَّالُ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ عَلَيْهَا ظَفَرَةٌ غَلِيظَةٌ ؛ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ)) ❶

''دجال کانی آنکھ والا ہوگا، اور اس کی آنکھ کے پاس گوشت کا ابھرا ہوا لوتھڑا ہوگا، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔'' مسلم میں ہے: اسے ہر لکھا پڑھا اور ان پڑھ مؤمن پڑھ سکے گا۔''

اور بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا بُعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ ؛ أَلَا إِنَّهُ أَعْوَرُ ، وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ۔ وَإِنَّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ كَافِرٌ)) ❷

''جو بھی نبی مبعوث کیا گیا تو انہوں نے اپنی قوم کو کانے جھوٹے سے ڈرایا۔ آگاہ رہو کہ وہ کانا ہے، تمہارا رب کانا نہیں ہے اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہے'' کافر۔''

بخاری ہی کی روایت میں ہے: ''اس کے ساتھ روٹیوں کا ایک پہاڑ اور دودھ کی نہر ہوگی۔'' ❸

دجال کی آزمائشیں کیا ہوں گی؟

خروج دجال کے وقت بہت بڑا فتنہ برپا ہوگا۔ دجال پوری زمین کے لوگوں کو گمراہ کرے گا؛ سوائے چند اہل ایمان کے جو کہ حضرت عیسی علیہ السلام اور مہدی سے مل کر دجال سے جنگ کریں گے۔ جب وہ مدینہ طیبہ جائے گا تو حدود حرم میں داخل نہیں ہو سکے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دجال آئے گا اور مدینہ کے ایک کنارے پر پڑاؤ ڈالے گا۔ پھر مدینہ تین مرتبہ کانپے گا، جس سے سب کافر اور منافق دجال کی طرف چل پڑیں گے۔'' ❹

نیز جب دجال آئے گا تو اس کے ساتھ اس کی مصنوعی جنت اور جہنم اور اس کے پیچھے دو نہریں ہوں گی۔ سیدنا

---

❶ مسلم ۲۹۳۳ ؛البخاری ۷۱۳۱ مختصر الشریعه ۲۰۴۔

❷ البخاری کتاب الفتن باب الدجال۔

❸ بخاری کتاب الفتن باب الدجال ح : ۷۱۲۲۔

❹ بخاری ؛ ۷۱۲۴۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں دجال کے متعلق ایسی بات نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی۔ وہ کانا ہوگا، اور جنت اور جہنم کی مانند اپنے ساتھ لائے گا۔ جسے وہ جنت کہے گا وہ جہنم ہوگی؛ (اور جسے وہ جہنم کہے گا وہ جنت ہوگی) اور میں تمہیں اس سے ایسے ہی ڈراتا ہوں جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔'' ❶

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کے ساتھ آگ اور پانی ہوں گے۔ جسے لوگ آگ سمجھ رہے ہوں گے وہ ٹھنڈا پانی ہوگا، اور جسے لوگ پانی سمجھ رہے ہوں گے وہ جلا دینے والی آگ ہوگی۔ سو تم میں سے جو بھی اسے پالے وہ اس میں واقع ہو جسے وہ آگ سمجھ رہا ہے، کیونکہ وہ میٹھا ٹھنڈا پانی ہوگا۔'' ❷

نزول عیسی علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ آپ آسمان سے نازل ہوں گے اس لیے کہ جب یہودیوں نے آپ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا؛ اور آسمانوں پر اٹھالیا۔ اور ان کی جگہ ایک آدمی کو آپ کا شبیہ (مشابہ) بنا دیا۔ جسے لوگوں نے سولی پر لٹکا دیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾

(النساء: ١٥٧-١٥٨)

''اور کہنے لگے ہم نے مسیح بن مریم کو جو (اپنے تئیں) اللہ تعالیٰ کا رسول (کہتا) تھا مار ڈالا حالانکہ نہ اس کو مار ڈالا اور نہ سولی دیا لیکن ان کو شبہ پڑ گیا او جو لوگ اس میں (عیسیٰ کے بارے میں) اختلاف کر رہے تھے وہ خود شک میں تھے ان کو یقین نہ تھا (یا کوئی یقین نہیں ہے) مگر اٹکل پر چلتے تھے (یا چلتے ہیں) اور (سچی بات تو یہ ہے) کہ ان یہودیوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا یہ یقین ہے۔ بلکہ اللہ نے اس کو اپنے پاس اٹھا لیا اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔''

❶ البخاری، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال؛ ح: ٧١٢٧۔
❷ مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال؛ ح: ٢٩٣٤۔

۲۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((و[الإیمان] بنزول عیسی بن مریم [علیہ السلام] ینزل فیقتل الدجال ویتزوج ویصلی خلف القائم من آل محمد ﷺ؛ ویموت و یدفنه المسلمون۔

''حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نازل ہونے پر ایمان [لانا واجب ہے] ۔آپ نازل ہوں گے، اور دجال کو قتل کریں گے۔آپ شادی کریں گے؛ اور قائم آل محمد ﷺ کے پیچھے نماز پڑھیں گے؛ اور پھر ان کا انتقال ہوگا، اور مسلمان انہیں دفن کریں گے۔''

شرح: ......اس سے مقصود حضرت عیسی علیہ السلام کا نازل ہونا ہے۔ابن مریم علیہ السلام کا نزول قیامت کی دس بڑی نشانیوں میں سے ہے۔حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ہم آپس میں گفتگو کررہے تھے؛ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا گفتگو کررہے ہو؟ لوگوں نے کہا: قیامت کے بارے میں گفتگو کررہے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت ہرگز قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں دیکھ نہ لو؛ پھر آپ ﷺ نے ان کی تفصیل بتائی:

۱۔دھواں ۲۔دجال ۳۔ دابة الأرض (جانور)۔

۴۔مغرب سے سورج طلوع ہونا۔ ۵۔نزول عیسیٰ ۶۔یاجوج وماجوج کا خروج۔

۷-۸-۹۔مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں کچھ مقامات پر لوگوں کا زمین میں دھنسنا۔

۱۰۔یمن سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو حشر کی طرف جمع کرے گی۔''❶

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت مسلمان دجال سے قتال کررہے ہوں گے۔دجال آپ کو دیکھ کر ایسے پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کردیں گے۔سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے اترنا قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾

(النساء: ۱۵۹)

''اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔''

یعنی آخری زمانے میں حضرت عیسی علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کے بعد تمام اہل کتاب عیسائی اور یہودی ان پر ان کی موت سے پہلے ایمان لائیں گے اور سب ایک ملت ہو جائیں گے۔آپس میں کی تمام رنجشیں بھلا دیں گے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

❶ مسلم، کتاب الفتن، باب في الآیات التي تکون قبل الساعة (۲۹۰۱)۔

((لينزلن ابن مريم حكماً عدلًا؛ فليكسرن الصليب ، وليقتلن الخنزير ، وليضعن الجزية ، ولتتركن القلاص ، فلا يسعى عليها ؛ وليذهبن الشحناء ، والتباغض و التحاسد ، وليدعوا إلى المال فلا يقبله أحد)) ❶

''ابن مریم ضرور بالضرور ایک عادل حکمران کی حیثیت سے نازل ہوں گے اور وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، اور جزیہ اٹھالیں گے اور نوجوان اونٹوں کو چھوڑ دیا جائے گا، کوئی ان کے حصول کی کوشش نہیں کرے گا۔ ایک دوسرے سے عداوت رنجش، اور حسد ختم ہو جائے گا۔ مال کی طرف بلایا جائے گا، تو کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔''

مدت قیام کتنی ہوگی؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الأنبياء أمهاتهم شتى ؛ ودينهم واحد۔ وأنا أولى الناس بعيسى ابن مريم؛ لأنه لم يكن بيني وبينه نبي؛ وإنه نازل؛ فإذا رأيتموه فاعرفوه ؛ فإنه رجل مربوع ، إلى الحمرة والبياض ، كأن رأسه يقطر ؛ وإن لم يصبه بلل۔ وإنه يدق الصليب؛ ويقتل الخنزير ؛ ويضع الجزية و يفيض المال ، ويقاتل الناس على الإسلام ؛ حتى يهلك الله في إمارته الملل كلها غير الإسلام ؛ وحتى يهلك الله في إمارته مسيح الضلالة الأعور الكذاب ؛وتقع الأمنة في الأرض ؛ حتى يرعى الأسد مع الإبل ـالنمر مع البقر ؛ والذئاب مع الغنم ؛ وتلعب الصبيان بالحيات لا يضر بعضهم بعضاً ؛ يلبث أربعين سنة ؛ ثم يتوفى و يصلي عليه المسلمون)) ❷

''انبیاء کی مائیں مختلف ہیں، اور ان کا دین ایک ہے اور میں عیسیٰ ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں۔ اس لیے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں گزرا اور بیشک آپ نازل ہونے والے ہیں، جب تم انہیں دیکھو تو پہچان لو۔ بیشک آپ میانہ قامت سرخ سفید رنگ کے ہیں۔ گویا کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا ہو۔ اگر چہ اس میں کوئی تری نہیں ہوگی۔ بیشک آپ صلیب کو توڑیں گے، اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ اٹھالیں گے، اور مال بہت زیادہ ہو جائے گا: اور اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امارت میں اسلام کے علاوہ باقی تمام ملتوں کو ہلاک کردے گا، اور یہاں تک کہ آپ کی امارت میں گمراہ مسیح جھوٹے کانے کو قتل کیا جائے گا اور زمین میں امن قائم ہوگا؛ یہاں تک کہ اونٹ اور شیر

---

❶ رواه عبدالرزاق في المصنف (٨٨٧)؛ بخاری (٢٢٢٢)؛ مسلم (١٥٥) ، مختصر الشريعه ص ٢٠٦۔

❷ رواه عبدالرزاق في المصنف (٨٨٨) مختصر الشريعه ص ٢٠٦۔

ایک ساتھ چریں گے اور گائے اور چیتا ؛ اور بکری اور بھیڑیا (ایک ساتھ چریں گے) اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو تکلیف نہیں دے گا۔ آپ چالیس سال زمین میں رہیں گے اور پھر آپ فوت ہو جائیں گے ؛ اور مسلمان آپ کا نماز جنازہ پڑھیں گے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت ہی یاجوج و ماجوج کی نشانی ظاہر ہوگی۔ جو کچھ مدت ان کے درمیان رہیں گے پھر ان کا انتقال ہوگا ؛ اور انہیں دفن کیا جائے گا۔ عیسی علیہ السلام کی موت کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیج کر مؤمنین کی روحیں قبض کر لیں گے، اور زمین پر سوائے شریر لوگوں کے کوئی باقی نہیں رہے گا۔

نزول عیسی علیہ السلام کے مسئلہ پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی گئی ہے: " التصريح في تواتر نزول المسيح " از حضرت علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ۔

حضرت مہدی کی آمد

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھیں گے):

اس سے مقصود حضرت مہدی ہیں، جن کی آمد یقینی امر ہے۔ جو آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونگے۔ جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اس امت کی اصلاح کریں گے ؛ اور ان کے ہاتھوں ہی آخری معرکہ لڑا جائے گا ؛ پھر ان کے بعد حضرت عیسی علیہ السلام نازل ہوں گے۔ قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت امام مہدی ہیں۔ جن کا خروج عقیدہ اہل سنت و الجماعت کے متواتر عقائد میں سے ہے۔ اس کے بارے میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی عرب کا حاکم بن جائے گا ؛ جس کا نام میرے نام جیسا ہوگا۔'' [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' دنیا میں سوائے ایک دن کچھ باقی نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دینگے، یہاں تک اس دن میں میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی کو بھیجیں گے، جس کا نام میرا نام ہوگا، اور جسکے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا۔'' [2]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: '' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمین ظلم و زیادتی سے بھر جائے گی۔ پھر فرمایا: '' پھر

---

[1] الترمذی، کتاب الفتن، باب : ماجاء في المهدي (٢٢٣٠)؛ أحمد (١ / ٤٧١)؛ أبو داؤد (٤٢٨٢)؛ ابن حبان (١٥ / ٢٣٦)؛ طبراني ١٠ / ١٣٣۔

[2] ابو داؤد کتاب المهدی (٤٢٨٣)؛ شرح السنة (٧ / ٤٥٧)؛ السلسلة الصحيحة (٢ / ٣٣٦)

میری نسل یا میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی نکلے گا جو زمین کو ایسے عدل و انصاف سے ایسے بھر دے گا جیسے عدل و انصاف سے بھر گئی تھی۔''❶

مہدی کی مدت قیام

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حادثات کے ظہور کا خدشہ لاحق ہوا؛ تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی میری امت میں ظاہر ہوں گے، اور وہ پانچ سال، یا سات سال یا نو سال تک زندہ رہیں گے۔''❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مہدی میرے اہل بیت میں سے ہوگا، ایک رات میں اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرمادیں گے۔''❸

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے:

''مہدی میری نسل سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوگا۔''❹

مہدی کی نشانیاں

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری آخری امت میں مہدی کا ظہور ہوگا، اللہ اسے بارش سے سیراب کرے گا، اور زمین اپنی نباتات اگائے گی؛ اور وہ مال کی صحیح صحیح تقسیم کرے گا، مویشی بکثرت ہوں گے۔ امت عظیم ہوجائے گی؛ اور وہ سات یا آٹھ سال تک حکومت کرے گا۔''❺

ایک دوسری حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين يقاتلون على الحق إلى يوم القيامة ؛ ...... قال: فينزل عيسى بن مريم عليهما السلام؛ فيقول أميرهم: تعال صل لنا ، فيقول: لا إن بعضكم على بعض أمراءُ تكرمةُ الله لهذه الأمة)) ❻

''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم جہاد کرتی رہے گی؛ یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل

---

❶ الترمذی، كتاب الفتن ،باب : ماجاء في المهدي (٢٢٣٢)؛ أحمد (٣/ ٣٥)؛ أبو داؤد (٤٢٨٥)؛ ابن حبان (١٥/ ٢٣٦)؛ السلسلة الصحيحة (٢/ ٣٣٦) ـ

❷ مسند احمد ٣/ ٢٧ ـ

❸ مسند أحمد ١/ ١٠٢؛ ابن ماجه ؛ كتاب الفتن ، باب : خروج المهدى (٤١٣٦)؛ صحيح الجامع ٢/ ١١٤٠ـ

❹ ابو داؤد كتاب المهدى (٤٢٧٨)، ابن ماجه (٤٠٨٦)ـ

❺ مستدرك الحاكم كتاب الفتن والملاحم ٤/ ٥٥٨؛ السلسلة الصحيحة (٢/ ٣٣٦)ـ

❻ رواه مسلم(١٩٢٤) كتاب الإيمان؛- باب: نزول عيسى بن مريم حاكماً؛ ٣٩٥ـ

ہوں گے ، تو ان کا امیر کہے گا: آیئے ! ہمیں نماز پڑھائیں ۔ مگر[عیسیٰ علیہ السلام] فرمائیں گے :نہیں ، بلاشبہ تم میں سے بعض دوسروں پر امیر ہیں ، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لیے اکرام و شرف ہے۔''

مذکورہ امام مہدی مشرق میں نمودار ہوں گے ۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینگے ۔ ان امام مہدی کا شیعہ کے مزعوم امام سے کوئی تعلق نہیں ہے ، جو ان کے نظریہ کے مطابق سامرا کے غار میں چھپا ہوا ہے ۔

اہل ایمان ان کی مدد کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے ، اور زمین پر اسلامی نظام نافذ کریں گے ۔ بیت اللہ کے نزدیک ان کی بیعت کی جائے گی ۔ جس دن آپ ظاہر ہوں گے وہ دن عام دنوں سے خاصا طویل ہوگا ۔ جو کہ ظہور مہدی کی نشانی ہوگی ۔ آپ ایک صالح اور مجاہد حکمران کی حیثیت سے کم از کم پانچ سال اور زیادہ سے زیادہ نو سال تک زمین پر حکومت کریں گے ۔''

حضرت مہدی علماء امت کی نظر میں

اہل سنت والجماعت کے علمائے کرام رحمہم اللہ نے ہر دور میں احادیث نبویہ کی روشنی میں مہدی کے پیدا ہونے اور اس کے دیگر اعمال کے متعلق ایمان وعقیدہ رکھا ہے اور یہ سب کچھ ویسے ہی ہوگا جیسا کہ احادیث میں اس کی وضاحت آچکی ہے ۔ حضرت علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الفتن والملاحم'' میں فرماتے ہیں :

''فصل : مہدی کے تذکرہ میں جو آخری زمانے میں آئے گا ؛ وہ ہدایت یافتہ خلفاء اور ہدایت یافتہ آئمہ میں سے ایک ہوگا ؛ اور یہ وہ مہدی نہیں ہے جس کے متعلق رافضی تصورات میں کھوگئے ہیں اور سامراء کے غار سے اس کے ظاہر ہونے کا انتظار کررہے ہیں ۔ اس لیے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ، اور نہ ہی اس کا کوئی وجود یا نام ونشان ہے اور گمان کرتے ہیں کہ یہ محمد بن حسن عسکری ہے ؛ اور یہ غار میں اس وقت داخل ہوگیا جب اس کی عمر صرف پانچ برس تھی ۔'' ❶

ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں :

'' مہدی نکلیں گے اور ان کا خروج بلادِ مشرق میں ہوگا ۔ نہ کہ سامراء کے غار سے جیسا کہ روافض گمان کرتے ہیں ؛ کہ اب بھی وہ اس غار میں موجود ہے ۔ اور وہ آخری زمانے میں اس کے نکلنے کا انتظار کررہے ہیں ۔ یہ بھی ایک قسم کا رندانہ کلام ہے ، اور شیطان کی جانب سے ان کی ذلت اور رسوائی کی ایک بہت بڑی قسط ہے ۔ کیونکہ ۔ اس امام کے وجود پر ۔ کوئی دلیل نہیں ہے ، نہ ہی کتاب اللہ سے اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ؛ نہ ہی کوئی صحیح معقول بات ہے ، اور نہ ہی استحسان ۔'' ❷

علامہ سفارینی رحمہ اللہ ''لـوامع الأنوار'' میں امام مہدی کے بارہ میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کرتے

---

❶ المنار المنیف ص ۱۵۲ ۔

ہوئے لکھتے ہیں:

''رہا شیعہ کا یہ گمان کہ اس کا نام محمد بن حسن ہے؛ اور وہی محمد بن حسن عسکری ہے، یہ ان کی ایک بہکی ہوئی بات ہے۔ اس لیے کہ محمد بن حسن کا انتقال ہوگیا تھا، اور اس کے باپ حسن کی میراث اس کے چچا جعفر نے لی تھی۔'' ❶

شیخ خالد محمد بن علی الحاج امام مہدی کے آخری زمانے میں آنے پر دلیل بعض صحیح احادیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''یہ بات قابل بیان ہے کہ یہ احادیث شریفہ ہمارے لیے کھلے طور پر امام مہدی کی بعض صفات ظاہر کرتی ہیں۔ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے۔ یہ شیعوں کے مزعوم امام مہدی کے خلاف ہیں؛ ان صفات میں سے ہم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ: اس مہدی کا نام اور اس کے باپ کا نام ہمارے نبی کریم ﷺ نام اور آپ ﷺ کے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ اور وہ اپنی بعض اخلاقی اور فعلی صورتوں میں بھی نبی کریم ﷺ سے مشابہ ہوگا۔'' ❷

شیعہ اور اہل سنت کے ہاں مہدی کے تصور میں فرق

رہا امامیہ شیعہ کے ہاں مہدی کا تصور؛ تو ان کے ہاں مہدی سے مراد محمد بن حسن عسکری ہے۔ یہاں سے یہ بات ہمارے لیے واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے باپ کا نام نبی کریم ﷺ کے والد کے نام سے نہیں ملتا۔ جیسا کہ سنت مطہرہ اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ثقہ تاریخ ہم سے یہی کہتی ہے کہ حسن عسکری نے اپنے پیچھے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا۔ مختصر طور پر شیعہ کے دعوی کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ہی اسے معتبر علماء میں سے کسی ایک نے نقل کیا ہے اور نہ ہی اس کا صحیح ہونا ثابت ہے۔ ہاں جب عقل نہ رہے تو پھر ہر چیز جائز ہے۔'' ❸

شیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ اپنی کتاب: "عقیدة أهل السنة و الأثر في المهدى المنتظر" کے اختتامی کلمہ میں؛ جس کا انہوں نے عنوان رکھا ہے: '' آخری کلمہ اس بیان میں کہ اہل سنت و الجماعت کے مہدی کے بارہ میں عقیدہ کا شیعہ کے عقیدۂ مہدی سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ [مذکورہ عنوان میں] فرماتے ہیں:

''بیشک مہدی کے بارے میں احادیث بہت زیادہ ہیں، جنہیں مؤلفین نے قلم بند کیا ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ احادیث متواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور اہل سنت و الجماعت اور دوسرے لوگوں اشاعرہ [ماتریدیہ وغیرہ] کا عقیدہ بھی ان ہی احادیث کے موجب ہے۔ جو کہ ایک ثابت حقیقت پر بغیر کسی شک و شبہ کے دلالت کرتی ہیں؛ اور جن کا حاصل مقتضا آخر زمان میں ہوگا۔ اور اہل سنت و الجماعت کے ہاں اس ثابت شدہ حقیقت کا شیعہ کے عقیدہ سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے کہ

❶ الفتن و الملاحم ١/ ٢٩۔ ❷ لوامع الأنوار ٢/ ٧١۔
❸ الكشاف الفريد عن معاول الهدم ونقائض التوحيد ١/ ١٢٣-١٢٤۔

شیعہ جس مہدی کے خروج کا انتظار کر رہے ہیں وہ محمد بن حسن عسکری، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے؛ جس کی نہ ہی کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی کوئی اصل۔ امام مہدی کے بارے میں ان کا عقیدہ اصل میں ایک وہمی عقیدہ ہے۔ جیسا کہ ان کے ہاں گزرے ہوئے آئمہ کی امامت کا عقیدہ حقیقت میں ایک وہمی عقیدہ ہے؛ جس کی نہ ہی کوئی اصل ہے اور نہ ہی حقیقت اور وجود۔ سوائے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی امامت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی امامت کے اور یہ لوگ ان شیعہ سے اور ان کے عقائد سے بغیر کسی شک وشبہ کے بری ہیں۔''[1]

جو کچھ علماء - اہل سنت والجماعت - نے ذکر کیا ہے، اس کی تائید کرتے ہوئے کہ: ''اہل سنت والجماعت کے مہدی اور شیعہ کے مہدی کے درمیان آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ان کا آپس میں کوئی ربط و بندھن ہے؛ اب میں چند وہ فرق ذکر کروں گا جو سچے اور برحق امام مہدی اور جھوٹے تصوراتی اور گمراہ مہدی کے درمیان ہیں۔ یہ نتیجہ صحیح احادیث میں وارد دلائل ہیں جو اہل سنت کے ہاں مہدی کی صفات بیان کرتے ہیں؛ اور جو کچھ رافضیوں کی کتابوں میں ان کے تصوراتی مہدی کے بارے میں آیا ہے، ان میں سے اہم فرق:

۱۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں مہدی کا نام محمد بن عبد اللہ ہوگا، اس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوگا؛ اور اس کے والد کا نام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام کے موافق ہوگا۔

رہا رافضیوں کا مہدی، تو اس کا نام محمد بن حسن عسکری ہے۔

۲۔ اہل سنت کے ہاں مہدی حضرتِ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوگا، اور رافضیہ کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوگا۔

۳۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک امام مہدی پیدا ہوگا اور نارمل طبیعی زندگی گزارے گا؛ اور احادیث میں کوئی ایسی بات وارد نہیں ہوئی جو لوگوں سے ہٹ کر ان کسی امتیازی وصف کو بیان کرتی ہو۔ سوائے ان احادیث کے؛ جن میں زمین جہادِ فی سبیل اللہ، عدل قائم کرنے، اور اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے کا بیان وارد ہوا ہے۔

جب کہ رافضیوں کا مہدی اس کی ولادت اور حمل کی مدت ایک ہی رات میں مکمل ہوگئی اور جب وہ غار میں داخل ہوگیا، اس وقت اس کی عمر پانچ سال تھی؛ اور اب تک تقریباً بارہ سو سال ہونے کو ہیں اور وہ غار میں ہی ہے۔

۴۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں مہدی اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کے لیے نکلے گا، اور ان کی کسی جنس میں کوئی فرق نہیں کرے گا۔ جب کہ رافضیوں کا امام مہدی وہ صرف رافضیوں کی نصرت کے لیے نکلے گا، اور ان کے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے۔ وہ عرب اور قریش کو ناپسند کرتا ہوگا، اور انہیں تلوار کے علاوہ کچھ بھی نہیں دے گا۔ اور اس کی اتباع کرنے والوں میں کوئی عربی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ان کی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

[1] عقیدۃ أهل السنة و الأثر في المهدی المنتظری ۲۲۱۔

۵۔ اہل سنت و الجماعت کا مہدی نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام سے محبت کرے گا، اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرے گا، اور ان کے طریقہ کار کو مضبوطی سے پکڑے رہے گا۔ اور وہ امہات المؤمنین سے بھی محبت کرے گا، اور ان کے بارے میں اچھے اور تعریفی خیر کے کلمات کہے گا۔

جب کہ رافضیوں کا مہدی نبی کریم ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھے گا؛ وہ انہیں قبروں سے نکالے گا اور انہیں عذاب دے گا؛ پھر۔ان کے بیہودہ گمان کے مطابق۔ انہیں جلا دے گا۔ اور وہ امہات المؤمنین سے بھی بغض رکھتا ہوگا، اور نبی کریم ﷺ کی سب سے پیاری بیوی پر حد جاری کرے گا، یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر۔-جیسا کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں-۔

٦۔ اہل سنت و الجماعت کا مہدی سنت پر عمل پیرا ہوگا، اور ہر ایک سنت کو زندہ کرے گا۔اور کوئی بدعت باقی نہیں چھوڑے گا؛ اسے مٹا دے گا۔ جب کہ رافضیوں کا مہدی ایک نئے دین اور نئی کتاب کی طرف دعوت دے گا۔یعنی وہ ایک نیا دین ایجاد کرے گا۔

٧۔ اہل سنت والجماعت کا مہدی مساجد قائم کرے گا اور انہیں آباد کرے گا؛ باجماعت نمازیں ادا کرے گا؛ لوگوں کا امام برحق ہوگا۔

جب کہ رافضیوں کا مہدی مساجد کو گرائے گا اور ویران کرے گا؛ وہ مسجد الحرام کو مٹائے گا، اور کعبہ کو گرائے گا، اور مسجد نبوی کو گرائے گا، اور روئے زمین پر کوئی ایک مسجد باقی نہیں رہے گی۔ جیسا کہ ان کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ آیا ہے۔ نہ ہی مساجد باقی ہوں گی اور نہ ہی امامت۔

٨۔ اہل سنت کا مہدی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے کرے گا اور حکم چلائے گا۔ جب کہ رافضیوں کا مہدی آل داؤد کے حکم کے مطابق حکم چلائے گا۔وہ ایک نیا دین لے کر آئے گا؛ اور نئی کتاب، اور نیا فیصلہ؛ جو کہ عربوں پر بہت سخت ہوگا؛ وہ تلوار ہی چلائے گا؛ اور کسی سے توبہ قبول نہیں کرے گا۔

٩۔ اہل سنت کا مہدی مشرق کی طرف سے آئے گا۔ جب کہ رافضیوں کا مہدی سامراء کے پہاڑ کے غار سے نکلے گا۔

١٠۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک امام مہدی خالص عربی اور خاندان نبوت سے تعلق رکھنے والا ہوگا۔ جب کہ رافضیوں کے مہدی کو یہودیوں کی زبان عبرانی کے بغیر کسی دوسری زبان سے شناسائی نہیں ہوگی۔ وہ جب ظاہر ہوگا تو عبری میں ہی اللہ کو پکارے گا، اور اسی زبان میں اللہ سے دعا کرے گا۔ (تلك عشرة كاملة)

مہدی کے حسینی ہونے کے متعلق شبہ کا ازالہ؟

شیعہ کہتے ہیں کہ مہدی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے۔ چونکہ انہوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد آپ امام تھے، اور یہ امامت کا معاملہ نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے آپ کی اولاد میں ہی قیامت تک باقی رہے گا۔

اگر امامت یا خلافت وراثت کے ذریعہ ہوتی تو آپ ﷺ کے بعد اپنی قرابت کی وجہ سے اس کے سب سے،

زیادہ حق دار جناب حضرتِ علی رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ رافضیوں کا دعوی اور مذہب باطل ہونے پر سنت میں بھی کافی دلائل موجود ہیں، کہ امامت کبھی اولادِ حسین رضی اللہ عنہ سے باہر نہیں جائے گی۔ حضرت جابر بن سمرہ [رحمہ اللہ] فرماتے ہیں: ''میں اپنے والد کے، ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

((إن هـذا الأمر لا ينقضي حتى يمضي فيهم اثنا عشر خليفة ؛ قال: ثم تكلم بكلام خفي عليَّ ، قال: فقلت لأبي: ما قال ؟ قال: كلهم من قريش)) ❶

''یہ خلافت تمام نہ ہوگی یہاں تک کہ مسلمانوں میں بارہ خلیفہ نہ ہولیں۔ پھر آپ نے آہستہ سے کچھ فرمایا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا: آنحضرت کیا فرمایا؟ -کہا- فرمایا: یہ سب قریش میں ہوں گے۔''

اس حدیث سے کچھ ایسا اشکال ہوسکتا ہے کہ بارہ خلفاء سے مراد بارہ امام ہوں گے۔ حالانکہ دوسری حدیث میں ہے کہ ''میرے بعد خلافت تیس سال تک ہوگی۔'' ان تیس سالوں میں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمیت پانچ خلیفہ گزرے ہیں۔

تو اس کل جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خلافت سے مراد خلافتِ نبوت ہے اور بارہ خلفا سے مراد عام خلافت ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ: خلفاء تو بارہ سے زیادہ گزرے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: بارہ کا عدد حصر کے لیے نہیں؛ بلکہ بارہ خلیفہ تو ہوں گے، اور اس سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں اور اس سے زیادہ کا ہونا اس حدیث کے کچھ بھی خلاف نہ ہوگا۔

تیسرا یہ کہ ان بارہ خلفاء کے دور میں بدعات اور شرکیات کی تائید نہ ہو، اور فرقوں کی تائید حکومتی سطح پر نہ ہو، اور کام منہج نبوت کے مطابق چلتا رہے۔ پھر اس کے بعد ایسے خلفاء آئیں جو بدعات اور شرکیات میں مبتلا بھی ہوں، اور ان کی تائید پوری قوت کے ساتھ کریں، جیسا کہ بنوعباس کے وسطی دور میں ہوا۔

چوتھا جواب: اس سے مراد یہ ہوسکتا ہے کہ مسلمان مختلف بارہ حکومتوں میں بٹ جائیں، اور ہر حکومت کا سربراہ قریشی ہوگا۔ جیسے صحیح مسلم ہی کی دوسری حدیث میں ہے:

''یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو، یا تم پر بارہ خلیفہ ہوں، اور وہ سب قریشی ہوں گے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سنا کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کسریٰ کے سفید محل کو فتح کرے گی۔'' ❷

یہی امت کے گروہ بھی اس سے مراد ہوسکتے ہیں۔ اس حدیث کا رافضہ اقرار بھی کرتے ہیں اور اسے اپنی کتابوں میں روایت بھی کرتے ہیں۔ ❸

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب: الناس تبع لقريش والخلافة في قريش ح: ٣٤٨١۔

❶ مسلم ح: ٤٧١١۔

❷ كشف الغمة لمعرفة الأئمة ١/٥٧۔

ردّ کی وجوہات

اس حدیث میں رافضہ پر رد کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: یہ کہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے اور ان میں سے ایک بھی حضرتِ حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے نہیں تھا؛ جن کی امامت کا دعوی رافضی کرتے ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں بارہ عادل خلفاء کے وجود پر دلالت ہے۔ یہ شیعہ اثنا عشریہ کے امام نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان کے آئمہ میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کے لیے امارت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ جب کہ یہ خلفاء- لوگ قریش میں سے تھے؛ جو ایک دوسرے کے بعد پے در پے حاکم بنے، اور لوگوں میں عدل کے ساتھ فیصلے کرتے رہے۔ ان کی بشارت سابقہ کتابوں میں بھی وارد ہوئی ہے۔ پھر ان کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ لوگ پے در پے آئیں، بلکہ ان کا وجود یکبارگی (یعنی پے در پے) بھی ہو سکتا ہے، اور آگے پیچھے بھی۔ ان میں سے چار عہد ولایت سے آئے، یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر وقفہ ہوا، پھر اللہ جس کو چاہے گا، لے آئے گا اور اس وقت میں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ان ہی میں سے ایک امام مہدی ہوں گے جن کا نام نبی کریم ﷺ کے نام کے موافق ہوگا، اور کنیت کے موافق۔'' ❶

بحث ایمان

ایمان کا لغت میں معنی ہے: تصدیق کرنا؛ جس کے ساتھ اطمینان بھی ہو، اور کسی قسم کا کوئی شک باقی نہ رہے۔ کہا جاتا ہے کہ: ''آمنہ'' اس پر ایمان لایا یعنی: اس کی تصدیق کی۔

ایمان کا شرعی معنی یہ ہے: ''بیشک ایمان دل سے پختہ تصدیق زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کا نام ہے، کم ہوتا اور بڑھتا ہے۔ فرمانبرداری کے کام کرنے سے بڑھتا ہے، اور نافرمانی کے کام کرنے سے کم ہوتا ہے''۔

ان امور کے مجموعہ کے بغیر ایمان کا ہونا ممکن نہیں۔ جو کوئی دل سے ایمان رکھتا ہو، مگر زبان سے اس کا اقرار نہ کرے تو یہ شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾

(النمل: ١٤)

''اور ان کے دلوں میں تو ان نشانیوں کا یقین آ گیا وہ حق میں اللہ کی طرف سے ہیں) پر (زبان سے) ہیکڑی اور شیخی کے مارے انکار کرتے رہے پھر (اے پیغمبر) دیکھ لے ان فسادیوں کا انجام کیسا (خراب ہوا)۔''

❶ تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۰۱۔

پس صرف دل سے ایمان لانا کافی نہیں ہوگا جیسا کہ مرجئہ فرقہ کے لوگ کہتے ہیں۔ایسے ہی جب تک دل میں اس پر یقین نہ ہو تو فقط زبان سے اقرار کر لینا کچھ بھی کام نہیں آئے گا؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ﴾ (فتح: ۱۱)

''اپنی زبانوں سے وہ باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔''

ایسے زبان سے اقرار کر لینا اور دل سے اس پر یقین کر لینا اس وقت تک صحیح معنوں میں کام نہیں آئے گا جب تک اعضاء و جوارح سے اس پر عمل نہ کر لیا جائے۔ایسا شخص جو کبھی بھی نماز نہ پڑھے نہ ہی زکواۃ دے، اور نہ ہی بیت اللہ کا حج کرے، اور نہ ہی کوئی دیگر نیکی کا کام کرے، تو ایسے شخص کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ذیل کے پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ اس اہم ترین مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کا موقف بیان کرر ہے ہیں۔

۲۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن الإيمان قول و عمل؛ وعمل وقول؛ ونية وإصابة؛ يزيد وينقص؛ يزيد ما شاء الله؛ وينقص حتى لا يبقى منه شيءٌ.))

''اور اس بات پر ایمان کہ: ایمان قول اور عمل ہے اور عمل اور قول ہے اور نیت ہے، اور حق کو پانا ہے۔کم ہوتا اور بڑھتا ہے۔جتنا اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اتنا بڑھتا ہے، اور کم ہوتا ہے، یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔''

شرح: ......قول سے مراد: یعنی زبانی اور قلبی قول۔

عمل: ......اس سے مراد اعضاء اور دل کے اعمال ہیں۔دل کے اعمال سے مراد: محبت؛ خوف، امید؛ یقین؛ انابت اور توکل ہیں۔جو کم بھی ہوتے ہیں اور بڑھتے بھی ہیں۔ایسے اعضاء کے افعال کو بھی عمل کہا جاتا ہے جو کم بھی ہوتے ہیں اور بڑھتے بھی ہیں۔ایمان کے کم ہونے اور بڑھنے پر قرآن و سنت میں کئی ایک دلائل ہیں۔جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

نیت: ......اس سے مقصود اخلاص ہے؛ جس پر اعمال کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔اور نیت کی مطابق ہی اجر بھی ملتا ہے۔جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

((عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرىء ما نوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله، ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها، أو امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه)) متفق عليه

''بیشک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ہر انسان کے لیے وہی ہے جس چیز کی اس نے نیت کی۔پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو، اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف

ہوگی، اور جس نے اس غرض سے ہجرت کی کہ وہ دنیا کا کچھ ساز وسامان پائے ، یا کسی عورت سے شادی کرے، تو اس کی ہجرت اسی طرف ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔''

اصابت:......(حق پانے) سے مراد سنت کی موافقت اور اس پر عمل ہے۔ یہ ایمان کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے۔

ایمان کا گھٹنا اور بڑھنا اہل سنت والجماعت کا مشہور مذہب رہا ہے۔ اگرچہ اس میں بعض اہل سنت اور مرجئہ نے اختلاف کیا ہے؛ مگر راجح قول یہی ہے کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے اور اس پر کتاب اللہ؛ سنت رسول اللہ ﷺ اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے کئی ایک دلائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَـٰذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ (التوبہ: ١٢٤)

''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (مذاق کرتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (فتح: ٤)

''وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر (سب) اللہ ہی کے ہیں اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔''

ایمان بڑھنے کے اسباب

نیکی اور اطاعت شریعت کا کوئی بھی کام کرنے ، اور حکم الٰہی مان کر چلنے سے ایمان بڑھتا ہے ، اور ان کے ترک کرنے سے ایمان کم ہوتا ہے۔ یہاں پر چند ایک ان اعمال و اسباب کو بیان کیا جائے گا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں ذکر کیا ہے؛ جن سے مؤمن کا ایمان بڑھتا ہے، اور اس میں قوت و مضبوطی آتی ہے؛ ان میں سے:

۱۔ کتاب اللہ کی تلاوت: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (الانفال: ٢)

''مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔''

۲۔ جنت وجہنم کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَاناً﴾ (مدثر: ۳۱)

''اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے بنائے ہیں اور ان کا شمار کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کیا ہے (اور) اس لیے کہ اہلِ کتاب یقین کریں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو۔''

۳۔ اللہ تعالیٰ پر توکل: فرمان الٰہی ہے:

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ (آل عمران: ۱۷۳)

''(جب) اُن سے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لیے (لشکر کثیر) جمع کیا ہے تو اُن سے ڈرو تو اُن کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

۴۔ گناہ سے اجتناب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن المؤمن إذا أذنب كانت نكتة سوداء في قلبه ، فإن تاب و نزع و استغفر ، صقل منها قلبه ، فإن زاد زادت حتى تعلوا قلبه ، فذلك الران " قال الله تعالىٰ : ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ ......)) ❶

''بیشک جب مؤمن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور توبہ کرتا ہے اور استغفار کرتا ہے؛ تو اس کا دل اس سے صاف ہوجاتا ہے اور اگر وہ (اپنے گناہ میں) بڑھ جاتا ہے تو یہ نکتہ بھی بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ دل پر غالب آجاتا ہے۔ یہی وہ زنگ ہے'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یہ جو (اعمالِ بد) کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن ؛ ولا يزني حين يزني وهو مؤمن ؛ ولا يشرب الخمر حين يشرب ، وهو مؤمن ؛ والتوبة معروضة بعد)) ❷

''چور چوری نہیں کرتا، جب وہ چوری کرتا ہے اور وہ مؤمن ہو، اور نہ ہی وہ زنا کرتا ہے جب وہ زنا کرتا ہے اور وہ مؤمن ہو، اور نہ ہی وہ شراب پیتا ہے جب وہ شراب پیتا ہے اور وہ مؤمن ہو اور اس کے بعد توبہ پیش کی جانے والی ہے۔''

---

❶ مطففین ۱۴۔ رواہ احمد (۲/ ۲۹۷)، والترمذی (۳۳۳۴)؛ وابن ماجه ۴۲۸۰؛ مختصر الشریعه ص ۷۶۔

❷ رواہ البخاری ۶۸۱۰۔ مسلم ۵۷۔ مصنف ۲۲۱۔ مختصر الشریعه ص ۷۷۔

۵۔ حیاء داری: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا گزر انصار کے شخص پر ہوا وہ اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں نصیحت کرر ہا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دعه ، فإن الحياء من الإيمان)) ❶

''اسے چھوڑ دیجیے بیشک حیاء ایمان میں سے ہے۔''

عبد الرزاق صنعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے سنا کہ معمر (بن راشد)، سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن جریج؛ اور سفیان بن عیینہ سب یہی کہہ رہے تھے:

((الإيمان قول و عمل ، يزيد و ينقص)) ❷

''ایمان قول اور عمل ہے، کم ہوتا اور بڑھتا ہے۔''

ایمان کا خاتمہ

حالت ارتداد یا خالص نفاق کی صورت میں ہوتا ہے کہ ایمان سارے کا سارا ختم ہوجاتا ہے اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں بچتا اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ٦٥)

''تحقیق وحی کی گئی آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھے۔ اگر آپ بھی شرک کریں گے تو آپ کے تمام اعمال ضائع کردیے جائیں گے اور ضرور گھاٹا پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔''

ایمان کا وقتی زوال

اور کبھی خاص احوال اور حالت ایسے ہوتے ہیں کہ ایمان اٹھ جاتا ہے؛ جیسا کہ حدیث میں ہے: ((لا يزني الزاني و هو مؤمن......))...... ''زانی زنا نہیں کرتا اور وہ مؤمن ہو۔''

بعض علماء نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اصل ایمان [یعنی لا إلہ إلا اللہ کے اقرار] کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ اور یہ بھی مراد ہے کہ کبھی کوئی ایسا گناہ انسان سے سرزد ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے انسان ملتِ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے؛ جیسے: شریعت کی کسی چیز کا مذاق اڑانا؛ یا یہ سمجھ بیٹھنا کہ شریعت کے بعض احکام ہمارے اس دور کے ساتھ مناسب نہیں ہیں۔ یا یہ کہنا کہ اسلامی تعلیمات پتھر کے دور کی تعلیمات ہیں وغیرہ یہ سب کفریہ باتیں ہیں؛ جن کے کرنے یا کہنے سے ایمان کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اس کے بارے میں اچھی طرح سمجھنے کے لیے

---

❶ رواہ البخاری ٢٤؛ مسلم ٣٦۔ مختصر الشریعه ص ٧٨۔

❷ رواہ عبدالرزاق في المصنف ٢٤٣۔ مختصر الشریعه ٨٠۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی کتاب "نواقض اسلام" اور علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی کتاب "معجم مناهي اللفظية" کا مطالعہ کرنا بہت ہی فائدہ مند ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی امان میں رکھے؛ آمین۔

فضائل صحابہ

۲۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وخير هذه الأمة بعد وفاة نبيها :أبو بكر و عمر وعثمان(رضى الله عنهم) ؛ هكذا رُوِيَ لنا عن ابن عمر قال:((كنا نقول ورسول الله ﷺ بين أظهُرِنا: إن خير الناس بعد رسول الله ﷺ أبو بكر و عمر و عثمان ؛ ويسمع النبي ﷺ بذلك فلا يُنكره))

"رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس امت کے سب سے بہترین فرد حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔ ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے (وہ کہتے ہیں): "ہم کہا کرتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے؛ "بیشک رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہترین انسان ابوبکر رضی اللہ عنہ [1] ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بات نبی کریم ﷺ سنا کرتے تھے، اور اس پر انکار نہیں کیا کرتے تھے۔"

شرح: ......وہ نصوص جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل وارد ہوئے ہیں مختلف انداز میں اور کثرت کے ساتھ ہیں۔ احادیث میں سب سے زیادہ جن کے فضائل بیان ہوئے ہیں، وہ جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے وہ فضائل جو احادیث میں اکٹھے بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد وہ احادیث جن میں تینوں خلفاء کے فضائل بیان ہوئے ہیں اور چوتھے درجہ میں وہ احادیث ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ لیکن اس سے حضوت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہی لوگ رسول اللہ ﷺ کے بعد بہترین لوگ ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کائنات کی افضل ترین مخلوق ہیں۔

ہر وہ مسلم جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل کی نعمت سے نوازا ہو، اور اس کے دین و عقیدہ کو رافضیت، شیعیت اور ناصبیت کی مصیبتوں سے محفوظ رکھا ہو، اس پر واجب ہے کہ ان لوگوں کے لیے جنت کی گواہی دے جن کی گواہی رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ ایک دن آپ ﷺ حراء پہاڑ پر تھے تو پہاڑ تھر تھرا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] یہ بات صرف اس امت کی ہی نہیں بلکہ تمام امتوں میں؛ یعنی اللہ تعالیٰ کی کائنات میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تمام امتوں کے لوگوں سے افضل ہیں۔

[2] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، دیکھیں: صحيح البخاری كتاب فضائل الصحابة ، باب فضل أبي بكر رضی اللہ عنہ ۷/ ۱٦؛ مع فتح الباری اور بـاب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ ۷/ ۵۳-۵٤، مع الفتح اور مسند أحمد : فضائل الصحابة ۵۳؛ ۵٤؛ ۵۵؛ ٦۵؛ ۵۷؛ ۵۸؛ ۵۹؛ ٦۲؛ ٦۳؛ ٦٤؛ ٤۰۱۔

''اے پہاڑ ٹھہر جا! تم پر نبی صدیق، اور شہید سوار ہیں۔''[1]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

آپ مردوں میں پہلے انسان ہیں جو ایمان لائے، اور سب سے پہلے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور آپ کے بہترین ساتھی رہے، جنہوں نے اپنا گھر بار اور مال اس راہ میں خرچ کیا اور غار میں آپ کے ساتھ رہے۔ مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبر کے ساتھ ثابت قدم رہے، اور سفر ہجرت میں رفیق بنے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبہ: ۴۰)

''اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کا مددگار ہے (وہ وقت تمہیں یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا (اس وقت) دو (ہی شخص تھے جن) میں (ایک ابو بکر تھے) دوسرے (خود رسول اللہ) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو نیچا کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے ان کے لیے نماز کے لیے نکلنا ممکن نہ رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ تو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن مناف میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اگر مجھے تاخیر ہو گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھانا۔''

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملہ میں بات کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ آئے۔ تو اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو؟ گویا کہ وہ موت مراد لے رہی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔''

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہستی ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں جن کا انتخاب خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہوا ہے۔

---

[1] دیکھیں: أحمد ۱/ ۱۸۸۔ ابو داؤد ۴۶۲۳۔ الترمذی ۳۷۵۷۔ مختصر الشریعہ ص ۲۶۶ عبد الرزاق في المصنف ۱۱۶۹۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ فرماتی ہیں:

''جب آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:'' میرے پاس کندھے کی ہڈی لاؤ کہ میں ابوبکر کے لیے کتاب لکھ دوں، تاکہ میرے بعد اس کے معاملہ میں اختلاف نہ کریں۔'' آپ فرماتی ہیں: جب حضرت عبدالرحمٰن اُٹھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اور مؤمنین اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ وہ ابوبکر پر اختلاف کریں۔'' ❶

فضائل حضرات عشرہ مبشرہ اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ثـم أفضل الناس بعد هؤلاءِ: عليّ ؛ و طلحة؛ والزبير ؛ وسعد[ابن أبي وقاص]؛ و سعيد [بن زيد]؛ وعبد الرحمن بن عوف؛ [و أبو عبيدة عامر بن الجراح]۔ وكلهم يـصلح للخلافة۔ ثم أفضل الناس بعد هؤلاء أصحاب رسول الله ﷺ القرن الأول الـذي بعث فيهم المهاجرون و الأنصار ؛ وهم من صلى القبلتين؛ ثم أفضل الناس بـعـد هؤلاء من صحب رسول الله ﷺ يـوماً أو شهراً ؛ أوسنة ؛ أو أقل من ذلك أو أكثر .))

پھر ان کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ ؛ اور طلحہ رضی اللہ عنہ ، اور زبیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ، اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ ، اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔ (۱) یہ تمام خلافت کے اہل تھے۔ پھر ان کے بعد لوگوں میں سب سے افضل پہلی صدی ہجری کے وہ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں، جن میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے، مہاجرین اولین اور انصار رضی اللہ عنہم اجمعین اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ پھر ان کے بعد اصحاب رسول اللہ ﷺ میں وہ لوگ افضل ہیں جنہیں، ایک دن، یا ایک مہینہ یا ایک سال کے لیے یا اس سے کم یا اس سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی۔''

شرح: ......(۱) اس سے مراد عشرہ مبشرہ ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے متعلق حدیث میں یوں آیا ہے: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((أبـو بـكـر فـي الجنة ؛ وعمر في الجنة ، وعثمان في الجنة ، وعلي في الجنة ، وطـلـحة فـي الـجـنة ، والـزبير في الجنة ، وعبد الرحمن في الجنة ، وسعد في

❶ البخاری ٥٦٦٦؛ مسلم ٢٣٨٧؛ مختصر الشریعه ٢٧١؛ عبد الرزاق فی المصنف ١١٩٩.

الجنة ، وسعيد بن زيد في الجنة ، وابو عبيده بن جراح في الجنة)) ❶

'' اَبوبکر-الصدیق رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے؛ اور عمر-بن خطاب رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے، اور عثمان - بن عفان رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے۔ اور علی بن- ابی طالب رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے ،ا ورطلحہ- رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے۔ اورزبیر- جنت میں ہے، اورعبدالرحمٰن - بن عوف رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے؛ اور سعد - بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے، اورسعید بن زید رضی اللہ عنہ جنت میں ہے، اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنت میں ہے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (یہ تمام خلافت کے اہل تھے......): اس سے اہل شوریٰ ہیں جو مجلس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے بنائی تھی۔

پھران کے بعد اصحاب بدر کا درجہ ہے۔ ان کے بعد بیعت رضوان والوں کا مقام ہے؛ اوران کے بعد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا، ہجرت کی اور جہاد کیا، اور پھر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ومرتبہ ہے۔ ان کے مقام ومرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا بھلے وہ احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خیرات کردے۔

جوانسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو برا بھلا کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا منکر ہے، اس لیے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں صحابہ کی تعریف بیان کی ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

(الحشر : ٨ ، ٩)

''اوران مہاجرین محتاجوں کا بھی (حق) ہے جو اپنے گھربار مال دولت سے نکال دیئے وہ خدا کے فضل اور اس رضامندی کی تلاش میں ہیں اور اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ تو سچے (ایماندار) ہیں۔ اوران (انصار) کا بھی (حق) ہے جنھوں نے مہاجرین سے پہلے مدنیہ میں اپنا ٹھکانہ مقرر کیا اور ایمان لائے جو کوئی (مسلمانوں میں سے) ان کے پاس ہجرت کرکے آتا تو اس سے محبت کرتے اور مہاجرین کو (لوٹ کے مال میں سے) جو دیا جائے اس سے اُن کے دلوں میں حسد نہیں ہوتا اور (مہاجرین کو آرام پہنچانا) اپنے آرام پر مقدم رکھتے ہیں گو ان کو تنگی ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص اپنے نفس کی بخیلی اور لالچ سے بچایا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی):

---

❶ [illegible] أحمد ١/ ١٩٣۔ الترمذی ٣٧٤٧۔ مختصر الشريعة ص ٢٦٧؛ و عبدالرزاق في المصنف ١١٧٦۔

یعنی جس نے بھی ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا یا آپ ﷺ کی صحبت اختیار کی وہ صحابی [رضی اللہ عنہم] ہے۔ خواہ وہ ایک دن یا کچھ لمحات ہی آپ ﷺ کے ساتھ کیوں نہ رہا ہو؛ اوراس کی عزت واکرام اور اس سے محبت رکھنا واجب ہوجاتا ہے۔

اس کی تفصیل پیرایہ نمبر ۱۴۷ میں بھی آئے گی۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ترحم عليه؛ وتذكر فضله ؛ وتكف عن زلته ؛ ولا تذكر أحداً منهم إلا بخير - لقول رسول الله ﷺ: ((إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوْا)) ❶

''ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہیں، اوران کے فضائل کا ذکر کرتے رہیں، اوران کی لغزشوں سے چشم پوشی کرتے رہیں۔اور ان میں سے ہر ایک کو خیر کے ساتھ ہی ذکر کرتے رہیں ؛ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:''جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو اپنی زبانوں کو روک لو۔''

شرح: ......یعنی ہم ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے رحم کی دعا کرتے ہیں اوران کا ذکر خیر کرتے ہیں، ان سے محبت رکھتے ہیں، اوران کی اقتداء کرتے ہیں، اوراپنی زبانوں کو ان کے بارے میں بات کرنے سے روک کر رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارا ایمان ہے صحابہ کرام سے جو کچھ ہوا، وہ ان کی اجتہادی غلطی تھی ؛ جس پر انہیں اللہ کے ہاں اجر ملے گا اوراس کے علاوہ بھی ان کے ایسے نیک اعمال ہیں جن کی وجہ سے ان کے غلط اعمال ختم ہوجائیں گے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ سب لوگ حق کی تلاش میں تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی خون وفساد نہیں چاہتا تھا اور ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ہم آج ان کے مسائل اڑاتے پھریں۔ بلکہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکم یہی ملا ہے:''جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو اپنی زبانوں کو روک لو۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تسبوا أصحابي ؛ فوالذي نفس محمد بيده لو أنفق أحدكم مثل أحدٍ ذهباً ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه)) ❷

''میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو برا بھلا نہ کہو: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا وہ ان کی ایک مٹھی یا آدھی مٹھی کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان بہت بلند کی ہے اور باقی امت کے مسلمانوں کے ان لوگوں سے محبت

---

❶ أخرجه الطبراني في الكبير (۱۰/ ۲۴۳- ۲۴۴)؛ و أبو نعيم في الحلية (۴/ ۱۰۸)، من حديث عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ اس حدیث کے کئی صحابہ سے شواہد ہیں، امام البانی رحمہ اللہ نے ''السلسلة الصحيحة''(۳۴) میں ان کا احاطہ کرتے ہوئے پوری طرح نقل کیا ہے۔

❷ ابو داؤد ح : ۴۶۶۰۔ صحیح۔

اوران کی اقتداء؛ اوران کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کو واجب کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَّ نَصَرُوْا أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقّاً لَّهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ ٥ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَأُوْلَـئِكَ مِنْكُمْ وَأُوْلُوْا الأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥﴾ (انفال ٧٤، ٧٥)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے (اللہ کے ہاں) بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کرتے رہے وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ان کی زندگی میں جنت کی ایسی ضمانت دی ہے جس کی تلاوت قیامت تک آنے والے لوگ کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَـكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ جَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُوْلَـئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبہ: ٨٨-٨٩)

''لیکن پیغمبر اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب اپنے مال اور جان سے لڑے انہی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هل تدرون أول من يدخل الجنة من خلق الله عزو جل؟ قالوا : الله و رسوله أعلم ـ قال : " أول من يدخل الجنة من خلق الله المهاجرون ، الذين تسد بهم الثغور ، ويتقى بهم مكاره ، ويموت أحدهم و حاجته في صدره ؛ لا يستطيع لها قضاء ؛ فيقول الله عزو جل لمن شاء من ملائكته : " إيتوهم فحيوهم ـ فتقول الملائكة:" ربنا نحن سكان سمائك ؛ وخيرتك من خلقك ؛ أفتأمرنا فنسلم عليهم ؟ قال : أنهم كانوا عباداً لي ، يعبدونني ولا يشركون بي شيئاً ، و تسد بهم الثغور ، ويتقى بهم مكاره ، ويموت أحدهم و حاجته في صدره ؛ لا يستطيع لها قضاء ؛ قال

فيأتيهم الملائكة عند ذلك فيدخلون عليهم من كل باب ۔ ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ ❶ (الرعد ٢٤)

''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے جنت میں کون داخل ہوگا؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنت میں مہاجرین داخل ہوں گے جن سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور مکروہات میں انہیں ڈھال بنایا جاتا ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک مرتا ہے تو اس کی موت اس حالت میں آتی ہے کہ اس کی آرزوئیں اس کے دل میں ہی رہ جاتی ہیں، انہیں پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جن سے چاہیں گے؛ کہیں گے: ان لوگوں کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو۔ فرشتے کہیں گے: اللہ ہم تیرے اس آسمان کے رہنے والے ہیں، اور تیری مخلوقات میں سے پسندیدہ اور چنی ہوئی مخلوق ہیں۔ کیا آپ ہمیں انہیں سلام کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ تو اللہ فرمائیں گے: بیشک یہ میرے بندے تھے، جو میری بندگی کرتے تھے اور میرے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ ان سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی۔ اور مکروہات - سخت حالات - میں انہیں ڈھال بنایا جاتا تھا اور جب ان میں سے کوئی ایک مرتا ہے تو اس کی موت اس حالت میں آتی ہے کہ اس کی آرزوئیں اس کے دل میں ہی رہ جاتی ہیں، انہیں پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ سو اس وقت فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئیں گے اور ہر دروازہ سے ان پر داخل ہوں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (الرعد: ٢٤)

''اور (کہیں گے) تم پر رحمت ہو یہ تمہاری ثابت قدمی کا بدلا ہے اور عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس کسی نے ان میں سے کسی ایک کی خلافت میں طعن کیا وہ گدھے سے بھی بڑھ کر گمراہ ہے۔''

(عقیدہ واسطیہ)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا انسان اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و عامۃ المسلمین کا منکر ہے۔ تمام مسلمان بالاتفاق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتے ہیں، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام آتا ہے۔

❶ رواه عبدالرزاق في المصنف ١١١٩؛ أحمد ٢/ ١٦٨ ۔ ابن أبي عاصم في الأوائل ٥٧؛ مختصر الشريعه ٢٦٠۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((و قال سفیان بن عیینة رحمہ اللہ :((من نطق في أصحاب رسول الله ﷺ بكلمة فهو صاحبُ هوى))۔ و قال رسول الله ﷺ :

((أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم)) ❶

''سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے بارے میں ایک کلمہ بھی بولا؛ وہ خواہشات کا پجاری ہے۔''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''میرے صحابہ تاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے؛ ہدایت پالوگے۔''

شرح: ......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل کتاب وسنت کی کئی ایک نصوص سے ثابت ہیں۔ جن سے انکار کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ مگر کمزور روایات کو بنیاد بنا کر ان سے استدلال کرنا اہل سنت والجماعت کے منہج اور طریق کار کے خلاف ہے۔ یہی ان کے متعدل امت ہونے کی نشانی ہے جو کہ قرآن میں ان کی صفت کے طور پر بیان ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل کے بارے میں روایت کردہ جملہ ضعیف احادیث میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، حفاظ محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ نبی کریم ﷺ سے بات نقل کرنا درست نہیں ہے۔

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جھوٹی، من گھڑت اور باطل حدیث ہے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا متن مشہور اور اسناد میں ضعف ہے، ان اسناد سے یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کو کتب/صحاح ستہ میں سے کسی ایک نے بھی روایت نہیں کیا، اس لیے یہ ضعیف ہے۔

اسے امام عراقی، ابن حجر اور البانی رحمہم اللہ نے ضعیف کہا ہے۔

حکمرانوں سے متعلق

یہ مسئلہ بھی اہم ترین مسائل میں سے ہے جن سے اہل سنت والجماعت اور مبتدع فرقوں میں فرق واقع ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ سمع واطاعت اور ولایت (حکومت) سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بنیادی اور اصولی مسئلہ ہے کہ حکمران جب تک نیکی اور بھلائی کا حکم دے رہے ہوں تو ان کی اطاعت واجب ہے۔

۳۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

❶ "المدخل للبیهقی (ص١٦٢-١٦٤)؛ وتحفة الطالب " لابن كثير (ص ١٦٥ - ١٦٩) ؛ و"المعتبر " للزركشی (ص ٨٢-٨٥)؛ و "تخريج أحاديث المنهاج " للعراقی (٨١-٨٦)؛ و موافقة الخُبر الخبر " لابن حجر رحمہ اللہ ، (١/١٤٥-١٤٨)؛ والتلخيص الحبير (٤/١٩٠ - ١٩١) ؛ والسلسلة الضعيفة " للألبانی (٥٨؛ ٥٩؛ ٦٠؛ ٦١؛ ٦٢)۔

((والسمع والطاعة للأئمة فيما يحب الله ويرضى؛ ومن ولي الخلافة بإجماع الناس عليه ورضاهم به؛ فهو أمير المؤمنين.))

''اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا مندی کے کاموں میں حکمرانوں کی بات سنی جائے اور اطاعت کی جائے اور جس کسی کو لوگوں کی رضامندی اور اجماع سے خلیفہ مقرر کیا گیا ہو، وہ امیر المؤمنین ہے۔''

شرح: ......اسلام میں اطاعت گزاری اور نظم و نسق کے ساتھ منسلک رہنے کے کچھ مقرر شدہ اصول اور طے شدہ ضابطے ہیں، جن سے کسی بھی صورت میں انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ ان ہی ضابطوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق)) ❶

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......سے خلیفہ مقرر کیا گیا ہو، وہ امیر المؤمنین ہے):

پھر اس کے بعد حاکم مقرر ہونے کی صورتوں میں سے ایک صورت کا ذکر کرتے ہوئے مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس کو مسلمانوں کے اجماع سے حاکم مقرر کیا جائے''۔ یہی اس کی مثالی (آئیڈیل) صورت ہے۔

اس اجماع کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک صورت یہ کہ اہل حل وعقد اہل علم علماء وفقہاء، مفتیان اور سردار بڑے وڈیرے مل کر کسی کو اپنا حاکم مان لیں۔ اس لیے کہ ہمیشہ لوگوں کے دین اور دنیا کے اہم ترین اور بڑے مسائل ((دینی مسائل جیسے حج، امر بالمعروف والنہی عن المنکر؛ اور دنیا کے مسائل میں جیسے بیعت، سمع و طاعت وغیرہ)) حکام کے ذریعہ سے ہی درست طور پر پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ جو ارباب حل وعقد کے ذریعہ سے انجام پاتے ہیں اور لوگ ضرورت کے تحت اہل حل وعقد کے تابع ہوتے ہیں۔

دوسری صورت غلبہ پالینے کی ہے۔ خواہ جو بھی صورت ہو، اور یہ حاکم امن بھی قائم کرلے؛ بھلے اس میں اہل حل و عقد کی رضا نہ بھی شامل ہو؛ تو اس کی اطاعت واجب ہوجاتی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ہر طرف انارکی پھیلنے اور ملک میں خونریزی ہونے کا خدشہ ہے، جس میں مظلوموں اور معصوموں کا خون ناحق بہے گا۔ اسلام کسی کا خون نہیں بہانا چاہتا۔ بلکہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے اور معصوم جانوں کے تحفظ کی ضمانت دینے کے لیے حاکم طبقہ کی اطاعت اور ان کے خلاف بغاوت نہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يكون عليكم أمراء، تعرفون و تنكرون، فمن عرف برىء؛ من كره سلم؛ ولكن من رضي و تابع، ،۔ قالوا: أفلا نقاتلهم؟ قال: " لا ما صلوا))❷

❶ موطا امام مالك، باب الرجل يكتب إلى الرجل يبدأ ......؛ والترمذی۔

❷ مسلم ١٨٥٤۔ و عبد الرزاق في المصنف ٦٤۔ مختصر الشريعة ٣٥۔

''تم پر ایسے حکمران آئیں گے تم ان میں کچھ اچھائیاں بھی دیکھو گے اور برائیاں بھی، جس نے حق کو پہچان لیا، وہ بری ہوگیا، اور جس نے ان برائیوں کا انکار کیا (یا انہیں برا سمجھا/ ناپسند کیا) وہ محفوظ رہا۔ مگر جو انسان راضی رہا اور پیروی کرتا رہا۔ وہ ہلاک ہوگیا؛ صحابہ نے کہا: کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔''

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی:

((علی السمع والطاعۃ ، في الیسر و العسر؛ والمنشط و المکرہ ؛ وأن لا ننازع الأمر أهله ، وأن نقوم أو نقول بالحق ؛حیثما کنا ؛ لا نخاف في الله لومة لائم)) ❶

''سمع اور اطاعت پر، تنگی اور آسانی میں، اور پسند اور ناپسند میں اور یہ کہ ہم اہل امر (یعنی حکمرانوں) سے جھگڑا نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم حق کے ساتھ ہی کھڑے ہوں، اور حق ہی کہیں گے، خواہ ہم جہاں کہیں بھی ہیں اور ہم اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

۱۳۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((و لا یحل لأحد أن یبیت لیلة لا یری أن علیه إماماً ؛ براً کان أو فاجراً .))

''اور کسی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ ایک رات اس حالت میں گزارے کہ اس کا کوئی حاکم نہ ہو۔ خواہ وہ نیک ہو یا فاجر۔''

شرح : ......یعنی جب تک حکومت قائم ہو۔ خواہ وہ شرعی شروط کے مطابق ہو، یا ان سے خالی ہو؛ مگر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی گردن میں بیعت کے طوق کو لازم سمجھے۔ جب تک حکومت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو۔

حکومت قائم ہونے کی پہلی صورت یہ ہے کہ حکومت شرعی شروط کے مطابق قائم ہوئی ہو۔

دوسری صورت: یا طاقت کے بل بوتے پر غالب آجانے کی ہے۔ جیسا کہ دنیا کے کئی ممالک میں اس وقت حکومتیں قائم ہیں۔ خواہ وہاں کے حکمران حاکم ہونے کی ان شرعی شروط پر پورا اترتے ہو یا نہیں؛ اس سے قطع نظر ان کی اطاعت کی جائے گی۔

تیسری صورت انتخابات کی ہے۔ اس کی دو حالتیں ہیں۔

پہلی حالت: تو یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی ایک جماعت کے مشورہ اور رائے سے کام لیا جائے۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا تھا۔ کہ آپ تین دن تک لوگوں کی رائے لیتے رہے اور اس کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا تو فرمایا کہ: میں نے دیکھا کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ اس طرح کے انتخابات جن میں اہل خیر وصلاح اپنے میں سے کسی بہتر انسان کا انتخاب امت

❶ رواہ البخاری ۷۱۴۲۔ مصنف ٦٥۔ مختصر الشریعہ ٣٥۔

کی مصلحت کے لیے کریں تو یہ خیر و رحمت ہے اور یہی شرعی طریقہ ہے۔

دوسری حالت: یہ ہے کہ عوام الناس سے اس بارے میں رائے لی جائے اور انہیں حقِ انتخاب دیا جائے۔ تو اس صورت میں لوگ اپنی خواہشات کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ اور وہ اس کے مطابق ہی چناؤ بھی کرتے ہیں جس کی وجہ سے معاملہ شرعی تقاضوں سے خارج ہو جاتا ہے اور ایسے لوگ آگے آتے ہیں جو شریر اور فاسد قسم کے ہوں۔ اس طرح عظیم تر دینی مصلحتیں ختم ہو جاتی ہیں اور افراتفری اور لوٹ مار ہونے کی وجہ سے امن و امان اور راحت ختم ہو جاتی ہے؛ جس طرح آج کل ہم اپنے ممالک میں جمہوریت کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں۔ حقیقت میں شرعی حکومت اور نظام سے دور رکھنے کے لیے جمہوریت کا پرفریب نعرہ ایک خوبصورت پھندا ہے۔ جس میں جہلاء؛ نادانوں؛ کج فہم اور خواہش پرست عوام الناس کی اکثریت کی رائے پر چل کر بدبختی؛ نحوست؛ شقاوت اور بدنظمی مول لی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ (الانعام: ۱۱۶)

''اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں اگر تم اُن کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کا رستہ بھلا دیں گے یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور محض اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (خواہ وہ نیک ہو یا فاجر): اس جملہ کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر ہے:

((صَلِّ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ ......)) [1]

''ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لو......''

اس حدیث سے جو لوگ عام ائمہ مساجد کے لیے استدلال لیتے ہیں کہ جیسا بھی امام ہو اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی جائز ہے؛ یہ محل نظر ہے۔ اس لیے کہ یہ حدیث امام اکبر (حاکم) کے متعلق ہے۔ اگر وہ خود امام ہو، یا کسی کو جمعہ یا جماعت کے لیے، امام مقرر کیا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج سے نکلنے کا راستہ ہے۔ جب کہ عام امام مسجد کے لیے شرعی شرائط کے پورے ہونے کا خیال رکھنا لازی ہے۔

حاکم کے حقوق

۳۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والحج و الغزو مع الإمام ماضٍ؛ وصلاة الجمعة خلفهم جائزة؛ ويصلى بعدها ست ركعات؛ يفصل بين كل ركعتين۔ هكذا قال الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله۔

''حج اور جہاد امام کے ساتھ جاری ہیں اور نماز جمعہ ان کے پیچھے جائز ہے۔ اور اس کے بعد چھ رکعات پڑھی

[1] السنن الكبرى للنسائي باب: الصلاة على من قتل نفسه ـ وسنن الدار قطني: باب من تجوز الصلاة معه وعليه ـ

جائیں گی۔ ہر دو رکعت کے درمیان فاصلہ دیا جائے گا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایسے ہی فرمایا ہے۔

شرح: ...... یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک اور طریق کار ہے کہ وہ حج اور جہاد کو امام کی اطاعت وہمراہی میں حلال جانتے ہیں اور اس کی مخالفت کو جائز نہیں سمجھتے۔ خواہ یہ امام نیک ہو یا فاجر اور ایسے ہی نماز بھی حاکم کے پیچھے؛ یا جسے وہ متعین کر دے، اس کے پیچھے واجب جانتے ہیں اور کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ حج میں امام سے علیحدگی اختیار کر لے، یا جہاد میں یا نماز جمعہ میں [اس کا ساتھ چھوڑ دے؛ اس لیے کہ ان امور میں اجتماعیت اختیار کرنے میں مسلمانوں کی شان وشوکت اور اجتماعیت کا اظہار ہے]۔ اس لیے کہ یہ امور دینی شعائر میں سے ہیں۔ شیخ نے یہاں پر دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی مثال حج کی ہے؛ جو دینی امور سے تعلق رکھتی ہے۔ خواہ حج ہو یا اس جیسا کوئی اور کام (جیسے جمعہ)؛ لوگوں پر واجب ہوتا ہے کہ ایک امام پر جمع ہوں اور دوسری مثال جہاد کی ہے۔ جو امت کی مصلحت اور اسلامی حدود کی حفاظت کے لیے بہت ہی ضروری ہے۔ یہ بھی ان بڑے اہم ترین مسائل میں سے ہے جن کے بارے میں امت پر واجب ہوتا ہے کہ وہ عظیم تر شرعی اور وقتی مصلحتوں کے پیش نظر اپنے ائمہ (حکمرانوں) کے ساتھ متفق رہیں؛ اور ان سے علیحدہ ہو کر امت میں تفریق پیدا نہ کریں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور نماز جمعہ ان کے پیچھے جائز ہے): مراد یہ ہے اگرچہ ان کے ہاں فسق اور گناہ بھی پایا جائے، تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے۔ اسی لیے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: ''فلاں انسان لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے، اور آپ محصور ہیں، حالانکہ وہ امام نہیں ہے، (اور نہ ہی وہ امام بننے کے قابل ہے)؛ وہ تو فتنہ وفساد کا امام ہے؛ (تو ہم نمازوں کا کیا کریں؟)۔ آپ نے فرمایا:

> ''اے میرے بھتیجے! جب لوگ کوئی اچھائی کریں تو ان کے ساتھ اچھائی کرو، اور جب کوئی برائی کریں تو ان کی برائی سے بچ کر رہو۔''

نماز جمعہ کو یہاں ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری کے آخر تک حکمران اور ان کے مقرر کردہ علاقائی گورنر یا امراء ہی نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ یا پھر اس کے لیے ان کی طرف سے کسی شخص کو متعین کیا جاتا تھا۔ چونکہ نماز جمعہ میں اسلامی جمعیت اور اتحاد واتفاق کا مظہر عام نماز کی جماعت سے زیادہ ہے اس لیے شرعی حکم یہ ہے کہ ان ائمہ کے پیچھے ہی نماز پڑھ لی جائے، اور تفرقہ نہ ڈالا جائے۔

اس کے بعد مصنف نے جمعہ کے وقت پڑھی جانے والی رکعات کو ذکر کیا ہے۔ اگرچہ ان رکعات کا ان مصالح عظمی جہاد اور حج اور اقامت جمعہ سے کوئی ایسا تعلق نہیں، مگر یہاں پر ذکر کرنے کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ شاید مصنف رحمہ اللہ کے دور میں کچھ لوگ ایسے ہوں جو اس سنت کی مخالفت کر رہے ہوں۔ یا پھر جمعہ کا جب ذکر کیا گیا تو اسی مناسبت سے جمعہ کی رکعات کا بھی ذکر کر دیا۔

نماز جمعہ کے بعد نوافل کی کئی صورتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سے منقول ہے۔

بعض روایات میں نماز جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنے کا آیا ہے اور بعض میں چار کا۔ ان میں سے ہر ایک کی صحیح روایت ثابت ہے۔ (بخاری اور مسلم)

رہا چھ رکعت کا مسئلہ تو یہ بھی ثابت ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں کہ یا تو دو دو رکعت کر کے پڑھ لے۔ یا پھر پہلے دو رکعت پڑھ کر پھر چار اکٹھی پڑھ لے۔

انہوں نے اپنے رسائل میں ایسے ہی ذکر کیا ہے، دیکھیں: " طبقات الحنابلة" (۱/۴۲؛ ۲۴۱؛ ۲۹۴؛ ۳۱۱؛ ۳۲۹؛ ۳۴۲)۔

فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

خلافت کے لیے اصل

۴۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والخلافة في قريش إلى أن ينزل عيسى بن مريم عليه السلام .))

"خلافت قریش میں ہوگی؛ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں۔"

شرح: ...... یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے جس کے بارے میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے کہ خلافت قریش میں رہے گی۔......"

جمہور سلف کی رائے میں اگر ممکن ہو تو خلافت کے کمال کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خلیفہ یا امام قریش میں سے ہو۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس سے جواز کی شرط کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں مطلق طور پر والی (حاکم) کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے؛ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"اگر تم پر حبشی غلام کو بھی امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔"......الخ

قریشی خلیفہ کے الفاظ والی اس حدیث کے لحاظ سے اس کی کئی صورتیں بنتی ہیں۔

پہلی صورت: کہ اگر والی کا محض چناؤ کیا جائے؛ اور اس کا اہل قریشی موجود ہو تو پھر لازم ہے کہ والی (حاکم) قریشی کو بنایا جائے۔ اگر قریشی نہ پایا جائے تو پھر جس میں حاکم ہونے کی شرائط اور اہلیت ہو اسے حاکم بنایا جائے۔

دوسری صورت: کوئی انسان طاقت کے بل بوتے پر حکومت چھین لے، اور امن و امان قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو بھی اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ حاکم اپنے بعد کسی کو مقرر کر کے اس کے لیے عہد لے۔ جیسا کہ اتنی لمبی اسلامی تاریخ میں ہوتا چلا آیا ہے۔ تو اس صورت میں بھی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......حضرت عیسی علیہ السلام نازل ہوں):

اہل سنت والجماعت کے متفق علیہ عقائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جناب حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کو یہودیوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے زندہ حالت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا تھا۔ قیامت سے پہلے وہ دوبارہ نازل ہوں گے۔

جب حضرت عیسی علیہ السلام نازل ہوں گے، اور امام مہدی محمد بن عبداللہ کے پیچھے نماز ادا کریں گے اور ان کی امارت میں جہاد قائم ہوگا، صلیب توڑی جائے گی، اور خنزیر قتل کیا جائے گا۔ اس وقت ایک بار پھر روئے زمین پر قریش کی حکومت قائم ہوگی جو زمین کو عدل وانصاف سے ایسے بھر دے گی جیسے وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی اس وقت قیامت کی کئی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ تفصیل کے لیے دیکھو: خروج مہدی۔

خارجی کون؟

۳۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومن خرج على إمام من أئمة المسلمين؛ فهو خارجي۔ وقد شق عصى المسلمين؛ وخالف الآثار؛ وميتته ميتة الجاهلية .))

''جو مسلمان حکمرانوں میں سے کسی ایک کے خلاف بغاوت کرے، وہ خارجی ہے۔ اس نے مسلمانوں کی وحدت کو پامال کیا اور آثار (صالحین) کی مخالفت کی؛ اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔''

شــــرح: ...... یہ بھی اہم ترین مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جس سے بہت سے لوگ لاعلم ہیں۔ یا بعض خواہشات پرست دولت اور منصب کے بھوکے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں؛ اور اصل حقیقت کو لوگوں کے لیے عیاں نہیں کرتے؛ بلکہ عمداً لاعلمی میں رکھتے ہیں۔ سلف صالحین خوارج کا اطلاق دو معنوں میں کرتے تھے:

پہلا اطلاق: خوارج فرقہ کے معنی میں۔ یہ ایک مشہور ومعروف فرقہ ہے؛ جن سے حروریہ، اباضیہ اور جو لوگ ان کے بعد آنے والے ان لوگوں اور فرقوں کی شاخیں پھوٹتی ہیں جو اس عقیدہ اور منہج پر تھے جو ان پہلے پہل کے خوارج کا منہج تھا۔

دوسرا اطلاق: سلفِ صالحین ہر اس شخص کو بھی خارجی کہا کرتے تھے جو مسلمان حکمرانوں کی اطاعت سے خارج ہو، اور ان سے نبرد آزما رہتا ہو۔ اگرچہ وہ اپنے باقی اصولوں میں خارجی مذہب پر نہ بھی ہو۔ اسی لیے سلف صالحین تمام اہل بدعت جیسے: شیعہ، معتزلہ، اور رافضہ کو بھی خوارج کہا کرتے تھے۔ اس لیے کہ یہ لوگ مسلمان اہل سنت والجماعت حاکم کی بیعت نہیں کرتے۔ بلکہ ہر دم اس کی حکومت گرانے کے درپے رہتے ہیں۔

یہ لوگ کسی بھی گناہ کے کام کی وجہ سے حاکم کے خلاف تلوار لے کر نکل آتے ہیں۔ ان کا ظہور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں ہوگیا تھا۔

خوارج کا قتل جائز ہے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مال تقسیم کر رہے تھے، لوگوں کو دے رہے تھے کہ لوگ کہنے لگے: نجد کے بڑے سرغنوں کو دیتا ہے، اور ہمارا خیال نہیں کرتا ......'' پھر آگے انہوں نے پورا قصہ بیان کیا ہے:

((یعطی صنادید أهل نجد ویدعنا ، قال:إنما أتألفهم ـفأقبل رجل غائر العینین مشرف الوجنتین ، ناتئی الجبین ، کث اللحیة؛ محلوق فقال : اتق الله یا محمد ، فقال :من یطع الله إذا عصیت ؟ أیأمنني الله علی أهل الأرض فلا تأمنوني ؛ فسأله رجل قتله-أحسبه خالد بن الولید -فمنعه ، فلما ولی قال :((إن من ضئضئی هذا ، أو : فی عقب هذا قوما یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرهم ، یمرقون من الدین مروق السهم من الرمیة ، یقتلون أهل الإسلام ویدعون أهل الأوثان ، لئن أنا أدرکتهم لأقتلنهم قتل عاد)) ❶

''اس آدمی کی نسل سے ایسی قوم آئے گی جو قرآن کی تلاوت کریں گے مگر ان کے گلے سے اوپر تجاوز نہیں کرے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے؛ وہ اہل اسلام سے قتال کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے انہیں پایا تو ایسے قتل کروں گا جیسے قوم عاد کو قتل کیا گیا۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یخرج فیکم قوم تحقرون صلاتکم مع صلاتهم ، وصیامکم مع صیامهم ، وعملکم مع عملهم ، ویقرأون القرآن لا یجاوز حناجرهم ، یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة ، ینظر فی النصل فلا یری شیئا؛ وینظر فی القدح فلا یری شیئا، وینظر فی الریش فلا یری شیئا ، ......)) ❷

''تم میں ایک ایسی قوم نکلے گی جن کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے؛ اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلہ میں؛ اور اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے سامنے [حقیر سمجھو گے]۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے سے نیچے تجاوز نہیں کرے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے، وہ تیر کے لوہے میں دیکھے گا تو کچھ بھی نظر نہیں آئے گا؛ وہ اس کے نشانے کی جگہ دیکھے

---

❶ صحیح البخاری ؛ کتاب أحادیث الأنبیاء ؛ باب قول الله عز وجل : وأما عاد فاهلکوا بریح صرصر...... ؛ حدیث : ٣١٨٢ ـ صحیح مسلم ؛ کتاب الزکاة؛ باب ذکر الخوارج وصفاتهم؛ حدیث : ١٨٢٦ ـ أبو داؤد باب في قتل الخوارج ، ح : ٤٧٦٦ ـ سنن ابن ماجه ، باب : ذکر الخوارج ، ح : ١٦٨ ـ سنن نسائی ، باب : من شهر سیفه في وضعه في الناس ح : ٤١٠١ ـ

❷ صحیح البخاری ؛ کتاب فضائل القرآن؛ باب إثم من رأی بقرأة القرآن أو تأکل به أو فخر؛ حدیث : ٤٧٧٢ ـ صحیح مسلم ؛ کتاب الزکاة؛ باب ذکر الخوارج وصفاتهم؛ حدیث : ١٨٢٨ ـ موطأ امام مالك ، باب : اثم الخوارج ، ح: ٨٦٤ ـ

گا تو کچھ بھی نظر نہیں آئے گا؛ وہ اس کے پھل میں دیکھے گا تو اسے (خون کا نشان) کچھ بھی نہیں آئے گا......"

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:

((إذا حدثتكم عن رسول الله ﷺ حديثاً ، فوالله لأنْ أَخِرَّ من السماء ، أحب إليّ من أن أكذب عليه ، وإذا حدثتكم فيما بيني و بينكم ، فإن الحرب خدعة ، وإني سمعت رسول الله ﷺ يقول : سيخرج قوم في آخر الزمان ، أحداث الأسنان ، سفهاء الأحلام ، يقولون من خير قول البرية ، لا يجاوز إيمانهم حناجرهم ، يمرقون من الدين ، كما يمرق السهم من الرمية ، فأينما لقيتموهم فاقتلوهم ، فإن في قتلهم أجراً لمن قتلهم يوم القيامة)) ❶

"جب میں آپ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں [تو اسے قبول کرلو؛ اس لیے کہ] اللہ کی قسم! اگر میں آسمان سے منہ کے بل گر جاؤں یہ میرے لیے اس سے بہتر ہوگا کہ میں آپ ﷺ پر کوئی جھوٹ بولوں۔ اور جب میں تم سے کوئی ایسی بات کروں جو میرے اور آپ کے درمیان ہو تو جان لو کہ بیشک جنگ دھوکہ ہے اور بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے:

"آخری زمانے میں ایسے لوگ آئیں گے جو عمر میں چھوٹے ہوں گے؛ بیوقوف خیالات والے ہوں گے۔ وہ بہترین بات کہا کریں گے، مگر اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے، ان کا ایمان ان کے گلوں سے اوپر نہیں جائے گا۔ تم انہیں جہاں کہیں بھی پاؤ انہیں قتل کر ڈالو، اس لیے کہ ان کے قتل کرنے میں قاتل کے لیے قیامت والے دن اجر ہے۔"

خوارج کی نشانیاں

خوارج کی دو نشانیاں ہیں:

۱۔ مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت اور اس کی حکومت گرانے کی کوشش۔

۲۔ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے عام مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ۔

ان کے ایسا کرنے کی وجہ دین میں غلو ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے پہلے سے ہی خبردار کرتے ہوئے غلو کرنے سے منع کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا:

((إِيَّاكُمْ وَ الْغُلُوَّ ؛ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ)) ❷

---

❶ صحيح البخاري كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم؛ باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم؛ حديث : ٦٥٤٦ ـ صحيح مسلم؛ كتاب الزكاة؛ باب التحريض على قتل الخوارج حديث : ١٨٣٦ـ

❷ أخرجه النسائي (٣٠٥٧)؛ ابن ماجة (٣٠٢٩)؛ وصححه الألباني في الصحيحة (١٢٨٣)ـ

''خود کو غلو سے بچاؤ۔ بیشک تم سے پہلے جو لوگ تھے، انہیں غلو نے ہی ہلاک کیا۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (آثار کی مخالفت کی؛ اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی):

آثار سے مراد احادیث ہیں۔ احادیث میں ولی الأمر (مسلمانوں کے حکمران) کی اطاعت کی بہت بڑی تاکید آئی ہے۔ اور جس کی موت اسی بغاوت کی حالت میں آگئی، وہ جاہلیت کی موت (مردار) مرا۔

یہاں پر ایک اہم مشابہت ہے۔ جاہلیت میں عرب لوگوں کا کوئی حاکم نہیں تھا، سارے لوگ آپس میں لڑتے رہتے اور لوٹ مار کرتے۔ کسی ایک حاکم کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوتے؛ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو ایک منہج وعقیدہ پر اور ایک پرچم تلے جمع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

''اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے (رات دن تم دونوں میں لڑائی رہتی) پھر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دل ملا دیے تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے)۔''

﴿وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (آل عمران: ۲۶)

''اور (اے مہاجرین) وہ وقت یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں تھوڑے سے تھے کمزور (یعنی ہجرت سے پہلے) تم ڈرتے تھے کہیں (کافر) لوگ تم کو اچک نہ لے جائیں (یعنی ایک دم تباہ نہ کریں) پھر اللہ نے تم کو (مدینہ میں) جگہ دی اور (بدر کے دن) اپنی مدد (فرشتوں) سے تم کو زور دیا اور تم کو حلال چیزیں کھانے کو دیں اس لیے کہ تم شکر کرو۔''

حاکم کی اطاعت کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں امن و امان کا قیام؛ کسب معیشت کے ذرائع؛ اور رزق کی تلاش میں لوگوں کے چلنے پھرنے کے لیے راستوں کا پرامن ہونا ہے۔ جب کے حاکم کے خلاف بغاوت کرنے سے خون خرابہ ہوتا ہے، اور مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ پڑتی ہے؛ جس سے دشمن کے سامنے ان کی شان و شوکت کم ہوتی ہے۔

حکام کے ظلم پر صبر کی تلقین

۳۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا يحل قتال السلطان؛ والخروج عليهم وإن جاروا؛ وذلك قول

❶ مسلم (۱۸۳۷) في كتاب الإمارة، باب: وجوب طاعة الأمراء في غير المعصية ـ و احمد (۱۷۱/۳) وابن ماجة (۲۸۶۲) كتاب الجهاد باب طاعة الإمام

رسول الله ﷺ لأبي ذر رضی اللہ عنہ [الغفاري]: ((اِصْبِرُوا وَإِنْ كَانَ عَبْداً حَبْشِياً))1۔وقوله :للأنصار : ((اِصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى الْحَوْضِ))۔" وليس من السنة قتال السلطان؛ فإن فيه فساد الدين والدنيا .)) ❶

''حکمران سے لڑنا اوراس کے خلاف بغاوت کرنا حلال نہیں ہے؛ خواہ وہ ظلم ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا فرمان حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے لیے تھا کہ:'' صبر کرو، خواہ کوئی حبشی لونڈا ہی کیوں نہ ہو اور انصار [رضی اللہ عنہم] سے فرمایا تھا:'' صبر کرو، یہاں تک کہ تم حوض پر مجھ سے آملو اور یہ سنت میں سے نہیں ہے کہ حکمران سے جنگ کی جائے ۔ کیونکہ اس میں دین اور دنیا کا فساد ہے۔''

شرح: ...... یہ بھی ایک عظیم الشان قاعدہ ہے۔یعنی سنت میں حاکم سے قتال جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کا منہج اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔ بھلے حاکم ظلم ہی کیوں نہ کرے، اور وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((أَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ وَ اسْأَلُ اللّٰهَ حَقَّكُمْ)) ❷

''انہیں ان کا حق ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگو۔''

حکمران سے یہاں پر مراد مسلمان حکمران ہے۔اس لیے کے سلف کے دور میں اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ ان پر کافر حکمرانی کرے۔لیکن اگر ایسا ہو جائے کہ مسلمانوں پر کافر حکمران مسلط ہو جائے تو اس صورت میں بھی ہر کس و ناکس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اسلحہ اٹھا کر حاکم کے خلاف اٹھ کھڑا ہو؛ اور اسے جہاد کا نام دے کر لڑائی شروع کر دے۔ بلکہ معاملہ اہل حل وعقد کے پاس جائے گا؛ وہ اس معاملہ میں شرعی قواعد کے مطابق غور وفکر کریں گے۔یہ سب فتنہ کے خاتمہ اور فساد سے بچنے کے لیے ہے، مگر اس کافر حاکم کا مسلمان پر کوئی حق ولایت نہیں ہوگا۔سوائے اس کے کہ جو مصلحتیں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مشترک ہیں ، ان کا خیال رکھا جائے گا؛ اور نظام کا اس وقت تک احترام کیا جائے گا جب تک وہ ضروریات دین یا امور شریعت سے متصادم نہ ہو۔

گذشتہ احادیث میں حکمرانوں کے ظلم وستم پر صبر کرنے کی جتنی بھی تلقین ہے، اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ خواہش نفس ؛ کج فہمی یا جہالت کی وجہ سے فتنہ پھیلانے سے بہتر ہے کہ انسان مظلومیت کی حالت میں اپنی جان دیدے، مگر شر وفساد پھیلا کر فتنہ کا بازار گرم نہ کرے، اور نہ ہی لوگوں کے خون ناحق کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے۔

---

❶ أخرجه البخاري كتاب مناقب الأنصار ؛ باب قول النبي للأنصار : " اصبروا حتى تلقوني على الحوض ۔"مع الفتح ۷/۱۱۷۔ ومسلم في كتاب الإمارة باب الصبر عند ظلم الولاة ۱۸٤٥) وأحمد (۳/ ۵۷؛ ۱۷۱) من حديث أسيد بن حضير ۔"

❷ البخاري باب : ما ذكر عن بني اسرائيل ۔

خوارج کا قتل کیسے ہوگا؟

۳۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ویحل قتال الخوارج إذا عرضوا للمسلمین في أنفسهم و أموالهم وأهالیهم۔ ولیس له إذا فارقوه أن یطلبهم ؛ ولا [یُجْهِز] علی جریحهم ؛ ولا یأخذ فیئَهم ؛ و لا یقتل أسیرهم؛ ولا یتبع مدبرهم .))

''خوارج سے قتال کرنا جائز ہے جب وہ مسلمانوں کی جانوں، اموال اور اہل کے لیے خطرہ بن جائیں اور امام کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب وہ اس سے علیحدہ ہوجائیں وہ ان سے (صلح) طلب کرے اور نہ ہی ان کے زخمیوں پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے اموال کو مال غنیمت بنایا جائے گا؛ اور نہ ہی ان کے قیدی کو قتل کیا جائے گا، اور نہ ہی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کو قتل کیا جائے گا۔''

شرح: ......خوارج وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور یہ لوگ تیونس، عمان اور مراکش میں آج تک پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ مسلمان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرتے رہے ہیں، اور اس بغاوت کو وہ اپنے عقیدہ کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک گناہ کا مرتکب انسان حاکم نہیں ہوسکتا۔ نیز یہ لوگ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے ہیں۔ شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے انکار کے علاوہ کئی اہم اور بنیادی امور میں اہل سنت والجماعت سے اختلاف رکھتے ہیں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں-طویل حدیث کا حصہ ہے-؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس آدمی کی نسل سے ایسی قوم آئے گی جو قرآن کی تلاوت کریں گے مگر ان کے گلے سے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے؛ وہ اہل اسلام سے قتال کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے انہیں پایا تو ایسے قتل کروں گا جیسے قوم عاد کو قتل کیا گیا'' ❶

خوارج کا قتال حلال ہونے سے مراد ان لوگوں کو قتل کرنے کا جواز ہے جو حاکم کے خلاف بغاوت کریں: اور پر امن ملک میں افراتفری پھیلائیں اور لوگوں کو مسلمان حکمران کے خلاف لڑنے کی دعوت دیں۔ اس سے وہ لوگ ہی مراد نہیں ہیں جو خارجی عقیدہ پر کاربند ہوں۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ ان کا عقیدہ کچھ اور ہو، مگر وہ قومی، لسانی، طبقاتی جھنڈوں کے تلے [مسلمان] حکمرانوں سے لڑرہے ہوں، مسلمان حاکم یا ملک کو کمزور کررہے ہوں؛ یا مسلمانوں میں فتنہ برپا کرر ہے ہوں، ان لوگوں کو قتل کرنا عظیم تر قومی اور مذہبی اور ملی مصلحت کے تحت جائز ہے۔ اور جب ان لوگوں سے قتال کیا جائے تو ان کے کلمہ گو ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ کفار جیسا برتاؤ نہیں کیا جائے گا، بلکہ مسلمانوں والا برتاؤ

---

❶ ابو داؤد باب في قتل الخوارج، ح: ٤٧٦٦ ۔سنن ابن ماجه ،باب: ذکر الخوارج، ح: ١٦٨ ۔سنن نسائی، باب: من شهر سیفه في وضعه في الناس ح: ٤١٠١ ۔صححه الألبانی۔ بخاری ،ح: ٣٣٤٤۔

ہوگا۔اگر معرکہ سے بھاگ جائے تو اسے پکڑ کر نہیں لایا جائے گا۔ جب ہتھیار ڈال دے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔اور نہ ہی زخمی کو تکلیف دی جائے گی۔ چونکہ ان کو قتل کرنا صرف ان کے فتنہ وفساد پیدا کرنے کی وجہ سے جائز ہوا ہے۔ جب ان کا فساد ختم ہوگیا تو جواز کے امور بھی ختم ہو گئے۔

اصول اطاعت گزاری

۳۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله-: أنه لا طاعة لبشر في معصية الله عزو جل .))

''اور جان لیجیے- اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے -: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بھی بشر کی اطاعت نہیں ہوگی۔''

شرح: ...... اسلام خود ایک کامل دستور حیات ہے، اور قانون ونظام کا پاسدار مذہب ہے۔ جس میں گمراہی ، جہالت ، اور بدنظمی سے بچنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمران مفتیان اور علماء کی اطاعت لازم ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾ (النساء: ۵۹)۔

''اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور اپنے اولی الأمر کی اطاعت کرو، اور اگر کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے۔''

احادیث مبارکہ میں بھی مسلمان حکمران کی اطاعت کی بہت ہی ترغیب آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((من أطاعني فقد أطاع الله ، ومن عصاني فقد عصى الله ، ومن أطاع أميری ، فقد أطاعني ، ومن عصى أميری فقد عصاني)) ❶

''جس نے میری اطاعت کی ، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی ، اس نے اللہ کی نافرمانی کی ؛ اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی ، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

(یہاں پر رسول اللہ ﷺ کے امیر سے مراد وہ مسلمان حاکم ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی کر رہا ہو؛ اور انہیں نافذ کر رہا ہو)۔

---

❶ مسلم؛ باب : وجوب اطاعة الأمير في غير معصية ، وتحريمها في المعصية ، ح: ٤٨٥٤ـ

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((دعانا رسول الله ﷺ فبايعناه ؛ فكان فيما أخذ علينا أن بايعنا على السمع و الطاعة في منشطنا و مكرهنا؛ وعسرنا و يسرنا ، وأثرة علينا ، وأن لا ننازع الأمر أهله ، قال : "إلا إن تروا كفراً بواحاً عندكم من الله فيه برهان)) ❶

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بلایا؛ پس ہم نے آپ کی بیعت کی۔ پس جو عہد آپ نے ہم سے لیا تھا، کہ ہم نے آپ کی بیعت کی بات کے سننے اور ماننے پر اپنی رضامندی اور ناپسندیدگی پر؛ اور اپنی تنگی اور آسانی پر، اور یہ کہ ہم اسے اپنے نفس (کی خواہشات) پر ترجیح دیں گے اور یہ کہ ہم حکمرانوں سے ان کی حکومت کے بارے میں نہ لڑیں۔ سوائے اس کے کہ ان میں ایسا کھلا ہوا کفر دیکھیں جس کے بارے میں ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہو۔''

حکمرانوں؛ علماء اور اپنے سے اوپر کے طبقہ کی بات ماننے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو۔ اس لیے، کہ معصیت کے کام میں کوئی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اطاعت صرف معروف (بھلائی کے کاموں میں) ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

((أنه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق)) ❷

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت نہیں ہوگی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا طاعة في معصية الله عزوجل ، إنما الطاعة في المعروف))

''اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہوگی، بیشک اطاعت بھلائی کے امور میں ہے۔''

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((السمع و الطاعة على المرء المسلم فيما أحب و كره ، مالم يُؤمر بمعصية ؛ فإذا أمر بمعصية فلا سمع و لا طاعة)) ❹

''مسلمان انسان پر اس کی پسند اور ناپسند میں بات سننا اور اطاعت کرنا فرض ہے جب تک کہ اسے گناہ کے کام کا حکم نہ دیا جائے۔ جب اسے- اللہ تعالیٰ- کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اس وقت نہ ہی بات سنی جائے

---

❶ مسلم؛ باب: وجوب اطاعة الأمير في غير معصية ، وتحريمها في المعصية ، ح: ٤٨٧٧۔

❷ موطأ امام مالکؒ ، باب : يكتب إلى الرجل يبداء ...... ح: ٨٩٩۔

❸ أبو داؤد باب : في الطاعة ، ح: ٢٦٢٧۔

❹ ابو داؤد ، باب : في الطاعة ، ح : ٢٦٢٨۔ والترمذی ، باب : ما جاء لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق ، ح: ١٧٠٧۔ والنسائی ، باب : جزاء من أُمر بمعصية فأطاع ، ح: ٤٢٠٥ ۔ مسلم ، ح: ٤٨٧١۔ اسے البانی نے صحیح کہا ہے۔

گی اور نہ ہی مانی جائے گی۔"

یہاں پر ایک مسئلہ تفصیل طلب ہے۔کبھی حاکم کسی بات کا حکم دیتا ہے؛ جس انسان کو حکم مل رہا ہے اس کی نظر میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے، وہ گناہ کا کام ہے؛مگر دوسرے علماء کے ہاں اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسے جائز سمجھتے ہیں اور مسئلہ کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے۔اس صورت میں چاہیے کہ علمائے کرام کی طرف رجوع کیا جائے اور فی الفور حاکم کی مخالفت نہ کی جائے۔اس لیے کہ اس میں فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

اُصول شہادت

۳۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(([ومن] كان من أهل الإسلام؛ (ولا يشهد على أحد) [فلا تشهد له بعمل بخير ولا شر] فإنك لا تدري بما يختم له [عند الموت]؛ ترجو له [رحمة الله]؛ وتخاف عليه[ذنوبه]، ولا تدري ما يسبق له عند الموت إلى الله من الندم؛ وما أحدث الله في ذلك الوقت إذا مات على الإسلام؛ ترجوا له رحمة الله؛ و تخاف عليه ذنوبه.))

"اور جو کوئی اہل اسلام میں سے ہو(کسی ایک کے متعلق گواہی نہیں دی جائے گی)؛ تو اس پر کسی اچھے یا برے عمل کی گواہی نہ دو۔ کیونکہ آپ کو علم نہیں کہ موت کے وقت اس کا خاتمہ کس پر ہوا ہو۔(خواہ) تم اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہو یا اس کے بارے میں (گناہوں کی وجہ سے) کوئی اندیشہ رکھتے ہو۔آپ نہیں جانتے کے مرتے وقت ندامت میں سے کون سی چیز سبقت لے جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کیا معاملہ کیا، جب کہ اس کا انتقال اسلام پر ہوا۔تم اس کے لیے رحمتِ الٰہی کی امید کرتے ہو یا اسکے گناہوں سے ڈرتے ہو۔"

شرح: ...... یہاں پر مسئلہ کسی انسان کے جنتی یا جہنمی ہونے کے بارے میں گواہی دینے کا ہے۔کسی متعین شخص کے لیے جنتی یا جہنمی ہونے کی گواہی حتمی طور پر نہیں دی جاسکتی؛ سوائے ان لوگوں کے جن کے لیے شرعی دلیل موجود ہو۔انسان کا انجام اس کے آخری اعمال کے لحاظ سے ہوتا ہے جس پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

((إنما الأعمال كالوعاء إذا طاب أسفله طاب أعلاه؛ وإذا فسد أسفله فسد أعلاه)) [1]

"بیشک اعمال ایک برتن کی مانند ہیں، جب ان کا نیچے والا حصہ اچھا ہوگا تو اوپر والا حصہ اچھا ہوگا، اور جب

[1] سنن ابن ماجه، باب: التوقي على العمل، ح: ٤١٩٩ ـ قال الألباني: صحيح ـ

نیچے والا حصہ فاسد ہوگا تو اوپر والا حصہ فاسد ہو جائے گا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فوالذي لا إله غيره ، إن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى ما يكون بينه و بينها إلا ذراع ؛ ثم يسبق عليه الكتاب ، فيختم له بعمل أهل النار ، فيدخلها ؛ وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار ؛ حتى ما يكون بينه و بينها إلا ذراع ؛ ثم يسبق عليه الكتاب ، فيختم له بعمل أهل النار ، فيدخلها)) ❶

''اس ذات کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں! بیشک تم میں سے کوئی ایک اہل جنت کے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے؛ پھر اس پر لکھی ہوئی کتاب -تقدیر- سبقت لے جاتی ہے، اور اس کا خاتمہ اہل جہنم کے کاموں پر ہوتا ہے، اور اس کا داخلہ جہنم میں ہو جاتا ہے۔ بیشک تم میں سے کوئی ایک اہل جہنم کے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے؛ پھر اس پر لکھی ہوئی کتاب -تقدیر- سبقت لے جاتی ہے، اور اس کا خاتمہ اہل جنت کے کاموں پر ہوتا ہے، اور اس کا داخلہ جنت میں ہو جاتا ہے۔''

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن العبد ليعمل فيما يرى الناس عمل أهل الجنة ، وإنه لمن أهل النار ، ويعمل فيما يرى الناس عمل أهل النار ، وهو من أهل الجنة ؛ وإنما الأعمال بخواتيمها)) ❷

''بیشک انسان ایسا عمل کرتا ہے جو لوگوں کے دیکھنے میں اہل جنت کا [عمل] ہوتا ہے، مگر وہ یقیناً جہنمی [عمل] ہوتا ہے، اور کوئی انسان عمل کرتا ہے جو لوگوں کے دیکھنے میں اہل جہنم کا [عمل] ہوتا ہے، مگر وہ عمل اہل جنت کا ہوتا ہے؛ بیشک اعمال کا انجام اپنے خاتمہ کے لحاظ سے ہوتا ہے۔''

ان احادیث کی بنا پر کسی انسان کے ظاہری اعمال کو دیکھ کر اس کی آخرت کے متعلق حتمی طور پر دوٹوک فیصلہ میں کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ظاہری طور پر بد اعمال والے کے لیے مغفرت کی دعا کر سکتے ہیں۔ نیک اعمال والے کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ: ہم نے اسے ایسا دیکھا اور پایا ہے، اس کے بارے میں اچھی امید رکھ سکتے ہیں، باقی اللہ ہی خفیہ باتوں کا جاننے والا ہے۔

یہ اسلام کے معروف قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے کہ جو کوئی اہل قبلہ میں سے ہو، اس کے لیے ہم دوٹوک الفاظ میں نہیں کہہ سکتے کہ فلاں انسان ایسا ہے۔ یہاں پر گواہی دینے سے مراد ظاہری امور کی گواہی نہیں، وہ تو مطلوب ہے۔

❶ رواه البخاري [٦٥٩٤] مسلم [٢٦٤٣]- الشريعة ص ١٧٩ ح: ١٩٧ - رواه الترمذي ؛ باب: أنما الأعمال بالخواتيم ، ح: ٢١٣٧۔ امام ترمذی اور علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

❷ باب لأعمال بالخواتيم وما يخاف منها ، ح : ٦٤٩٣۔

یہاں پر مراد مرنے کے بعد اس کے انجام کی دوٹوک گواہی دینا کہ فلاں انسان کے ساتھ یہ برتاؤ ہوا ہوگا۔ اس لیے، کہ زندہ کے لیے گواہی دینا مردہ کے لیے گواہی دینے سے مختلف ہے۔ زندہ کے لیے گواہی اس کے ظاہری اعمال پر دی جاتی ہے۔ لیکن جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر گواہی نہیں دی جاسکتی۔ اس لیے کہ دل کے راز اللہ سبحانہ وتعالیٰ علام الغیوب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ یعنی اگر ظاہری طور پر مسلمان میں کوئی خیر یا شر کی بات ہے، تو اس کی گواہی دی جائے گی۔ یہ گواہی ظاہر پر ہوگی قلبی امور پر نہیں۔ رہا مرنے کے بعد اس کا انجام؛ تو اس کے بارے میں دوٹوک طور پر تو کچھ نہیں کہیں گے۔ البتہ جس طرح دنیا میں ظاہری اعمال کی گواہی دی جاتی ہے، لیکن دل کی نہیں۔ ایسے ہی مرنے کے بعد انجام کے بارہ میں حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہیں گے، لیکن عمومی طور پر خیر کی گواہی دیں گے۔

خوف اور امید

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......اسکے گناہوں سے ڈرتے ہو): اس سے مرد یہ کہ انسان کو اپنے اعمال پر نازاں و فرحاں نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ان کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ان کی قبولیت کی امید کے ساتھ ساتھ رد ہو جانے کا خوف بھی رہنا چاہیے۔ یہ ہر عامل کے اپنے نفس کے لیے خاص اور دوسرے مسلمانوں کے لیے عام ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ (الاسراء: ٥٧)

''یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں ہو خود اپنے رب کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون اُن میں (اللہ کا) زیادہ مقرب (ہوتا) ہے اور اُس کی رحمت کے اُمیدوار رہتے ہیں اور اُس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ مؤمنین کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الاعراف: ٥٦)

''اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا بیشک نہیں کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ﴾ (الانبیاء: ٩٠)

''اور ہمیں اُمید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔''

توبہ کا دروازہ

۳۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ما من ذنب إلا وللعبد منه توبة .))

''کوئی بھی گناہ انسان کا ایسا نہیں ہے جس کی توبہ نہ ہو۔''

شرح: ......کوئی بھی گناہ ایسا نہیں ہے جس پر توبہ نہ ہو۔ یہاں تک کہ شرک سے بھی اگر انسان سچے دل سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے؛ اور گناہ بخش دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (الزمر : ۵۳)

''(اے پیغمبر! میری طرف سے) کہہ دو اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

اور توبہ کا یہ دروازہ انسان کی سانسیں اکھڑ جانے تک کھلا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ (النساء: ۱۸)

''اور ایسے لوگوں کی کوئی توبہ نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہے یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو اُس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن کی (توبہ قبول ہوتی ہے) جو کفر کی حالت میں مریں۔ ایسے لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے توبہ کا آخری وقت بتاتے ہوئے فرمایا:

((من تاب قبل أن تطلع الشمس من مغربها ، تاب الله عليه)) [1]

''جس کسی نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے قبل توبہ کرلی، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔''

دوسرا وقت ہر انسان کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی اس کی سانس اکھڑنے سے قبل توبہ کر لینی چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اس کا معاملہ بہت ہی خطرہ میں ہے۔ اس وقت کی بابت حدیث میں ہے:

((إن الله يقبل توبة العبد مالم يغرغر)) [2]

''اللہ تعالیٰ بندے کی سانس اکھڑنے تک اس کی توبہ قبول کرتے ہیں۔''

---

[1] مسلم؛ باب استحباب الاستغفار و الاستكثار منه؛ ۷۰۳۶۔ ابن حبان ۶۲۹۔

[2] رواه الترمذی؛ باب فضل التوبة والاستغفار وما ذكر رحمة الله لعباده؛ ح: ۳۵۳۷۔ قال الترمذي : حسن غريب؛ قال الألباني : حسن۔ صحيح ابن حبان ۶۲۸۔ مسند أبي يعلى ۵۷۱۷۔ مسند أحمد ۶۱۶۰۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَبْسُطُ یَدَهٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ النَّهَارِ وَیَبْسُطُ یَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا)) [1]

''اللہ تعالیٰ رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کو گناہ کرنے والا رات کو تائب ہو جائے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو برائی کرنے والا دن کو توبہ کر لے اور یہ سلسلہ مغرب سے سورج طلوع ہونے (قیامت کے دن) تک جاری رہے گا۔''

یہاں پر ایک مسئلہ ہے کہ بعض گناہ ایسے ہیں جن کے کرنے پر توبہ کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ مگر یہ کس انسان کے حق میں ہے، کچھ متعین طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ ایسے ہی بدعتی جب اپنی بدعت پر مصر رہے تو اسے توبہ کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ اسی بنا پر سلف صالحین فرماتے ہیں کہ: ''صاحب بدعت کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔''

بدعتی سے مراد وہ انسان ہے جو جان بوجھ کر حجت قائم ہونے اور دلیل ظاہر ہونے کے بعد بھی عناد کی وجہ سے بدعت کو اختیار کر رہا ہو۔ ایسے لوگ اگر عقلی طور پر عاجز آ کر ایک بدعت کو ترک بھی کر دیں تو انہیں سنت کے اتباع کی توفیق نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ کسی دوسری بدعت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے نصیب میں گمراہی لکھ دی گئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیب میں ہدایت لکھی ہوتی تو یہ لوگ ضرور حق کی طرف رجوع کر لیتے۔

رہے وہ لوگ جو جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، یا ان کے پاس کوئی غلط تاویل ہے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ سے امید کی جا سکتی ہے کہ اسے توبہ کی توفیق مل جائے گی۔ کیونکہ وہ اپنے عمل میں مخلص ہیں، ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش ہے، مگر وہ اس تلاش میں غلط راہ پر چل نکلے ہیں۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ علم کو اس کے اصلی مصادر کتاب وسنت سے لینے کے ساتھ ساتھ ہر وقت کثرت کے ساتھ استغفار کرتا رہے، اور کسی بھی گناہ کے سرزد ہو جانے پر فوراً توبہ کرے تاکہ یہ گناہ اس کے دل میں جگہ نہ پکڑ لے، اور پھر جب دل سارا کالا ہو جائے تو اس گناہ کا ترک کرنا یا اس سے توبہ کرنا ناممکن ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ سب کو سچی توبہ نصیب فرمائے، اور اپنی حفاظت اور امان میں رکھے۔ آمین۔

رجم برحق ہے

۴۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والرجم حق.))

''اور (شادی شدہ زانی کو) رجم کرنا حق ہے۔''

[1] مسلم؛ باب قبول التوبة من الذنوب وإن تكررت الذنوب والتوبة منه، ٧١٦٥۔ مسند أحمد بن حنبل برقم ١٩٥٢٩۔

شــــرح: ......اللہ تعالیٰ نے کمال عدل وحکمت کے تحت شریعت اسلامیہ میں ہمیں کئی چیزوں سے منع کیا ہے، جنہیں شرعی اصطلاح میں محرمات کہا جاتا ہے۔محرمات کی دو قسمیں ہیں:

☆ کبیرہ محرمات ☆ صغیرہ محرمات۔

پھر ان محرمات کا ارتکاب کرنے والے کے لیے سزا کے لحاظ سے ان کی تین اقسام ہیں:

- وہ محرمات جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے سزائیں مقرر و متعین کی ہیں، انہیں ''حدود'' کہا جاتا ہے۔انہیں حدود اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی سزائیں گنہگار کو اس گناہ کے ارتکاب سے روکتی اور منع کرتی ہیں۔
- وہ محرمات جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی سزا متعین تو نہیں کی؛ مگر انہیں سزا ملے گی۔انہیں تعزیر کہا جاتا ہے۔تعزیر مسلمان حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بصیرت سے دور اندیشی کا ایسا فیصلہ کرے،جس کے فوائد امت اور معاشرہ کے لیے مثبت ہوں۔
- وہ محرمات جن میں حدود یا تعزیر نہیں ہے، مگر ان پر اخروی سزا کا بیان ہوا ہے۔یا ان کے کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے، اسے جہنم کی بشارت دی گئی ہے؛ وغیرہ۔جیسے: جُوا بازی، سُود خوری؛ وغیرہ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن اللـه فرض عليكم الفرائض ، فلا تضيعوها ، وحرّم أشياء فلا تنتهكوها ، وسكت عن أشياء رحمة من ربكم غير نسيان فلا تسألوا عنها)) [1]

''بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر کچھ فرائض عائد کیے ہیں، انہیں مت ضائع کرو، اور تم پر کچھ چیزیں حرام کی ہیں، ان کو پامال مت کرو، اور کچھ چیزوں سے بغیر نسیان کے خاموشی اختیار کی ہے؛ (یہ تمہارے لیے رحمت ہے) ان کے بارے میں مت پوچھو۔''

ان حدود میں سے ایک حد زنا کی ہے۔زنا یہ ہے کہ:''ایسی شرمگاہ کا استعمال کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے شرعی عقد (نکاح) کے بغیر (استعمال کرنا) حرام کیا ہو۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

(النور: ۲)

''اور جو عورت زنا کرے اور جو مرد زنا کرے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن پر یقین ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم چلانے میں (اس کے دین کی بات میں) ان دونوں پر رحم نہ کرنا اور جس وقت ان (یعنی زنا کرنے والے مرد اور عورت کو) سزا دی جائے تو مسلمانوں کا ایک گروہ موجود رہے۔''

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة؛ كتاب الصيد؛ ما قالوا في لحم الغراب؛حديث: ١٩٤٧٤.

یہ سزا غیر شادی شدہ کے لیے ہے، جب کہ شادی شدہ کے لیے سنگسار کی سزا ہے۔ یہ سزا بھی شریعت اسلامیہ کی طے شدہ حدود میں سے ایک ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''خبردار کہ کہیں آیت رجم کے بارے میں ہلاکت کا شکار نہ ہو جاؤ۔ کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ دو حدیں ہم کتاب اللہ میں نہیں پاتے، لیکن یقیناً ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا۔'' اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر نے اللہ کی کتاب میں زیادہ کر دیا ہے، تو میں اسے بھی لکھ دیتا:

((الشیخ والشیخة فارجموهما البتة)) ❶

''شادی شدہ مرد و عورت - جب زنا کریں - تو ان دونوں کو حتمی طور پر رجم کر دو۔''

اس آیت کا الفاظ منسوخ ہو چکے ہیں مگر حکم باقی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے خود رجم کیا، جن میں حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ، بنی غامدی ایک عورت [رضی اللہ عنہا]، اور ایک دیہاتی عورت کو رجم کرنے کے واقعات مستند اور صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو کوئی بھی شادی شدہ آزاد اور عاقل مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت؛ بغیر کسی وشبہ اپنی رضامندی سے زنا کرے گا اسے سنگسار کیا جائے گا، اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ جب کہ غلام اور باندی کو کوڑے ہی لگائے جائیں گے۔ ان کے ساتھ یہ رعایت اللہ کی طرف سے ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کے زمانہ میں جہمیہ؛ خوارج؛ فلاسفہ اور دوسرے بعض باطل فرقوں نے حدود کا انکار کیا تھا۔ اس لیے مصنف اسے یہاں پر بیان کر رہے ہیں۔ جس سے ان کے سنت و شریعت ہونے کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔

❶ موطا امام مالك، باب ما جاء في الرجم؛ ح: ١٥٠٦۔ بخاری، باب: رجم الحبلى في الزنا إذا أحصنت، ٦٤٤٢؛ مسلم؛ كتاب الحدود، باب: رجم الثيب في الزنا، ح: ١٦٩١۔

موزوں پر مسح

۴۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والمسح على الخفين سنة.))

''موزوں پر مسح کرنا سنت ہے۔''

شرح: ...... اس پیرائے سے ان شرعی امور کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو قطعی دلائل سے معلوم ہیں۔

اگرچہ یہ مسئلہ فقہ سے تعلق رکھتا ہے، مگر اس کا تعلق عقیدہ سے بھی ہے؛ اس لیے مصنف نے اسے یہاں پر ذکر کیا

ہے۔ پس جو کوئی موزوں پر مسح کرنے کا انکار کرے، وہ اہل سنت و الجماعت سے خارج اور صحیح عقیدہ کا مخالف ہے۔ کیونکہ موزوں پر مسح کرنا متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے، اور رخصت پر عمل کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن الله يحب أن تؤتى رُخَصُه كما يحب أن تؤتى معصيته)) ❶

''بیشک اللہ تعالیٰ کو اس کی رخصت قبول کرنا ایسے ہی پسند ہے جیسے اس کو اپنی نافرمانی کرنا ناپسند ہے۔''

توضیح: ......احکام شریعت میں سے ہر ایک حکم؛ بھلے وہ عقیدہ میں نہ بھی داخل ہو؛ جس کی نصوص متواتر ہوں، یا سلف کا اس پر اجماع ہو، یا وہ صحیح حدیث سے ثابت ہو؛ اگرچہ وہ حدِ تواتر کو نہ بھی پہنچے؛ اس کا انکار کرنا عقیدہ کے مخالف امور میں شمار ہوگا۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ:

۱۔ نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے فرض ہونے کا اعتقاد رکھنا بھی فرض ہے اور نماز کا سیکھنا بھی فرض اور نماز سے انکار یعنی اس کو نہ ماننا یا نہ جاننا کفر ہے۔

۲۔ مسواک کرنا سنت ہے۔ مگر اس کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھنا فرض ہے اور اس کے سنت ہونے کا انکار کفر ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا اور اس کا علم حاصل کرنا سنت ہے۔ اس کے علم سے ناواقف رہنا حرمانِ ثواب کا باعث ہے اور اس پر عمل نہ کرنا -ترکِ سنت کی وجہ سے- عتاب یا عذاب کا موجب ہے۔ ❷

اس سارے کلام کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ: ہر وہ ''قطعی'' اور ''یقینی'' امر شرعی؛ جو اس قدر واضح ہو کہ اس کے تعبیر کرنے والے الفاظ اور ان کے معانی کو ہر اعلی؛ ادنی اور متوسط درجہ کا آدمی آسانی سے جانتا اور سمجھتا ہو، اور ان کی مراد بھی اتنی واضح ہو کہ اس کے متعین کرنے کے لیے دلائل و براہین کی کھینچ تان کی ضرورت نہ ہو۔ ایسا امر شرعی جب صاحب شریعت ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہو؛ اس پر بعینہٖ اور ہو بہو اسی ظاہری صورت میں بغیر کسی تاویل و تصرف کے ایمان لانا فرض ہے؛ اس کا انکار کرنا اور اس میں کوئی تاویل اور تصرف کرنا کفر ہے۔'' ❸

اس لیے سنت کی اہمیت سمجھانے کے لیے سلف نے اس مسئلہ کی مثال کے طور پر مسح علی الخفین [في الوضوء] (وضوء میں موزوں پر مسح کرنا) کو ذکر کیا ہے۔ اس مسئلہ میں رافضہ اور دوسرے لوگوں نے دو طرح سے اختلاف کیا ہے:

۱۔ رافضی موزوں پر مسح کو جائز نہیں کہتے۔

۲۔ وضوء میں بغیر پاؤں دھونے کے مسح کو جائز سمجھتے ہیں بھلے موزے نہ بھی پہنے ہوں۔

---

❶ مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱۰۸؛ صحیح ابن خزیمة (۲۰۲۷)؛ ابن حبان (۲۷٤۲)، و صححه الألباني في صحیح الجامع ((۱۸۸۵)۔

❷ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: (انور شاہ کشمیری: اکفار الملحدین ص۷۳)۔

❸ اکفار الملحدین ۷٤۔

سفر میں نماز قصر

۴۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وتقصير الصلاة في السفر سنة.)) ''سفر میں نماز قصر کرنا سنت ہے۔''

شرح:......شریعت اسلامیہ میں دی گئی ایک رخصت سفر میں نماز کا قصر کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو نمازیں چار رکعت ہیں انہیں صرف دو ہی پڑھا جائے گا۔ جب کہ باقی نمازیں اپنے حال پر رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا﴾ (النساء: ۱۰۱)

''اور جب تم مسافر ہو زمین میں تو نماز قصر کرنے میں (گھٹانے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اگر تم کو ڈر ہو کافروں کے ستانے کا بے شک کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں۔''

آیت سے ظاہری طور پر ایسے لگتا ہے کہ نماز قصر کرنا صرف خوف کی حالت میں جائز ہے۔ لیکن یہ اشکال اس وقت زائل ہو جاتا ہے جب ہم نبی کریم ﷺ کے عمل کو دیکھتے ہیں۔ آپ ﷺ امن کی حالت میں بھی دوران سفر چار رکعت والی نماز کو دو ہی پڑھا کرتے تھے۔

چنانچہ اسی چیز کو بنیاد بنا کر امام أحمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ المعروف ابو بکر البیھقی نے اپنی کتاب [السنن الصغری] میں باب قائم کیا ہے:

((باب الرخصة للمسافر في قصر الصلاة وإن كان آمنا))

اس باب میں مذکورہ بالا آیت کے حوالہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ماجرا ہے کہ ہم (حالت سفر میں) امن میں ہوتے ہیں، مگر نماز قصر کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((تلك صدقة، تصدق الله بها عليكم؛ فأقبلوا من الله صدقته))[1]

''یہ ایک صدقہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے، پس اللہ تعالیٰ سے اس کا صدقہ قبول کرو۔''

نماز قصر کرنا ایک رخصت ہے، جس کا دل چاہے وہ قصر کرے، اور جو چاہے پوری پڑھ لے، لیکن قصر کرنا افضل ہے۔ مصنف نے اسے عقیدہ کے مسائل میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول کرنا عقیدہ سے متعلق ہے، اور دوسرا مقصود ان جھوٹے متشدد صوفیوں پر رد کرنا ہے جو اس رخصت کا انکار کرتے ہیں۔

---

[1] صحيح مسلم، باب صلاة المسافرين و قصرها، ح: ۱۶۰۵۔ سنن أبي داؤد، باب: صلاة المسافر، ح: ۱۲۰۱، من حديث عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، و صححه الألباني۔ وسنن ابن ماجة، باب: تقصير الصلاة في السفر، ح: ۱۰۶۵۔ السنن الصغرى، باب الرخصة للمسافر في قصر الصلاة وإن كان آمنا؛ ح: ۵۶۰۔

سفر میں افطار

۴۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والصوم في السفر من شاء صام؛ ومن شاء أفطر.))

''اور سفر میں روزہ رکھنے میں اختیار ہے، جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے۔''

شرح: ......قصر نماز کی طرح سفر یا بیماری کی حالت میں روزہ افطار کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں پر ایک صدقہ اور رخصت ہے؛ جس میں افطار کرنے اور روزہ رکھنے کا اختیار ہے، افضل رخصت پر عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (البقرہ : ۱۸۵)

''جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے (یعنی صحیح اور مقیم ہو مسافر نہ ہو) وہ اس میں روزے رکھے اور جو بیمار یا مسافر ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔''

جو کوئی سفر میں افطار کرنا چاہے تو اسے مذکورہ آیت کی روشنی میں اجازت ہے اور جو کوئی روزہ رکھنا چاہے تو اس کا روزہ بھی صحیح ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ہم سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ (تو کیا پھر افطار کرنا لازمی ہے؟) آپ نے انہیں روزہ رکھنے کی اجازت دے دی۔

اس لیے کہ سفر میں روزہ افطار کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رخصت ہے۔ رخصت پر عمل کرنا واجب نہیں ہوتا، بلکہ اس پر عمل کرنا افضل ہوتا ہے اور اگر کسی نے اس افضل کے خلاف عمل کرلیا تو اسے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تمہارا عمل صحیح نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ اس رخصت کے خلاف اعتقاد نہ رکھے۔

اس پیرائے کا بھی سابقہ پیرائے کی طرح عقیدہ سے تعلق رخصت کے حوالے سے ہے۔ ورنہ یہ فقہی مسئلہ ہے۔ کیونکہ بدعتی گروہ نے سفر میں افطار کی رخصت کا انکار کردیا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رہا وہ سفر جس میں نماز قصر کی جائے گی؛ اس میں روزہ افطار کرنا بھی اتفاق ائمہ سے جائز ہے، اس کی قضاء کے ساتھ۔ خواہ اسے روزہ رکھنے میں مشقت ہو، یا نہ ہو۔ یعنی اس طرح سے کہ وہ سائے میں سفر کررہا ہو، اور اس کے پاس-کھانا- پانی بھی موجود ہو، اور خدمت کرنے والے بھی ہوں اس کے لیے روزہ افطار کرنا اور رکھنا دونوں جائز ہیں اور جس نے یہ بات کہی کہ روزہ افطار کرنا صرف ان لوگوں کے لیے جائز ہے جو روزہ رکھنے سے عاجز آگئے ہوں، تو اسے توبہ کرنے کا کہا جائے گا؛ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کیا جائے گا اور ایسے ہی جو کوئی سفر میں افطار کرنے والے پر نکیر کرے۔ اس سے اس بات پر توبہ کروائی جائے گی۔'' ❶

❶ ''مجموع الفتاوی'' (۲۵/۲۰۹)۔

ایسے ہی ان بیماروں کو بھی روزہ افطار کرنے کی رخصت حاصل ہے جنہیں یقین ہو کہ وہ اس بیماری میں روزہ پورا نہیں کر سکیں گے۔ یا ایسی بیماری جس کے متعلق خوف الٰہی رکھنے والا ڈاکٹر یہ تشخیص کر دے کہ اس حالت میں روزہ رکھنے سے مرض بڑھ سکتا ہے، یا اس سے شفایاب ہونے میں تاخیر ہو سکتی ہے، یا اس مرض سے جان ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کردہ رخصت پر عمل کرتے ہوئے افطار کر لیں اور روزہ کے بدلہ میں فدیہ دے دیں۔

شرعی لباس کا بیان

۴۴-: (مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں):

((ولا بأس بالصلاة في سراويل.))

''شلوار میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

شرح: ......اس کے لیے شرط یہ ہے کہ شلوار ستر کو ڈھانپنے والی ہو، اور کھلی ہو اور اس میں کفار کے ساتھ مشابہت بھی نہ ہو۔ جیسے کہ پتلون میں ہے۔ پتلون بھی شلوار کی ہی ایک قسم ہے؛ مگر بہت ہی تنگ ہے۔ جس سے ستر صحیح طرح سے ڈھک نہیں پاتا؛ بلکہ اس کے اعضاء کی کیفیت و کمیت ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ اگر پتلون کھلی ہو؛ جس سے انسانی اعضاء کی کمیت ظاہر نہ ہوتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اب تو یہ لباس لوگوں میں اس قدر مانوس ہو گیا ہے، اس وجہ سے وہ اس کی برائی کو نہیں سمجھتے۔ اگر اچانک یہ لباس ظاہر ہوتا تو ہم لوگ ہی اسے سڑکوں پر پھینک کر آگ لگاتے۔

ہمارے علاقہ دراوہ میں آج سے ٹھیک پندرہ سال پہلے تک پینٹ (پتلون) پہننے کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ایسے لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا اور انہیں سکھوں کا لانگری (باورچی) کہا جاتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کی فطرت میں اسلامی لباس کا ایک تصور موجود تھا۔ لیکن اب وہاں پر بھی فطرت مسخ ہو رہی ہے، اور یہ نئے لباس عام ہو رہے ہے؛ و إلى الله المشتكى.

چنانچہ شرعی حکم کے لیے نماز کی ادائیگی کے لیے ساتر لباس کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے جب پتلون تنگ ہو؛ اور اس سے اعضاء کی ہیئت اور کمیت ظاہر ہوتی ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

یہ حکم کہ شلوار میں نماز پڑھنا جائز ہے، یہ مردوں کے لیے ہے۔ جن کا ستر ناف سے لے کر زانو کے نیچے تک ہے۔ یہ شلوار بھی ایسے کپڑے کی ہو جس سے جسم نظر نہ آتا ہو۔ جب کہ عورت کا سارا بدن پردہ ہے سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے۔ چہرہ اور ہاتھوں کے کھلا رکھنے کی اجازت بھی اس وقت ہے جب اس کے پاس کوئی غیر محرم موجود نہ ہو۔ یا گھر کے اندر کسی کونے میں نماز پڑھ رہی ہو۔ رہا مسئلہ مسجد میں نماز پڑھنے کا، جب بھی عورت مسجد میں نماز پڑھے گی، اسے اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو غیر مردوں سے ڈھانپنا ہوگا؛ ورنہ نماز درست نہ ہوگی۔

مرد کے لیے بھی افضل یہ ہے کہ اس کا لباس کامل ہو۔ جسم پر قمیض اور سر پر ٹوپی یا پگڑی ہو، اور وہ لباس پہنا جائے جس میں مرد کی کامل زینت کا اظہار ہوتا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف: ۳۱)

''اے بنی آدم! ہر مسجد میں جاتے وقت (یا ہر نماز کے وقت) اپنا بناؤ کر لیا کرو۔''

یہاں مسجد کا لفظ اسم ظرف کے طور پر استعمال ہوا ہے، جو مساجد اور سجدہ کے اوقات یعنی نماز سب کو شامل ہے۔

نفاق کیا ہے؟

جب مدینہ منورہ میں اسلام غلبہ پانے لگا، اور مسلمان کو آئے روز فتوحات نصیب ہونے لگیں تو باقی ماندہ کفار مدینہ کے لیے اسلامیان مدینہ کا کھل کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ اس لیے انہوں نے ایک نیا حیلہ اختیار کیا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے، مگر دل سے کفار کا ساتھ دیتے، اور خفیہ طور پر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے۔ ان کے دلوں میں اسلام نہیں اترا۔ اسلام نے ان لوگوں کے لیے ''منافق'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جس سے مراد ہے اندر اندر سے نقصان پہنچانے والے۔

نفاق کفر سے بڑھ کر خطرناک اور برا ہے، اس لیے کہ اس کا ادراک آسان نہیں ہوتا۔ درج ذیل کے پیرائے میں مصنف اسی کے بارے میں بیان کر رہے ہیں:

۴۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والنفاق: أن يظهر الإسلام باللسان ويخفي الكفر بالضمير.))

''نفاق یہ ہے کہ: زبان سے اسلام کا اظہار کیا جائے اور کفر کو خفیہ طور پر (دل میں) چھپا کر رکھا جائے۔''

شرح: ...... نفاق یہ ہے کہ زبان سے اسلام و ایمان کا اظہار کیا جائے، اور دل میں کفر چھپایا جائے۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں: اعتقادی نفاق عملی نفاق۔

اعتقادی نفاق

یہ کفر اکبر ہے اور منافق اصلی کافر سے بھی برا ہے۔ اس لیے کہ اصلی کافر کا سب کو پتہ ہے کہ وہ کافر ہے؛ اس کے شر سے بچاؤ آسان ہے۔ مگر منافق مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے، اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان ہی میں سے ایک ہے۔ مگر وہ ان کا دشمن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ۝ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝﴾ (البقرہ: ۸، ۹)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان

نہیں رکھتے ۔ یہ (اپنے تئیں) اللہ تعالیٰ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (درحقیقت) اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتے؛ لیکن وہ انہیں شعور نہیں۔''

ان یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے خطرناک دشمن ہیں، ان سے بچ کر رہنا چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ﴾ (المنافقون: ٤)

''(اے پیغمبر) بڑے دشمن یہی لوگ ہیں ان سے بچ کر رہیں خدا کی ماران پر کدھر بہکے جا رہے ہیں۔''

اعتقادی نفاق اور ایمان کبھی بھی ایک جگہ پر جمع نہیں ہو سکتے ۔ اعتقادی منافق کی چند اہم نشانیوں کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ جھوٹ بولنا: جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ﴾ (المنافقون: ۱)

''اور جب یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ اور اللہ جانتا ہے کہ آپ یقیناً اس کے رسول ہیں؛ اور اللہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔''

۲۔ فساد مچانا، مگر اسے اپنی طرف سے اصلاح اور خیر کا نام دینا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ﴾ (البقرہ: ۱۱۔۱۲)

''(اور جب ان سے کہا جاتا ہے: زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں) آگاہ ہو جاؤ! یہی اصل فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔''

۳۔ شریعت کی پابندی کو حماقت جاننا: نظریہ رکھنا کہ صالح، شریعت اور صراط مستقیم پر چلنے والے مسلمان بیوقوف اور سادہ ہیں۔ فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۱۳)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسے ایمان لے آؤ جیسے باقی لوگ ایمان لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: کیا ہم ایسا ایمان لائیں جس طرح یہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں، آگاہ ہو جاؤ! اصل میں وہی بیوقوف ہیں، لیکن وہ جانتے نہیں۔''

۴۔ دین اور دینی امور میں شکوک وشبہات پیدا کرنا: دعوت، عمل، شریعت، جہاد، کے متعلق شکوک پیدا کرتے ہیں، فرمایا:

﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾

(الاحزاب: ۱۲)

''اور جب کہنے لگے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکہ اور فریب کا ہی وعدہ کیا ہے۔''

۵۔ ریاکاری: کیونکہ وہ عبادت کو بغیر مجبوری کے نہیں بجالاتے۔نماز زکوٰۃ، اور دیگر امور کے وقت ان کا نفاق ظاہر ہوجاتا ہے۔فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (النساء: ۱٤۲)

''بیشک منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں، اور وہ ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے۔اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں،صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں''۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أثقل الصلاة على المنافقين صلاة العشاء وصلاة الفجر ، ولو يعلمون ما فيهما ، لأتوهما حبواً .))

''منافقین پر سب سے گراں نمازیں فجر اور عشاء کی ہیں اور اگر وہ جان لیں کہ ان میں کتنا بڑا اجر ہے،تو وہ سرینوں کے بل چل کر آئیں۔''

٦۔ دین کا ٹھٹھہ اور مذاق اڑانا: شریعت کے احکام، ذات الٰہی، کتاب اللہ کی آیات، اور اس کے رسول کا مذاق اڑانا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ﴾ (التوبہ: ٦٥)

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے: تو وہ ضرور کہیں گے: ہم تو آپس میں ہنس بول رہے تھے۔آپ فرمادیں: کیا اللہ، اس کی آیتیں، اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے۔''

۷۔ دین کی سمجھ نہ حاصل کرنا: نہ اس پر عمل کرنا، نہ ہی اصول و مسائل کا سمجھنا؛ فرمایا:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (المطففین: ۱٤)

''یوں ہی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے۔''

۸۔ آپس میں ایک دوسرے برائی اور بے حیائی کے کاموں پر لگانا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ﴾ (التوبہ: ٦۷)

''تمام منافق مرد اور عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں، وہ بھلی باتوں سے روکتے اور بری باتوں کا حکم

دیتے ہیں۔''

عملی نفاق

عملی نفاق یہ ہے کہ انسان ظاہری اور باطنی طور پر مؤمن ہو، لیکن اس سے کوئی ایسا کام صادر ہو جائے جو کہ منافقین کی نشانی بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أربعة من كن فيه كان منافقاً خالصاً ؛ ومن كان فيه خصلة منها ، كان فيه خصلة من النفاق حتّى يدعها :إذا حدّث كذب ، وإذا وعد أخلف ، وإذا أوتمن خان ، وفي رواية:" إذا خاصم فجر)) ❶

''چار نشانیاں ایسی ہیں جس آدمی میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے ،اور جس میں ان میں سے ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی خصلت ہے یہاں تک کہ اسے ترک کردے : جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، اور ایک روایت میں ہے جب لڑائی جھگڑا ہو تو گالی دے۔''

٭ کسی مؤمن سے عملی نفاق کا کوئی کام تو ہوسکتا ہے، جو کہ اس کی ایمانی کمزوری کی دلیل ہے اور اس پر اس گناہ کی وعید بھی صادق آتی ہے، مگر وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتا۔

دار کی تقسیم

۴۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن دار الدنيا دار إيمان و إسلام .))

''اور جان لو کہ دنیا کا گھر ایمان اور اسلام کا گھر ہے۔''

شرح: ......امام ابوبکر اسماعیلی اپنی کتاب ''اعتقاد أہل السنۃ'' میں فرماتے ہیں:

''ان - اہل سنت - کا اعتقاد یہ ہے کہ دنیا اصل میں دار اسلام ہی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے بشریت کو اپنی عبادت کے بجالانے کے لیے اتارا ہے؛ تاکہ وہ اس روئے زمین سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے رب کا دم بھرتے رہیں۔ دنیا دارِ کفر نہیں ہے؛ جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے؛ جب تک آذان، نماز اور اقامت ہو رہی ہو، اور لوگ ان شعائر کے ادا کرنے پر قادر ہوں'' [تب ہی دار اسلام ہوگا]۔ لیکن ایسا ہوسکتا ہے کہ کفار کے غلبہ کی وجہ سے جب کافر ہی نگران و نگہبان ہوں تو دار کفر بن جائے۔'' ❷

---

❶ متفق عليه ؛ أخرجه البخاري (٣٤)، مسلم (٥٨)؛ من حديث عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

❷ اعتقاد أهل السنة" (ص ٥١ ؛ تحقيق جمال عزون)۔

چنانچہ کسی ملک یہ کہنا کہ وہ دار الکفر ہے یا دار الاسلام؛ یا وہاں پر جاری قوانین، قائم حکومت اور لوگوں کے غلبہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ نفاذ قوانین کے اعتبار سے حکومت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) دارالاسلام (۲) دارالکفر

پھر دارالاسلام کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) دارالاسلام حقیقی (۲) دارالاسلام حکمی

دارالاسلام حقیقی کی تعریف

اس ملک کو کہتے ہیں جہاں دستوری طور پر اسلامی قوانین اور اسلامی احکام نافذ ہوں، اور اس ملک کے قائدین و حکام مسلمان ہوں۔ امام ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((دارالاسلام هی التی نزلها المسلمون و جرت علیها احکام الاسلام .)) ❶

''دار اسلام وہ ہے جہاں مسلمان اترے ہوں، اور وہاں پر اسلامی احکام جاری ہوں۔''

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((تعبر الدار دارالاسلام بظهور احکام الاسلام فیها وان کان جل اهلها من الکفار)) ❷

''کسی ملک کا دار الاسلام ہونا اس وقت معتبر ہوگا جب وہاں پر اسلامی احکام جاری ہوں، اگر چہ وہاں کے رہنے والے اکثر کافر ہی کیوں نہ ہوں۔''

دارالاسلام حکمی

اس ملک کو کہتے ہیں جہاں مسلمانوں کو، اپنے بعض شعائر پر عمل کی اجازت ہو، مثلاً نماز، اذان، جمعہ وغیرہ، اگر چہ وہاں عالمی وضعی (خودساختہ یعنی انسان کے بنائے ہوئے نہ کہ اللہ کے نازل کردہ) قانون نافذ ہو، البتہ وہاں کے قائدین اور حکومتی کارندے مسلمان ہوں۔ اس وقت تمام اسلامی ممالک اسی حکم میں ہیں، کوئی ملک حقیقی دارالاسلام کا مصداق ومجاز نہیں ہے۔ ابن العابدین تحریر فرماتے ہیں:

((لو أجریت احکام المسلمین فی بلد و آحکام أهل الشرك فلاتکون دار حرب مادامت تحت سلطتنا)) ❸

''اگر کسی ملک میں مسلمانوں کے احکام بھی جاری ہوں، اور اہل شرک کے احکام بھی جاری ہوں، تو وہ ملک جب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، وہ دار حرب نہیں ہوسکتا۔''

---

❶ احکام اهل الذمه : ج ۲، ص ۸۲۷۔

❷ المبسوط: ج ۱۰، ص ۴۴۱۔

❸ (شامی : ج ۰۴، ص ۵۷۱) ان دارالفسق هی دارالاسلام۔ (نیل الاوطار: ج ۷، ص ۷۲)۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ ''السیل الجرار'' میں یہ بھی فرماتے ہیں:

''اعتبار کلمہ کے ظاہر ہونے کا ہے؛ اگر کسی ملک میں اہل اسلام کے اوامر اور نواہی جاری ہوں؛ اور وہاں پر موجود کفار اپنے کفر کے اظہار کی طاقت نہ رکھتے ہوں؛ سوائے اس کے کہ جن باتوں کی مسلمانوں نے ان کو اجازت دے رکھی ہو؛ تو ایسے ملک کو دار الاسلام کہا جائے گا اور اس میں کفریہ خصلتوں کا اظہار نقصان نہ دے گا۔ اس لیے کہ یہ کفار کی قوت سے ظاہر نہیں ہوئیں، اور نہ ہی اس میں ان کی کوئی چارہ گری ہے......
اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو ''دار'' بھی اس کے برعکس ہوگا۔'' ❶

دار کی ایک تقسیم وجود امن اور عدم امن کے اعتبار سے بھی ہے، جس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں، حالت جنگ اور حالت امن کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

(۱) **دار الحرب**: ...... جہاں حکومت مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہو، ان کے مال ان کے املاک، اور ان کی جان کو ختم کرنے یا نقصان پہنچانے کے درپے ہو، اور ہاں اسلامی دعوت کو ممنوع قرار دیا گیا ہو، اس ملک کو ''دار الحرب'' کہا جائے گا، اور اس کو ''دار الکفر، دار الشرک، دار المخالفین'' بھی کہا جا سکتا ہے۔

(۲) **دار الامن والعہد**: ...... جہاں حکومت تو اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہو، مگر وہ مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر چکی ہو، تو پھر اسے "دار الامن یا دار الکفر الآمنه یا دار العهد یا دار الکفر المعهودة" کہا جائے گا۔

بعض حضرات " دار حیاد" بھی ایک قسم قرار دیتے ہیں، ''دار حیاد'' اس ملک کو کہتے ہیں، جو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرے، کہ نہ وہ ان سے قتال کریں گے۔ نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کا تعاون کریں گے۔ شیخ ابو زہرہ اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے یہ قسم الگ شمار کی ہے۔ ❷

دار الکفر کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) دار الکفر حقیقی (۲) دار الکفر حکمی۔

(۱) **دار الکفر حقیقی**: ......اس ملک کو کہا جاتا ہے، جہاں پر زمام حکومت غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو، اور وہاں کا دستورِ اساسی بھی انہیں کا ہو، اور مسلمانوں کو شعائر اسلام بجا لانے کا قطعاً حق نہ ہو، بلکہ حکومت مسلمانوں کو ہلاک کرنے اور نقصان پہنچانے کے درپے ہو، مثلاً: روس جو کہ ۱۹۹۲ء سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کا کٹر دشمن رہا، اور اس وقت اسرائیل یا برما (میانمار)۔

((دار الکفر حقیقة: هی التی قصدها الفقهاء فی تعریفهم لدار الکفر و هی التی تظهر فیها احکام الکفر و یحکمها الکفار و انعدمت فیها مظاهر الدین تماماً بحیث لم یعد لها وجود متمیز ولا یوجد فیها مسلمون یؤدون واجباتهم الدینیة.)) ❸

---

❶ نیز اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے دیکھا جائے: أحکام الذمیین و المستأمنین فی دار الإسلام" (ص ۱۸ - ۲۱)۔

❷ العلاقات الدولیة فی الاسلام: ص ۸ ۰ ۱؛ آثار الرحب: ص ۷۹۱ ❸ تقسم العالم: ص ٥٦

"فقہاء کی تعریف میں دار کفر حقیقت میں وہ ہے جہاں کفر کے احکام غالب ہوں، اور جس پر کفار حکومت کرر ہے ہوں، اور جہاں پر دینی شعائر بالکل معدوم ہو چکے ہوں؛ کہ ان کے لیے کوئی جداگانہ وجود ہی نہ ہو، اور نہ ہی وہاں پر مسلمان ہوں جو دینی شعائر (واجبات) ادا کرر ہے ہوں۔"

(۲) **دارالکفر حکمي:** ......اس مملکت کو کہا جاتا ہے، جہاں حکومت تو غیر مسلموں کی ہو، دستور بھی ان کا ہو، مگر مسلمانوں کو اپنے شعائر کے بجالانے کی اجازت ہو، مثلاً: بعض یوروپی ممالک، بعض ایشیائی ممالک، بعض افریقی ممالک، جہاں مذکورہ صورت حال ہو، اس کو دارالاسلام اور دارالعہد بھی کہا جاتا ہے۔صاحبین نے دارالاسلام بن جانے کے لیے صرف اتنی شرط کافی رکھی ہے کہ وہاں اسلام کے احکام کھلم کھلا جاری ہوجائیں۔یعنی کثرت وعمومیت کے ساتھ احکام اسلامی کا اجراء دارالحرب کو دارالاسلام میں بدل دیتا ہے۔

(۱)...... ((ودار الحرب تصير دار الاسلام بإجراء أحكام الإسلام فيها، كجمعة و عيدين، وإن بقي فيها كافر أصلي، وإن لم تتصل بدار الإسلام.))

"دارالحرب اس وقت دارالاسلام میں بدل جائے گا جب وہاں اسلامی احکام مثلاً جمعہ وعیدین قائم ہوجائیں، اگرچہ اس علاقے میں کافر بھی ہوں، نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ علاقہ (کسی) دارالاسلام کے ساتھ متصل ہوجائے۔"

(۲)...... ((اعلم دار الحرب تصير دار الاسلام بشرط واحد وهو إظهار حكم المسلمين فيها.))

"یہ بات ذہن میں رکھو کہ صرف ایک ہی شرط ہے جس کے پائے جانے کے بعد دارالحرب، دارالاسلام میں بدل جاتا ہے، اور وہ ہے مسلمانوں کے احکام کا (اعلانیہ) ظاہر ہونا۔"

البتہ امام ابوحنیفہ اس کے ساتھ دو مزید شرطیں لگاتے ہیں، اول یہ کہ اس ملک کے مسلمانوں کو امان حاصل ہو، دوم یہ کہ وہ کسی دارالاسلام کے ساتھ متصل ہو۔

امت محمد کے مؤمن اور مسلم

اسلام؛ ایمان اور احسان کی تین اصطلاحیں شریعت محمدی میں استعمال کی جاتی ہیں۔ان میں سے پہلی دو اصطلاحوں کے متعلق علمائے کرام نے کافی بحث کی ہے۔اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان لا إله إلا الله محمد رسول الله کا اقرار کرلیتا ہے، تو وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے۔پھر جیسے جیسے وہ دینی احکام سیکھتا اور ان پر عمل کرتا ہے تو اس کا ایمان بڑھتا جاتا ہے۔ اسلام ایمان پر اس لحاظ سے مقدم ہے۔مگر جب بھی کسی کے بارے میں کہا جائے گا کہ فلاں انسان مؤمن ہے، تو اس سے مراد ہوگی کہ وہ مسلمان بھی ہے اور جب کہا جائے گا کہ وہ مسلمان ہے، تو اس سے مراد ہوگی

کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور باقی امور وعقائد شریعت پر ایمان رکھنے والا مؤمن بھی ہے۔ یعنی اسلام اور ایمان دونوں لفظ جب علیحدہ علیحدہ بولے جائیں تو اس سے دونوں امور مراد ہوتے ہیں، مگر جب ان کو اکٹھا بولا جائے تو اس سے مراد دو علیحدہ صفات ہوتی ہیں۔

ہمارے اس زمانے میں بعض گمراہ اور لادین فرقوں نے اپنے لیے خاص طور پر مؤمن کی اصطلاح ایجاد کر لی ہے۔ جو کہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی ایک کوشش ہے۔ ایسے لوگوں سے خبردار رہنا چاہیے اور ان کے صحیح مسلمان ہونے کے بارے میں تحقیق کر لینی چاہیے۔ اس لیے کہ ان کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا اثر ان کی زندگی پر بھی ہوتا ہے اور ان کے خاص احکام ہوتے ہیں، اور ان کے بعد بھی اس لحاظ سے احکام مرتب ہوتے ہیں۔

۴۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وأمة محمد ﷺ فيها مؤمنون ؛ مسلمون في أحكامهم ؛ ومواريثهم [و ذبحائهم]؛ والصلاة عليهم .))

''اور امت محمد ﷺ میں (اس دنیا میں احکام کے اعتبار سے) مؤمن ہیں، اور مسلمان ہیں وراثت و ذبیحہ کے اعتبار سے، اور ان کی نماز جنازہ کے اعتبار سے۔''

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (امت محمد ﷺ میں......مؤمن ہیں، اور مسلمان ہیں): اس سے مراد یہ ہے کہ تمام لوگ ایمان کے ایک درجہ پر نہیں ہوتے۔ ان میں سے بعض مؤمن ہوتے ہیں اور بعض مسلمان۔ اسلام بنیادی درجہ ہے، جب کہ ایمان اس سے اعلیٰ درجہ ہے۔ ایسے ہوسکتا ہے کہ کوئی انسان مسلمان بھی ہو، اور وہ پکا مؤمن و متقی ہو، اور کوئی انسان مسلمان ہو، مگر اس میں منافقین کی خصلتیں موجود ہوں؛ مگر ہر حال میں ایمان کی بنیاد تو موجود ہوتی ہے، مگر عمل میں فرق کی وجہ سے لقب میں اختلاف ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (الحجرات: ١٤)

''گنوار لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے (اے پیغمبر ان سے) کہہ دیں تم (ابھی) مومن نہیں ہوئے البتہ یوں کہو ہم مسلمان ہوگئے (تابعدار بن گئے) ابھی تو تمہارے دلوں میں ایمان داخل تک نہیں۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمانا کہ: (وراثت و ذبیحہ کے اعتبار سے......): مسلمان اگرچہ صرف ظاہری طور پر ہی مسلمان ہو، اس کے لیے مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے۔ مسلمان اس سے ولایت رکھیں گے، اگر وہ مرجائے تو اسے غسل اور کفن دیا جائے گا، اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا؛ اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی جائے گی۔ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہوگا، اگرچہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو اور اس کے گھر کا پکا ہوا کھانا بھی حلال ہوگا۔ جب کہ مشرکین، بت پرستوں، اور کھلم کھلا منافق اعتقادی کے لیے یہ احکام نہیں ہوں گے، نہ ہی

ان سے نکاح وغیرہ ہوگا، نہ ہی ان کی ولایت ہوگی؛ نہ ہی ان کی نماز جنازہ اور غسل وغیرہ ہوگا؛ نہ ہی ان کی بخشش کے لیے دعا کی جائے گی، اور نہ ہی ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

مؤمن ہونے کی گواہی

۴۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((و لانشهد لأحد بحقيقة الإيمان؛ حتى يأتي بجميع شرائع الإسلام؛ فإن قصر في شيءٍ من ذلك؛ كان ناقص الإيمان حتى يتوب؛ واعلم [أن] إيمانه إلى الله تعالىٰ ؛ تام الإيمان أو ناقص الإيمان ؛ إلا ما[أ ظهر] لك؛ من تضييع شرائع الإسلام .))

''ہم کسی کے لیے حقیقتِ ایمان کی گواہی اس وقت تک نہیں دے سکتے جب تک وہ تمام اسلامی شرائع پر عمل نہ کرلے ۔ اگر وہ ان میں سے کسی چیز میں کمی کرے گا تو ناقص الایمان ہوگا ؛ یہاں تک وہ توبہ کرلے اور جان لیں کہ اس کے ایمان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ۔ خواہ اس نے ایمان کو پورا کیا یا اس میں نقص کیا۔ سوائے اس کے جو آپ کے سامنے شرائع اسلام کے ضیاع کا اظہار کرے۔''

شرح: ......یعنی کسی بھی سبب کی بنا پر دین میں تفریق کرنے کی اور من پسند کے اختیار کرنے اور باقی کے ترک کرنے کی اجازت نہیں۔

کمال کے مدارج

کسی کے لیے کمال ایمان کی گواہی نہیں دے سکتے جب تک کہ وہ ظاہری طور پر اس کی جملہ شرائط کو پورا نہ کردے۔ اور کمال کے دو درجے ہیں: (۱) کمال مطلق (۲) کمال نسبی

کمال مطلق: ......اس کو اللہ عزوجل کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ سوائے اس کے کہ کسی کے لیے دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے، اور جبریل امین علیہ السلام کے لیے۔ اور جیسے باقی انبیاء اور ان ہستیوں کے لیے ثابت ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے مطلق طور پر تعریف کی ہے۔ ان کے لیے کمال ایمان کی گواہی دی جائے گی۔

کمال نسبی: ......ان کے علاوہ جتنے لوگ ہیں ان کے لیے کمال نسبی کی گواہی دی جائے گی ؛ مگر اس کے بارے میں حتمی اور دوٹوک طور پر کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس لیے کہ ایمان کے کئی مراتب ہیں۔ جن کو پورا کرنے سے ایمان بڑھتا ہے، اور ان میں کمی ہونے سے ایمان کم ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ (الانفال : ۲)

''مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔''

اور حدیث میں ہے:

((الإيمان بضع وسبعون شعبة ؛ اعلاها لا إله إلا الله ، وأدناها إماطة الأذى عن الطريق؛ والحياء شعبة من الإيمان)) ❶

''ایمان کے ستر اور کچھ درجے ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ " لا إله إلا الله " کا اقرار ہے؛ اور ادنی درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے؛ حیاء ایمان کا حصہ ہے۔''

اہل قبلہ کے احکام

۴۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والصلاة على من مات من أهل القبلة سنة ؛ والمرجوم ؛ والزاني ؛ والزانية؛ والذي يقتل نفسه؛ وغيرهم من أهل القبلة والسكران وغيره؛ الصلاة عليهم سنة .))

''اہل قبلہ میں سے جو کوئی مر جائے اس پر نماز جنازہ پڑھنا سنت ہے: (جیسے کہ) رجم کیا گیا، زانی مرد، زانی عورت۔ اور جو انسان خودکشی کرے، اور ان کے علاوہ دیگر اہل قبلہ؛ اور شرابی؛ اور ان کے علاوہ (دوسرے گنہگار)؛ ان پر نماز جنازہ پڑھنا سنت ہے۔''

شرح: ...... اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے اہل کبائر اپنے اسلامی حقوق میں اصل پر باقی رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اہل بدعت جن کی بدعات شرک سے کم درجہ کی ہیں، ان کا شمار بھی کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگوں میں ہوگا؛ جیسے کہ زانی؛ چور؛ خودکشی کرنے والا اور دوسرے گنہگار۔ ان کے بھی عام مسلمانوں کی ہی طرح حقوق ہیں، جیسے ان پر نماز جنازہ پڑھنا، ان کو غسل دینا، دفن کرنا؛ ان کی بخشش کی دعا کرنا؛ وراثت کی تقسیم وغیرہ۔

لیکن یہاں پر ایک بات کی وضاحت ضروری ہے: کبھی کبھار مسلمان عالم کو، اور ایسے انسان کو جس کی بات مانی جاتی ہو، ان حقوق کے ادا کرنے سے رک جانا چاہیے تا کہ باقی لوگ اسے دیکھ کر گناہوں سے باز آئیں یہ صرف بطور ڈراوے کے؛ اور برائی کے انکار؛ اور لوگوں کے لے وضاحت اور بیان کے لیے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا کرنے پر لوگوں کو اس آدمی پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ مقصود صرف تأدیب اور عبرت ہے۔

---

❶ رواه البخاري بلفظ : الإيمان بضع وسبعون شعبة ؛ والحياء من الإيمان۔" كتاب الإيمان، باب : دعائكم إيمانكم، برقم : ۹۔ ومسلم باب : شعب الإيمان، برقم: ۱۶۲۔

اہل قبلہ کی تکفیر کا حکم

۱۵۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا يخرج من أهل القبلة من الإسلام حتى يرد آية من كتاب الله [عز وجل]؛ أو يردّ شيئاً من آثار رسول الله ﷺ؛ أو يصلي لغير الله؛ أو يذبح لغير الله؛ وإذا فعل شيئاً من ذلك؛ فقد وجب عليك أن تخرجه من الإسلام۔

''اہل قبلہ میں سے کوئی انسان اس وقت تک اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب تک وہ کتاب اللہ کی کسی آیت یا کسی حدیث رسول اللہ ﷺ کا انکار کردے۔ یا غیر اللہ کے لیے نماز پڑھے یا غیر اللہ کے لیے ذبح کرے۔ جب وہ ان کاموں میں سے کوئی ایک کرے گا؛ تو واجب ہوتا ہے کہ اسے خارج از اسلام شمار کیا جائے۔ [جب تک وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ نام کا مؤمن اور مسلمان ہی رہے گا؛ حقیقت میں نہیں]۔''

شرح: ...... کسی ایک آیت یا حدیث کا انکار کرنا ایسے ہی ہے جیسے سب آیات اور احادیث کا انکار کرنا۔ مراد یہ ہے کہ آیت یا آیت کے مقتضی کو رد کرے۔ اس لیے کہ جو انسان صریح طور پر آیت کا ہی انکار کرتا ہے تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے؛ اگر چہ وہ اس کے معانی کا انکار نہ بھی کرے۔ اسی طرح دوسری اہم ترین چیز آیت کی ایک حقیقت یعنی اس کی ''تفسیر'' بھی ہے۔ سو جب اس آیت کے معانی لازمہ، جو ضرورت کے تحت معلوم اور طے شدہ ہیں، کا انکار بھی جو کوئی کرے گا تو بھی کافر ہو جائے گا۔

ایسے ہی جو شخص کسی ایسی چیز کا انکار کرے، جس کا معلوم ہونا ضروری ہو؛ خواہ وہ قرآن سے ثابت ہو یا حدیث سے؛ اس کے انکار کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

اس پیرائے میں دو قسم کے لوگ مقصود ہیں جو کہ اہل سنت والجماعت کے منہج کے مخالف ہیں:

خوارج: اور غالی فرقے جو کبیرہ گناہ کی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔

مرجئہ: جو کہتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے دل میں مؤمن ہے، تو ایمان کے ساتھ برائی کا کوئی بھی عمل نقصان نہیں دے گا اور نہ ہی نیک اعمال کا ترک کر دینا نقصان دہ ہوگا اگر چہ وہ اسلام کا کوئی ایک کام بھی نہ کرے۔

جب کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ان کے درمیان میں ہے۔ یہ کبیرہ گناہ کی وجہ سے کسی کو کافر بھی نہیں کہتے؛ جب تک کہ اس میں کفر و شرک نہ پایا جائے۔ لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ اصلِ ایمان کے باوجود برے اعمال کرنا، یا نیک اعمال ترک کرنا انسان کے ایمان کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس لیے کہ ایمان کم ہوتا اور بڑھتا ہے، نیک اعمال کرنے سے بڑھتا ہے، اور برے اعمال کرنے سے کم ہوتا ہے۔

مصنف کا فرمان: (غیر اللہ کے لیے نماز پڑھے......): یعنی کسی قبر و قبہ پر یا مزار و درگاہ کے سامنے یا بت کے لیے

سجدہ نہ کرے۔

غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا مصنف رحمہ اللہ کے دور سے پہلے نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ اہل جاہلیت جو کچھ کرتے تھے۔ مصنف رحمہ اللہ کے دور میں غالی قسم کے صوفیوں اور رافضیوں نے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا شروع کیا۔ اسی پر مصنف رحمہ اللہ ردّ کررہے ہیں۔ اس سے پہلے اسلاف کے دور میں اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی مسلمان ہونے کا دعوی کرنے والا غیر اللہ کے لیے ذبح کرے۔ چونکہ تمام کام شرکیہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)

''کہہ دے میری نماز اور قربانی (یا ہر ایک عبادت یا دین) اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو یہی حکم ہوا ہے اور میں (اس امت میں) سب سے پہلے اس کا تابعدار ہوں۔''

غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا ایک کھلم کھلا شرک ہے؛ جو اللہ تعالیٰ کو کسی بھی صورت میں پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو اپنی مقدس کتاب میں حرام قرار دیا ہے، ان میں سے ایک غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾

(المائدہ: ۳)

''حرام ہے تم پر مردار (جو اپنی موت سے مرجائے) اور خون (بہتا ہوا جیسے دوسری آیت میں ہے) اور سور کا گوشت اور جس جانور پر خدا کے سوا اور کسی کا نام پکارا جائے در جو گلا گھٹ کر مرے اور جو چوٹ لگ کر مرے اور جو گر کر مرے اور جو سینگ لگ کر مرے اور جس کو کسی درندہ نے پھاڑ کھایا ہو مگر جب تم اس کو (مرنے سے پہلے) حلال کرلو اور جو تھانوں پر ذبح کیا جائے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (النحل: ۱۱۵)

''اس نے تو تم پر (کچھ) حرام نہیں کیا مگر مردار اور خون اور سُور کا گوشت اور جس جانور پر اللہ کے سوا اور کسی کا نام پکارا جائے پھر جو شخص (مارے بھوک کے) بے قرار ہو (اور دوسرے بھوکے پر) ظلم نہ کرے نہ کرے

ضرورت سے زیادہ کھائے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زبان سے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے، اور ایسا کرنے والے پر لعنت کی ہے، آپ فرماتے ہیں:

((لعن اللّٰہ من لعن والِده ولعن الله من ذبح لِغيرِ اللّٰهِ ولعن الله من آوى محدِثاً ولعن الله من غيّر منار الأرضِ)) ❶

"اللہ تعالیٰ اس انسان پر لعنت کرے جس نے اپنے ماں باپ پر لعنت کی؛ اللہ تعالیٰ اس انسان پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا، اور اللہ تعالیٰ اس انسان پر لعنت کرے جس نے کسی بدعتی کو ٹھکانہ دیا، اور اللہ تعالیٰ اس انسان پر لعنت کرے جس نے زمین کے نشان تبدیل کیے۔"

جب کوئی انسان ایسا کرے یعنی: غیر اللہ کو سجدہ کرے، یا غیر اللہ کے لیے ذبح کرے، یا غیر اللہ کے لیے کوئی دوسری عبادت بجالائے، تو آپ پر واجب ہو جاتا ہے کہ آپ اعتقاد رکھیں کہ وہ انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے، لہٰذا اب اس سے مسلمانوں والا برتاؤ نہ کرو۔ اگر کسی سے ایسی کوئی حرکت ظاہر نہیں ہوتی تو اس کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے ساتھ مسلمانوں والا برتاؤ کیا جائے گا، اور اس کے باطن کو اللہ کے سپرد کیا جائے گا۔

توضیح :......مصنف رحمہ اللہ نے اس پیرائے کے شروع میں فرمایا تھا: (اسلام کے اہل قبلہ میں سے کوئی انسان اس وقت تک خارج نہیں ہوتا......)

چونکہ خوارج؛ معتزلہ؛ خوارج؛ قدریہ، جہمیہ اور موجودہ دور میں قادیانی اور ذکری فرقوں میں سے بعض کلمہ گو ہونے کا بہانہ بنا کر اپنے کفریہ عقائد کے حق حجت پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: آئمہ اسلام کا قول ہے: " لا نكفِّرُ أهلَ القبلة" "ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے۔" اس لیے اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر اس مسئلہ کی وضاحت کر دی جائے۔ اس قول کی بنیاد اس حدیث پر ہے: حضرت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قال رسول الله ﷺ :((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله ، فإذا قالوها ، وصلوا صلاتنا ، واستقبلوا قبلتنا ، وذبحوا ذبيحتنا ، فقد حرمت علينا دماهم وأموالهم ، إلا بحقها وحسابهم على الله))۔ وفي الرواية : سأل ميمون بن سياه ، أنس بن مالك؛ قال : يا أبا حمزة ! ما يحرم دم العبد وماله ؟ فقال :من شهد أن لا إله إلا الله ، واستقبل قبلتنا ، وصلى صلاتنا ، وأكل ذبيحتنا ، فهو المسلم ، له ما للمسلم ، وعليه ما على المسلم)) ❷

❶ صحیح مسلم ؛باب : تحریم الذبح لغیر الله تعالیٰ و لعن فاعله ؛حدیث نمبر ۵۲۳۹۔

❷ صحیح البخاری ؛کتاب الصلاة؛ أبواب استقبال القبلة؛باب فضل استقبال القبلة يستقبل بأطراف رجليه ؛ حديث : ۳۸۸.

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا إله إلا الله کا اقرار کرلیں؛ جب وہ اس کا اقرار کرلیں؛ اور ہماری نمازوں کی طرح نمازیں پڑھیں، اور ہمارے قبلہ کو قبلہ اپنائیں، اور ہمارے ذبیحہ کی طرح ذبح کریں، تو یقیناً ان کا خون اور ان کا مال ہم پر حرام ہو جاتا ہے، سوائے اس کے حق کے، اور ان کا حساب اللہ پر ہے'' اور ایک روایت میں ہے: میمون بن سیاہ نے مالک بن انس سے سوال کیا، اور کہا: اے ابوحمزہ! کون سی چیز انسان کے خون اور مال کو حرام کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں؛ اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، اور ہماری نمازیں پڑھے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہیں جو مسلمان کے ہیں، اور اس پر وہی واجبات ہیں، جو مسلمان پر ہیں۔''

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں:

((إن النبي ﷺ قال: ((من استقبل قبلتنا؛ وأكل ذبيحتنا فهو المسلم له ما للمسلم، وعليه ما على المسلم، وحسابه على الله)) ❶

بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' جس نے ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا، اور ہمارا ذبیحہ کھایا، پس وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہیں جو مسلمان کے ہیں، اور اس پر وہی واجبات ہیں، جو مسلمان پر ہیں، اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔''

'' لا نكفِّرُ أهلَ القبلة'' کس کا مسلک ہے؟

اہل حق کا یہ مذکورہ بالا قول (کہ جب تک اہل قبلہ میں سے کوئی شخص ضروریاتِ دین کا انکار نہ کرے اسے کافر نہ کہا جائے) یہ شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ اور بیشتر اشاعرہ کا مذہب ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے مذکورہ ذیل قول سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں بجز خطابیہ کے اور باقی گمراہ فرقہ والوں کی شہادت رد نہیں کرتا (یعنی کافر نہیں سمجھتا) اس لیے کہ یہ خطابیہ جھوٹ بولنے کو حلال سمجھتے ہیں۔ ''منتقی'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق بھی یہی نقل کیا ہے کہ ''امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا، یہی اکثر و بیشتر فقہا حنفیہ کا مسلک ہے، ہاں بعض فقہا حنفیہ ہر اہل حق کے مخالف کو کافر کہتے ہیں۔''

اہل قبلہ کون ہیں؟

ملا علی قاری رحمہ اللہ ''شرح فقہ اکبر'' میں فرماتے ہیں:

---

❶ جامع معمر بن راشد؛ باب الإيمان والإسلام؛ حديث: ٧١٨۔ جامع البيان في تفسير القرآن للطبري؛ سورة البقرة؛ القول في تأويل قوله تعالى: ﴿ ومن حيث خرجت فول وجهك ... وأما قوله: إلا الذين ظلموا منهم؛ حديث: ٢٠٨٤.

''یاد رکھو! اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو ضروریات و مہماتِ دین مثلاً: حدوثِ عالم، حشر جسمانی، ہر ہر کلی و جزئی پر علم الٰہی کے محیط ہونے اور اسی قسم کے اہم اور بنیادی مسائل میں اہل حق کے ساتھ متفق ہوں۔ چنانچہ جو شخص تمام عمر شرعی احکام و عبادات کی پابندی کرتا رہے مگر عالم کو قدیم مانتا ہو یا حشر جسمانی کا انکار کرتا ہو یا اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہ مانتا ہو، وہ ہرگز اہل قبلہ میں سے نہیں ہے۔ (وہ تو بلا اختلاف سب کے نزدیک کافر ہے)۔ نیز علماء اہل سنت کے نزدیک کسی اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب یہی ہے کہ: کسی کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے جب تک کہ اس میں کوئی کفر کی علامت یعنی کوئی کفریہ قول یا فعل نہ پایا جائے اور کوئی موجب کفر امر اس سے سرزد نہ ہو (گویا کسی مسلمان سے اگر کوئی بھی کفریہ قول یا فعل سرزد ہو یا اس میں کوئی بھی علامت کفر کی پائی جائے تو وہ اہل قبلہ سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے اگرچہ وہ خود کو مسلمان کہتا رہے اور مسلمانوں کی طرح عبادات و احکامِ شریعت کا پابند بھی ہو۔'' ❶

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کشف'' ❷ شرح 'بزدوی'' میں اجماع کے تحت اور آمدی کی کتاب ''الاحکام'' ❸ میں ''مسئلہ سادسہ'' کے تحت بعینہ یہی تحقیق مذکور ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ ❹ ''رد المحتار'' میں مسئلہ ''امامت'' کے تحت اور ج:۱ص:۶۲۲ مسئلہ ''انکارِ وتر'' کے تحت فرماتے ہیں: ''اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جو ضروریاتِ اسلام (دین کے یقینی اور قطعی عقائد و احکام) کا مخالف ہو اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور ساری عمر عبادات و طاعات کا پابند رہا ہو، جیسا کہ (شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے) ❺ ''شرح تحریر'' میں بیان کیا ہے۔'' (صاحب البحر الرائق رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ: حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کے اس قول کی مراد کہ: ''کسی اہل حق کے مخالف شخص یا فرقہ کو کافر نہ کہا جائے'' یہ ہے کہ وہ شخص یا فرقہ ان مسلمہ اصولوں کا مخالف نہ ہو جن کا دین ہونا معروف اور یقینی ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔''

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اہل قبلہ کی تکفیر مسئلہ

ابن عابدین (علامہ شامی رحمہ اللہ) کی ''شرح منحتہ الخالق علی البحر الرائق'' ج۱ص:۳۷۱ باب الامامۃ میں ذیل کی تصریح امام صاحب کے قول کی تصریح میں وارد ہوئی ہے:

((وحرر العلامة نوح آفندی أن مراد الامام بما نقل عنه ما ذکره فی "الفقه الاکبر" من عدم التکفیر بالذنب، الذی هو مذهب أهل السنة والجماعة، تأمل.)) ❻

---

❶ ''شرح فقه اکبر'' ص ۱۸۵ ۔
❷ ''کشف'' شرح 'بزدوی'' ج۳ ص ۲۳۸ ۔
❸ ''الاحکام'' ج ۱ ص ۳۲۶ ۔
❹ ''رد المحتار'' ج ۱ ص۳۷۷، طبع جدید ۱۳۲۴ھ ص۵۲۴ ۔
❺ ''شرح تحریر'' ص ۵۲۵۔

''علامہ نوح آفندی کی تحقیق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جو اہل قبلہ کی تکفیر کی ممانعت منقول ہے، اس سے مراد وہی ہے جو''فقہ اکبر'' میں مذکور ہے کہ گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کی جائے جو اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، اچھی طرح سمجھ لو۔''

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ممانعت تکفیر اہل قبلہ کا مسئلہ سب نے صرف ''منتقی'' کے حوالہ سے ہی نقل کیا ہے، جیسا کہ''شرح مقاصد'' میں تصریح کی ہے اور محقق ابن امیر حاج نے''شرح تحریر'' میں ''منتقی'' کی عبارت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

((ولا نكفر أهل القبلة بذنب .)) ❶

''اور ہم تو کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے۔''

دیکھئے! اس عبارت میں ''بذنب'' کی قید موجود ہے، درحقیقت امام ابوحنیفہ کا یہ قول (جیسا کہ علامہ نوح آفندی کی تحقیق ہے) صرف ''معتزلہ'' اور''خوارج'' کی تردید کے لیے ہے، (کہ خوارج تو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے مسلمان کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ ایمان سے خارج اور مخلد فی النار کہتے ہیں لیکن ہم اہل سنت والجماعت نہ اس کو کافر کہتے ہیں نہ خارج از اسلام اور مخلد فی النار بلکہ اس کو مسلمان اور لائق مغفرت مانتے ہیں) اس لیے کہ جملہ کا انداز بتلا رہا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ ان لوگوں پر تعریض کر رہے ہیں جو ایک مؤمن مسلمان کو بغیر کسی کفریہ قول یا فعل کے سرزد ہوئے محض کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر اور خارج از اسلام قرار دے دیتے ہیں۔

لیکن کلماتِ کفر کہنے پر بھی اگر کسی کو کافر نہ کہا جائے گا تو پھر ان کلمات کو''کلماتِ کفر'' نہ کہنا چاہیے، اور یہ محض فریب اور مغالطہ ہے۔

یہی بات حضرت شاہ جی سے پہلے شیخ الاسلام حضرت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ''کتاب الایمان'' میں مندرجہ ذیل تصریح کے ساتھ موجود ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

((ونحن إذا قلنا أهل السنة متفقون على أنه لا يكفر بذنب فإنما نريد به المعاصي كالزنا)) ❷

''ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہ کہا جائے تو اس گناہ سے ہماری مراد زنا و شراب خوری وغیرہ معاصی ہوتے ہیں۔''

علامہ قونوی نے''شرح عقیدہ طحاویہ ص: ۲۴۶ میں پوری طرح اس کی وضاحت کی ہے۔

---

❶ شرح مقاصد" ص ٢٦٩ اور "مسایره" ص ٢١٤ طبع جديد مصر، ۔ محقق ابن امیر حاج "شرح تحریر"ج٣ ص٣١٨ ۔

❷ کتاب الایمان"طبع قديم ١٣٢٥ ه ص١٢١۔

ملحدوں اور زندیقوں کا دجل وفریب

(غرض ائمہ کرام رحمہم اللہ کے قول: "لا نکفر اهل القبلة۔" سے ملحدوں اور زندیقوں نے از راہِ دجل وفریب بہت زیادہ ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، اور ہمیشہ تکفیر سے بچنے کے لیے ائمہ کے اس قول کو بطور سپر استعمال کیا ہے) اسی لیے بہت سے ائمہ تو یہ کہنے سے بھی احتراز کرتے ہیں " لا نکفر احداً بذنب " (ہم کسی کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے) بلکہ وہ کہتے ہیں:

((إنا لا نكفرهم بكل ذنب كما يفعله الخوارج .)) ❶

"ہم ہر گناہ کی وجہ سے ان کو اس طرح کافر نہیں کہتے جیسے خوارج کہتے ہیں۔"

چنانچہ "فقہ اکبر" ص: ۱۹۶ میں بحث ایمان کے تحت علامہ قونوی رحمہ اللہ سے (اسی مشہور ومعروف مقولہ: " لا نكفر أحداً بذنب" کے تحت صرف "فسادِ عقیدہ" کی صورت میں) تکفیر کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے:

((وفي قوله بذنب إشارة إلى تكفيره بفساد اعتقاده، كفساد اعتقاد المجسمة، والمشبهة، ونحوهم، لأن ذلك لا يسمى ذنبا، و الكلام في الذنب .)) ❷

"بذنب کے لفظ میں اس امر کی جانب اشارہ موجود ہے کہ فسادِ عقیدہ کی بنا پر ضرور کافر کہا جائے گا جیسا کہ مشبہ اور مجسمہ وغیرہ کے فاسد عقیدے، کہ ان کو ان کے فاسد عقائد کی بنا پر کافر کہا جاتا ہے، (نہ کہ کسی گناہ کی بنا پر، اور ظاہر ہے کہ فسادِ عقیدہ کو گناہ نہیں کہا جا سکتا) اور ہماری بحث گناہ (یعنی معصیت) سے ہے۔"

یہی فرق امام طحاوی کے کلام سے المعتصر باب التفسير میں ص: ۳۴۹ پر منقول ہے، اور امام غزالی نے "اقتصاد" کے آخر میں بھی یہی فرق بیان فرمایا ہے۔

(حاصل یہ ہے کہ کسی گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہ کہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کفریہ عقائد واعمال کی وجہ سے بھی اسکو کافر نہ کہا جائے بلکہ "بذنب" کی قید سے یہ صاف ظاہر ہے کہ تکفیر سے ممانعت کا حکم صرف "گناہ تک" محدود ہے اور صرف مسلمان کے لیے ہے اور کفریہ عقائد واعمال اختیار کر لینے کے بعد تو وہ مسلمان اور اہل قبلہ میں سے نہیں رہتا)

ایک عوامی شبہ اور اس کا ازالہ

بعض بھائیوں کا کہنا ہے کہ ہم ایسے شخص کو کیسے کافر کہہ سکتے ہیں جو کلمہ طیبہ کا اقرار کرتا ہے۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ کیا یہ شریعت کی تعلیمات میں تضاد ہے یا کسی کی بنائی ہوئی بات؟

اس مسئلہ کی بے نظیر تحقیق حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے فتاوی عزیزیہ جلد ۱ صفحہ ۴۳ پر کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "علامہ تفتازانی رحمہ اللہ شرح العقائد میں فرماتے ہیں: علماء اہل کلام کے ان دو اقوال کو جمع کرنا بہت دشوار ہے:

❶ شرح فقہ اکبر ص ۲۰۰ طبع مجتبائی، دھلی

۱۔ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے۔

۲۔ جو شخص قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو، یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کو محال کہتا ہو، یا شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو سب وشتم کرتا یا ان پر لعنت بھیجتا ہو، (اگر چہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو) اس کو ضرور کافر کہا جائے۔ اب مسئلہ میں کچھ نامور علمائے کرام کی تحقیقات پیش خدمت ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیق

آپ اپنی مشہور زمانہ کتاب الصارم المسلول میں ص ۱۵۴ پر فرماتے ہیں: ''امام ابو یعقوب ابراہیم بن اسحق حنظلی رحمہ اللہ نے جو ابن راہویہ کے نام سے مشہور اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے پایہ کے امام ہیں، فرمایا ہے کہ

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کیا، یا اللہ کی نازل کردہ کسی بھی چیز کو رد کیا، یا کسی بھی نبی کے قتل کا مرتکب ہوا، وہ قطعاً کافر ہے، اگر چہ وہ ما أنزل اللہ-شریعت-کا اقرار بھی کرتا ہو۔''

نیز کتاب الایمان کے ص ۸۴ پر امام حنبل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام حمیدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''مجھے بتلایا گیا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: ''جو شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج (وغیرہ تمام ارکان دین) کا اقرار تو کرتا ہے، مگر مرتے دم تک ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کرتا، (نہ صرف یہ) بلکہ ساری عمر قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھتا رہے، وہ بھی مسلمان ہے جب تک [قبلہ کا] انکار نہ کرے، جبکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ: ''ارکان دین کو عملاً ترک کرنے کے باوجود میں مؤمن ہوں، اس لیے کہ میں ان تمام فرائض اور استقبال قبلہ کا اقرار کرتا ہوں''، (یعنی اس کا عقیدہ یہ ہو کہ مومن ہونے کے لیے صرف زبان سے اقرار کر لینا کافی ہے، عمل کرنا ضروری نہیں)۔ امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے یہ سن کر کہا:

''یہ تو کھلا ہوا کفر ہے، اور یہ حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء اسلام کے فیصلہ کے خلاف ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البینہ: ۵)

''اور انہیں صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اس کی بندگی کریں یکسو ہو کر، اسکے دین پر چلیں اور۔''

اس کے بعد کہتے ہیں: ''میں نے ابو عبداللہ أحمد بن حنبل سے بھی سنا کہ جو شخص اس کا قائل ہو (کہ ایمان کے لیے صرف اقرار کافی ہے، عمل ضروری نہیں) وہ کافر ہے، اس لیے کہ اللہ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو اس نے رد کر دیا۔''

علامہ شمس الدین خیالی کی تحقیق

محقق شمس الدین خیالی حاشیہ ''شرح عقائد'' میں فرماتے ہیں:

''علماء اہل سنت کا اصول ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے۔''اس سے مراد یہ ہے کہ اجتہادی مسائل کے انکار پر (کسی اہل قبلہ کو) کافر نہ کہا جائے؛ اس لیے کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کرے، اس کی تکفیر میں مطلقاً کوئی اختلاف نہیں ہے، (ایسا شخص متفقہ طور پر کافر ہے)۔ علاوہ ازیں یہ اُصول (کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے) صرف امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ اور ان کے بعض متبعین کا قول ہے ۔ باقی تمام اشاعرہ شیخ اشعری سے اس اصول میں متفق نہیں ہیں؛ اور یہی وہ تمام اشاعرہ ہیں جو معتزلہ اور شیعہ کو ان کے بعض عقائد (جس کا اوپر تذکرہ آیا ہے) کی بنا پر کافر کہتے ہیں۔ لہٰذا ان ہر دو اقوال کو جمع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لیے کہ قول اُول کے قائلین خود آپس میں متفق نہیں ہیں۔''

علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا اعتراض

آپ فرماتے ہیں:

''اور دوسرا جواب اس پر مبنی ہے کہ دونوں قولوں کے قائلین الگ الگ ہیں، (حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، بلکہ) جو لوگ اس اصول کے قائل ہیں، وہی عقیدہ خلق قرآن پر، سب وشتم پر، عالم کو قدیم ماننے پر، علم جزئیات کے انکار پر تکفیر بھی کرتے ہیں۔''

میر سید شریف کی تحقیق

آپ ''شرح مواقف'' میں فرماتے ہیں: ''یاد رکھو اہل قبلہ کو کافر نہ کہنا یہ شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ اور فقہاء کی تحقیق ہے،۔جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا۔لیکن جب ہم گمراہ فرقوں کے عقائد کی چھان بین کرتے ہیں تو ان میں بہت سے ایسے عقائد ملتے ہیں جو قطعاً موجب کفر ہیں؛ مثلاً:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور معبودِ۔برحق۔کے وجود یا کسی انسان میں اس کے حلول سے متعلق عقائد۔

۲۔ یا محمد ﷺ کی نبوت کے انکار یا آپ ﷺ کی توہین وذم سے متعلق عقائد و اقوال

۳۔ یا محرمات شرعیہ کا حلال اور فرائض شرعیہ کو ساقط قرار دینا۔ (لہٰذا ہم شیخ اشعری اور فقہاء رحمہم اللہ کے اس اصول سے اتفاق نہیں کر سکتے، بلکہ اگر کوئی مسلمان فرقہ موجب کفر عقائد، واعمال واقوال کو اختیار کرے گا، تو ہم اس کو ضرور کافر کہیں گے، اگرچہ وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا اور خود کو مسلمان کہتا ہو)''[1]

علامہ شامی رحمہ اللہ ردّ المحتار ج۱/ ۳۷۷، مسئلہ امامت کے تحت اور ج۱ ص۶۲۲ مسئلہ ''انکارِ وتر'' کے تحت

[1] مزید دیکھو: اکفار الملحدین ۱۰۴۔

فرماتے ہیں:

''اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جو ضروریات اسلام (دین کے یقینی اور قطعی عقائد واحکام) کا مخالف ہو، اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو، اور ساری عمر عبادات و طاعات کا پابند رہا ہو، جیسا کہ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے ''شرح تحریر'' میں بیان کیا ہے۔''

علامہ انور شاہ صاحب

آپ فرماتے ہیں: ''مختصر یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن اشعری اور فقہاء کا یہ قول: '' لا نکفر أحداً من أهل القبلة'' ہم اہل قبلہ میں سے کسی ایک کی تکفیر نہیں کرتے۔'' ایک مجمل قول ہے، جو کہ تفصیل کا محتاج ہے۔ بیشک یہ اپنے عموم پر باقی ہے، لیکن اہل قبلہ اور غیر اہل قبلہ کی تعین اور تمیز نہایت اہم تفصیل کو چاہتی ہے کہ اہل قبلہ کون ہے اور کون نہیں؟ (جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے)۔ ❶

خلاصہ وحاصل کلام

مصنف رحمہ اللہ اس باب میں علمائے امت کی مذکورہ بالا عبارات وتصریحات سے مندرجہ ذیل امور کو ثابت فرمانا چاہتے ہیں: امت مسلمہ کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ ضروریاتِ دین یعنی وہ مجمع علیہ عقائد و احکام جن کا دین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونا قطعی اور یقینی ہے ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے اور منکر قطعاً کافر ہے اگرچہ وہ قبلہ سے منحرف نہ بھی ہو اور خود کو مسلمان بھی کہتا ہو۔

کفر صریح یعنی کفریہ عقائد و اقوال و اعمال کا ارتکاب قطعاً کفر اور ان کا مرتکب یقیناً کافر ہے، اگرچہ وہ خود کو مسلمان سمجھتا رہے اور صوم وصلوٰۃ وغیرہ عبادات واحکام شرعیہ کا پابند ہو۔

متکلمین کی اصطلاح میں ''اہل قبلہ'' سے مراد وہ مؤمن کامل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پورے دین پر ایمان رکھتا ہو۔ کفریہ عقائد واعمال کا ارتکاب کرنے والے یا ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والے انسان کو ''اہل قبلہ'' میں سے ماننا یا کہنا یا تو ناواقفیت پر مبنی ہے یا فریب اور دھوکہ ہے۔

''اہل قبلہ'' کی اصطلاح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جس روایت سے ماخوذ ہے، اس کا تعلق امیر یا حاکم سے ہے، نہ کہ عام مسلمانوں سے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امیر یا حاکم جب تک ''شعائر دین'' کا احترام کرتا رہے، اس کی اطاعت واجب اور اس کے خلاف بغاوت ممنوع ہے، لیکن اگر وہ بھی ''کفر صریح'' کا ارتکاب کرے تو اسلام سے خارج اور اس کے خلاف بغاوت جائز ہے۔

'' لا نكفر أهل القبلة'' یا ''اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں'' یہ ائمۃ اہل سنت میں سے ہرگز کسی کا قول نہیں بلکہ

---

❶ اکفار الملحدین: ۴۰۸۔

جاہلوں یا زندیقوں اور ملحدوں کا گھڑا ہوا مقولہ ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''غرض یہاں یہ ہے کہ جیسے ارتداد سب وشتم کے بغیر بھی متحقق ہوسکتا ہے اسی طرح تبدیلی مذہب کے قصد اور تکذیب رسول کے ارادہ کے بغیر بھی متحقق ہوسکتا ہے، (یعنی کسی بھی موجب ارتداد قول وفعل کا ارتکاب انسان کے مرتد ہوجانے کے لیے کافی ہے، قصد وارادہ کا مطلق دخل نہیں) جیسے کہ ابلیس ''انکارِ ربوبیت'' کا قصد کیے بغیر (محض آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار واستکبار کی وجہ سے) کافر ہوگیا (حالانکہ ''یا رب'' کہہ رہا ہے) اگرچہ اس قصد (تبدیل مذہب وارادہ تکذیبِ رسول) کا نہ ہونا اس شخص کے لیے ایسا ہی مفید نہیں جیسا کلمہ کفر کا زبان سے کہنا ہی موجب کفر ہے، خواہ کہنے والا کافر ہونے اور مذہب تبدیل کرنے کا قصد وارادہ کرے یا نہ کرے، ایسے ہی محض زبان سے موجب ارتداد کلمہ کا کہنا ہی مرتد ہونے کے لیے کافی ہے، تبدیل مذہب کے قصد اور تکذیبِ رسول کے ارادہ کی نہ ضرورت ہے نہ کوئی فائدہ)......اس کے بعد فرماتے ہیں: (علاوہ ازیں) اس شخص نے (موجب ارتداد قول یا فعل کا ارتکاب کر کے) محض اعتقاد کی تبدیلی کا اظہار نہیں کیا کہ دوبارہ اس عقیدہ کی جانب رجوع کر لینے (اور توبہ کرنے) سے اس کی جان و مال محفوظ ہو جائے (اور پاداش ارتداد یعنی قتل سے بچ جائے) بلکہ یہ توہین دین اور ایذاء مسلمین کا مرتکب ہوا ہے، (اس کی سزا اس کو ضرور دی جائے گی) اور یہ قول (یعنی زبان سے کلمہ ارتداد کہنا) تغیر اعتقاد کے لیے لازم بھی تو نہیں (ہوسکتا ہے کہ اعتقاد نہ بدلا ہو اور محض ایذاء مسلمین کے لیے یہ کلمہ کہتا ہو یا اعتقاد بدل جائے اور زبان سے اظہار نہ کرے) تاکہ اس قول (کلمہ ارتداد) کا حکم تغیر اعتقاد کے حکم کی مانند ہوجائے (اور توبہ قبول کرلی جائے، درحقیقت موجب ارتداد قول یا فعل کا ارتکاب بجائے خود ارتداد اور اس کی پاداش میں قتل کو موجب ہے، اعتقاد کی تبدیلی کا اس میں کچھ دخل نہیں)۔'' آگے چل کر فرماتے ہیں: ''اور اس جہت سے کہ اس شخص کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے یا کہا جاسکتا ہے کہ: اعتقاد برقرار ہونے کے باوجود ایسا کلمہ زبان سے نکل جاتا ہے تو پھر ایسے شخص سے یہ بھی کلمہ ارتداد سرزد ہوسکتا ہے جو ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونے کا ارادہ نہ کرے، (تو اس کو بھی مرتد اور واجب القتل نہ کہنا چاہیے) اور ظاہر ہے کہ اس کا فساد قصداً تبدیل مذہب کے فساد سے بہت زیادہ ہے، اس لیے کہ تبدیل مذہب کو تو وہ جانتا ہے کہ یہ کفر ہے، لہٰذا کفر کے نتائج بد اسکو تبدیل مذہب سے باز رکھیں گے اور اس (زبان سے کلمہ کفر وارتداد کہنے) کو وہ اس وقت تک کفر (وارتداد) نہیں سمجھتا جب تک حلال جان کر سرزد نہ ہو بلکہ اس کو وہ صرف معصیت سمجھتا ہے حالانکہ یہ سب سے بڑا کفر ہے، (حاصل یہ ہے کہ اگر زبان سے کلمہ ارتداد وکفر کہنے والے کی تکفیر وحکم ارتداد لگانے میں تبدیل مذہب کے قصد وارادہ کی شرط کو معتبر مان لیا جائے گا تو ایک عظیم تر کفر یعنی

توہین دین و ایذاء مسلمین کا دروازہ کھل جائے گا اور زبان سے کلمہ ارتداد و کفر کہنے کا خوف دلوں سے نکل جائے گا) ❶

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ تحقیق نقل کرنے کے بعد حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث میں لفظ ''مروق'' کا مطلب یہی ہے کہ وہ دین سے نکل جائیں گے اور ان کو پتہ بھی نہ چلے گا، اس لفظ کے لغوی معنی کا تقاضہ اور حق بھی یہی ہے (یعنی ''مروق'' اور ''خروج'' میں فرق ہی یہ ہے کہ ''مروق'' ایسے نکل جانے کو کہتے ہیں کہ نکلنے کا احساس نہ ہو اور نکل جائے، بخلاف ''خروج'' کے کہ اس میں یہ شرط معتبر نہیں ہے، لہٰذا جناب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ''خروج'' کے بجائے ''مروق'' سے تعبیر کرنے میں اسی کی جانب اشارہ ہے کہ وہ لوگ دین سے اسطرح نکل جائینگے کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ہم دین سے خارج ہوگئے، چنانچہ ''مروق بہم'' کی تمثیل اور اس کی تفصیل بھی اسی امر کی نشاندہی کرتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دین سے نکل جانے اور کافر ہو جانے کے لیے تبدیل مذہب کا قصد یا اس کا علم ہونا ضروری نہیں ہے)۔

جو انبیاء کے معصوم ہونے کا قائل نہ ہو وہ کافر ہے

"الاشباہ والنظائر" میں ص:۲۶۶ باب "الردۃ" میں فرماتے ہیں:

''جس شخص کو نبی کے سچا ہونے میں شک ہو یا نبی پر سب وشتم یا عیب جوئی کرے یا توہین وتحقیر کرے وہ کافر ہے۔ اسی طرح جو شخص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جانب بدکاریوں کی نسبت کرے، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب قصد زنا کی نسبت کرے اس کو بھی کافر کہا جائے گا، اسلیے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی توہین ہے، اور اگر کوئی یہ کہے کہ: ''انبیاء کرام نبوت کے زمانے میں اور اس سے پہلے بھی (گناہوں سے) معصوم نہیں ہوتے تو اسکو بھی کافر کہا جائے گا، اسلیے کہ یہ قول وعقیدہ صریح نصوص شرعیہ کی تردید ہے۔''

جو شخص کسی مدعی نبوت سے معجزہ طلب کرے وہ بھی کافر ہے

ابوشکور سالمی ''تمہید'' میں فرماتے ہیں:

''رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ عالم کبھی بھی نبی کے وجود سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یہ عقیدہ کھلا ہوا کفر ہے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''خاتم النبیین'' کے لقب سے یاد فرمایا ہے اب جو کوئی بھی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ کافر ہے، اور جو کوئی (بارادہ تصدیق) اس سے معجزہ طلب کرتا ہے وہ بھی کافر ہے اس لیے

❶ الصارم المسلول ص ۳٦۸ ۔

کہ معجزہ طلب کرنا عقیدہ ختم نبوت میں شک کی دلیل ہے، (اور امکانِ نبوت کا غماز ہے) رافضیوں کے علی الرغم یہ عقیدہ رکھنا بھی فرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی کوئی نبوت میں آپ کا شریک نہ تھا، اس لیے کہ رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نبوت میں شریک تھے، اور یہ صریح کفر ہے۔''

آخرالذکر دو فتوے نقل کرتے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بعض فرقے جیسے قادیانی، احمدی، لاہوری؛ ذکری؛ آغا خانی وغیرہ اس قسم کے گمراہ کن اور کفریہ عقائد بھی رکھتے ہیں، مگر مسلمانوں کو دھوکہ دیکر اپنے آپ کو مسلمان بھی ظاہر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے متعلق آثار و احادیث

جب سے اسلامی علوم کا اختلاط علم منطق اور فلسفہ کے ساتھ ہوا، اس وقت سے مختلف قسم کے شبہات اور تأویلات نے جنم لینا شروع کیا، اور بعض لوگ علم شریعت کی واضح نصوص کے مقابلہ میں عقل کو ترجیح دینے لگے، اور اپنے مافی الضمیر کے مطابق نصوص شریعت کی تأویل کرنے لگے۔ جہاں دوسرے علوم پر ان نئے علوم کا اثر ہوا وہاں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں بھی قیل و قال اور شکوک وشبہات کا اظہار شروع کردیا۔ دوسری طرف کچھ لوگوں نے ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا محض اس وجہ سے انکار کردیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کے اثبات سے مخلوق سے تشبیہ اور مماثلت لازم آتی ہے اور ایک فرقہ نے صفات کا انکار تو نہیں کیا، بلکہ اس میں تأویل کرنے لگ گئے۔ مثلاً: ان کا کہنا ہے کہ: ہاتھ سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ قدم سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ رحمت سے مراد ارادہ رحمت ہے، ایسے ہی باقی صفات میں بھی باطل تاویلات کا شکار ہوئے۔

ایک دوسرے فرقہ نے تأویل تو نہیں کی، مگر انہوں نے ان صفات کے معانی بیان کرنے سے انکار کردیا، اور کہنے لگے: ان کا علم اللہ ہی کی طرف تفویض کرتے ہیں۔

اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امتحان میں ڈال دیا ہے، اور ایسی چیز نازل کی ہے، جو ان کی سمجھ اور عقل سے بالاتر ہے۔ اور جو چیز عقل سے بالاتر ہو، اس سے ہدایت حاصل کرنا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔ گویا کہ بالواسطہ طور پر یہ کتاب اللہ کے ناقص اور خلاف عقل ہونے کے لیے ایک الزام تھا۔ جو کہ پہلے گروہ کی حرکت سے بھی زیادہ سخت تھا۔ ان حالات میں جب کہ ان فرقوں کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہوگئی تھی؛ اہل سنت والجماعت پر بڑی آزمائشیں آئیں، مگر پھر بھی انہوں نے کتاب وسنت کی نصوص کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راسخ فہم کے مطابق سمجھا، اور اسے لوگوں تک پہنچایا۔ ذیل کے پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کررہے ہیں۔

۵۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وكل ما سمعت من الآثار مما لم يبلغه عقلك ❁ نحو قول رسول الله ﷺ :

((قُلُوبُ العِبَادِ بَيْنَ إِصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ [عَزَّوَ جَلَّ])) ❶

''اور ہر وہ حدیث جس کے بارے میں آپ سنیں، اور اس تک آپ کی عقل نہ پہنچ سکے؛ جیسے رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ''بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں درمیان میں ہیں۔''

شرح: ......اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ اور انگلیوں کی صفت کا ہونا دوسری بھی کئی ایک صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنی ایک انگلی پر کر لیں گے؛ اور زمینوں کو ایک انگلی پر کر لیں گے، اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر، اور باقی مخلوقات کو ایک:''میں نے دیکھا: رسول اللہ ﷺ اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں؛ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ جَمِيْعاً قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ السَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (الزمر: ٦٧)

''اور انہوں نے اللہ کی قدر شناسی جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہو گی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے اور وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔''❷

دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے:

''بیشک تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ جیسے کہ ایک انسان کا دل۔ وہ انہیں جیسے چاہتا ہے۔ ان میں۔ تصرف کرتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اللهم مصرف القلوب ، اصرف قلبي لطاعتك))❸

---

❶ صحيح مسلم ،برقم(٢٦٥٤)، كتاب القدر ،و باب : تصريف الله تعالىٰ القلوب كيف شاء؛ح : ٦٩٢١؛ولفظه : ((قُلُوبُ العِبَادِ كُلُّهَا بَيْنَ إِصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ [عَزَّوَ جَلَّ] كَقَلْبٍ وَّاحِدٍ يُصَرِّفُهٗ حَيْثُ شَاءَ))۔ [[تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایسے ہیں جیسے ایک دل، وہ انہیں جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے]]۔

و رواه أحمد في مسنده (٢/ ٢٦٨) من حديث عبد الله بن عمرو رضى الله عنه۔و شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة من الكتاب والسنة و إجماع الصحابة ؛ هبة الله بن الحسن بن منصور اللالكائي ٣/ ٤٢١؛ روایت نمبر ٧١٠۔الأسماء و الصفات ، للبيهقي ١/ ٣٧١ ح: ٢٩٨۔ الإبانة الكبرى لابن بطة ، ٣/٢٧٢؛ح: ٢٠٣ ۔الشريعة للآجري؛ باب : الإيمان بأن قلوب الخلائق بين إبعين من أصابع الرب عزوجل بلا كيف ، ١/ ٣٠٢۔

❷ رواه البخاري [٤٨١١]؛ مسلم [٢٧٨٦]؛ والنسائي في الكبرى [٧٧٣٦]۔

❸ رواه مسلم [٢٦٥٤] ؛ أحمد [٢/ ١٦٨]۔

''یا اللہ دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی اطاعت کے لیے پھیر دے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے:

((یا مقلب القلوب ثبت قلبي علی دینك و طاعتك)) ❶

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین اور اطاعت پر ثابت رکھ۔''

آپ ﷺ سے کہا جاتا: یارسول ﷺ! کیا آپ ﷺ ہمارے بارے میں گھبراتے ہیں، اور ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے، اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لائے تو آپ ﷺ فرماتے:

''بیشک مخلوق کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں۔ اگر وہ چاہتا ہے تو ایسے ہوتا ہے، اور اگر وہ چاہتا ہے تو ایسے ہوتا ہے۔'' ❷

ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری احادیث ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، پاؤں اور انگلیوں کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث میں یہ بات ثابت ہے تو واجب ہوتا ہے کہ ہم اس پر ایسے ہی اس کی حقیقت کے مطابق ایمان لائیں؛ اور یہ یقین کرلیں کہ اس کا معنی وہی حقیقی ہے جو احادیث کے الفاظ میں وارد ہوا ہے۔ مگر ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی شان جلال و کمال کے لائق ہے اور یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کمال کا اعتراف کریں۔ جو کچھ حدیث میں وارد ہوا ہے اس سے زیادہ گہرائی میں جانے اور اسے کریدنے کی ضرورت اور اجازت نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے شیطان کو شبہات کے دروازے کھولنے کا موقع ملتا ہے اور زیادہ گہرائی میں جانا اللہ تعالیٰ سے متعلق غیبی کیفیت کو معلوم کرنے کی کوشش ہے، جب کہ غیب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا؛ اور نہ ہی کسی کے لیے مناسب ہے کہ وہ ان امور کو جاننے کے لیے ناجائز اور غیر شرعی طریقے استعمال کرے۔ بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے انگلی کا ہونا ثابت ہے۔ مگر اس کی کیفیت ہرگز بیان نہیں کی جاسکتی۔

مذکورہ بالا احادیث اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال سے متعلق ایک عظیم الشان قاعدہ ہیں۔ جس کی طرف شیخ نے اشارہ کرتے ہوئے اس کی مثالیں بیان کی ہیں۔ اور اس میں مصنف رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ سے متعلق غیبی امور کے بارے میں سلف صالحین کے منہج کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ان امور کے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنے کے قواعد کا خلاصہ یہ ہے کہ:

صفات الٰہی کے متعلق قاعدہ

ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے متعلق قرآن میں وارد ہوئی ہے؛ یا نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے، خواہ اس

❶ صحیح، أخرجه الترمذی ۱۲۴۰، وابن ماجه ۳۸۳٤؛ والحاکم فی المستدرك ۱۹۲۷۔ وقال الألبانی: صحیح۔ صحیح الجامع ۷۹۸۷۔

❷ رواه أحمد ۳/ ۱۱۲؛ والترمذی [۲۱٤۱]؛ صححه الألباني في صحیح الأدب المفرد [۵۲۷]۔

کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہو؛ یا اسماء وصفات سے یا افعال سے؛ ان میں سے جو چیز بھی نص سے ثابت ہو جائے؛ تو اس کے لیے بذیل امور ضروری ہیں:

اً: یہ کہ منصوص صفت وہ حق اور سچائی ہے، جس کو تسلیم کرنا مسلمان پر واجب ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور ان تمام امور کو اللہ عزوجل کے لیے ان کی حقیقت میں ایسے ہی ثابت مانا جائے گا جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شانِ جلال کے لائق ہے۔

ب: (آیات واحادیث میں وارد) ان اخبار کی تصدیق کرنا اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ غیبی خبریں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہم تک صاف واضح عربی زبان میں پہنچی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ہم سے خطاب کیا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ ہم سے ایسے مخاطب ہوں کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ آئے۔ بلکہ خطاب الٰہی کے معانی اور حقائق مدارک بشریت کے تحت ہوتے ہیں۔

ج: ہم لوگ اس بارے میں اور اس کے علاوہ دیگر امور کے بارے میں جو کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں؛ یقینی طور پر اور دوٹوک الفاظ میں کہتے ہیں اور پکا ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مماثلت اور مشابہت سے بالکل بری ہیں؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔''

اور یہ بھی کہ ان امور کی حقیقت اور معانی تو معلوم ہیں؛ مگر کیفیت نامعلوم ہے۔ لہٰذا اس کے معانی کو بدلا بھی نہیں جاسکتا، اور نہ ہی ان میں تحریف یا تعطیل ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ صفات اور اسماء کمال کے اعلیٰ مراتب پر ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں ہوسکتی، اس سے مماثلت کی نفی ہوگئی۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی تشبیہ یا مشابہت بیان کی جاسکتی ہے۔ اس سے جو کچھ انسانی ذہن ودل میں تصور اور وہم؛ اس باب میں وارد ہوا ہے؛ اس کی بھی نفی ہوگئی۔

د: ان مذکورہ امور کے بارے میں اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق نصوص میں ثابت ہو، اس کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم سے ان الفاظ میں خطاب کیا ہے تاکہ ہم اس کی حقیقت کو اس طرح جان سکیں جیسے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ اور ان امور کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی؛ نہ ہی ان کے لیے کوئی مثال دی جاسکتی ہے، اور نہ ہی تشبیہ دی جاسکتی ہے؛ اور نہ ہی ان معانی کا انکار کرنا جائز ہے اور نہ ہی اصلی معنی میں تاویل کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے متعلق فرمایا ہے وہ اپنی اصلی حقیقت پر ہے۔

اور نہ ہی یہ کہنا جائز ہے کہ ٹھیک ہے احادیث اور نصوص میں تو یہ ثابت شدہ امور ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھوں کا ہونا، اور پاؤں کا ہونا، اور چہرہ کا ہونا، اللہ تعالیٰ کا آسمانی دنیا پر نزول فرمانا؛ مگر ہم اس کے معانی کو نہیں سمجھ سکتے؛

اس لیے ان کے معانی کو اسی کی طرف تفویض کر دیتے ہیں۔

اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل فرمائیں جو اس کے بندوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں، اور اس طرح انہیں کئی الجھنوں میں مبتلا کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ پھر اس میں کسی قسم کی پیچیدگی کا امکان کیونکر ممکن ہے؟

بلکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ان آیات و احادیث کا معنی وہی ہے جو الفاظ سے ثابت ہے، جسے عام طور پر عربی زبان کی بول چال میں سمجھا جاتا تھا۔ مگر ہم اس کی کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے، ہم اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تفویض کرتے ہیں۔ اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ " القول في الصفات كالقول في الذات "

''اللہ تعالیٰ کی صفات میں کلام کرنا ایسے ہی ہے جیسے اس کی ذات میں کلام کرنا۔''

صفت نزول

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقوله ﷺ:" إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ يَنْزِلُ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا .)) ❶

''اور آپ ﷺ کا فرمان: ''بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانی دنیا کی طرف نازل ہوتے ہیں۔''

شرح: ...... اللہ تعالیٰ کا آسمانی دنیا پر نازل ہونا جن صحیح احادیث سے ثابت ہے، کافی تعداد میں صحیح احادیث ہیں، ان ہی میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ينـزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلة إلى سماء الدنيا ، حين يبقى ثلث الليل الأخير ، فيقول:"من يدعوني فأستجيب له ، ومن يسألني فأعطيه ، ومن يستغفرني فأغفر له)) ❷

''ہمارا بزرگ اور بلند شان والا رب ہر رات آسمانی دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی ہوتا ہے، اور وہ فرماتا ہے: ''کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اسے جواب دوں؛ اور کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے نواز دوں، اور کون ہے جو مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور میں اسے معاف کر دوں۔''

حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید- خدری- رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب آدھی رات کا وقت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانی دنیا پر- اپنی شان کے مطابق- نازل ہوتے ہیں، اور

---

❶ المسند المستخرج على صحيح إمام مسلم /أبو نعيم أصفهاني- كتاب الصلاة : باب في نزول الرب تعالىٰ إلى سماء الدنيا كل ليلة، ح: ١٧٢٧- المعجم الكبير للطبراني برقم: ٨٢٩٠ - سنن النسائي الكبرى برقم ١٠٣١٨-

❷ متفق عليه - رواه البخاري كتاب التهجد ، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل ، ٣/ ٣٩ ، مع الفتح الباري -"وفي كتاب الدعوات ، باب : الدعاء نصف الليل (١١/ ١٢٨؛ مع الفتح)؛ ومسلم : كتاب : صلاة المسافرين، باب : الترغيب في الدعاء و الذكر في آخر الليل ٧٥٨؛ من حديث أبي هريرة رضي الله عنه-

فرماتے ہیں: '' ہے کوئی بخشش مانگنے والا اسے بخش دیا جائے؛ اور ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا کو قبول کیا جائے؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا، جس کی توبہ کو قبول کیا جائے؟ فجر تک یہ ایسے ہی رہتا ہے۔'' ❶

اللہ تعالیٰ کا آسمانی دنیا پر نازل ہونا اپنی حقیقت کے مطابق حق ہے؛ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے وہ بھی حق ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے بارے میں یا کسی اور کے متعلق صرف حق بات ہی کرتے ہیں۔ ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اس معنی کو اس کی اپنی حقیقت میں ایسے ہی تسلیم کریں جیسے اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔ اب لوازم کا بہانہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی صفتِ نزول کا انکار کرنا مؤمن کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ لوازم یہ دنیا میں بشری احکام سے متعلق ہیں؛ جن کا وقوع عالمِ شہادت اور تصورات بشر میں ہے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی حکم اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہیں لگایا جا سکتا۔

دوسری بات کہ ان لوازم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنا اس کی ذات کے بارے میں بغیر علم کے کوئی بات کہنا ہے؛ اور اس پر ایسی چیز کا لازم کرنا ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اہل تأویل کا یہ کہنا کہ ''نزول سے اللہ تعالیٰ کے عرش کا خالی ہونا لازم آتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نزول فرمالیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیزیں لازم کرنا اس پر بغیر علم کے بات کہنا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے منزہ ہیں۔

عرفہ کے دن نزول

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَ يَنْزِلُ يَوْمَ عَرَفَةَ .)) ❷ ''اور عرفہ کے دن نازل ہوتے ہیں۔''

شرح: ......وقوف عرفہ حج کے ارکان میں سے ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الحج عرفة'' حج وقوف عرفہ ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر الدیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

((أتيت النبي ﷺ وهو بعرفة فجاء ناس أو نفر من أهل نجد فأمروا رجلا فنادى

---

❶ مسلم [٧٥٨]، أحمد [٣/٣٨٣]۔

❷ صحيح ابن حبان، باب: صفة الصلاة؛ ح: ١٨٨٧۔ صحيح ابن خزيمة، باب: تباهي الله أهل السماء بأهل عرفات؛ برقم ٢٨٤٠۔ شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة ٣/ ٤٥٠؛ روایت نمبر ٧٦٧؛ عن أم سلمة رضى الله عنها۔ المعجم الكبير روایت نمبر ١٣٥٦٦۔ صحيح ابن حبان، ح: ١٨٨٧؛ من حديث ابن عمر؛ و ابن خزيمة من رواية جابر، ح: ٢٨٤٠۔ أخرجه ابن منده في "التوحيد" (١/ ١٤٧)؛ و أبو الفرج الثقفي في "الفوائد" (٢/ ٧٨؛ ١/ ٩٢)؛ كمافي "السلسلة الضعيفة" (٦٧٩)؛ و البغوي في "شرح السنة" (١/ ١٥٩)؛ من طريق مرزوق مولى طلحة، عن أبي الزبير عن جابر به مرفوعاً۔" و له طريق أخرى من حديث جابر أيضاً؛ وإسناده ضعيف، كما في "السلسلة الضعيفة" (٢/ ١٢٥- ١٢٦)۔
لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ اسے دارمی نے "الرد علي الجهمية" (١٣٧) میں روایت کیا ہے اور ابو عثمان صابونی نے "عقيدة السلف" میں؛ اور دارقطنی نے "النزول" (٩٥-٩٦) میں، اور لالکائی نے "شرح السنة" (٧٦٨) میں؛ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس جیسی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی، اس لیے یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔

رسول الله ﷺ كيف الحج ؟ فأمر رسول الله ﷺ رجلًا فنادى:((الحج الحج يوم عرفة من جاء قبل صلاة الصبح من ليلة جمع فتم حجه؛ أيام منى ثلاثة [ثم تلا]: ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ قال ثم أردف رجلا خلفه فجعل ينادي بذلك)) ❶

''میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا، آپ عرفہ میں تھے۔تو آپ کے پاس کچھ لوگ یا ایک جماعت اہل نجد میں سے آئی ۔ انہوں نے ایک آدمی سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھے حج کیسے ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے آواز لگائی کہ حج ،حج عرفہ کے دن ہے اور جو کوئی مزدلفہ کی رات نماز فجر سے پہلے (عرفات میں) آ گیا، اس کا حج پورا ہو گیا۔منی کے تین دن ہیں ۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ (البقرة: ۲۰۳)

''پھر جو شخص جلدی کر کے دو ہی دن میں (مناسے) چل دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو تیرہ تاریخ تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں''

پھر آپ نے اپنے پیچھے ایک آدمی کو سوار کر لیا، جو اس کی آواز لگا رہا تھا۔''

حاجی میدان عرفات میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حالت احرام میں عاجزی و انکساری کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر فخر کرتے ہیں، اور فرشتوں پر اسے جتلاتے ہیں؛ اور اپنے بندے کے گناہ معاف کر دیتے ہیں اگر چہ وہ ریت کے ذروں کے برابر اور بارش کے قطروں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں، جس میں ہے:

((أما وقوفك عشية عرفة ، فإن الله يهبط إلى السماء الدنيا ، فيباهي بكم الملائكة ، ويقول: ((عبادي جاؤوني شعثاً من كل فج عميق ، يرجون رحمتي؛ فلو كانت ذنوبكم كعدد الرمل ، أو كقطر المطر ، أو كزبد البحر لغفرتها؛ أفيضوا عبادي مغفو راًلكم و لمن شفعتم))❷

''اور تمہارا عرفہ کی شام وقوف کرنا، سو بیشک اللہ تعالیٰ (اس وقت) آسمانی دنیا پر نازل ہوتے ہیں، اور

---

❶ سنن بی داؤد ؛قال أبو داؤد و كذلك رواه مهران عن سفيان قال : (الحج الحج)۔ مرتين و رواه يحى بن سعيد القطان عن سفيان قال: (الحج)مرة۔ والنسائی ، باب: فرض الوقوف بعرفة ؛ ح: ۳۰۱۶۔ قال الشيخ الألبانى : صحيح۔و رواه امام مالك في الموطا، باب: من أدرك عرفة ليلة مزدلفة ؛ ح: ۵۰۹۔

❷ رواه ابن حبان برقم ۱۸۸۷؛ البراز برقم ۱۰۸۲؛ الطبراني في الكبير برقم: ۱۳۵٦٦؛ وحسنه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب ۲/ ۳٦۔ ذكره المنذري في الترغيب والترهيب ۲/ ۱۵۷؛ برقم ۱۷۳۷؛ وعزاه حازماً إلى ابن مبارك و وصححه لغيره الألباني في صحيح الترغيب و الترهيب ، وقال: وله شواهد خرجتها في "الصحيحة" برقم ۱٦۲٤۔

تمہارے ساتھ ملائکہ پر فخر کرتے ہیں ؛ اور فرماتے ہیں: میرے بندے میرے پاس پراگندہ حالت میں آئے ہیں ؛ ہر ایک گہری گھاٹی سے" وہ میری رحمت کی امید کرتے ہیں ، (اے میرے بندو!) اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں کے برابر ہوں ، یا بارش کے قطروں کے برابر ہوں ، یا سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں ، تو میں انہیں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! اب اس حال میں چل پڑو کہ تمہارے گناہ بخش دیے گئے ہیں ، اور ان کے گناہ بھی جن کے لیے تم نے شفاعت کی ہے۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے عرفات میں وقوف کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کو آ گیا پھر آپ ﷺ نے (بلال رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: اے بلال! لوگوں کو چپ کراؤ۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اعلان کیا: "رسول اللہ ﷺ کی بات سننے کے لیے خاموش ہو جاؤ؛ لوگ خاموش ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی ابھی جبریل امین میرے پاس تشریف لائے تھے۔ انہوں نے مجھ پر میرے رب کی طرف سے سلام پیش کیا، اور فرمایا: "بیشک اللہ تعالیٰ نے اہل عرفات کی مغفرت کر دی ہے۔" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! کیا یہ ہمارے لیے خاص ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ تمہارے لیے ہے، اور تمہارے بعد ان لوگوں کے لیے ہے جو قیامت کے دن تک آئیں گے۔" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "اللہ کی خیر بہت زیادہ ہو گئی اور بہت ہی اچھی ہو گئی۔"

قیامت کو نازل ہونا

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و((یَـنْـزِلُ یَـوْمَ الْـقِـیَـامَةِ"۔ و" جَهَنَّمُ لَا یَزَالُ یُطْرَحُ فِیْهَا حَتّٰی یَضَعُ عَلَیْهَا قَدَمَهٗ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ .)) ❶

"اور قیامت والے دن نازل ہوں گے" اور جہنم میں لوگ اس وقت تک پھینکے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ - اپنی شان کے مطابق - اپنا پاؤں اس پر رکھ دے۔"

شرح: ......قرآن اور حدیث میں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کرنے کے لیے آنا ثابت ہے۔ جب کہ قیامت والے دن نازل ہونا بھی بعض آثار میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۞ وَجِایْءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنّٰى لَهُ

❶ وردت في رواية البخاري من حديث أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((يلقى في النار، وتقول هل من مزيد؛ حتى يضع قدمه ، فتقول قط قط)).... "لوگوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور وہ کہے گی: "کیا اور بھی کچھ ہے؟ یہاں تک کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اپنا قدم اس پر رکھے گا، اور وہ کہے گی: بس میرے لیے کافی ہو گیا بس میرے لیے کافی ہو گیا۔" كتاب التفسير، سورة ق؛ باب قوله: [وتقول هل من مزيد]۔ ح: ٤٥٦٧۔ ومسلم؛ كتاب الجنة وصفة نعيمها؛ باب: النار يدخلها الجبارون (٢٨٤٨) من رواية انس بن مالك۔ صحيح ابن حبان ح: ٢٦٨۔ الأسماء والصفات، للبيهقي ٢/١٩٠ ح: ٧٥٤۔

الذِّكْرَىٰ﴾ (الفجر: ۲۲)

''اور تمہارا پروردگار (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے قطار باندھ کر آموجود ہونگے۔ اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر تنبیہ (سے) اسے (فائدہ) کہاں (مل سکے گا)۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ (البقرة: ۲۱۰)

''کیا لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان پر اللہ (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آنازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں) اور کام تمام کر دیا جائے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔''

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائیں گے۔ اصل میں مذکورہ بالا اور اس جیسی احادیث اور آیات سے اللہ تعالیٰ کی صفت ''آنا'' ثابت کرنا ہے۔ نیز یہ ان لوگوں پر رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے منکر ہیں۔ ❶

دوڑنے کی صفت

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقول الله [تعالىٰ] للعبد:((إن مشيت إليَّ هرولت إليك)) ❷ وقوله ﷺ:((وإن الله تعالىٰ ينزل يوم عرفة)) ❸ و قوله ﷺ : ((إن الله تعالىٰ خلق آدم على صورته)) ❹

(مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں): اور بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان: (حدیث قدسی) ''اگر تو میری طرف چل کر آئے تو میں تیری طرف دوڑ کر آؤں گا۔'' اور آپ ﷺ کا فرمان: ''بیشک اللہ تعالیٰ یوم عرفہ میں نازل ہوتے ہیں۔'' اور آپ ﷺ کا فرمان: ''بیشک اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔''

شرح: ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی ایک مارے تو چہرے سے بچ کر رہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی صورت پر

❶ مزید اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے دیکھیں: '' الرد علی الجهمية '' للدارمي (۷۲-۷۵)؛ وتفسير ابن كثير (۳/ ۳۱۵-۳۱۶)۔

❷ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے كتاب التوحيد باب قول الله تعالىٰ ﴿ ويحذركم الله نفسه ﴾ میں روایت کیا ہے، ۱۳/ ۳۸٤؛ مع الفتح۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے كتاب الذكر و الدعاء میں ۲٦٥۷؛ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

❸ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ مصنف اسے دوبارہ لائے ہیں۔

❹ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے كتاب الاستئذان؛ باب: بدء السلام (۱۱/۳؛ مع الفتح) میں روایت کیا ہے اور امام مسلم نے كتاب البر؛ باب النهي عن ضرب الوجه ٤ / ۲۰۱۷ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس مسئلہ پر علامہ حمود التویجری رحمہ اللہ کی ایک بہت ہی نفیس شرح ہے، جس کا نام رکھا ہے: ''عقيدة أهل الإيمان في خلق آدم على صورة الرحمن۔''

پیدا کیا ہے۔'' ❶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''چہرے کو برا بھلا مت کہو، بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔'' ❷

تخلیق آدم والی حدیث

یہاں سے مذکورہ حدیث اور دوسری احادیث میں اس طرح کی عبارات سے اشتباہ پیدا ہوا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو رحمان کی (یعنی اپنی) صورت میں پیدا کیا؟ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کمالات میں جو عباد اللہ کے لائق ہیں؛ نہ کہ مطلق صفات میں۔ سو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے درمیان سے آدم کو خاص کیا ہے، اس لیے کہ یہ مجمع (جامع) الصفات ہے۔ اس میں کچھ ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان کی ہیں۔ مگر جب ان کا بیان اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا، تو اس کی شان کے لائق ہوں گی اور جب مخلوق کے لیے یہ صفات بیان ہوں گی تو ان کی قوت استطاعت اور عطاء الٰہی کے مطابق ہوں گی۔

جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے ''سماعت'' کی صفت ثابت ہے، اور مخلوق کے لیے بھی یہ صفت ثابت ہے، مگر ان دونوں کی حقیقت اور کیفیت میں فرق ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے لیے ''وجہ'' یعنی ''چہرہ'' کی صفت ثابت ہے، اور آدم کے لیے بھی یہ صفت ثابت ہے۔ مگر ان دونوں کی حقیقت میں فرق ہے۔ ایسے ہی باقی صفات جیسے: ''ہاتھ'' اور ''پاؤں'' وغیرہ؛ جو صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ وہ اپنے اصلی اور حقیقی معانی میں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے ہی ثابت ہیں جیسے اس کے شایان شان ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ یہاں پر صفاتِ خالق اور صفاتِ مخلوق کے درمیان اشتراک لفظی ہے۔ یعنی یہ اشتراک بعض معانی میں ہے؛ نہ کہ کل معانی میں۔ ان معانی کا لحاظ رکھتے ہوئے ہی کہا گیا ہے کہ: یہ بھی صورت کی ایک قسم ہے۔''

اس کی مزید وضاحت اس طرح سے ہو سکتی ہے کہ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ''رحیم'' ہے؛ جو اس کی صفتِ رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ مگر مخلوق میں بھی ''رحیم'' نام یا صفت کے لوگ ہیں؛ نام کا معنی ان کی اسی صفت پر دلالت کرتا ہے؛ خواہ یہ صفت کسی بھی مقدار میں موجود ہو؛ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبہ: ۱۲۸)

''تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں! تمہاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری

---

❶ رواه مسلم [۲٦۱۲]، وأحمد [۲/ ۲٤٤]؛

❷ ... (۲/ ۲۵۱)؛ ابن خزیمه ص ۲۷؛ والبیهقی ص ۲۹۱؛ وقال الألباني في ظلال الجنة [۵۲۰]: إسناده حسن صحيح۔

بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔''

اور دوسرا معنی اس کا یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چہرۂ بنی آدم کو عزت اور تکریم کے لیے اپنی صناعت کی طرف بطور خاص منسوب کیا ہے، جیسے کہ آیا ہے: "ناقة الله ، عبد الله ؛ أمة الله ." حالانکہ تمام مخلوقات اللہ کی ہی ہیں۔ مگر انہیں عزت افزائی کے لیے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

بہترین اُصول

امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: ''یہ حدیث احادیث صفات میں سے ہے اور سلف امت کا مذہب یہ ہے کہ وہ اس کے معنی میں کلام نہیں کرتے، بلکہ وہ کہتے ہیں: ''ہم پر ایسے ہی ایمان لانا واجب ہے۔ اور ہم اس بات کا پکا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کا ایسا معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ اور ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اللہ کی جیسی کوئی چیز ہرگز نہیں ہوسکتی (فرمان الٰہی ہے):

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔''

لیکن ایسی احادیث کو عام لوگوں میں نہیں بیان کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ لوگ کسی بھی چیز کو اپنی عقل کے مطابق لیتے ہیں اور جب کوئی چیز ان کی سمجھ میں نہیں آتی تو وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں:

''کوئی بھی انسان جب کسی قوم کے پاس کوئی ایسی حدیث بیان کرتا ہے جس تک ان کی عقل نہیں پہنچ سکتی؛ وہ (حدیث) ان میں سے بعض لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔''

دراوی کہتا ہے کہ: ''بعض کے لیے فتنہ کہنے سے صاف ظاہر ہے کہ سچا کھرا اور مخلص مسلمان جو استقامت کے ساتھ اپنے دین پر قائم ہو، تو اس کا ردِ عمل تسلیم و رضا کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ خواہ وہ اس کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ وہ یہی کہتا ہے کہ جو کچھ میرے رب نے کہا ہے، اور جو کچھ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے وہ حق اور سچ ہے، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب کہ سرکش اور باغی عقل مند ہونے کے دعویدار جھوٹے اس کا انکار کرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں اس چیز کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ یہی وہ امر ہے جس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی خبردار کیا تھا، آپ فرماتے ہیں:

((حدثوا الناس بما يعرفون ، و دعوا ما ينكرون ، أ تحبون أن يكذب الله و رسوله)) [1]

''لوگوں سے ایسے حدیث بیان کرو جس کو وہ جانتے ہو، اور اسے چھوڑ دو جس کو نہ جانتے ہوں، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جائے۔''

[1] رواه البخاري ؛باب من خص بالعلم قوماً دو قوم ، كراهية أن لا يفهموا ؛ ح: ۱۲۷ .

دیدارِ الٰہی کی روایت

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقول النبي ﷺ: ((رأيت ربي في أحسن صورة)) ❶ وأشباه هذه الأحاديث؛ فعليك بالتسليم و التصديق؛ والتفويض والرضاء؛ لا تفسر شيئاً [من هذه] بهواك؛ فإن الإيمان بهذا واجب؛ فمن فسر شيئاً من هذا بهواه؛ أو ردّه؛ فهو جهمي .))

''اور نبی کریم ﷺ کا فرمان: ''میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔''اور ان کی مشابہ احادیث ؛ تو آپ پر واجب ہے کہ اس کے سامنے سر تسلیم کرتے ہوئے اس کی تصدیق کریں ،اوراس کا معاملہ اللہ کے سپرد کردیں ؛اوراس پر راضی ہو جائیں ۔۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی کوئی تفسیر اپنی خواہش کے مطابق نہیں کی جائے گی ۔ کیونکہ اس پر ایمان رکھنا واجب ہوجاتا ہے۔جس نے ان میں سے کسی چیز کی اپنی خواہش کے مطابق تفسیر کی ، یااس کورد کیا، وہ جہمی ہے۔''

شرح: ......اس بارے میں اختلاف ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار آنکھوں سے تھا یا قلبی مشاہدہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ﴾ (النجم: ١٣)

''اورانہوں نے اس کوایک اور بار بھی دیکھا ہے۔'' ......اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رأيت ربي عز و جل)) ❷ ''میں نے اپنے رب عزوجل کا دیدار کیا۔''

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی دوسری روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا۔ سواللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے محمد ﷺ! ملاء اعلیٰ کس چیز میں جھگڑ رہے تھے؟ میں نے کہا:''یا رب! کفارات کے بارے میں جھگڑ رہے تھے: پیدل چل کر باجماعت نماز کے لیے جانا ؛ اور ناپسندیدگی میں بھی اچھی طرح وضو کرنا؛ اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا؛ جو ان کی حفاظت کرے گا وہ خیر پر زندہ رہے گا ،اور خیر پر ہی اس کی موت آئے گی۔اوروہ اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہوگا جیسے وہ اپنی ماں سے ولادت کے دن (گناہوں سے پاک) تھا۔'' ❸

---

❶ صحیح حدیث ہے۔اسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے(۵/ ۲۴۳)اور امام الترمذي رحمہ اللہ نے کتاب، التفسیر باب : سورت صاد(ص) (٥/٣٦٨) میں نقل کیا ہے۔اور کہا ہے:''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اسکے علاوہ بھی اس کی روایت کے کئی صحابہ سے دوسرے طرق ہیں۔''

❷ رواه أحمد ١/ ٢٨٥؛ وابن أبي عاصم في"السنة" [٤٣٣] وصححه الألباني في"مختصر العلو" ص ١٨۔

❸ رواه أحمد ١/ ٣٦٨؛ والترمذي ٣٢٣١؛ وصححه الألباني في صحيح الترغيب [٤٠٢]۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (کوئی تفسیر اپنی خواہش کے مطابق نہیں کی جائے گی):

اس سے مصنف رحمہ اللہ کی مراد صرف کیفیت کی علم کا تفویض کرنا ہے۔ نہ کہ اس کے معانی کا تفویض کرنا؛ اور حقیقت کا عدم اثبات ہے اور نہ یہ اعتقاد مقصود ہے کہ اس کا کوئی معنی نہیں ہے؛ یا اس کا معنی مخاطبین کی سمجھ وفہم سے بالاتر ہے۔ بلکہ صرف کیفیت کی تفویض مقصود ہے۔ یعنی جو چیز اجمالی طور پر معلوم ہوگئی ہے، ہم اسے ثابت کرتے ہیں؛ اور جو چیز معلوم نہیں ہوسکی جیسے کہ کیفیت اس کا معنی اللہ تعالیٰ کے ہی سپرد کرتے ہیں۔ [1]

دنیا میں دیدار الٰہی کا دعوی؟

۵۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومن زعم أنه يرى ربه في دار الدنيا ؛ فهو كافر بالله عزوجل.))

''اور جس کا گمان یہ ہو کہ اس نے اس دار دنیا میں ہی رب کو دیکھا[یا دیکھ سکتا ہے] تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔''

شرح: ......اس دنیا کی زندگی میں جاگتے ہوئے ان آنکھوں سے کوئی بھی رب کو نہیں دیکھ سکتا۔ حتی کہ انبیاء کرام کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ دیدار نہیں کرایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے دیدار کرنے کا مطالبہ کیا تو جواب یہی ملا کہ آپ میں (اس دنیا کی زندگی میں) اتنی سکت و ہمت نہیں ہے کہ میرا دیدار کرسکو۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الاعراف: ۱۴۳)

''اور جب موسیٰ ہمارے (مقرر کیے ہوئے) وقت پر (کوہ طور پر) آئے اور موسیٰ کے مالک نے اس سے باتیں کیں تو موسیٰ نے کہا: اے مالک میرے (اپنے تئیں) مجھ کو دکھا میں تجھ کو (ایک نظر) دیکھوں۔ مالک نے کہا تم مجھ کو (اس دنیا کی آنکھ سے) ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ تھما رہا تو تم بھی مجھ کو آیندہ دیکھ سکو گے۔ پھر جب موسیٰ کے مالک نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کو چکنا چور کر دیا (ریزہ ریزہ یا زمین کے برابر) اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو کہنے لگے: تو پاک ہے میں تیری درگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں (اس زمانے میں) سب سے پہلے یقین لاتا ہوں۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: "علاقة إثبات و التفويض بصفات رب العالمين" (ص ٦٩)؛ از شیخ رضا بن نعسان۔ اور دیکھیں: علامہ صابونی پر علامہ بن باز رحمہ اللہ کا رد (ص ٨-١٤)۔

''اور ایسے ہی ہر وہ انسان جو اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس نے اپنے رب کا موت سے پہلے آنکھوں سے دیدار کیا ہے، اس کا دعویٰ باتفاق اہل سنت والجماعت باطل ہے۔ اس لیے کہ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی بھی مؤمن اپنے سر کی آنکھوں سے مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کرسکتا۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب نبی کریم ﷺ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا:

((واعلموا أن أحداً منكم لن يرى ربه حتى يموت)) ❶

''اور جان لو کہ تم میں سے کوئی ایک اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا یہاں تک کہ اس کی موت آجائے۔''

لیکن ایمانی حقائق اور سچائی؛ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور یقین قلب رکھنے والوں کے لیے اس کے مشاہدات، اور تجلیات حاصل ہوسکتے ہیں جس کے مراتب مختلف ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الإحسان أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك)) ❷

''احسان یہ ہے کہ اللہ کی بندگی ایسے کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ تصور پیدا نہ ہوسکے تو یہ تصور پیدا کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

اس پیرائے کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض بدعتی اور گمراہ فرقوں کے جھوٹے زاہد یہ گمان کرتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار سر کی آنکھوں سے جاگتے ہوئے ہوا ہے اور بعض کا گمان تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھے ہیں، اور اس کے ساتھ ہم مجلس ہوئے ہیں اور اس طرح کے دوسرے فاسد خیالات جن سے اسلام اور اہل سنت والجماعت بری ہیں: ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق سوچ و بچار

۵۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والفكرة في الله تبارك و تعالىٰ بدعة ؛ لقول رسول الله ﷺ: ((تفكّروا في خلق الله ولا تفكّروا في الله))❸ فإن الفكرة في الرب تقدح الشك في القلب .))

''اللہ تعالیٰ کے متعلق غور و خوض بدعت ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں غور و خوض کرو، اور اللہ تعالیٰ کے متعلق نہ سوچو۔'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچنے سے دل

❶ مسلم [ح: ۲۹۳۱] ❷ مشکواۃ۔

❸ ان ہی الفاظ میں ابوالشیخ نے کتاب '' العظمة '' (نمبر ۵) میں روایت کیا ہے اور ابوالقاسم اصفہانی نے ''الترغیب'' (نمبر ۶۶۸؛ ۶۶۹؛ ۶۷۰؛ ۶۷۳) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث کی شاہد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے۔ اسے ابونعیم نے '' الحلية '' (۶/۶۶-۶۷) میں روایت کیا ہے۔ اس طرح یہ حدیث حسن [لغیرہ] کے درجہ کو پہنچ گئی۔ اس کے اور بھی شواہد ہیں جو کلام سے خالی نہیں ہیں۔ اس پر کلام کے لیے دیکھیں: السلسلة الصحيحة ''(۱۷۸۸)۔

میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات؛ افعال وذات کے متعلق غیبی کیفیات میں غور وخوض شروع کردے۔ یہ متکلمین اور فلاسفہ کا طریقہ کار رہا ہے۔ یہاں پر فلاسفہ سے مراد وہ فلاسفہ ہیں، جو''الٰہیات'' میں کلام کرتے ہیں اور آسمانی تعلیمات اور وحی کو چھوڑ کر اپنے عقل سے اللہ تعالیٰ کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہر دور میں انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے لائے ہوئے پیغام برحق، اور منہج سلیم کے دشمن رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں ایسے غور وفکر کرتے ہیں جس کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔

یہ تفکیر وسوچ وبچار اگر سلیم اور درست ہو: مثلاً اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کی صفات کمال میں صحیح معنوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے: اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کے اثبات کے ساتھ ساتھ غور وفکر تو درست ہے اور اگر ایسی چیز کے بارے میں غور وفکر کیا جائے جو بشریت کے مدارک [سمجھ] سے بالاتر ہے اور نہ ہی اس تک پہنچنے کی قدرت ہے، اور اس طرح غیبی امور پر مطلع ہونے کی کوشش کی جائے تو یہ بدعت اور حرام وناجائز ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور کائنات میں پھیلی ہوئی اس کی نشانیوں پر غور وفکر کرے، جو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت اور حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔

فیا عجبا أیعصی الإلہ أم کیف یجحدہ الجاحد

وفي کل شيء لہ آیۃ تدل علی أنہ واحد

''ہائے افسوس! اس معبودِ برحق کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ یا کوئی انکار کرنے والا کیسے اس کا انکار کرسکتا ہے؟

ہر ایک چیز میں اس کی نشانی پائی جاتی ہے، جو اس بات کہ دلیل ہے کہ وہ اکیلا ہے۔''

دراوی کہتا ہے: اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی نشانیوں میں غور وفکر کرنے سے ایمان بڑھتا ہے، اس میں پختگی آتی ہے؛ کیونکہ اس سے علم کی راہیں کھلتی ہیں، اور شکوک وشبہات ختم ہونے میں مدد ملتی ہے۔ انسان اتنی بڑی کائنات اور اس کے نظام کو دیکھ کر خالق کائنات اور اس نظام کو چلانے والے کا انکار نہیں کرسکتا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر کرنے سے ایمان کمزور ہوتا جاتا ہے، اس لیے کہ شکوک وشبہات اور وسواس بڑھ جاتے ہیں اور شیطان انسان کے لیے سوال در سوال کے تحت گمراہی کے دروازے کھول دیتا ہے۔

حیوانات کا حشر وحساب

روزِ محشر انسانوں کے علاوہ باقی مخلوقات کو بھی اللہ تعالیٰ دوبارہ زندگی عطا کریں گے، اور ان کے درمیان حساب کتاب ہوگا، مظلوم ظالم سے انتقام لے گا اور اس کے بعد ان مخلوقات کو حکم دیا جائے گا کہ: ''فنا ہو جاؤ'' اور وہ فنا ہو جائیں،

گی۔ اس حدیث میں روزِ محشر کو چوپاؤں/حیوانات کو دوبارہ اٹھائے جانے کی تصریح ہے۔ جیسا کہ مکلفین (جنات اور انسان) کو دوبارہ اٹھایا جائے گا، اور جیسے کہ بچے اور مجنون بھی محشر کے لیے جمع ہوں گے؛ اور وہ لوگ بھی جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچ سکی۔ اسی پر قرآن کی آیات بھی دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾ (التکویر: ۵)

''اور جب وحشی (جنگلی) جانور (سب) اکٹھا کیے جائیں۔''

تفسیر اور فقہ کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی لفظ نصوص شریعت میں وارد ہو، اور اسے اس کے ظاہر پر محمول کرنے میں کوئی عقلی یا شرعی رکاوٹ بھی نہ ہو تو اسے اس کے ظاہر پر ہی محمول کیا جائے گا۔ مگر حیوانات کے حشر میں اور مکلفین کے حشر میں فرق یہ ہے کہ حیوانات میں بدلہ مقابلہ کے طور پر ہوگا؛ تاکہ سب برابر ہو جائیں، کسی پر ظلم باقی نہ رہے، اور مکلفین کے لیے ثواب و عقاب اور جزاء و سزا کا معاملہ بھی ہوگا۔ حیوانات کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں:

((إن رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم قال:((لتؤدن الحقوق إِلى أهلِها يوم القِيامِة حتى يقاد لِلشاةِ الجلحاءِ مِن الشاةِ القرناءِ))

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزِ قیامت حقوق کو ضرور بالضرور حقداروں کی طرف ادا کیا جائے گا، یہاں تک کہ بغیر سینگ والی بکری سینگ والی بکری سے بھی انتقام لے گی۔''

۵۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن الهوام والسباع والدواب كلها نحو: الذّر، والنمل [و الذباب]، كلها مأمورة لايعملون شيئاً إلا بإذن من الله تبارك و تعالىٰ.))

''اور جان لیجیے کہ: کیڑے مکوڑے، درندے، اور جانور؛ جیسا کہ: چیونٹی، ذر (ایک قسم کا کیڑا) اور مکھی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ ان کا کوئی بھی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا۔''

شرح: ...... مصنف رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ - واللہ اعلم - اللہ تعالیٰ نے ان تمام مخلوق کو پیدا کیا اور ان میں حرکت دی: اور ان کو مختلف کاموں پر لگا دیا۔ یہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہی چلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ (طٰہ: ۵۰)

''موسیٰ نے کہا ہمارا مالک وہ ہے جس نے ہر چیز کو ایک (خاص) صورت دی (جو اس کے مناسب ہے) پھر اس کو (زندگی بسر کرینگا) رستہ بتلایا۔''

ان مخلوقات میں سے کوئی بھی خود مختار اور سرکش و باغی نہیں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی ''سنن'' کے

مطابق چل رہی ہیں۔ یہ ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت و عظمت کی نشانی ہیں ؛ جن کو اللہ تعالیٰ نے کئی مصلحتوں کی خاطر پیدا کیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک مخلوق اس خالق کائنات کی ربوبیت اور تصرف کے تحت ایک نظام کی پابند ہے، کسی کو اس سے باہر پر مارنے کی ہمت نہیں ہوسکتی ؛ اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ کوئی ایک ذرہ بھی اس کے حکم اور مرضی کے بغیر حرکت میں نہیں آسکتا ؛ ہر ایک چیز اس کے وسیع اور محیط علم میں ہے، کسی کو اس سے فرار حاصل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوداً إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاء وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَلِكَ وَلا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ (یونس : ٦١)

''اور تم جس حال میں ہوتے ہو یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم لوگ کوئی (اور) کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو ہم تمہارے سامنے ہوتے ہیں اور تمہارے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس (ذرّے) سے چھوٹی ہے یا بڑی، مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِن ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ (سباء : ٣)

''اور کافر کہتے ہیں کہ (قیامت کی) گھڑی ہم پر نہیں آئے گی کہہ دو کیوں نہیں (آئے گی) میرے رب کی قسم! وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی (وہ رب) غیب کا جاننے والا (ہے) ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز ذرے سے چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

اس پیرائے میں مصنف نے دو چیزیں بیان کی ہیں :

- تمام غیر مکلّف حیوانات کا حساب و کتاب ہوگا، اور انہیں بھی میدان حشر میں جمع کیا جائے گا اس کے بعد یہ مخلوقات فنا ہوجائیں گی۔
- یہ تمام مخلوقات اللہ کے حکم سے اور اس کی حکمت کے تحت اپنی ذمہ داریاں نبھارہی ہیں۔

علم الٰہی

۵۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن الله تبارك وتعالىٰ قد علم ما كان أول الدهر ، وما لم يكن ، مما هو كائن أحصاه الله و عده عداً؛ ومن قال: إنه لا يعلم ما كان وما هو كائن ؛ فقد كفر بالله العظيم .))

''اور اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمانے کے شروع میں تھی اور جو نہیں بھی تھی اور جس نے ہونا تھا؛ اللہ تعالیٰ نے اس کی گنتی کر رکھی ہے، اور اس کا شمار کر رکھا ہے اور جس نے یہ بات کہی:

''جو تھا اور جو کچھ ہونے والا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو نہیں جانتا۔'' بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔''

شرح: ......اس پیرائے کو یہاں پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے اس عقیدہ کے انکار میں علم الٰہی کے قدیم اور محیط ہونے کا انکار ہے، جو جمہور مسلمانوں کے عقیدہ و مذہب کے خلاف ہے۔ اس لیے جمہور علمائے کرام نے اس عقیدہ کے حامل لوگوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ فرقہ مصنف کے دور میں پایا جاتا تھا، جن کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کبھی کبھی کسی کام کا علم نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ چیز ظاہر ہو جائے اور وہیں سے یہ عقیدہ شیعہ اور رافضی فرقہ نے لیا ہے، اور اس کا نام ''بداء'' رکھا ہے۔ اس کی اصل جڑیں یہودیت سے نکلتی ہیں۔ اس دور میں بالخصوص اس فکر کا پرچار کرنے والوں کا علم مجھے نہیں ہو سکا کہ کہیں بھی ان کا وجود باقی ہو، سوائے شیعہ اور روافض کے۔ اس پیرائے میں ان ہی لوگوں پر رد ہے۔

مسلمان پر یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے، اور اس کا علم ہر ایک چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ باقی صفات کی طرح اس کے علم کی بھی نہ ہی کوئی ابتداء ہے اور نہ ہی انتہاء۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی کوئی ابتداء اور انتہاء نہیں، ایسے ہی اس کی صفات میں بھی کوئی ابتداء و انتہاء نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاء مبارک سے یہی ظاہر ہوتا ہے؛ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((اللهم "أنت الأول" فليس قبلك شيء ، وأنت الآخر فليس بعدك شيء ، وانت الظاهر فليس فوقك شيء ، وأنت الباطن فليس دونك شيء اقض عنا الدين وأغننا من الفقر))[1]

''اے اللہ! تو ہی پہلا ہے، تجھ سے پہلے کچھ بھی نہیں؛ اور تو ہی آخری ہے؛ تیرے بعد کچھ بھی نہیں؛ اور تو ہی سب سے بلند ہے، تجھ سے اوپر کچھ بھی نہیں ہے؛ اور تو ہی باطن ہے، تیرے علاوہ کچھ بھی نہیں،؛ ہم سے قرض ادا کر دے، اور ہمیں فقر سے غنی کر دے۔''

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا شروع سے علم ہے، اور ہر چیز کے مستقبل کا علم بھی اسی کو ہے اور وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے

[1] مسلم، کتاب التفسیر؛ و رواہ ابو داؤد والترمذی، وابن ماجہ و صححہ الألبانی۔

جونہیں ہوئیں، اگر وہ ہو جاتیں تو کیسے ہوتیں۔ اور جو انسان یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف ان چیزوں کا علم ہے جو ہوگئی ہیں، اور جو ہونے والی ہیں، تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم کو صرف پیش آنے والے حوادث تک محدود کرتے ہیں، اور جو کچھ ابھی نہیں ہوا، اس کا علم اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں مانتے سو وہ بھی کافر ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نقص نکال رہے ہیں۔ جب کہ اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کے علم کو ہر لحاظ سے کامل اور محیط مانتے ہیں، کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں نہ سمجھتے خواہ وہ ہو چکی ہو، یا نہ ہوئی ہو، یا ہونے والی ہو۔

باب:...... معاملات کے بیان میں

۵۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لانكاح إلا بولي وشاهدي عدل و صداقٍ قل أوكثر؛ ومن لم يكن له ولي فالسلطان ولي من لا ولي له.))

''اور ولی، دو عادل گواہوں اور مہر کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہوتا۔ خواہ مہر کم ہو یا زیادہ اور جس کا کوئی ولی نہ ہو، حکمران اس کا ولی ہے، جس کا کوئی ولی نہیں ہے۔''

شرح: ...... یہ فقہی مسئلہ ہے جسے مصنف رحمہ اللہ نے عقائد کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ جس کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ بعض لوگ یہ سوچ رکھتے ہوں کہ نکاح میں ولی کا ہونا یا نہ ہونا عقیدہ سے متعلق ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں جمہور کے ہاں نکاح صحیح ہونے کی شرطوں کا بیان ہے؛ ان شرائط میں سے:

۱۔ ولی کا ہونا ۲۔ گواہوں کا ہونا

۳۔ اور مہر مقرر کیا جانا ہے۔

کوئی عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی؛ اور نہ ہی کوئی عورت کسی عورت کا نکاح کر سکتی ہے اور نہ ہی نکاح چھپکے سے بالکل چھپ کر ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے گواہوں کا ہونا لازمی ہے۔ نکاح میں گواہوں کے مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ جب کہ ولی کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اختلاف کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''بغیر ولی کے نکاح درست ہے۔'' مگر کتاب و سنت کے دلائل اس کے برعکس ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے:

((لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل، وما كان على غير ذلك فهو باطل؛فإن تشاجروا فالسلطان ولي من لا ولي له))[1]

''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہوتا؛ جو اس کے علاوہ نکاح ہو، وہ باطل ہے اور اگر ان کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو حاکم اس کا ولی ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو۔''

[1] أخرجه ابن حبان، ح: ٤٠٧٥ ـ باب الولي، ذكر نفي إجازة عقد النكاح بغير ولي و شاهدي عدل۔

وفي الترمذي : ((البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة)) ❶

ترمذی میں ہے: ''زانیہ وہ عورتیں ہیں جو اپنا نکاح بغیر کسی گواہی کے کرتی ہیں۔''

بیہقی (باب : الشهادة في الدين وما في معناه) میں ہے:

((لا نكاح إلا بولي و شاهدي عدل))

''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہوتا۔''

دوسری روایت میں ہے:

((لا تزوج المرأةُ المرأةَ و لا تزوج المرأة نفسها ، فإن الزانية هي التي تزوج نفسها)) ❷

''کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے، اور نہ ہی کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے، بیشک زانیہ وہ عورت ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جس کا کوئی ولی نہ ہو، ......): سنن الصغری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عورت کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا، جب اس کا نکاح - بغیر ولی کے - کیا گیا تو یہ اس کا نکاح باطل ہے؛ آپ نے تین بار یہ فرمایا۔ اگر وہ اس کے ساتھ صحبت کر لے، تو اس کا مہر ادا کرے گا، اور اگر ان کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو حاکم اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں ہے۔'' ❸

امام صاحب (ابو حنیفہ رحمہ اللہ) اور ان کے پیروکاروں رحمہم اللہ نے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے نکاح میں ولی کا ہونا شرط نہیں رکھا۔ یہاں پر اعتبار دلیل کا ہے؛ نہ کہ اکابر پرستی کا۔ وہ لوگ اپنے اجتہاد میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہیں۔ مگر دلیل ان کے عکس (خلاف) ہے، لہٰذا ان کی رائے اور علمی منزلت و منصب کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے، اسے مانا نہیں جائے گا اور جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو، حاکم وقت یا اس کا نائب اس عورت کا ولی ہوگا، وہ اپنی ولایت سے عورت کی شادی کرے گا۔

اسی طرح عورت کا مہر مقرر کیا جانا بھی ضروری ہے۔ اس کی مقدار متعین نہیں ہے۔ جس عورت کا مہر مقرر کیے بغیر نکاح کر دیا جائے تو اسے مہر مثل ادا کیا جائے گا۔ مہر مثل یہ ہے کہ اس کی بہنوں، یا والدہ یا خالہ وغیرہ کا جتنا مہر ہوگا، اتنا ہی مہر اس عورت کا بھی تصور ہوگا۔

---

❶ باب : لا نكاح إلا ببينة ، ح: ۱۱۰۳۔ ❷ صحيح/ابن ماجة (۱۸۸۲)؛صحيح الجامع (۷۲۹۸)۔

❸ ح: ۲۰۷۰؛ ۲ - باب : لا ولاية لوصي في نكاح۔ أبو داؤد؛ باب : في الولي ، ح: ۲۰۸۵۔ قال الألباني صحيح۔

بغیر ولی کے نکاح کی صورت میں بہت ساری برائیاں ایسی جنم لیتی ہیں جن کا حل کرنا آسان نہیں رہتا۔ چنانچہ وہ لوگ جو کل تک اس نظریہ کی بڑی شدت سے حمایت کرتے تھے، آج وہ بھی اس کا مناسب حل تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اس لیے کہ عورت کمزور عقل والی ہوتی ہے، وہ کسی بھی جگہ دھوکہ کھا سکتی ہے؛ اور کسی بھی ابن الوقت کی باتوں میں آ کر اس سے نکاح کر سکتی ہے اور بعد میں کسی بھی امکانی اختلاف کی صورت میں یہ خاتون نہ شوہر کے گھر کی رہتی ہے اور نہ ہی والد کے گھر کی اور اگر اس کا گھر بس بھی جائے تو والدین کے دل میں ساری زندگی ناراضگی رہتی ہے۔ جب ولی کی مرضی سے شادی ہونے کی صورت میں اگر اللہ نہ کرے، شوہر کے ساتھ اس کا گھر نہ بھی بس سکا تو اسے پناہ دینے کے لیے والدین کا گھر موجود ہے۔ فافهم .

طلاق ثلاثہ کا مسئلہ

۵۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً؛ فقد حرمت عليه؛ ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره .))

''جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں، وہ عورت اس پر حرام ہوگئی۔ یہ اس وقت تک اس کے لیے حلال نہیں ہوسکتی جب تک اس کے علاوہ کسی دوسرے انسان سے نکاح نہ کر لے۔''

شرح: ...... جب کوئی انسان اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے؛ اور وہ طلاقیں بھی علیحدہ علیحدہ ہوں تو وہ عورت اس انسان پر حرام ہوجائے گی۔ اس پر تمام لوگوں کا اجماع ہے۔ مثال کے طور پر کوئی انسان اپنی بیوی سے کہے: ''تجھے طلاق ہے''، پھر عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لے اور پھر کسی وجہ سے طلاق دے تو یہ دو طلاقیں شمار ہوں گی۔ پھر عدت کے دوران رجوع کرنے کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے گا تو یہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے فطری نکاح کرے اور پھر وہ اسے طلاق دے۔ یہ بات یاد رہے کہ جب پہلی یا دوسری طلاق کے بعد وہ اپنی بیوی سے عدت کے دوران رجوع کرنا چاہے تو بلا نکاح اور بغیر حق مہر اسے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر عدت گزر جائے تو نیا نکاح اور نیا حق مہر مقرر کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـــًٔا اِلَّآ اَنۡ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲۲۹۔۲۳۰)

''یہ طلاق (رجعی) دوبار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے، یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمھارے لیے حلال نہیں کہ اس میں سے جو تم نے انھیں دیا ہے کچھ بھی لو، مگر یہ کہ وہ دونوں ڈریں کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھیں گے۔ پھر اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھیں گے تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو عورت اپنی جان چھڑانے کے بدلے میں دے دے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو ان سے آگے مت بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے گا تو یہی لوگ ظالم ہیں۔ پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تو (پہلے) دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں رجوع کر لیں، اگر سمجھیں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، وہ انھیں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے جو جانتے ہیں۔''

صحیح مسلم رجلد اول رص: ۴۷۷ میں ہے: ''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دونوں دوروں میں اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہوا کرتی تھیں ...... الحدیث''

اس حدیث سے ثابت ہوا ایک ہی مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق ہے تو اگر یہ تیسری طلاق نہیں تو عدت کے اندر رجوع بلا نکاح اور عدت کے بعد نیا نکاح مطلقہ بیوی کے ساتھ درست ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

''اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچیں عدت اپنی کو پس مت منع کرو ان کو یہ کہ نکاح کریں خاوندوں اپنے سے جب راضی ہوں آپس میں ساتھ اچھی طرح کے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی دور خلافت میں اکٹھی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ بعد میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی جلد بازی کو دیکھتے ہوئے حکم دیا کہ تین اکٹھی دی جانے والی طلاقوں کو تین شمار کیا جائے۔ یہ حکم وقتی طور پر انہیں تنبیہ کرنے کے لیے اور اس طرزِ عمل سے روکنے کے لیے تھا۔

مگر بعض علماء ابھی تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس وقتی طور پر دیئے گئے حکم پر ہی عمل کرتے ہوئے تین اکٹھی دی جانے

والی طلاقوں کو تین شمار کرتے ہیں۔ مگر طلاق کا طریقہ وہی جائز اور قابل عمل وعقیدہ ہوگا جو طریقہ دین اسلام یعنی قرآن مجید، حدیث مبارکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہوگا۔

یاد رہے نکاح حلالہ حرام ہے۔ اس کے ذریعہ بیگم خاوند کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ [رسول اللہ ﷺ نے حلالہ نکالنے والے اور نکلوانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔''] ● تفصیل مطولات میں دیکھ لیں۔

مسلمان کے خون کی حرمت

۵۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله ويشهد أن محمداً عبده و رسوله؛ إلا بإحدى ثلاث ●: زان بعد إحصان؛ أو مرتد بعد إيمان؛ أو من قتل نفساً مؤمنة [بغير حق] ؛فيقتل به، وما سوى ذلك فدم المسلم على المسلم حرامٌ [أبداً]؛ حتى تقوم الساعة.))

''جو انسان اس بات کی گواہی دیتا ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' اس کا خون حلال نہیں ہوتا سوائے تین لوگوں کے خون کے: ''شادی کے بعد زنا کرنے والا، دین اسلام سے مرتد ہونے والا، یا کسی مسلمان جی کو ناحق قتل کرنے والا، اسے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ جو بھی ہیں، مسلمان کا خون مسلمان پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے؛ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔''

شرح: ......مراد وہ نفوس بشریت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے معصوم قرار دیا گیا ہو۔
یعنی ان نفوس کی حفاظت ہے جن کو شریعت نے اسلام قبول کرنے، یا جزیہ ادا کرنے، یا پھر امان عطا ہونے کی وجہ سے معصوم قرار دیا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾

(الانعام: ١٥١)

''کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

● صحیح سنن ترمذی / للألبانی / الجزء الاوّل / حدیث: ٨٩٤

● اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الدیات؛ باب قوله تعالىٰ ﴿ إن النفس بالنفس ﴾ (١٢/ ٢٠١، مع الفتح) میں نقل کیا ہے اور مسلم نے یہ حدیث: کتاب القسامة؛ باب: ما يباح به دم المسلم ١٦٧٦) میں نقل کیا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله، إلا بأحدى ثلاث: النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمارق من الدين التارك للجماعة)) ❶

''کسی ایسے انسان کا خون بہانا حلال نہیں ہے جو لا إله إلا الله محمد رّسول الله کی گواہی دیتا ہو مگر تین باتوں میں سے کسی ایک کے کرنے پر اس کا خون حلال ہو جاتا ہے، قتل کے قصاص میں قتل، شادی شدہ زانی کو سنگسار کے ذریعہ مار دینا، اور ایسا انسان جو دین کو چھوڑ دے، اور جماعت مسلمین سے خارج ہو جائے۔''

حضرت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قال رسول الله ﷺ :((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فإذا قالوها، وصلوا صلاتنا؛ واستقبلوا قبلتنا؛ وذبحوا ذبيحتنا؛ فقد حرمت علينا دمائهم وأموالهم، إلا بحقها وحسابهم على الله)) ❷

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا إله إلا الله کا اقرار کرلیں۔ جب وہ اس کا اقرار کرلیں، اور ہماری نمازیں پڑھیں، اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کریں، اور ہمارے ذبح کی طرح ذبح کرے، تو یقیناً اس کے خون اور اس کا مال ہم پر حرام ہو جاتا ہے، سوائے اس کے حق کے۔ اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔''

قتل کے جواز کی صورتیں

ارتداد: ...... جب مسلمان اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیدے تو اس کی جان و مال امان پالیتے ہیں۔ جب تک کہ وہ کسی ایسے کام کا ارتکاب نہ کرے؛ جس سے مرتد ہو جائے۔ جب کوئی انسان مرتد ہو جائے تو اسے توبہ کرنے کو کہا جائے گا، اگر وہ جہالت کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے تو اس کا عذر ختم کیا جائے گا، اور اسے سمجھایا جائے گا اور توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ اگر پھر بھی نہ مانے تو اس پر مرتد ہونے کا حکم جاری کیا جائے گا۔ جس کی سزا قتل ہے۔

زنا: .... دوسری صورت جب کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے: وہ شادی شدہ انسان سے زنا کا ارتکاب ہے۔ جب اس کے لیے حد کی شرعی شروط پوری ہو جائیں اور موانع ختم ہو جائیں تو حد جاری کی جائے گی، اور اس آدمی کو سنگسار کیا جائے گا۔ اسلام میں تین چیزوں کے بغیر کسی نفس کو قتل کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ متفق علیہ۔

❷ صحيح البخاري؛ كتاب الصلاة؛ أبواب استقبال القبلة؛ باب فضل استقبال القبلة يستقبل بأطراف رجليه؛ حديث: ٣٨٨.

((لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله ، وأني رسول الله ، إلا بأحد ثلاث: النفس بالنفس ، والثيب الزاني ، و المارق من الدين التارك للجماعة))

''کسی ایسے انسان کا خون بہانا حلال نہیں ہے جو لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہو، مگر تین باتوں میں سے کسی ایک کرنے پر اس کا خون حلال ہو جاتا ہے، قتل کے قصاص میں قتل، شادی شدہ زانی کو سنگسار کے ذریعہ مار دینا، اور ایسا انسان جو دین کو چھوڑ دے، اور جماعت مسلمین سے خارج ہو جائے۔''

قتل ناحق: ...... تیسری صورت: جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان بھائی کو ناحق جان بوجھ کر قتل کر دے۔ تو اس قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۷۸-۱۷۹)

''مسلمانو جو لوگ تم میں مار ڈالے جائیں ان کا برابر کا بدلہ تم پر فرض ہے آزاد کے بدل آزاد غلام کے بدل غلام عورت کے بدل عورت پر جس خونی کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ بھی معافی دی جائے تو معاف کرنے والا دستور کے مطابق (یعنی بغیر سختی کے) قاتل سے خون بہا وصول کرے اور قاتل اچھے طور سے وارث کو دیت ادا کرے یہ (عفو اور دیت کا حکم) تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے آسانی ہے اور مہربانی پھر اس کے بعد۔ جو کوئی زیادتی کرے (یعنی خونی کو مار ڈالے یا زخمی کرے) تو اس کو تکلیف کا عذاب ہوگا عقل مندو قصاص کا قاعدہ تمھارے لیے زندگی ہے۔''

کفار کے لیے امان

اسلام نے جان و مال کا یہ تحفظ صرف مسلمان ہی کو نہیں دیا بلکہ اسلامی معاشرہ میں بسنے والے باقی امتوں [لوگوں] کے لیے بھی ایسے ہی امن ہے جیسے اسلام کے پیروکاروں کے لیے۔ ان کے علاوہ وہ کفار جو کسی اسلامی ملک کے باشندے ہیں، یا کسی معاہدہ کی روشنی میں کسی اسلامی ملک میں آئے ہیں، ان کو قتل کرنا بھی ایسے ہی حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة ، وإن ريحها توجد من مسيرة أربعين عاماً)) (بخاری)

''جس نے کسی عہد پانے والے کو قتل کیا وہ جنت کی بو تک نہیں پائے گا، اور جنت کی خوشبو چالیس سال کے

فاصلے پر آ رہی ہو گی۔"

شریعت نے اس چیز کو حرام کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو، یا کسی دوسرے شخص کو قتل کرے اور وہ تمام وسائل بروئے کار لائے ہیں جن کے ذریعہ نفس کی حفاظت ممکن ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے مومن نفس کی قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((لزوال الدنيا أهون على الله من قتل مؤمن بغير حق)) ❶

"دنیا کا مٹ جانا اللہ کے ہاں ناحق کسی مسلمان کے خون سے زیادہ آسان ہے۔"

ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنے خالق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ" پوچھا اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائیں گے۔" کہا: اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا کہ: تم اپنے پڑوسی کی زوجہ کے ساتھ زنا کرو،،۔ اللہ تعالیٰ نے کلام نبوت کی تصدیق میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ٥ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴾

'اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے؛ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ نفس کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ، اور نہ ہی وہ زنا کرتے ہیں، جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنے گناہ کو پا لے گا، اس کے لیے قیامت کے دن عذاب کو بڑھا دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔" ❷

جنت اور جہنم کے فنا کا مسئلہ

کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ سارے کا سارا فنا ہونے کے لیے ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ٥ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴾ (الرحمن: ٢٦-٢٧)

"(اے پیغمبر) زمین پر جتنی چیزیں ہیں سب فنا ہونیوالے ہیں۔ اور تیرے مالک کی ذات باقی رہی گی جو عزت اور بزرگی والی ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ مگر اس میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو بذات خود تو قائم نہیں رہیں گی، بلکہ اللہ انہیں قائم رکھے گا؛ ان کے لیے فنا کا یہ حکم نہیں ہے۔ مثال کے طور پر: جنت اور جہنم، اللہ تعالیٰ کا عرش اور اس کی کرسی؛ لوح محفوظ اور قلم؛ صور اسرافیل وغیرہ۔ اہل سنت والجماعت کا یہی ایمان ہے۔

❶ ابن ماجة: ٢٦١٩۔ الترمذي: ١٣٩٥۔ ❷ مسلم كتاب الإيمان باب الشرك ح ١٤٢۔

ذیل کے پیرائے میں مصنف اسی کو بیان کررہے ہیں۔

۵۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وکل شيءٍ مما أوجب الله علیه الفنا یفني؛ إلا الجنة والنار؛ والعرش والکرسي؛ واللوح والقلم والصور- لیس یفني شيءٌ من هذا أبداً؛ ثم یبعث الله علی ما ماتوا علیه یوم القیامة؛ فیحاسبهم بماشاء؛ فریق في الجنة و فریق في السعیر- ویقول لسائر الخلق [ممن لم یخلق للبقاء] کونوا تراباً.))

''ہر چیز جس پر اللہ تعالیٰ نے فنا ہونا لکھ دیا ہے وہ فنا ہو کر رہے گی، سوائے جنت اور جہنم؛ عرش اور کرسی؛ لوح وقلم اور صور کے، ان میں سے کوئی چیز کبھی بھی فنا نہیں ہوگی۔'' پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کو اس حالت پر اٹھائے گا جس پر اس کی موت آئی ہو۔ پھر جس طرح چاہے گا ان کا محاسبہ کرے گا؛ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک فریق جہنم میں جائے گا۔ اور باقی تمام مخلوق جو ہمیشہ نہ رہنے کے لیے پیدا ہوئی ہیں؛ سے کہا جائے گا: ''مٹی ہو جاؤ۔'' (اور وہ مٹی ہو جائیں گی)۔

پیرائے کے مسائل

شرح: ......اس پیرائے میں کئی ایک مسائل ہیں؛ ان میں سے:

۱۔ مذکورہ مخلوقات کے علاوہ باقی مخلوقات کے فنا ہونے کا مسئلہ (آگے تفصیل آرہی ہے)۔

۲۔ بعث کا مسئلہ: روز قیامت لوگوں کو ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا؛ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۞ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۵، ۱۶)

''پھر اس (سب) کے بعد تم کو مرنا ضرور ہے۔ پھر قیامت کے دن بے شک اٹھائے جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ انسان کو انہی اعمال پر قیامت والے دن اٹھائے گا جن اعمال پر ان کی موت واقع ہوئی ہوگی۔ مثال کے طور پر وہ حدیث جس میں حاجی یا عمرہ کرتے ہوئے مرنے والے کے متعلق ہے کہ وہ اپنے احرام میں ہی اٹھایا جائے گا، اور ایسے ہی شہید بھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے:

((یبعث کل عبد علی ما مات علیه)) [1]

''ہر انسان کو اسی عمل پر اٹھایا جائے گا جس پر اس کی موت واقع ہوئی ہو۔''

۳۔ حساب کا مسئلہ: یعنی جیسے بھی اللہ تعالیٰ چاہیں گے ان سے حساب لیں گے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، باب: الأمر بحسن الظن باللہ تعالیٰ عند الموت، ح: ۷۴۱۳۔ مستدرك الحاکم، کتاب الجنائز؛ ح: ۱۲۵۹۔ صحیح ابن حبان برقم ۱۳۷۳؛ وازاد فیها: "المؤمن علی إیمانه، والمنافق علی نفاقه" قال شیعب أرناؤ وط: إسناده قوي۔

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (البقرة: ٢٨٤)

''جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے تو اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جسے چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

۴۔ مخلوقات کے حشر کا مسئلہ: تمام مخلوق خواہ وہ مکلّف ہوں یا غیر مکلّف، سب اللہ کی بارگاہ میں جمع ہوں گے، اور مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾ (الانعام: ٣٨)

''اور جو جاندار زمین میں چلتا ہے اور جو پرندہ اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑتا ہے (ان میں سے) ہر ایک کی جماعت ہے تمھاری طرح ہم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی جو کتاب (لوح محفوظ) میں نہ لکھی ہو پھر (قیامت کے دن یہ سب) اپنے مالک کے سامنے اکٹھا ہوں گے۔''

۵۔ انجام کا مسئلہ: ہر انسان کو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیں گے، ان میں سے ایک گروہ جنت میں جائے گا، اور ایک گروہ جہنم میں جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ (الشوریٰ: ٧)

''(اے پیغمبر ﷺ) اور ہم نے اسی طرح (جیسے یہ وحی بھیجی) آپ پر عربی زبان میں قرآن بھیجا؛ تاکہ آپ مکہ والوں کو اور جو ان کے گرد رہتے ہیں ڈرائیں اور اسی دن کی خبر سنائیں جس دن لوگ اکٹھے ہوں گے (یعنی قیامت کے دن) جس میں کوئی شک نہیں؛ خوف دلاؤ؛ (اس دن) ایک گروہ بہشت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔''

روز قیامت لوگوں کی اقسام

روز قیامت لوگ چار قسم کے ہوں گے:

۱۔ وہ مؤمنین جو بغیر حساب و کتاب اور عذاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((...... قال: هؤلاء أمتك ؛ و هؤلاء سبعون[illegible]امهم لا حساب عليهم ، ولا عذاب ـ "قلت: ولِمَ؟ قال: كانوا لا يكتوون و لا يسترقون ، و لا يتطيرون و على

ربهم يتوكلون، ......)) ❶

''...... جبریل نے کہا: یہ آپ کی امت ہے، اور یہ وہ ستر ہزار لوگ ہیں جن کے آگے نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ ہی عذاب۔ میں نے کہا وہ کیوں؟ کہا: یہ ایسے لوگ تھے جو نہ تو تعویذ گنڈے کرتے تھے، نہ ہی بد فالی پکڑتے تھے، اور نہ آگ سے داغتے تھے، اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے تھے۔''

۲۔ وہ لوگ جن کا بہت آسان حساب لیا جائے گا، اور پھر انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ o فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا o وَّیَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ (۷۔۹)

''پھر جس کو نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے گا۔ اس سے تو آسانی سے حساب لیا جائے گا۔ اور وہ خوش خوش اپنے گھر والوں کے پاس (جو بہشت میں ہوں گے) لوٹ جائے گا۔''

۳۔ وہ لوگ جن کا سخت حساب اور سوال و جواب ہوگا، ان کے بارے میں حدیث میں آتا ہے:

((من نوقش الحساب عُذِّب))❷

''جس کے حساب کے وقت مناقشہ (پوچھ گچھ) کی گئی؛ اسے عذاب دیا گیا۔''

۴۔ جن پر حساب صرف ان سے اقرار کروانے کے لیے ہوگا۔ یہ کافر اور منافق لوگ ہوں گے۔ ان کا حساب انہیں بدلہ دینے کے لیے نہیں ہوگا؛ بلکہ انہیں ان کے اعمال کی اطلاع دینے کے لیے ہوگا۔ تاکہ وہ اپنے کفر اور شرک کو دیکھ کر اس کا اقرار کرے۔ اس کے لیے جہنم کے علاوہ کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے؛ آمین

اہل جنت کی اقسام

اہل جنت دو قسم کے لوگ ہیں؛ جیسا کہ نصوص میں وارد ہوا ہے۔ ایک گروہ نشر اور حساب کے وقت سے ہی جنت میں ہوگا؛ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو ان کے اعمال نامے پہلی فرصت میں ہی ان کے دائیں ہاتھ میں تھما دیے جائیں گے۔

اہل جنت کا دوسرا گروہ اہل کبائر (کبیرہ گناہ کرنے والوں) کا ہے۔ اگر ان میں سے بعض کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت کردی تو وہ پہلے ہی جنت میں چلے جائیں گے؛ اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے؛ انہیں ان کے گناہوں کے حساب سے عذاب دیں گے؛ پھر انہیں آگ سے نکال کر جنت میں لے جایا جائے گا۔

---

❶ رواه البخاري ح: ٦٥٤١۔ مسلم ٥٤٩۔

❷ البخاري؛ باب: من نوقش الحساب عُذّب، ح: ٦٥٣٦۔ مستدرك الحاكم كتاب الإيمان، ح: ١٩٠۔ سنن أبي داؤد، باب: عيادة النساء، ح: ٣٠٩٥۔ الترمذي، كتاب التفسير؛ باب: إذا السماء انشقت، ح: ٣٣٣٧۔

جہنم سے یہ لوگ بہت سے اسباب کی وجہ سے نکالے جائیں گے؛ ان میں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت: وہ جسے چاہے اپنی رحمت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دے۔ یہ آخر میں ہوگا۔

۲۔ شفاعت: جن کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دیں گے۔ ان میں سب سے پہلی اور بڑی شفاعت رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اپنی امت کے اہل کبائر کے متعلق ہوگی۔ پھر اس کے بعد دوسری شفاعتیں ہونگی۔ یہ لوگ اجمالی طور پر اہل جنت میں شمار ہوں گے۔ لیکن تفصیل یہ ہے کہ ان لوگوں کو گناہوں پر۔ جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے ۔ عذاب ہوگا، پھر انہیں جنت کی طرف نکالا جائے گا۔

٦۔ مخلوقات کے فنا ہونے کا مسئلہ: یعنی یہ غیر مکلّف مخلوق ۔یعنی جن و انس کے علاوہ باقی مخلوق ۔ سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ، اور وہ مٹی ہو جائیں گے۔ جنات اور انسانوں کے علاوہ وہ مخلوقات بھی فنا نہیں ہوں گی جو جنت یا جہنم کے اندر ہیں؛ جن کے پیدا کرنے میں یہ حکمت بھی پوشیدہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے باقی رہیں اور جن مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے دیگر امور کے لیے پیدا کیا ہے؛ مثلاً: ملائکہ؛ ان کی اپنی ذمہ داریاں ہیں، اور ایسے ہی جنت کے خادم اور حوریں و غلام وغیرہ؛ یہ ایک دیگر مخلوق ہیں۔ مٹی ہو جانے کا یہ حکم دنیا میں پیدا کی گئی ان مخلوقات کے لیے ہوگا جو مکلّف نہیں ہیں اور یہ مرحلہ بھی ان مخلوقات کے آپس میں قصاص کے بعد ہوگا۔ اس وقت جب کافر لوگ اپنے بد اعمال کو دیکھیں گے تو حسرت سے تمنا سے کریں گے کہ اے کاش وہ بھی مٹی ہو جاتے، مگر ایسا ہوگا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا﴾ (النباء: ٤٠)

''جس دن (ہر) آدمی (آدی) مومن ہو یا کافر) جو عمل اس نے آگے بھیجے ان کو دیکھے گا اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا (یا مٹی ہو جاتا)۔''

لوگوں کے جنت اور جہنم میں چلے جانے کے بعد؛ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے فنا کرنا ہوگا ان سے کہا جائے گا مٹی ہو جاؤ، اور وہ مٹی ہو جائیں گی۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے عرش؛ کرسی، لوح محفوظ؛ قلم؛ جنت اور جہنم کے۔

قیامت کے دن بدلہ

۲۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بالقصاص يوم القيامة بين الخلق كلهم؛ بني آدم والسباع؛ والهوام؛ حتى للذرة من الذرة؛ حتى يأخذ الله [عز وجل]؛ لبعضهم من بعض؛ لأهل الجنة من أهل النار؛ وأهل النار من أهل الجنة؛ وأهل الجنة بعضهم من بعض؛ وأهل النار بعضهم من بعض.))

''روزِ قیامت تمام مخلوقات کے درمیان قصاص پر ایمان۔ بنی آدم، درندے؛ کیڑے مکوڑے؛ یہاں تک کہ چیونٹی چیونٹی سے انتقام لے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان آپس میں ایک دوسرے سے بدلے کا فیصلہ کردے۔ اہل جنت اہل جہنم سے، اہل جہنم اہل جنت سے؛ اہل جنت آپس میں ایک دوسرے سے، اور اہل جہنم آپس میں ایک دوسرے سے (بدلہ لے لیں)۔

شرح: ...... اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت میں تمام مخلوقات کو دوبارہ اٹھائیں گے۔ ان میں سے غیر مکلّف مخلوق کو آپس میں قصاص کے لیے اٹھایا جائے گا؛ جب کہ مکلّف مخلوق کو آپس میں قصاص اور ان کے اعمال کا بدلہ دینے کے لیے اٹھایا جائے گا۔ حتی کہ چیونٹیاں بھی آئیں گی اور مظلوم ظالم سے انتقام لے گی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ظلم کو برقرار نہیں رکھیں گے۔ حیوانات؛ چوپاؤں، درند، چرند پرند سب کے انتقام کا وہاں پر آخری مرحلہ ہوگا اور اس کے بعد یہ مخلوقات مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گی۔ کیونکہ ان کے لیے گناہ یا ثواب کا تصور نہیں ہے جس پر انہیں بدلہ ملے۔

جب کہ لوگوں کے مابین سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا۔ اس کے بعد باقی امور کے فیصلے ہوں گے۔ تاکہ ان کا آپس میں حساب وکتاب ختم کردیا جائے، اور لوگ پاک دل ہوکر جنت میں داخل ہوں؛ کوئی ایسا انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا جس پر لوگوں کے کچھ مطالبات ہوں، یا ظلم کا بدلہ باقی ہو؛ یا کوئی اور گناہ باقی ہو؛ یہاں تک کہ دل سے حسد و بغض کو بھی ختم کردیا جائے گا، اور اس کے بعد جنت عطا ہوگی۔ یہ اس وقت ہوگا جب وہ پل صراط پار کرکے قنطرہ کے پاس روکے جائیں گے۔ (اللہ ہمیں بھی ان ہی میں سے ایک بنادے؛ آمین)

گنہگار مؤمن کو عذاب دیا جائے گا، اور وہ جہنم کی آگ میں جل کر اپنی سزا پوری کرے گا؛ اور پھر وہاں سے نکل جنت میں جائے گا۔ اس دن اللہ تعالیٰ جس کے گناہ چاہے گا معاف کردیگا، اور جسے چاہے گا عذاب دے گا؛ مگر مشرک کے بارے میں اس کا پکا اور حتمی فیصلہ ہے کہ جو انسان حالت شرک میں توبہ کیے بغیر مرگیا، اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء: ۱۱۶)

''بیشک اللہ شرک کو معاف نہیں کرتے، اس سے کم جتنے گناہ ہونگے جسے اللہ چاہیں گے معاف کردیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں یہ واضح کردیا ہے کہ مشرک پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کردیا ہے، اور اگر وہ بغیر توبہ کے مرگیا تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیگا؛ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾

(المائدہ: ۷۲)

''اور بیشک جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا، اللہ نے اس پر جنت کو حرام کردیا ہے، اور اس کا ٹھکانہ

جہنم ہے، اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔''

اخلاص نیت

تمام اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔ اگر نیت اچھی ہوگی تو عمل اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوگا، اور اس پر اچھا بدلہ ملے گا اور اگر نیت بری ہوگی، تو اس کا بدلہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ اسلام کے محاسن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نیک کام کا ارادہ کرنے سے بھی انسان کی اچھی نیت کی وجہ سے اس کے نامہ ءاعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور برے کام کا فقط ارادہ کرنے سے اس کے نامہ ءاعمال میں برائی نہیں لکھی جاتی جب تک کہ وہ اس کا ارتکاب نہ کرلے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((عن النبی صلی الله علیه و سلم فیما یروی عن ربه عز و جل قال: ((إن الله کتب الحسنات والسیئات ثم بین ذلك؛ فمن هم بحسنة فلم یعملها کتبها الله له عنده حسنة کاملة فإن هو هم بها وعملها کتبها الله له عنده عشر حسنات إلی سبعمائة ضعف إلی أضعاف کثیرة ومن هم بسیئة فلم یعملها کتبها الله له عنده حسنة کاملة فإن هو هم بها فعملها کتبها الله له سیئة واحدة))[1]

''نبی کریم ﷺ سے روایت ہے، وہ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں، (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا ہے: بیشک اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دی ہیں اور پھر اسے بیان کردیا۔ سو جس کسی نے نیکی کا ارادہ کیا، اور وہ نہیں اس نے نہیں کی؛ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے بھی اپنے پاس اس کے لیے پوری نیکی لکھ دیتے ہیں، (کیونکہ اس نے اس کا ارادہ کیا تھا) اور اگر اس نے؛ نیکی کا ارادہ کیا، اور وہ نیکی کردی؛ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیوں تک، اور اس سے بہت زیادہ گنا، لکھ دیتے ہیں اور اگر کسی نے گناہ کا ارادہ کیا، اور وہ گناہ کیا نہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے (گناہ نہ کرنے کی وجہ سے) ایک نیکی لکھ دیتے ہیں۔ اور اگر اس نے گناہ کا ارادہ بھی کیا، اور گناہ بھی کیا تو تب اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہی بدی لکھتے ہیں۔''

نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل قابل قبول ہوگا، خالص اس کی رضامندی کے حصول کے لیے ہو، اور شرک کے شائبہ سے بالکل پاک ہو۔ جس کام میں کسی بھی طرح سے شرک کی ملاوٹ ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے، جیسا کہ حدیث قدسی ہے:

((أنا أغنی عن شرك الشرکاء، ومن عمل عملا أشرك فیه معي غیری ترکته وشرکه)) (مسلم: ۲۹۸۵)

---

[1] رواه البخاري؛ باب: من هم بحسنة أو بسيئة، ح: ۷۰۶۲۔ أخرجه مسلم في الإيمان باب: إذا هم العبد بحسنة كتبت ... رقم: ۱۳۱.

''میں مشرکین کے شرک سے بری ہوں ، جس نے ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا میں اسے اور اسکے شرکیہ عمل کو چھوڑ دیتا ہوں۔''

ذیل کے پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ اسی نیت کے مسئلہ کو بیان کررہے ہیں۔

۱۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((و إخلاص العمل لله .))

''اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص عمل (اہل سنت والجماعت کے ایمان کا حصہ ہے)۔''

قبولیت اعمال کی شرائط

شرح: ......اخلاص ہر عمل کی اصل بنیاد اور اس کا نچوڑ ہے۔ اخلاص نیت کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتے ۔یعنی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال قبول ہونے کا پہلی شرط اخلاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ (البينه : ٥)

''اور انہیں اسی چیز کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں ؛ اور یہ کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں ، یہی پکا دین ہے۔''

احادیث میں بھی اخلاص نیت کی بڑی اہمیت آئی ہے ، اور اسے تمام نیک اعمال کے لیے بنیاد قرار دیا گیا ہے؛ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرىء ما نوى ، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله ، ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها، أو امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه)) (متفق عليه)

''بیشک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر انسان کے لیے وہی ہے جس چیز کی اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہو، اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی ، اور جس نے اس غرض سے ہجرت کی کہ وہ دنیا کا کچھ ساز وسامان پائے ، یا کسی عورت سے شادی کرے، تو اس کی ہجرت اسی طرف ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔''

دوسری شرط: اعمال قبول ہونے کی دوسری شرط سنت کا اتباع ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عمل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو؛ اس میں اپنی طرف سے کسی بدعت یا خرافات کی ملاوٹ نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بدعت کو قبول نہیں کرتے ، بلکہ اس پر معاقبہ ہوگا، اور سزا ملے گی۔

اپنے نبی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے نبی! آپ کہہ دیجئے:

﴿وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الانعام: ١٥٣)

''اور یہ (دین) میرا سیدھا راستہ ہے اس پر چلو، اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، تمہیں اس چیز کی وصیت (یعنی تاکید) کی جاتی ہے تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو۔''

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''السبل'' سے مراد بدعات ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

((من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد)) (بخاری)

''جس نے ہمارے اس (دین) کام میں نئی چیز داخل کی، جو اس دین میں نہیں تھی، وہ مردود ہے۔''

دوسری حدیث ہے:

((من عمل عملًا ما لیس علیه أمرنا فهو رد .))

''جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہماری شریعت کا حکم نہیں ہے وہ مردود ہے۔''

جب تک عمل سنت کے مطابق نہ ہوگا، بے فائدہ ہی نہیں، بلکہ نقصان دہ ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بدعت کو قبول نہیں فرماتے۔ بلکہ اس پر انسان کو سزا ملتی ہے، اور اس کا معاقبہ ہوتا ہے۔ اگر انسان کسی عمل کرنے میں خود کو تھکا دے، مگر اس میں اخلاص نہ ہو تب بھی وہ ریت کے اڑتے ہوئے ذرّوں کی مانند ہے؛ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر انسان کسی عمل میں انتہائی ریاضت و مجاہدہ و مشقت کرلے، مگر وہ عمل سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق نہیں ہے، تب بھی اس عمل کے کرنے پر اسے کوئی اجر نہیں ملے گا، بلکہ الٹا عذاب ہوگا؛ اور وہ عمل جہنم میں جانے کا سبب بن جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((کل بدعة ضلالة ، -أو کما قال ﷺ -:وکل ضلالة فی النار))

''ہر بدعت گمراہی ہے، -اور فرمایا-: ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔''

ایسا عمل؛ جس پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے، جتنی بھی محنت سے کرلیا جائے اللہ کے ہاں ناقابل قبول او رمردود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ○ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ○ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً﴾ (الغاشیة: ٢-٥)

''کتنے (لوگوں کے) منہ اس دن جھکے ہوئے ہونگے۔ محنت (مشقت کر کے تھک کر) چور ہو گئے ہوں گے بیحد گرم آگ میں جا داخل ہوں گے۔''

تقدیر پر رضا مندی

تقدیر پر ایمان رکھنا ایمان کے چھ ارکان میں سے ایک ہے۔ اہل سنت و الجماعت کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

چیزوں کی تقدیریں مقرر کیں، اور ان کے بارے میں ازل سے ہی فیصلے کر لیے۔ اس دنیا میں جو کچھ رونما ہو چکا، اور جو کچھ ہونے والا ہے، اس سب کا اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے بس اس کا ظہور ہونا باقی ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

((أول ما خلق الله القلم ، فقال له: أكتب ، قال ما أكتب ؟ قال : اكتب ماكان وما هو كائن إلى الأبد .)) (ترمذی: ۲۱۵۵ صحیح)

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے کہا لکھ، اس نے کہا: کیا لکھوں؟ فرمایا: "جو کچھ تھا، اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے، (سب لکھ دے)۔"

قلم نے وہ سب کچھ لکھ دیا جس کا اسے حکم ملا تھا، جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا، جو کسی کو مل گیا وہ ٹلنے والا نہیں تھا، اور جو ٹل گیا وہ ملنے والا نہیں تھا؛ قلم اٹھا لیے گئے ہیں، اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہی وہ تقدیر ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے بارے میں مصنف رحمہ اللہ درج ذیل کے پیرائے میں بیان کر رہے ہیں:

۱۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والرضى بقضاء الله .))

"اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہنا۔"

شرح: ...... حدیث جبریل میں رسول ﷺ نے ایمان کی تعریف یوں کی ہے:

((أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وأن تؤمن بالقدر خيره وشره)) (مسلم)

"یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے ملائکہ پر ایمان لاؤ، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، اور آخرت کے دن پر، اور یہ کہ تم اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ: اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں کچھ چیزوں کا فیصلہ کر دیا ہے، اور انہیں لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے؛ اور پھر انہیں اپنی مرضی اور ارادہ سے پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لایا۔

تقدیر پر ایمان کے مراتب

اہل سنت والجماعت کے ہاں تقدیر کے چار مراتب ہیں ان تمام پر ایمان رکھنا واجب ہے:

۱۔ **علم** : تقدیر پر ایمان کا پہلا مرتبہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جان رکھا تھا؛ جو کچھ تھا، اور جو کچھ ہوا، اور جو کچھ قیامت تک ہوگا، اس سب کا اللہ تعالیٰ کو تفصیلی علم ہے۔ اور بندہ اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس نے چھوٹی بڑی تمام چیزوں کی تقدیر لوح محفوظ میں لکھ دی ہے۔ اس کی منشا

ومرضی میں کوئی کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے ان کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ (قمر: ٤٩)

''بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے مطابق پیدا کیا ہے۔''

اور یہ علم ازل سے ابد تک ہے۔ خواہ ان افعال کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات سے ہو یا بندوں سے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ (الطلاق: ١٢)

''تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے اور اللہ اپنے علم سے ہر ایک چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

حدیث میں آتا ہے:

((إن الله كتب مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموات والأرض بخمسين الف سنة عنده فى الكتاب)) ❶

''اللہ نے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام اشیاء کی تقدیر اپنے پاس ایک کتاب میں لکھ دی تھی۔''

۲۔ **کتابت**: اس بات پر ایمان کہ اللہ نے ہر ایک چیز کے متعلق معلومات کو اس کے وجود میں آنے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴾ (الحج: ٧٠)

''کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان وزمین کی ہر ایک چیز اللہ کے علم میں ہے اور یہ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے اور اللہ کے لیے یہ بہت آسان ہے۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴾ (الحديد: ٢٢)

''(لوگو) جو آفتیں زمین پر آتی ہیں (مثلاً قحط زلزلہ طوفان وغیرہ) اور جو خود تم پر آتی ہیں (مثلاً دکھ بیماری موت وغیرہ وہ) سب اس آفت کے پیدا کرنے سے پہلے ہی لوح محفوظ ہیں (لکھی ہوئی) موجود ہیں بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب باتیں (لکھ لینا) آسان ہے (کوئی مشکل کام نہیں)۔''

۳۔ **مشیت و ارادہ**: کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا، اور اس نے چاہا تو یہ حوادث/ امور سامنے آئے جیسے کفر اور ایمان؛

❶ مستدرک حاکم، کتاب الإیمان ح: ۵۔

اطاعت اور نافرمانی؛ نیکی اور برائی؛ خیر اور شر۔ ان تمام چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کا (کونی) ارادہ تھا۔ ❶ اللہ تعالیٰ کے ملک میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوسکتی جس کا وہ ارادہ نہ کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ایمان و کفر اور خیر وہ شر کے ارادہ میں حکمت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خیر کا ارادہ کیا، اور وہ اسے پسند کرتا ہے، اور خیر کے کام کرنے پر راضی ہوتا ہے اور شر (برائی) کا بھی ارادہ کیا، مگر شر (برائی) کے کاموں کو ناپسند کرتا ہے، اور ان کے کرنے پر ناراض ہوتا ہے۔ اس سارے عمل سے مقصود بندوں کی آزمائش اور ان کا امتحان ہے۔ اگر خیر کے علاوہ ''شر'' نہ ہوتا، تو تمام کے تمام لوگ فرشتہ سیرت اور خیر کے کام کرنے والے ہوتے؛ اور کسی کا کوئی امتیاز باقی نہ رہتا اور نہ ہی اس کے بندوں کا امتحان ممکن ہوتا اور اگر فقط برائی (شر) ہی ہوتی، تو نیک اعمال کرنے والے کا کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ نہ ہی پاک اور خبیث جدا ہوسکتے، اور نہ ہی کافر اور مؤمن کی پہچان ممکن ہوتی۔ الغرض یہ کہ ساری کائنات میں پائی جانے والی ہر ایک حرکت اور ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی کے تابع ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (یس: ۸۲)

''بے شک اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (التکویر: ۲۹)

''تم کوئی چیز نہیں چاہتے مگر وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتے ہیں۔''

۴۔ **خلق**: تمام مخلوقات، ذات، صفات اور اعمال سمیت اللہ نے پیدا کی ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ (الزمر: ٦٢)

''اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الصافات: ۹۶)

''تم کو اور تمہارے اعمال کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔''

انسان اور اس کے افعال و اعمال اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں۔ مگر انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے یہ کسبِ اعمال کرتا

❶ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی دو قسمیں ہیں: کونی ارادہ اور شرعی ارادہ۔
کونی ارادہ کے تحت اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتے ہیں کائنات میں وہی ہوتا ہے، کوئی چیز اس سے ہٹ کر نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس سے کسی کو راہِ فرار حاصل ہے۔ جب کہ شرعی ارادہ کبھی پورا ہوتا ہے، اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔

ہے، اور ان امور کو بجالاتا ہے۔ان ہی میں سے بعض اعمال بعض دوسری چیزوں کے لیے اسباب ہوتے ہیں۔

پس مؤمن کسی بھی حال میں خواہ غم ہو یا خوشی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہ ہی شکوہ کرتا اور نہ ہی اتراتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے طے شدہ تقدیر پر راضی رہتا ہے۔مصائب کے وقت وہ نہ ہی گریہ وزاری اور شکوہ کرتا ہے، نہ ہی خوشی کے وقت گھمنڈ کا شکار ہوتا ہے۔ بلکہ مصیبت آئے تو صبر کرتا ہے، اور خوشی ملے تو شکر کرتا ہے، اور ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی ہوتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عـجباً لأمر المؤمن ، إن أمره كله خير ، ليس ذاك لأحد إلا للمؤمن؛ إن أصابته سراءُ شكر ، فكان خيراً له۔وإن أصابته ضرَّاءُ صبر ، فكان خيراً له)) [1]

''مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اس کا تمام کام بھلائی کا ہے، اور یہ مومن کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہے۔اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ [اللہ کا] شکر ادا کرتا ہے، یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے،تو اس پر وہ صبر کرتا ہے، یہ اس کے لیے بہتر ہے۔''

تقدیر اور صبر

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والـصبر عـلى حكم الله ؛ والإيمان بما قال الله عز وجل ؛ والإيمان بأقدار الله كـلها؛ خيرها و شرها؛ وحلوها و مرها۔ وقد علم الله ما العباد عاملون؛ وإلى ماهم صـائرون؛ لا يخرجون من علم الله ۔ و لا يكون في أرضين؛ ولا في السموات إلا مـا عـلم الله عزوجل؛ و تعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك؛ وما أخطأك لم يكن ليصيبك ؛ ولا خالق مع الله عزوجل .))

اور اس کے حکم پر صبر کرنا؛ اور اللہ تعالیٰ کے فرامین پر ایمان رکھنا ،اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تقدیروں پر ایمان؛ اچھی اور بری ،میٹھی اور کڑوی (ہر قسم کی تقدیر اللہ ہی کی جانب سے ہے)۔اللہ تعالیٰ نے جان رکھا ہے کہ اسکے بندے کیا کرنے والے ہیں؛ اور وہ کس طرف کو جانے والے ہیں؛ اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں جاسکتے ۔زمینوں اور آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے علم کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکتا اور یہ بھی جان لے کہ جو تجھے پہنچ گیا ہے وہ ٹلنے والا نہیں تھا اور جو ٹل گیا ہے، وہ تجھے ملنے والا نہیں تھا۔اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خالق نہیں ہے۔

شرح: ......خواہ یہ حکم امر کی صورت میں ہو، یا کسی بات کی ممانعت ہو،اس کو اللہ خالق و مالک کا حکم تصور کرتے

[1] مسلم : كتاب الزهد والرقائق؛ باب المؤمن أمره كله خير؛ حديث ٥٤٢٨.

ہوئے اس کی مخالفت سے باز رہنا بھی صبر کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾

(العنکبوت: ٥٨، ٥٩)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ہم اسے ایسی جنت میں گھر دیں گے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ عمل کرنے والوں کا بہترین اجر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

ان امور میں تقدیر و قضا کی حجت پکڑنا جن میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے، اچھی بات ہے۔ اس لیے کہ یہ تسلیم و رضامندی کی نشانی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾

(البقرة: ١٥٥-١٥٦)

''اور البتہ ہم تم کو کچھ ڈر کچھ بھوک کچھ مال کچھ جانوں کچھ پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے۔ ان کو جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف جانے والے ہیں۔''

مگر ان برے افعال و اعمال پر تقدیر و قضا کی حجت پیش کرنا برا ہے جو انسان کے اپنے اختیار میں ہیں۔ بیشک اس میں ان کے لیے تقدیر کی کوئی حجت نہیں ہے۔ بلکہ اس پر ان کا معاقبہ ہوگا، اور سزا ملے گی۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت کا فائدہ اٹھائیں، اور اس کی بارگاہ میں سچی توبہ و استغفار کر کے اس کو راضی کر لیں اور اپنے گناہ معاف کروالیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں جا سکتے)۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا عالم ہے۔ اس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ کافر کے کفر کو بھی جانتا ہے، اور فاسق کے فسق کو بھی۔ ایماندار کے ایمان کو بھی جانتا ہے، اور فرمانبردار کی اطاعت کو بھی؛ کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہو سکتی۔ مگر اس کے باوجود وہ بدکرداروں اور ظالموں کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعِندَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾

(الانعام: ٥٩)

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اُسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اُس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

نیز ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ﴾

(ابراهیم ۴۲)

''اور یہ مت سمجھ کہ اللہ ظالموں کے کاموں سے بے خبر ہے؛ بیشک اللہ ان کو اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔''

منکرین تقدیر پر رد

اس پیرائے میں تقدیر کے منکرین پر رد کیا جارہا ہے، کہ جان لو جو کچھ بھی آپ کو پہنچے؛ خواہ وخیر کا معاملہ ہو یا شر کا، وہ اس کے ظہور میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا، وہی خیر وشر اور ان کے اسباب کا پیدا کرنے والا ہے۔ خیر کے حصول اور شر سے دفاع کے لیے؛ ان کے ظاہر ہونے سے پہلے؛ اسباب کا ہونا ممکن امر تھا۔ اس لیے کہ قدریں اسباب کے ساتھ معلق ہیں۔ جب کوئی چیز ہو جائے، تو واجب ہوتا ہے کہ آپ اس بات میں غور وفکر کرنا ترک کردیں کہ آپ کے لیے یہ ممکن تھا کہ اس سے بچ جاتے۔ اور یہ نہ کہیں اگر میں ایسے کرتا تو ایسے ہوتا۔ اس لیے کہ یہ ''اگر مگر'' انسان کے لیے شیطانی دروازے کھول دیتا ہے اور جو کچھ ابھی تک نہیں ہوا، اس کے لیے آپ اسباب مہیا کرسکتے ہیں۔ (مثال کے طور پر صدقہ دینا، اس سے بلائیں ٹل جاتی ہیں؛ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا وغیرہ)۔ مذکورہ عبارت میں بھی '' قدریہ فرقہ'' پر رد ہے، جو کہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔

قدریہ کی اقسام

قدریہ دو قسم کے ہیں:

۱۔ جو ہر قسم کی - اچھی اور بری - تقدیر کے اللہ کی جانب سے ہونے کا انکار کرتے ہیں؛ اور ان کا کہنا ہے: نہ ہی اللہ تعالیٰ نے کوئی تقدیر لکھی ہے، اور نہ ہی ان چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا یہاں تک کہ یہ واقعات پیش آ گئے۔ انہیں غالی قدریہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ وہ لوگ جو بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے کا انکار کرتے ہیں اور اچھی تقدیر کو من جانب اللہ ہی مانتے ہیں اور ان کا گمان/عقیدہ یہ ہے کہ بری تقدیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ ان لوگوں نے آہستہ آہستہ تقدیر کا کلی انکار ترک کیا، اور اللہ تعالیٰ کے لیے پہلے سے علم کا ہونا تسلیم کیا اور پھر بھی بری

تقدیر کا انکار کرنے لگے۔ حالانکہ تقدیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ایک علیحدہ معاملہ ہے، اور کسی چیز کا اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہونا دوسرا معاملہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ ہی شر کو پسند کرتے ہیں، اور نہ ہی اس پر راضی ہوتے ہیں، مگر اسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی تقدیر میں لکھ دیا ہے؛ جو کہ ان کا امتحان اور ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

زمینوں اور آسمانوں کی اصل بادشاہی اس کے ہاتھ میں، اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کا پابند ہے اور اس کی مرضی ور چاہت کے خلاف کچھ بھی نہیں ہوسکتا؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف: ٥٤)

''دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکتوں والا ہے۔''

اس پیرائے میں معتزلہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الصافات: ٩٦)

''حالانکہ تم کو اور تمہارے اعمال کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔''

ایسے ہی مختلف مصائب و پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہنا بھی صبر اور تقدیر پر ایمان کا حصہ ہے۔ مثال کے طور پر اولاد کا والدین، والدین کا اولاد اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ، پیار ومحبت، شفقت اور الفت انسانیت کا ایک اہم تعلق ہے۔ یقیناً اقارب کی جدائی کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ دل ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے، اس موقع پر صبر کرنا، گریہ وزاری، آہ وبکا سے پرہیز، رونے دھونے اور ماتم سے اجتناب اور اللہ کی رضا پر کامل رضامندی ایمان اور حسن اسلام کی نشانی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے بے بہا اجر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ١٠)

''بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے پورا پورا دیا جائے گا۔''

مصنف رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا پیرایہ میں قدر کے مباحث کی طرف اور ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو ''قدر'' کے متعلق گمراہی کا شکار ہوگئے؛ جیسے کہ قدریہ اور جبریہ اور غالی فرقے۔ اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا اور اس کے حکم پر صبر کرنا ایک عام حکم ہے۔ انسان پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لکھے گئے فیصلہ پر راضی رہے، اور اس کے حکم پر صبر کرے۔ اس میں کمزور ایمان والے لوگوں کے لیے تذکیر اور وعظ ونصیحت ہے؛ اس لیے کہ کمزور ایمان کی وجہ سے ہی یہ برائیاں جنم لیتی ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خالق نہیں):

یہ بھی مراتب قدر کے تابع ایک جملہ ہے۔ اس جملہ میں ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے فعل کا خالق خود ہے۔ بیشک اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی مخلوق؛ اور اچھے اور برے افعال کا خالق ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور خالق

نہیں ہے، تمام تر مخلوقات اس ایک اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اِئْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (احقاف: ٤)

''کہہ دیجیے بھلا دیکھو تو سہی جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؛ مجھے دکھلاؤ تو انھوں نے زمین کیا بنایا یا آسمانوں میں اس کا کوئی شریک ہے اگر تم سچے ہو تو سے پہلے کی کوئی آسمانی کتاب یا اگلی کوئی عملی روایت اپنی بات کے ثبوت میں لے کر آؤ۔''

وہ اکیلا ہی خالق و مالک ہے، اس کے علاوہ دنیا بھی کی تمام مخلوقات مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ﴾ (الحج: ٧٣)

''لوگو (تمھارے سمجھانے کے لیے) ایک مثال بیان کی جاتی ہے دل لگا کر سنو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (بت یا اوتار یا جن یا شیطان یا اولیاء وغیرہ) وہ ہرگز ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے گو اس کے (بنانے کے لیے) (سب کے سب) اکٹھا ہو جائیں (سب مل کر بھی نہیں بنا سکتے) اور (خیر بنانا تو کجا) اگر مکھی ان سے کچھ اچک لے (چھین کر چل دے) تو (پھر) اس سے وہ چیز چھڑا نہیں سکتے (وہ ہاتھ کہاں آتی ہے) چاہنے والا اور جسے چاہتے ہیں دونوں بودے کمزور۔''

نماز جنازہ کا بیان

۶۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والتكبير على الجنائز أربع؛ وهو قول مالك بن أنس و سفيان الثوري؛ والحسن بن صالح؛ وأحمد بن حنبل؛ والفقهاء؛ وهكذا قال رسول الله ﷺ.))

''جنازہ پر تکبیریں چار ہیں۔ یہی مالک بن انس، سفیان ثوری، حسن بن صالح ❶، احمد بن حنبل اور فقہاء رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

شرح: ...... اگرچہ یہ ایک فرعی مسئلہ ہے لیکن مصنف نے اسے یہاں پر ذکر کیا ہے تاکہ جنازہ کے مسئلہ میں صحیح سنت واضح کرسکیں۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں مشہور یہی قول ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیر ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی

❶ حسن بن صالح، ہمدانی؛ ثقہ، فقیہ، عابد ہے۔ شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا؛ ۱۶۹ ہجری میں انتقال ہوا۔ ''تقریب'' (ص ۲۳۹)؛ سیر اعلام النبلاء (۷/۳۶۱)۔

روایت میں ہے:

((صلی رسول اللهﷺعلی النجاشي صلاة الغائب ، و كبَّر أربعاً))❶

’’رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔‘‘

یہاں مصنف رحمہ اللہ نماز جنازہ کی مختلف صورتوں میں سے ایک کو ترجیح دی ہے۔اس لیے کہ نماز جنازہ کی کئی صورتیں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں، اور کسی بھی مسلمان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی دوسری سنت پر عمل کرنے والے پر ردّ اور تنقید کرے۔ اس لیے کہ ہر وہ فعل جس کی مختلف صورتیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہوں، اور ان میں سے کسی ایک کے خاص ہونے کی کوئی دلیل یا نص نہ ہو؛ تو وہ اپنے عموم جواز پر باقی رہے گی۔ جیسے کہ نماز خوف، اس کی کئی صورتیں ہیں۔ ایسے سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں ان کی کئی صورتیں ہیں۔ایسے ہی نماز جنازہ بھی ہے۔اس کی کئی صورتیں جن کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے، مگر راجح یہی ہے کہ چار تکبیریں کہی جائیں؛ اور اس پر امت کا آج تک عمل چلا آرہا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:’’بیشک رسول اللہ ﷺ کو نجاشی کے مرنے کی خبر اسی دن پہنچی جس دن اس کا انتقال ہوا تھا۔آپ لوگوں کو لے کر جنازہ گاہ کی طرف گئے، صفیں بنائی گئیں، اور آپ نے چار تکبیر نماز جنازہ پڑھی۔‘‘❷

جنازہ پر نو تکبیروں تک کہنا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ سے ایسا کرنے کا ثبوت موجود ہے۔❸

مگر کسی عالم یا طالب کے لیے جائز نہیں ہے کہ شاذ یا متروک العمل روایات لے کر ان کے مطابق زیادہ تکبیریں شروع کردے، اور لوگوں کو تشویش میں مبتلا کردے۔اس لیے کہ لوگ چار تکبیروں پر چل رہے ہیں، اور یہی ان کی عادت بن گئی ہے، اور اسی پر اجماع بھی ہے۔اہل علم اس کی پابندی کرتے چلے آرہے ہیں۔وہ ہم سے زیادہ علم، تقوی اور فہم و فراست والے تھے۔اگر ایسا کرنے میں کوئی خیر ہوتی تو وہ ضرور اس پر عمل کرتے۔مگر کہیں بھی آج تک ایسا نہیں ہوا۔جب تک لوگ ایک سنت پر عمل کر رہے ہوں تو کوئی دوسری روایت لاکر ان میں اضطراب اور ہیجان پیدا کرنا بالکل ناجائز ہے۔فقہاء کرام اور محدثین نے ان روایات کا علم رکھنے اور اس مسئلہ کو تحریر کرنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا۔لہٰذا ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے کامیابی اسی میں ہے۔

---

❶ بخاری (١١٨٨)، مسلم (٩٥١)۔عن أبي هريرة۔

❷ اسے بخاری نے روایت کیا ہے: کتاب الجنائز باب: التكبير على الجنازة أربعاً؛۔ ومسلم (٩٥١) كتاب الجنائز، باب التكبير على الجنازة۔"

❸ دیکھیں:’’المجموع‘‘ للنووی (٢١١/٥)؛ اور ’’شرح السنة،، للبغوی (٥/ ٣٤١)؛ و ’’سبل السلام‘‘ للصنعانی (١٤٣/٢) و ’’زاد المعاد‘‘ لابن القیم (١/ ٥٠٧-٥٠٩)و أحكام الجنائز للألبانی (ص ١١١-١١٤)۔

بارش اور فرشتے کا نزول

٦٤-:(قال المصنف رحمہ اللہ):

((والإيمان بأن مع كل قطرة ملكاً ينزل من السماء؛ حتى يضعها حيث أمره الله عزوجل .)) ❶

٦٤-:(مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں): اور اس بات پر ایمان کہ ہر قطرہ کے ساتھ آسمانوں سے فرشتہ نازل ہوتا ہے، یہاں تک کہ اسے اس جگہ پر رکھ دے جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو۔

شرح: ......اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بارش آسمانوں سے اترتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مقرر شدہ انداز ے کے مطابق نازل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ﴾

(المؤمنون: ١٨)

''اور ہم نے ایک انداز کے ساتھ آسمان سے پانی برسایا پھر زمین میں اس کو ٹھہرا رکھا اور ہم اس پانی کو اڑا لے جائیں تو بھی ہم اس پر قادر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہی جہاں چاہتا ہے بارش نازل کرتا ہے، جہاں وہ نہیں چاہتا بارش نازل نہیں ہوتی اور اسی کے حکم سے اس بارش زمینوں کو فائدہ پہنچتا ہے؛ وہ جب چاہتا ہے تو اسی بارش کو خوش خبری اور رزق کا سبب بنا دیتا ہے، اور جب وہ چاہتا ہے تو اسی بارش کو اپنے نافرمانوں اور مجرموں سے انتقام لینے کے لیے عذاب بنا دیتا ہے۔ غیر کوئی بھی امر اس کی قدرت سے باہر نہیں ؛ اور نہ ہی کوئی چیز اسے عاجز یا مجبور کر سکتی ہے۔ قدرت مطلق اور کامل اسی کی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بارش کی ذمہ داری پر مامور فرشتے کا نام میکائیل ہے۔

چاہِ بدر کے مردے اور کلام نبوت

٦٥۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن النبي ﷺ حين كلم أهل القليب يوم بدرٍ ؛-[أي] المشركين- [كانوا] يسمعون كلامه .))

''اور اس بات پر ایمان کہ جب نبی کریم ﷺ نے بدر کے کنوئیں والوں سے کلام کیا تو وہ آپ ﷺ کی بات سن رہے تھے۔''

❶ یہ حکم بن عتیبہ اور حسن بصری رحمہما اللہ کے اقوال میں سے ہے۔ حکم کا قول امام طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں'' ۱۴/ ۱۹) میں، اور ابو الشیخ نے "العظمة " (٤٩٣) میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ کا اثر ابو الشیخ نے "العظمة " (٧٦١) میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مزید دیکھیں:"البداية والنهاية "لابن كثير: (١/ ٤١)؛الدر المنثور للسيوطى : (٥/ ٧١)۔

شرح: ......اسلام اور کفر کے درمیان پہلا معرکہ غزوہ بدر تھا؛ جسے اللہ تعالیٰ نے ''یوم الفرقان'' یعنی ''حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے دن'' سے تعبیر کیا ہے۔ جب جنگ ختم ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کفار مقتولین کے پاس آئے جن کی تعداد ستر تھی، اور کہا: تم لوگ اپنے نبی کے بڑے ہی بُرے رشتہ دار تھے، تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا، جبکہ دوسروں نے میری تصدیق کی، اور تم لوگوں نے مجھے اکیلے چھوڑ دیا، اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی۔ تم لوگوں نے مجھے میرے گھر اور شہر سے نکال دیا، اور لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے تمام کفار مقتولین کو کنویں میں پھینک دینے کا حکم دیا، چنانچہ وہ سب کے سب اس میں پھینک دیئے گئے، سوائے امیہ بن خلف کے جس کا جسم زرہ میں پھول گیا تھا، جب مجاہدین نے اسے ہلانا چاہا تو اس کے ٹکڑے ہونے لگے، اس لیے اسے وہیں چھوڑ دیا، اور اس پر مٹی اور پتھر ڈال دیے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کنویں کے کنارے کھڑے ہو کر کہا:

> ''اے عتبہ بن ربیعہ، اور اے شیبہ بن ربیعہ، اور اے فلاں اور اے فلاں! کیا تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا، اسے سچ پایا؟ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا، اسے میں نے سچ پایا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ایسے لوگوں سے مخاطب ہیں جو مر چکے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ ان سے زیادہ میری بات نہیں سن رہے ہو۔'' ❶

سماع موتی کا مسئلہ

بدر کے کنوئیں میں پڑے کفار سے خطابِ نبوت اگرچہ آپ کے معجزات میں سے ہے، تاہم اس بنیاد پر ایک اہم مسئلہ امت میں پیدا ہوا ہے۔ یعنی سماع موتی کا مسئلہ۔

سماع موتی کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے، جس میں قدیم اور جدید دور میں مختلف رائیں رہی ہیں اور اس کی وجہ سے اہل بدعت نے اپنے مشرکانہ اور مبتدعانہ افعال کو سہارا دینا شروع کیا ہے۔ اس لیے اس کی وضاحت بھی بقدر حاجت ضروری ہے۔ اس میں کئی ایک مسائل ہیں:

۱۔ کیا وہ مطلق طور پر سنتے ہیں یا بعض حالات میں سنتے ہیں؟
۲۔ اور کیا کچھ سنتے ہیں؟ ۔ اگر سماع مطلق کا کہیں تو کیا وہ ہر بات سنتے ہیں، یا بعض باتیں سنتے ہیں؟
۳۔ اور جو کچھ سنتے ہیں تو کیا اس کا جواب بھی دیتے ہیں؟
۴۔ اگر جواب دیتے ہیں تو کیا یہ جواب مطلق ہوتا ہے یا بعض امور میں؟

ان مسائل میں سے بعض تو ضعیف ہیں، اور بعض کی کوئی اصل یا بنیاد ہی نہیں ہے۔

❶ صحیح البخاری، حدیث: (۳۹۷۹)، اور دیکھئے: صحیح مسلم اور سنن نسائی، کتاب الجنائز اور السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر: ۲/ ۴۴۹ - ۴۵۳۔

سب سے پہلے یہ کہ: مردے مطلق طور پر سب کچھ سنتے ہیں۔ یہ مرجوح قول ہے۔ وہ مطلق نہیں سنتے۔ بلکہ ان کا سماع مقید ہوتا ہے۔

۲۔ ایسے ہی یہ کہنا کہ مردے زندوں کو جواب بھی دیتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ سوائے انتہائی محدود چند امور کے؛ جیسے کہ سلام کا جواب دینا۔

۳۔ ایسے ہی یہ کہنا کہ مردے نفع اور نقصان دے سکتے ہیں یہ قول قطعی طور پر باطل اور من گھڑت ہے۔ اس لیے کہ مردے کسی زندہ کو کوئی نفع یا نقصان نہیں دے سکتے اور نہ ہی کسی پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتے ہیں۔

سماع موتی کا مسئلہ اگرچہ سلفِ صالحین کے دور سے ہی مختلف فیہ رہا ہے۔ تاہم جن لوگوں نے اس کے مطلق اثبات کا کہا ہے انہوں نے کئی باتوں سے استدلال کیا ہے، ان میں سے ایک اہل بدر کا قصہ بھی ہے۔

حضرت مالک بن اُنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''بیشک رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مقتولین کو ایسے ہی چھوڑے رکھا۔ پھر ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان پر کھڑے ہو کر انہیں پکارا؛ اور فرمایا: ''اے ابوجہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچ نہیں پالیا، بیشک میرے رب نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا تھا؛ میں نے اسے سچ پالیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول سنا تو کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیسے سن سکتے ہیں، اور کیسے جواب دے سکتے ہیں؟ جب کہ یہ مر چکے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ان سے زیادہ وہ کچھ نہیں سن سکتے جو میں کہہ رہا ہوں۔ لیکن وہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ پھر ان کے بارے میں حکم دیا گیا کہ انہیں کھینچ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔'' ❶

اور ایسے ہی جب آپ ﷺ نے اصحاب احد کو مخاطب کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ زندہ ہیں؛ اور فرمایا کہ: کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ان پر سلام کرتا ہے، مگر یہ اس کا رد کرتے ہیں، یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے السنن الکبری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کی ہے، آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں ڈال دیا؛ وہ جنت کی نہروں پر وارد ہوتے ہیں، اور اس کے پھلوں سے کھاتے ہیں، اور پھر عرش کے ساتھ معلق سونے کی قندیلوں میں ٹھکانہ بنا لیتے ہیں اور انہوں نے اتنا عمدہ کھانا پینا اور ٹھکانہ پایا، تو کہا: ہماری خبر ہمارے بھائیوں تک کون پہنچائے گا کہ ہم زندہ ہیں، اور روزی دیے جاتے ہیں، تا کہ وہ جہاد سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے نہ بھاگیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تمہاری طرف سے یہ بات پہنچاؤں گا؛ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں:

---

❶ صحیح مسلم: کتاب الجنة و صفة نعیمها ؛ باب : عرض مقعد المیت من الجنة أو النار علیه(۲۸۷۴)۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾

(آل عمران: ۱۶۹)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مردے نہیں ہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کو رزق مل رہا ہے۔'' ❶

اور ایسے ہی قبرستان والوں کی زیارت اور انہیں سلام کرنے والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، اور کہا ہے کہ اگر قبروں والے سنتے نہ ہوتے تو زیارت قبور کا کوئی معنی نہ رہتا؛ کیونکہ انہیں اس موقع پر '' السلام علیکم یا أهل القبور '' کہہ کر'' اور لفظ نداء ''یا'' سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اگر مردے نہ سنتے ہوتے تو نبی کریم ﷺ انہیں مخاطب نہ کرتے اور نہ ہی ہمیں صیغہء خطاب کے ساتھ سلام کرنے کا حکم دیتے۔

ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے بھی استدلال کیا ہے؛ جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے، جب ان کی موت کا وقت آن پہنچا تو انہوں نے فرمایا:'' کہ مجھے قبر کی طرف لے جانے میں جلدی نہ کریں، اتنی دور تک روکے رکھیں جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جاتا ہے اور فرمایا کہ:'' میں تم سے مانوس ہوں گا، یہاں تک کہ میں اپنے رب سے رجوع کرلوں۔'' آپ بھی صحابی ہیں۔ اور جن صحابہ نے یہ بات سنی انہوں نے اس کا رد نہیں کیا۔'' تو یہ کہا گیا کہ مردے سنتے ہیں، اور مانوس ہوتے ہیں۔ ان دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت سے علماء کے نزدیک مردے سنتے ہیں اور بعض باتوں کا جواب بھی دیتے ہیں۔

بعض علماء سماع موتی کا مطلق انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ مردوں کو یہ باتیں فرشتوں کے ذریعہ پہنچتی ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ ملائکہ ہر مردہ اور زندہ کے ساتھ ہوتے ہیں اور انہوں نے عموم نصوص سے استدلال کیا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى﴾ (النمل: ۸۰)

'' کچھ شک نہیں کہ آپ مُردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے''

آیت میں رسول اللہ ﷺ مخاطب ہیں۔ جب آپ ﷺ مردوں کو نہیں سنا سکتے، تو کوئی دوسرا من بدرجہ اولی نہیں سنا سکتا اور فریق اول کے دلائل کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ یا تو خاص ہیں۔ بدر والوں کا قصہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے، اور احد والوں کا قصہ ان کے ساتھ خاص ہے۔ باقی ملائکہ کے ذریعہ سے ان تک بات پہنچتی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ: مردے اتنا ہی سنتے ہیں جتنے کے بارے میں شریعت میں دلیل وارد ہوئی ہے، جیسا کہ قبر پر سلام کرنا وغیرہ۔ اور نبی کریم ﷺ کے واقعات آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہیں اور جو سلام کرنے کا حکم دیا ہے، وہ سلام کی حالت کے

---

❶ السنن الکبری، باب: فضل الشهادة، ح: ۱۸۳۰۱۔ سنن أبو داؤد، باب: في فضل الشهادة؛ ح: ۲۵۲۲۔ مسلم باب: بيان أن أرواح الشهداء في الجنة، ح: ۱۸۸۷۔

ساتھ خاص ہے، کہ وہ سنتے بھی ہیں، اور جواب بھی دیتے ہیں۔لیکن اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں سنتے۔

بعض نے کہا ہے اصحاب بدر وغیرہ یا اس طرح کے جو واقعات ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کے ساتھ جو فقہاء و علماء؛ اور علم و ادراک میں خیارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تھے انہوں نے اس بات کو اچھوتا سمجھ کر آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا مردے بھی سنتے ہیں؟۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے اس انکار اور تعجب پر رد نہیں کیا؛ بلکہ انہیں بتایا کہ یہ مردے سنتے ہیں۔یعنی قلیب (بدر کے کنوئیں) والوں نے آپ کا کلام ایک خاص صفت کے ساتھ سنا ہے۔اور یہ واقعہ ان کے علاوہ کسی اور کے ساتھ پیش نہیں آسکتا۔سو یہ واقعہ سماع کے منع ہونے کی دلیل ہے نہ کہ ثابت ہونے کی۔

راجح قول

اس میں راجح قول جس پر قدیم اور جدید دور کے علمائے کرام کا اتفاق رہا ہے وہ یہ ہے کہ:''بیشک مردے مطلق طور پر نہیں سنتے، سوائے اس کے جس کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے۔وہ سلام سنتے ہیں؛ اور قبر کی زیارت کو آنے والے کا احساس کرتے ہیں؛ اور جب اسے دفن کیا جاتا ہے تو قدموں کی چاپ بھی سنتا ہے، مگر اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں سنتا۔اور بسا اوقات انہیں دفن کے فوراً بعد زندہ لوگوں کے احوال کا احساس بھی ہوسکتا ہے۔اس سے بڑھ کر اس معاملہ میں اپنی طرف سے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے؛ اس لیے کہ یہ معاملہ نصوص پر موقوف ہے یا بعض صحابہ کے افعال، جن میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

سو آیت کریمہ اور ان دلائل کے درمیان جمع ایسے ہی ممکن ہے کہ آیت:

﴿إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ﴾ (فاطر: ١٤)

''اور اگر آپ انہیں پکاریں تو وہ آپ کی پکار سن نہیں سکتے؛ اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں اس کا جواب نہیں دے سکتے۔''

کی دلالت اپنی جگہ پر باقی رہے، اور ان نصوص کو اس میں سے مستثنیٰ مانا جائے۔یعنی سماع موتی کا مسئلہ اپنے دائرہ کے اندر بند اور محصور ہے۔اس لیے کہ یہ ایک غیبی معاملہ ہے، اور ہمارے پاس -مطلق سماع کی- کوئی دلیل نہیں ہے، اور نہ ہی وارد شدہ دلائل کو غیر وارد پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے اس طرح کے واقعات یا تو آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، یا اس عموم میں داخل ہیں جو تمام مؤمنین یا تمام مخلوق کے لیے ثابت ہیں؛ جیسے کہ قبر پر سلام کرنا وغیرہ۔

یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی ہے جو نبی کریم ﷺ کی سماعت کے ساتھ خاص ہے۔کہ آپ ﷺ قریب اور دور سے سنتے ہیں۔آپ ﷺ بھی قریب سے ایسے ہی سنتے ہیں جیسے کہ باقی لوگوں کے متعلق وارد ہوا ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جہاں سے بھی سلام کیا جائے، آپ ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں، خواہ وہ کسی جگہ سے بھی سلام بھیجا جائے۔وہ آپ ﷺ تک پہنچتا ہے۔تو اس

ہے، کیا مراد ہو سکتی ہے؛ کیا آپ تمام لوگوں کا سلام سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں، یا ملائکہ کے ذریعہ آپ ﷺ تک یہ سلام پہنچایا جاتا ہے؟

اس میں راجح - واللہ اعلم - یہ ہے کہ سلام ملائکہ کے ذریعہ سے آپ ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن لله ملائكة سياحين في الأرض يبلّغوني عن أمتي السلام)) ❶

''بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے فرشتے ہیں جو زمین میں چکر لگاتے ہیں، وہ مجھے میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔''

اس صورت میں ان مطلق احادیث کو جن میں سلام سننے کا آیا ہے، ملائکہ کے ذریعہ سلام پہنچائے جانے والی احادیث سے مقید کیا جائے گا۔ رہے باقی عام مردے تو وہ قبروں کے پاس سے سلام کرنے پر سنتے ہیں، دور سے نہیں۔ واللہ اعلم

بیماری پر اجر

۶۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن الرجل إذا مرض يأجره الله على مرضه .)) ❷

''اس بات پر ایمان کہ انسان جب بیمار ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اس بیماری پر اجر سے نوازتے ہیں۔''

شرح: ...... مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضل اور اس کی رحمتیں ہیں اور مؤمن کا اجر کسی بھی صورت میں ضائع نہیں ہوتا۔ بعض مصائب مؤمنین پر اس لیے آتے ہیں تاکہ انہیں اس بھٹی میں ڈال کر پاک کیا جائے، اور ان کی نیکیاں بڑھائی جائیں۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں ایسا مقام لکھ دیا ہو جس تک پہنچنے کے لیے اس کی نیکیاں کافی نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اس طرح کی امراض میں مبتلا کر کے اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دے؛ تاکہ وہ اپنی منزل کو پا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤمن کی صفت صابر و شاکر ہے۔ اس پر اگر مصیبت آئے تو صبر کرتا ہے؛ یہ اس کے لیے باعث اجر ہے، اور خوشی ملے تو شکر کرتا ہے یہ اس کے لیے باعثِ اجر ہے۔ ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عجباً لأمر المؤمن ، إن أمره كله خيرٌ ، ليس ذاك لأحد إلا للمؤمن؛ إن أصابته

---

❶ ابن حبان (۹۱۵)؛ کتاب الرقائق؛ باب الأدعية ۔ مستدرك الحاكم (۳۵۱۱) كتاب التفسير؛ تفسير سورة الأحزاب ۔ سنن الدارمی (۲۷۲۴) كتاب الرّقاق؛ باب في فضل الصلاة على النبي ﷺ.

❷ صحیح بخاری کتاب المرضى؛ باب شدة المرض ۱۰/ ۱۱۰ مع الفتح؛ مسلم (۲۵۷۱) كتاب: البر والصلة؛ باب: ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض" من حديث عبد الله بن عمر۔

سراءُ شکر ، فکان خیراً له۔وإن أصابته ضرَّاءُ صبر ، فکان خیراً له))❶

''مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اس کا تمام کام بھلائی کا ہے، اور یہ مومن کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں ہے۔اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ [اللہ کا] شکر ادا کرتا ہے، یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو اس پر وہ صبر کرتا ہے، یہ اس کے لیے بہتر ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ایسے گرا دیتے ہیں، جیسے درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔''

اس کے علاوہ دیگر بھی ایسی احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مؤمن انسان کی بیماریاں اور پریشانیاں اس کے گناہوں کے ختم ہونے کا سبب بنتی ہیں۔حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن العبد إذا مرض ، أوحی الله إلی الملائکة ، أنا قیدت عبدي بقید من قیودي ، فإن أقبضه أغفر له ، وإن عافه ، فحینئذ یقعد لاذنب له))❷

''جب کوئی آدمی بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ اپنے فرشتوں کی طرف وحی کرتے ہیں: ,,میں نے اپنے بندے کو اپنی قیدوں میں سے ایک قید میں جکڑ لیا ہے، اور اگر میں نے اس کی روح قبض کر لی تو میں اس کی مغفرت کردونگا، اور اگر میں نے اس کو عافیت دیدی تو یہ اس حال میں بیٹھے گا کہ اس کا کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔''

ایسے ہی حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا اشتکی المؤمن أخلصه من الذنوب ، کما یخلص الکیر من خبث الحدید))❸

''جب مومن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ اسے گناہوں سے ایسے چھٹکارا عطا کرتے ہیں، جیسے بھٹی لوہے کی میل کچیل کو صاف کردیتی ہے۔''

جسمانی پریشانیوں کے ساتھ ساتھ روحانی پریشانیاں اور غم اور تکالیف میں صبر کرنا بھی گناہوں کا کفارہ بنتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما یصیب المسلم من نصب ، ولا وصب ولا هم ولا حزن ، و لا أذی ، ولا غم ، حتّی شوکة یشکها إلا کفر الله بها خطایاه)) (بخاری)

''نہیں پہنچتی کسی مسلمان کو کوئی پریشانی، اور نہ ہی کوئی دکھ، اور نہ ہی کوئی غم اور نہ ہی کوئی تکلیف، اور نہ ہی کوئی رنج ، یہاں تک کہ کوئی کانٹا اسے چبھتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے گناہ معاف کر

❶ تقدم تخریجه۔ ❷ حاکم/حسنه البانی۔ ❸ ادب مفرد/ صححه البانی۔

دیتے ہیں۔"

ایک دوسری حدیث میں کثرت سے پریشانی سے متعلق ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا يزال البلاء بالمؤمن أو المؤمنة في جسده و في ماله وفي ولده حتى يلقى الله وليس عليه من خطيئة)) ❶

"مومن مرد یا مومن عورت ہمیشہ اپنے جسم اور مال اور اولاد میں پریشانی (آزمائش) کا شکار رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ روزِ قیامت اللہ سے ملے گا اس پر اس کا کوئی گناہ باقی نہیں ہوگا۔"

ابن ابی دنیا رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے جسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مومن کو سر درد کی تکلیف، یا جو کانٹا چبھ جاتا ہے، یا کوئی اور تکلیف دینے والی چیز، روزِ قیامت اللہ اس کے بدلہ میں ایک درجہ بلند کریں گے اور اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف کریں گے"۔

شہادت کا اجر

۶۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والشهيد يأجره [الله] على القتل .))

"شہید کو قتل ہو جانے پر اللہ تعالیٰ اجر سے نوازیں گے۔"

شرح: ......شہید اسے کہتے ہیں جو دین اسلام کی سربلندی، دعوتِ اسلام کے فروغ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جان نثار کر دے۔ ایسے لوگوں کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مردہ کہنے اور مردہ تصور کرنے سے منع کیا ہے، اس لیے کہ شہید کو اللہ تعالیٰ ایک نئی زندگی سے نوازتے ہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴾

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔" (البقرہ:۱۵۴)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾

(آل عمران: ١٦٩)

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کو رزق مل رہا ہے۔"

---

❶ احمد/ حسنہ أرناؤوط۔

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((للشهيد عند الله ست خصال : يغفر له من أول دفعة من دمه ، ويرى مقعده من الجنة ، ويجار من عذاب القبر ، ويأمن من فزع الأكبر ، ويحلى حلة الإيمان ، ويزوج من الحور العين ، ويشفع في سبعين إنساناً من أقاربه۔"ترمذی ، وابن ماجه ۔ وفي رواية ترمذی:" ويوضع على رأسه تاج الوقار ، الياقوتة منها خير من الدنيا وما فيها ، ويزوج اثنتين وسبعين زوجة من الحور العين ، ويشفع في سبعين من أقاربه .)) ❶

''شہید کے لیے اللہ کے ہاں چھ انعامات ہیں: خون کے پہلے قطرہ کے ساتھ ہی اس کی مغفرت کردی جائے گی اور جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا؛ اور عذاب قبر سے محفوظ کردیا جائے گا؛ اور اسے ایمان کا زیور پہنادیا جائے گا، اور اس کی شادی حور عین سے کردی جائے گی؛ اور وہ اپنے ستر قریبی رشتہ داروں کی شفاعت کرے گا۔'' ترمذی کی روایت میں ہے:''اس کے سر پر وقار کا تاج رکھ دیا جائے گا، جس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا،اور بہتر جنتی حوروں سے اس کی شادی کردی جائے گی اور وہ اپنے ستر قریبی رشتہ داروں کی شفاعت کرے گا۔''

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ، بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے -(شہدائے احد کے متعلق)-فرمایا:

((أنا شهيد على هؤلآء ، لفوهم في دمائهم ، فإنه ليس جريح يجرح إلا جاء جرحه يوم القيامة يدمي ، لونه لون الدم ، و ريحه ريح المسك ، وقال :" قدّموا أكثر القوم قرآنا ، فاجعلوا في اللحد .)) ❷

''میں ان لوگوں پر گواہ ہوں۔ انہیں ان کے خون میں لپیٹ دو۔ سو بیشک کوئی زخمی ایسا نہیں ہے مگر وہ قیامت والے دن اپنے زخم سے خون بہاتا ہوا آئے گا، اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا، اور خوشبو مسک کی خوشبو ہوگی؛ اور فرمایا:''زیادہ قرآن پڑھنے والے کو آگے مقدم کرو؛ اور اسے پہلے لحد میں رکھو۔''

اس حدیث کے الفاظ اگرچہ شہدائے احد کے لیے مخصوص ہیں۔مگر اس کے معانی تمام شہداء کے لیے عام ہیں۔ چنانچہ ہر وہ انسان جو کہ اللہ کی راہ میں شہید ہوجائے اس کے لیے یہی انعام ہے۔

شہید کی کئی ایک قسمیں اس کے علاوہ بھی ہیں، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ ترمذی (١٦٦٣)، وابن ماجة (٢٢٥٧)، وصححه الألباني في صحيح ابن ماجة (٢٢٥٧)۔

❷ السنن الكبرى للبيهقي ،باب : المسلمون يقتلهم ...... ح: ٧٠٤٧۔ الطبقات الكبرى لابن سعد ، ٣/ ١٣۔ سنن النسائي ، باب : موارة الشهيد في دمه ، ح: ٢٠٠٢ ؛ وقال الألباني : صحيح ۔ مسلم باب : فضل الجهاد والخروج في سبيل الله ، ح: ٤٩٦٧۔

((من قتل دون ماله فهو شهيد ، من قتل دون دمه فهو شهيد ، ومن قتل دون دينه فهو شهيد ، ومن قتل دون اهله فهو شهيد .)) ❶

''جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے خون کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔''

ان کے علاوہ اور بھی شہداء کا بیان حدیث میں آیا ہے، مگر یہاں پر جس اجر وثواب کا بیان ہوا ہے وہ معرکہ کے شہداء کے لیے ہے، نہ کہ غرق ہونے والے، پیٹ کی بیماری سے مرنے والے، آگ میں جل کر مرنے والے اور دوسرے عام شہداء کے لیے ہے۔

بچوں کو تکلیف اور منکر پر ردّ

۶۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن الأطفال إذا أصابهم شيءٌ في دار الدنيا يألمون۔ وذلك أن بكر بن أخت عبد الواحد قال: لا يألمون ۔ وكذب .))

''اور اس بات پر ایمان کہ بچوں کو جب اس دار دنیا میں کوئی بات پہنچتی ہے تو اس پر انہیں تکلیف (درد) ہوتی ہے۔ یہ اس لیے (بیان کیا جارہا ہے کہ) بکر بن اخت عبدالواحد ❷ کہتا ہے: انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اس نے جھوٹ بولا ہے۔''

شرح: ......بکر کا خیال تھا کہ بچوں کو تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ان لوگوں کا گمان تھا کہ بچوں کو تکلیف کا احساس ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے منافی ہے۔ اگر بچوں کو تکلیف کا احساس ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ظلم ہوگا اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے۔ اس قول کا باطل ہونا اتنا ہی ظاہر جتنا دن دھاڑے صاف موسم میں سورج کا ظہور۔ بچوں کی تکلیف ان پر ظلم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کے عین مطابق ہوتی ہے۔ یا یہ مصلحت اس کے جوان ہونے کے بعد سے متعلق ہوسکتی ہے یا پھر بڑھاپے سے متعلق، یا مرنے کے بعد کے لیے ذخیرہ؛ یا اس کے والدین کا امتحان وغیرہ بھی ہوسکتا ہے۔ سو کسی بھی حال میں حکمت ومصلحت سے خالی نہیں؛ لیکن اس کے غیبی امر سے متعلق ہونے کی وجہ سے اس میں خواہ مخواہ گفتگو کو طول دینا؛ ایمان کے منافی اور عقل سے خالی ہونے کا ثبوت ہے اور نہ ہی ظلم ہے جیسا کہ گمراہ فرقہ کا خیال ہے۔

---

❶ ابو داؤد ۴۷۷۲، ترمذی ۱۴۳۱۔

❷ بکر بن اخت عبدالواحد (عبدالواحد بن زید کا بھانجا؛ اپنے ماموں کی طرف نسبت) مبتدعین کا سردار تھا۔ اس کے حالات زندگی کے لیے دیکھیں: " لسان الميزان" (۲/ ۶۰-۶۱)؛ اور الفصل' ابن حزم کی: (الفصل ۳/ ۱۵۷)۔ مقالات الاسلاميين " للأشعرى (ص ۲۸۶)۔

ہم اپنی روز مرہ کی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ جب بچے کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ روتا ہے؛ چیختا چلاتا ہے، فریاد کرتا ہے، اور اپنے انداز میں قرب و جوار کے لوگوں سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے۔ یہ واقعات خود اس بات کی بہت قوی دلیل ہیں کہ بچوں کو تکلیف پہنچتی ہے، اور وہ اس کا احساس بھی کرتے ہیں۔ ایسا ہر گز نہیں جو بعض جاہل گمراہ اور بدعات کا شکار لوگ بیان کرتے ہیں۔

جنت اللہ کی رحمت سے ملے گی

۶۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أنه لا يدخل الجنة أحد إلا برحمة الله ؛ ولا يعذب الله أحداً إلا بذنوبه؛ بقدر ذنوبه؛ ولو عذب الله أهل السماوات وأهل الأرضين برّهم و فاجرهم عذبهم غير ظالم لهم۔ ولا يجوز أن يقال لله تبارك وتعالىٰ:" إنه ظالم ؛ وإنما يظلم من يأخذ ما ليس له۔ والله جل ثناؤه له الخلق و الأمر۔ الخلق خلقه؛ والدار داره؛ لا يسأل عما يفعل وهم يسألون ؛ ولا يقال : لم؟ و كيف؟ لا يدخل أحد بين الله وبين خلقه .))

''یہ بات جان لیجیے کہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کوئی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے مگر اس کے گناہوں کی وجہ سے اور اس کے گناہوں کے مطابق۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں والوں کو عذاب دیں، نیک اور فاجر (سب کو)؛ وہ انہیں عذاب دینے میں وہ ظالم نہیں ہوگا۔ اور یہ بات کسی بھی طرح جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جائے کہ: ''وہ ظالم ہے۔'' بیشک ظلم تو وہ کرتا ہے جو کوئی ایسی چیز لیتا ہے جو اس کا حق نہیں ہے اور اللہ جل ثناؤہ تمام خلق اسی کی ہے، اور حکم اس کا چلتا ہے۔ خلقت اسی کی مخلوق ہے اور دنیا اس کی دنیا ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جائے گا؛ اور ان (مخلوق) سے سوال کیا جائے گا؛ اور یہ نہیں کہا جائے گا: ''کیوں کیا؟ اور کیسے کیا؟ اور اللہ تعالیٰ کے اور اس کی مخلوق کے درمیان کسی کو دخل اندازی کی اجازت نہیں ہوگی۔''

شرح: ...... یہ فقرہ جزائے اعمال اور قدر کے حوالے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں تک اعمال کے بدلہ کا تعلق ہے تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی انسان جنت میں اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((لن يدخل أحد منكم الجنة بعمله ، قالوا: ولا أنت يارسول الله ؟ قال:" ولا أنا ، إلا أن يتغمدني الله برحمة منه وفضل)) (متفق عليه)

''تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوگا۔'' صحابہ کرام نے پوچھا: ''کیا آپ بھی یا رسول اللہ ﷺ!۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور نہ ہی میں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل مجھے گھیر لے۔''

اور قرآن میں بار بار آیا ہے کہ اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل: ٣٢)

''جن کی جانیں فرشتے جب نکالتے ہیں تو وہ (کفر اور شرک سے) پاک ہوتے ہیں ''فرشتے کہتے ہیں تم سلامت رہو (مزے سے اپنے) نیک کاموں کی وجہ سے بہشت میں جاؤ۔''

یہاں پر ﴿بِمَا﴾ میں (بَ) عوض کا نہیں، بلکہ یہ '' (بَ)''سبب کا ہے۔ یعنی اس جنت میں داخل ہونے کے لیے رحمت الٰہی کے حصول کا سبب تمہارے اعمال بنے ہیں۔

اس لیے کہ بندوں کے اعمال کمال اور وفا؛ صدق اور اخلاص کے کسی بھی درجہ کو پہنچ جائیں؛ انسان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور انعامات کے برابر نہیں ہوسکتے۔ اس کی ایک آسان سی مثال یہ ہے کہ خود اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہیں اور یہ توفیق ہی اتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی عمل اس کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ انسان کمزور اور اللہ کی بارگاہ کا فقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی غنی اور قوی ہے۔ انسان جتنا بھی آگے چلا جائے وہ اپنی ذات کو بھی کوئی فائدہ اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک اس میں اللہ کی رضا شامل نہ ہو۔ اللہ ہی نے انسان کو پیدا کیا پھر ہدایت دی، پھر عمل کی توفیق دی، اور پھر اس عمل پر اجر وثواب بھی مقرر فرمایا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ تو پھر اس کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کے برابر کیسے اور کیونکر ہوسکتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے مگر......):

ایسا ہوگا نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو عذاب دے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک وکار لوگوں سے نعمتوں اور بہترین بدلہ کا وعدہ کررکھا ہے، اور ایسے ہی فاجر لوگوں کو بھی ان کے اعمال پر سزا دینے سے ڈرا رکھا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتے، ہر انسان کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملتا ہے، اور اگر اعمال اچھے ہوں تو ان پر انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾

''اللہ کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اُس کو دو چند کردے گا اور اپنے ہاں سے اجرِ عظیم بخشے گا۔'' (النساء: ٤٠)

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے سزا یا عذاب کو لوگوں کے اعمال کا بدلہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَلَـٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (یونس: ٤٤)

''اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔''

جہنمیوں کو عذاب ان کے اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہوگا۔ نہ ہی ان پر کسی دوسرے کا کوئی بوجھ ہوگا، اور نہ ہی انہیں ان کے گناہوں سے ذرہ بھر بھی زیادہ عذاب ہوگا۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اگر اللہ تعالیٰ ساری کی ساری مخلوق کو عذاب دے تو اس میں وہ ظالم نہیں ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو جنت میں داخل کردے تو یہ اس کی عنایت، رحمت فیاضی اور بخشش ہوگی۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات نماز میں یہی آیت تلاوت کرتے اور روتے رہے:

﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

(المائدہ: ١١٨)

''اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بیشک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' [1]

ابن شیبہ اور مستدرک میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے شفاعت کا سوال کیا، اور یہ - شفاعت - اس انسان کو حاصل ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ ٹھہرایا ہو۔''

استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ظلم نہ کرے، اس کے ساتھ کسی نہ کسی وقت رحمت اور شفقت کا معاملہ ہوگا اور وہ جنت میں چلا جائے گا؛ اور جو مشرکین، منافقین اور کفار جہنم میں ہوں گے، یہ ان پر ظلم نہیں ہوگا بلکہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا۔

ابن ویلمی کہتے ہیں: ان کی ملاقات زید بن ثابت سے ہوئی؛ تو انہوں نے - زید سے - کہا: مجھے تقدیر کے بعض معاملات میں شک ہوا ہے، شاید اللہ تعالیٰ آپ کے ہاں میرے لیے کوئی راہِ نجات پیدا کردے۔ زید نے فرمایا: ہاں میرے بھتیجے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے:

((لو أن الله عذب أهل سماواته وأهل أرضه، لعذبهم وهو غير ظالم لهم، ولو رحمهم لكانت رحمته خيرا لهم من أعمالهم، ولو كانت لك مثل أحد ذهبا، أو مثل جبل أحد ذهبا تنفقه فى سبيل الله، ما قبله من حتى تؤمن بالقدر له، فتعلم

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي، باب: ترتيل القرأة، ح: ٤٤٩٣ـ مستدرك الحاكم، باب: التأمين، ح: ٨٧٩؛ قال الذهبي: صحيح ـ سنن النسائي، باب: ترديد الآية، ح: ١٠١٠؛ قال الألباني: حسن ـ مصنف ابن ابي شيبة، باب: ما اعطى الله تعالىٰ محمدا ﷺ ح: ٣١٧٦٧ـ

أن ما أصابك لم يكن ليخطئك ، وما أخطأك لم يكن ليصيبك ، وإنك إن مت على غير هذا دخلت النار)) ❶

''اگر اللہ تعالیٰ اپنے تمام آسمانوں والوں کو اور اپنی تمام زمینوں والوں کو عذاب دے، تو یقیناً وہ انہیں عذاب دینے میں ظالم نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم کردے، تو ان پر اس کا رحم کرنا ان کے اعمال سے بہت بہتر ہے اور اگر تمہارے لیے احد کے برابر بھی سونا ہو، یا احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو، تو وہ تم سے قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ تقدیر پر ایمان لے آؤ اور جان لے کہ جو کچھ تجھے مل گیا ہے، وہ ٹلنے والا نہیں تھا اور جو کچھ تجھ سے ٹل گیا ہے، وہ تجھے ملنے والا نہیں تھا۔ اور اگر تمہاری موت اس کے علاوہ کسی عقیدہ پر آگئی تو تم جہنم میں جاؤ گے۔''

اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ فاجر یا کافر کو عذاب دے گا تو اس کے فسق و فجور اور کفر کی وجہ سے؛ اور اگر کسی نیک کام کرنے والے کو عذاب دے گا تو اس لیے کہ اس کا عمل اس قابل نہیں تھا کہ اسے جنت میں داخل کروا سکے۔ اس لیے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((يا عبادي! إن حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرماً، فلا تظالموا)) ❷

''میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام کیا ہے، اور اسے تم پر بھی حرام کرتا ہوں، تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (تمام خلق اسی کی ہے، اور حکم اس کا چلتا ہے......):

خلقت اسی کی مخلوق ہے کائنات ساری اللہ کی ہے، اور حکم اسی کا چلتا ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ فرمانبردار اور اس کا تسبیح خواں ہے۔ حقیقی ملکیت اور حقیقی حکم ہر ایک چیز پر اسی کا چلتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف: ٥٤)

''دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکتوں والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں کہ ان کی تخلیقات آپس میں مشابہت اختیار کرلیں، بلکہ اللہ ہی حقیقی خالق اور اپنی تخلیقات میں منفرد و یکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ سنن ابن ماجه؛ باب في القدر؛ حديث: ٧٦ـ السنن الكبرى للبيهقي؛ كتاب الشهادات؛ باب: ما ترد به شهادة أهل الأهوا؛ حديث: ١٩٤٠٩ ـ رواه الآجري في الشريعة ص ١٨٥؛ ح: ٢١٢ـ وأبو داؤد، باب: في القدر [٤٦٩٩]، وأحمده/ ١٨٢؛ وابن ماجة [٧٧]ـ

❷ مسلم ـ كتاب البر والصلة؛ تحريم الظلم ح: ٤٧٧٩ـ ابن حبان كتاب الرقائق، باب التوبة ح: ٦٢٠ـ جامع معمر بن راشد باب الذنوب، ح: ٨٨٢ـ سنن الكبرى للنسائي كتاب الغضب باب تحريم الغضب، ح ١٠٧٤٧ـ

﴿اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (الرعد: ١٦)

''کیاان کافروں نے ان لوگوں کواللہ کا شریک ٹھہرایا ہے جنھوں نے اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے اور اس پیدائش سے ان کوشبہ پڑ گیا ہے کہہ دے اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ اکیلا ہے (اس کا کوئی شریک نہیں) زبردست۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوری: ٢١)

''کیا ان لوگوں نے (خدا کے) شریک بنار کھے ہیں جوان کو دین کا وہ رستہ بتلاتے ہیں جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔''

اور کوئی بھی اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتا، سوائے بنی نوع انسان اور جنوں کے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے نیک اور بد کے اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ طَوْعاً وَّكَرْهاً وَظِلالُهُم بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ﴾ (الرعد: ١٥)

''اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا زبردستی سے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہیں اور اُن کی سائے بھی صبح وشام (سجدہ) کرتے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مِن دَآبَّةٍ وَالْمَلآئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (النحل: ٤٩)

''اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔''

آثار (روایاتِ صحابہ) پر طعن کا حکم

۷۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا سمعت الرجل يطعن على الآثار؛ [ولا يقبلها أو ينكر شيئاً من أخبار رسول الله ﷺ] فـاتهمه على الإسلام؛ فإنه رجل ردئي القول والمذهب؛ ولا يُطْعَنُ على رسول الله ﷺ ولا على أصحابه؛ لأنه إنما عرفنا الله وعرفنا رسول الله ﷺ وعرفنا

القرآن؛ وعرفنا الخير و الشر؛ والآخرة بالآثار .)) ❶

''جب آپ سنیں کہ کوئی انسان آثار(روایات صحابہ) پر طعن کررہا ہے(ان کو قبول نہیں کررہا ؛ یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں سے بعض کا انکار کررہا ہے)؛ تو اس کے مسلمان ہونے پر تہمت لگائیے ۔ایسے انسان کا قول اور مذہب مردود ہے۔اور رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن نہیں کیا جائے گا۔اس لیے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے، اور اس کے رسول ﷺ اور قرآن کو پہچانا ہے؛ خیر اور شر کو پہچانا ہے؛ اور دنیا اور آخرت کو پہچانا ہے ان احادیث کے ذریعہ سے۔''

شرح: ......جب انسان لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے تو فقط اس کلمہ کے اقرار سے اس پر رسول اکرم ﷺ کی اطاعت؛ اور آپ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق واجب ہوجاتی ہے۔اور یہ بھی واجب ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس طریقہ پر کی جائے، جو آپ ﷺ نے ہمیں تعلیم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (الحشر: ۷)

''جو(حکم) پیغمبر آپ کو دے تو اس کو لے اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔''

مذکورہ پیرایہ ایک وسیع ، شامل اور عام منہج ہے، جو تمام باطل فرقوں اور اہل ھواء پر رد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔یہاں پر ''آثار'' سے مقصود قرآن وسنت؛ حدیث اور اقوال سلف صالحین مراد ہیں۔اس لیے کہ دلیل کی بنیاد تین چیزوں پر ہے:

❁ کتاب اللہ ❁ سنت رسول اللہ ﷺ

اور اجماع امت۔

کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کہے: میں تو صرف قرآن سے استدلال کرتا ہوں۔(اور سنت سے کوئی سروکار نہ رکھے)؛ اس لیے کہ یہ خوارج اور ان کی راہ پر چلنے والے گمراہوں کا طریقہ کار ہے اور نہ ہی کسی کے لیے اجماع سے انکار کرنے کی گنجائش ہے، خصوصاً جب صحابہ کا کسی چیز پر اجماع ہوجائے۔اس لیے کہ صحابہ کرام ہی وہ لوگ ہیں جن کے کامیاب ہونے کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور ان لوگوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے تربیت حاصل کی ،قرآن سیکھا اور اس کی تفسیر کو سمجھا، معانی کو جانا اور اس کے مقتضی کے مطابق عمل بھی کیا۔

آثار پر طعن کی اقسام

''آثار'' یعنی احادیث پر طعن کرنا باطل فرقوں کے اصولوں میں سے ایک اہم ترین اصول ہے۔جس سے اصل مقصد صاحب اثر پر طعن کرتے ہوئے ''ردائے اسلام'' کو داغدار کرنا؛ اور اسلام میں نقب زنی کرنا ہے۔اس کی کئی

❶ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کی؛ وہ ہلاکت کے دھانے پر ہے۔'' دیکھیں: طبقات الحنابلة (۲/ ۱۵)؛ اور الإبانة الکبری (۱/ ۱۹۱)۔

قسمیں ہیں:

۱-: نصوص سے بغض و کراہت

یہ بھی طعن کی ایک قسم ہے۔ بہت سارے اہل ھواء (گمراہ) فرقے ان نصوص کا ذکر کرنا ناپسند کرتے ہیں، جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوں، بھلے وہ نص قرآنی آیت ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ نصوص ان کے مبداء کے خلاف ہیں؛ جس کی وجہ سے ان کے عقائد کی پوری عمارت کا گر جانا یقینی ہوجاتا ہے۔ اس لیے بہت سے اہل ھواء ایسی نصوص کو صرف طعن؛ یا ان میں شک پیدا کرنے؛ یا ان کی تأویل اور رد کے لیے ذکر کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کا اثبات ہو۔

۲-: ردِ مباشر (براہ راست رد):

کبھی نصوص پر طعن ان کے فوری طور پر رد کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ جہمیہ کی مذہب ہے۔ وہ قرآن و سنت کی نصوص کا بالکل انکار کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ عام لوگ اور اہل علم دلائل کے ساتھ بات کرتے ہیں، اور نصوص کو براہِ راست رد کردینے سے انہیں عوام میں پذیرائی نہیں مل رہی تو انہوں نے نصوص میں تأویل کرنا شروع کردی؛ جیسا کہ بشر بن حارث المریسی نے کیا۔ یہی حال ہمارے اس دور میں نام نہاد اہل عقل "عقل پرست" لوگوں کا ہے۔ جو دجال؛ مہدی؛ اور قیامت کی نشانیوں کے بارے میں اور دیگر غیبی امور سے تعلق رکھنے والی احادیث اور نصوص کا ذکر مذاق اور رد کے طور پر کرتے ہیں، ایمان کے طور پر نہیں۔

جیسا کہ بلادِ ہندو پاکستان میں سرسید احمد خان اور اس سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی ملعون، اور اسی طرح پرویزی اور چکڑالوی فرقوں نے کیا۔

۳-: تشکیک:

ایسے شکوک وشبہات پیدا کرنا، طنز کرنا؛ نصوص میں تأویل کرنا اور بعض راویوں کا ٹھٹھہ اڑانا؛ بعض احادیث کے الفاظ بطورِ مسخرہ پن کے ذکر کرنا تاکہ لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوں یا کم از کم حدیث کی قدرومنزلت میں کمی آجائے۔ یہ سب نصوص کے رد کرنے کے ضمن میں آتا ہے۔

۴-: دعویٰ ء مشابہت:

بعض نصوص کے متعلق - بغیرِ علم و تحقیق کے - یہ دعویٰ کرنا کہ یہ متشابہ ہے؛ تاکہ وہ اس طرح سے نصوص کو ترک کرسکیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے غیبی امور سے متعلق کوئی چیز ایسی نہیں ذکر کی جس کے معانی لوگوں پر متشابہ ہوں۔

۵-: دعویٰ عدم حجیتِ آحاد:

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حدیث آحاد عقیدہ میں حجت نہیں ہوسکتیں۔ یہ بھی حدیث میں ایک قسم کا طعن ہے۔ بعض لوگ احادیث رسول اللہ ﷺ میں تفریق کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں متواتر حدیث علم کا فائدہ دیتی ہے، اور خبر

واحد ظن (گمان) کا فائدہ دیتی ہے۔ ان کا یہ کہنا اور ایسے تفریق کرنے سرسے سے باطل ہے۔ اس لیے کہ ہر وہ حدیث جو رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے، وہ علم کا فائدہ دیتی ہے؛ خواہ وہ خبر واحد ہو یا متواتر۔ صحیح حدیث سے استدلال کرنے میں کوئی تفریق نہیں کی جا سکتی۔ اس پر بغیر کسی تفریق کے عمل کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔

۶-: راویوں میں طعن:

یہ ردِ حدیث اور اس کے انکار کی بڑی اور اہم اقسام میں سے ہے۔ اس لیے کوئی بھی فرقہ ایسا نہیں ہے جس کی رائے سنت کے خلاف ہو، مگر وہ لوگ احادیث کے راویوں میں طعن کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو عام راوی تو دور کی بات ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ جیسے کہ جہمیہ اور رافضہ؛ خوارج اور قدریہ؛ جبریہ اور معتزلہ وغیرہ۔ اور بعض صحابہ کے بعد کے راویوں پر طعن کرتے ہیں۔

ایسے ہی ہمارے اس دور میں کچھ لوگ ایسے بھی اٹھے ہیں جنہوں نے براہِ راست حدیث پر طعن کرنے کے لیے ان کے جامع محدثین جیسے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ پر طعن و تشنیع شروع کر دی اور یہ کہنا شروع کیا کہ تیسری صدی میں آنے والے فارسیوں کو حدیث کا کیا پتہ؟۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے لیے شکوک و شبہات کے نئے دروازے کھول دیتا ہے، ورنہ اگر ان محدثین و مؤرخین کو نکال دیا جائے جن پر صدرِ اسلام سے لے کر آج تک کے عرب و عجم تمام علماء کا اتفاق و اعتماد ہے، تو پھر اسلام میں کیا باقی رہ جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام شخصیت پرستی کا قائل نہیں، بلکہ یہاں پر عدل و تقوی اور علم کی بات کی جاتی ہے، جو ان علمائے کرام میں بدرجہء اتم موجود تھا، اور الحمد للہ انہوں نے دین کی حفاظت کی ذمہ داری نبھائی اور قیامت تک لوگ ایسے آتے رہیں گے، دین کی تعلیم کا سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

۷-: جھوٹا تصوف:

گمراہی کے اسباب اور ردِ حدیث کی راہوں میں سے ایک راہ جھوٹا تصوف بھی ہے۔ بعض جاہل گمراہ صوفی اپنے ماننے والوں/معتقدین کو یہ باور کراتے ہیں کہ احکامِ شریعت عوام الناس کے لیے ہیں اور ان کے لیے ذوق اور وجد ہے۔ یہ لوگ قرآن و سنت نہ ہی سیکھتے ہیں، اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں: ہم براہ راست اپنے رب سے تعلیمات لیتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے احکام جاننے کے لیے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں۔ ایسا کہنے سے اصل مقصود خود کو اسلام کے لبادے میں رکھ کر امت محمد سے باہر کرنا ہے۔ تاکہ لوگوں کو دھوکہ بھی دیا جا سکے؛ اور اپنا مقصد بھی حل ہو جائے۔ اس لیے بعض علمائے کرام نے لکھا ہے: ''اگر کسی کو ہواؤں میں اڑتا یا سمندر میں چلتا بھی دیکھ لو تب بھی اس کے اہل اللہ ہونے کی گواہی نہ دو جب تک کہ اس کو سنت پر نہ پرکھ لو۔'' اگر اس کے اعمال سنت کے مطابق ہیں، تو یہ اس کی کرامت ہو سکتی ہے اور اگر اس کے اعمال سنت کے مطابق نہیں تو یہ شیطانی عمل ہے، جس سے مقصود لوگوں میں اپنا مقام پیدا کر کے انہیں گمراہ کرنا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نصوص و آثار پر تنقید و رد کرنا اصل میں رسول اللہ ﷺ پر طعن و تنقید کرنا ہے۔ اس لیے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ نے پہنچایا ہے؛ صحابہ کرام تو اسے ہم تک امانت داری کے ساتھ نقل کرنے والے ہیں۔

قرآن وسنت لازم وملزوم ہیں

۷۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(([وأنَّ] القرآن إلى السنة أحوج من السنة إلى القرآن.)) ❶

اور بیشک قرآن سنت کا زیادہ محتاج ہے (تفسیر و تفہیم کے لیے) سنت کے قرآن کے محتاج ہونے سے بڑھ کر۔"

شرح: ......اس سے مراد یہ ہے کہ سنت ان تمام علوم وحی کو شامل اور ان کی تفسیر و بیان ہے۔ قرآن کا سنت کے لیے محتاج ہونا افضلیت کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلاشک قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام؛ اس کی صفت اور سب سے افضل ترین چیز ہے؛ لیکن چونکہ قرآن اپنے بہت سارے امور میں مجمل ہے، اس لیے اسے اپنی تفسیر و وضاحت اور بیان کے لیے سنت کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر تمام ارکان اسلام قرآن میں بیان ہوئے ہیں، مگر مجمل ہیں جنہیں صحیح معنوں میں سمجھ کر عمل کرنے کے لیے سنت کی ضرورت ہے؛ اور سنت نے ان تمام امور کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور مسلمان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن پر سنت کے مقتضی سے ہٹ کر عمل کر سکے۔

فضل بن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں نے ابو عبداللہ - احمد بن حنبل رحمہ اللہ - سے سنا:" اور ان سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا تھا کہ "سنت قرآن پر فیصلہ کرنے والی ہے۔" تو آپ نے فرمایا: "میں اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ میں یہ کہوں کہ "سنت قرآن پر فیصلہ کرنے والی ہے؛ بلکہ سنت قرآن کی تفسیر کرتی ہے، اور اس کے معانی و مفہوم کو کھول کر بیان کرتی ہے۔" اسے ابن عبد البر نے "الجامع" (۱۹۱-۱۹۲) پر نقل کیا ہے۔"

یہی بات درست ہے، اس لیے کہ یہی قرآن کے موافق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ (النحل: ٤٤)

"ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو اور تاکہ وہ غور کریں۔"

---

❶ یہ قول مکحول شامی رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اسے خطیب نے "الکفایة" (١٤) میں روایت کیا ہے۔ اور ابن عبد البر "جامع بیان العلم (٢/١٩١)؛ اور حازمی نے "الناسخ والمنسوخ" (ص ٢٥) میں نقل کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سنت، کا فیصلہ قرآن کے مطابق کیا جائے گا نہ کہ قرآن کا فیصلہ سنت کے مطابق۔ اسے امام دارمی رحمہ اللہ نے اپنی "سنن" (١/١١٧) میں نقل کیا ہے؛ اور ابن عبد البر نے "الجامع" (٢/ ١٩١) میں نقل کیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب: ۲۱)

''بیشک تمہارے لیے نبی کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ حیات ہے؛ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہو، اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔''

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے نبی! آپ کہہ دیجئے:

﴿وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

''اور یہ (دین) میرا سیدھا راستہ ہے اس پر چلو، اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، تمہیں اس چیز کی وصیت (یعنی تاکید) کی جاتی ہے تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو۔''

تقدیر میں بحث کی ممانعت

تقدیر کا مسئلہ مختلف ملتوں اور قوموں کے درمیان اختلاف کی بنیاد رہا ہے۔ اسلام میں بھی ایسے فرقوں نے جنم لیا جنہوں نے یا تقدیر کا بالکل ہی انکار کر دیا، انہیں قدریہ کہا جانے گا اور بعض لوگوں نے اس معاملے میں انسان کو مجبورِ محض قرار دیا، اس وجہ سے ان کا نام جبریہ پڑ گیا۔ یہ فرقہ بندی غیبی امور میں عقل کی بے جا مداخلت، رائے پسندی، جہالت، اور تعصب کے ساتھ ساتھ افراط و تفریط اور غلو کی وجہ سے سامنے آئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی امت کبھی بھی ہلاک نہیں ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ٹھہرانے کی وجہ سے اور کسی بھی امت نے شرک نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے ہاں شروع میں تقدیر کو جھٹلانا ہی ظاہر ہوا۔''[1]

تقدیر میں غور و خوض اور تفکر و مناقشہ، مجادلہ و بحث اس لیے منع ہیں کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے؛ جس کے علم کو کوئی بھی انسان نہیں حاصل کر سکتا اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا انسان پر واجب ہے اور جو انسان تقدیر کے مسائل میں بحث کرتا ہے اس سے بعید نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کو جھٹلائے جو اس کی مخلوق میں جاری وساری ہے؛ اور اس طرح وہ راہِ حق سے بھٹک کر گمراہ ہو جائے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''قدریہ'' کی گمراہی اور تکذیب کی خبر ہوئی تو انہوں نے اِن لوگوں پر رد کیا: اور ان کے کفر کا فتویٰ جاری کیا: اور ان سے اپنی برأت کا اظہار کیا اور ان کے بعد تابعین نے بھی ایسے ہی کیا۔ ان پر لعنت کی اور ان

[1] الشريعه للآجرى ١٤٦؛ اعتقاد أهل السنة والجماعة ٤/ ٦٢٤؛ الانتصار في الرد عل المعتزلة والقدريه ٢/ ٥٣٣۔ المعجم الصغير للطبراني ٢/ ٢١٩۔ ضعفه الألباني في "الضعيفة" ح: ٣٣٩٨۔

کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا۔ ایسے ہی ہر دور کے علماء اور ائمہ مسلمین کا کردار رہا ہے۔

الحمد للہ کہ اہل سنت والجماعت اس معاملے میں منہج نبوت اور مسلک صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیرو کار اور راہِ حق پر کار بند رہے ہیں۔ مصنف رحمہ اللہ نے اوپر والے پیرائے میں اہل سنت و الجماعت کا تقدیر کے بارے میں منہج اور عقیدہ بیان کیا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کو پیدا کیا، اور ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کے حقدار لوگ پیدا کیے اور یہ قسم اٹھائی کہ وہ جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھرے گا، فرمایا:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ (السجدہ: ۱۳)

''اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔''

کٹ حجتی کی مذمت

کئی احادیث میں تقدیر پر ایمان رکھنے کی ترغیب کے ساتھ ساتھ تقدیر کے بارے میں کٹ حجتی اور جدل و مناظرہ سے منع کیا گیا ہے۔ جن میں سے چند ایک احادیث یہ ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

((فرغ الله من مقادير الخلق قبل أن يخلق السموات و الأرض بخمسين ألف سنة؛ و كان عرشه على الماء)) ❶

''اللہ تعالیٰ مخلوق کی تقدیر سے زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے فارغ ہوئے؛ اور ان کا عرش - اس وقت - پانی پر تھا۔''

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا:

((إن خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين ليلة ، ثم يكون علقة مثل ذلك ؛ ثم يكون مضغة مثل ذلك ؛ ثم يبعث الله تعالىٰ إليه ملكاً؛ فيؤمر بأربع كلمات ، فيكتب : عمله ، وأجله و رزقه و شقي أم سعيد ؛ ثم ينفخ فيه الروح ؛ إن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى ما يكون بينه و بينها إلا ذراع ؛ ثم يسبق عليه الكتاب ، فيختم له بعمل أهل النار ، فيدخلها ؛ وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار؛ حتى ما يكون بينه و بينها إلا ذراع ؛ ثم يسبق عليه الكتاب ، فيختم له بعمل

❶ ....۲۶۵۳؛ الترمذي ۲۱۵۷؛ الشريعة ص: ۱۷۳۔ ح: ۱۸۰۔

أهل النار ، فيدخلها)) ❶

''بیشک تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک مکمل کی جاتی ہے۔ پھر اتنی ہی مدت تک وہ نطفہ رہتا ہے، اور پھر اتنی ہی مدت تک منجمد خون رہتا ہے، پھر اتنی ہی مدت گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں اور اسے چار باتوں کا حکم دیتے ہیں۔ اس کا عمل؛ اس کی عمر؛ اس کا رزق لکھ دے، اور یہ بھی لکھ دے کہ یہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت۔ اس کے بعد پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

اور بیشک تم میں سے کوئی ایک اہل جنت کے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے؛ پھر اس پر لکھی ہوئی کتاب -تقدیر- سبقت لے جاتی ہے، اور اس کا خاتمہ اہل جہنم کے کاموں پر ہوتا ہے، اور اس کا داخلہ جہنم میں ہو جاتا ہے۔''

۳۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''......اور نہ ہی تم ایمان کی حقیقت کو پہنچ سکتے ہو یہاں تک ہر اچھی اور بری تقدیر- کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے- پر ایمان لے آؤ۔ میں نے کہا: ''میں کیسے جان سکتا ہوں کہ اچھی اور بری تقدیر کیا ہے؟ فرمایا کہ: ''جان لے کہ جو چیز تجھ سے ٹل گئی ہے، وہ ہرگز تجھے پہنچنے والی نہیں تھی اور جو کچھ تجھے پہنچ گیا وہ ہرگز ٹلنے والا نہیں تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا، آپ فرمارہے تھے:

''بیشک سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے کہا لکھ۔ سو قلم نے اس وقت سے لے کر جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا، لکھ دیا۔ اگر تمہاری موت اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر آگئی تو جہنم میں جاؤ گے۔'' ❷

۴۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((القدرية مجوس هذه الأمة ؛ فإن مرضوا فلا تعودوهم؛ وإن ماتوا فلا تشهدوهم)) ❸

''قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اور اگر مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ میں مت حاضر ہونا۔''

---

❶ رواه الترمذي ؛ باب : أنما الأعمال بالخواتيم ، ح: ٢١٣٧۔ امام ترمذی اور علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ رواه البخاری [٦٥٩٤] مسلم [٢٦٤٣]۔ الشريعة ص ١٧٩ ح: ١٩٧۔

❷ رواه المصنف (١٨٠)؛ وأحمد (٥/ ٣١٧)؛ وابن ابی شيبه فی مصنفه (١٤/ ١١٤)؛ والترمذی (٢١٥٥) ؛۔ و ابن أبي عاصم في "السنة" [١١١] ؛وصححه الألباني في ظلال الجنة۔الشريعة ،ص ١٨٤؛ ح: ٢١٣۔

❸ رواه الحاكم ١/ ٨٥؛ والآجري في الشريعة ص ١٨٧؛ ح: ٢٢٠؛ وصححه الألباني في "صحيح الجامع" [٤٤٤٢]۔

۵۔ حضرت أبو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لكل أمة مجوس ، وإن مجوس هذه الأمة القدرية ، فلا تعودوهم إذا مرضوا ؛ ولا تصلوا عليهم إذا ماتوا)) ❶

''بیشک ہر ایک امت میں مجوس ہوتے ہیں اور قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اور اگر مر جائیں تو ان پر نماز جنازہ مت پڑھو۔''

ذیل میں تقدیر کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کیا جا رہا ہے۔

تقدیر پر ایمان کیوں؟

۷۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والكلام والجدال و الخصومات في القدر خاصة منهي عنه [عند] جميع الفرق؛ لأن القدر سِرّ الله ؛ ونهى الرب تبارك وتعالى الأنبياء عن الكلام في القدر ؛ ونهى رسول الله ﷺ عن الخصومة في القدر ؛[وكره أصحاب رسول الله ﷺ والتابعون]؛ وكرهه العلماء وأهل الورع۔و نهوا عن الجدال في القدر؛ فعليك بالتسليم و الإقرار والإيمان؛ و اعتقاد ما قال رسول الله ﷺ في جملة الأشياء ؛ وتسكت عما سوى ذلك۔))

''اور کلام، اور جھگڑا، اور کٹ حجتی خصوصاً قدر۔تقدیر۔ کے مسئلہ میں؛ تمام فرقوں کے ہاں ممنوع ہے۔ اس لیے کہ ''قدر'' اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھی قدر (تقدیر) میں کلام کرنے سے منع کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر کے بارے میں جھگڑنے سے منع کیا ہے؛ [اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین اس کو مکروہ (حرام) سمجھتے تھے]۔ اور اہل ورع متقی علماء اس کو مکروہ جانتے تھے اور انہوں نے تقدیر میں جدال کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ پر اس کو ماننا، اس کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور ہر اس چیز پر اعتقاد جو ان تمام امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور اس کے علاوہ باقی پر خاموش رہنا [واجب ہے]۔''

شرح: ...... قضا وقدر پر ایمان ارکان ایمان میں سے ایک ہے۔ قضا وقدر یہ ہے کہ: ''وہ تمام امور جن کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں کر دیا، اور جو چیزیں نوشتہ تحریر میں آ چکی ہیں، وہ ہو کر رہیں گی؛ کوئی بھی چیز اچانک اور ہنگامی طور پر رو پذیر نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کا پہلے سے اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے، اور وہ اس کی مشیت اور ارادہ کے مطابق ہوتی ہے

❶ رواه ابن ماجة [٩٢]، والطبراني في الصغير [٦١٥]؛ والآجري في الشريعة ص ١٨٨؛ ص-٢٢٤؛ حسنه الألباني في ظلال الجنة۔

اور جو کچھ کائنات میں آج تک ہوا ہے، اور جو کچھ قیامت تک ہوگا، اللہ تعالیٰ کو اس کے ہر ہر جزیئے اور کلیے کا علم ہے، اور سب کچھ اس کی مشیت کے مطابق ہی ہوگا۔

مندرجہ بالا پیرائے میں تقدیر پر ایمان رکھنا اس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے مقرر شدہ فیصلوں اور اس کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور اس میں کٹ حجتی اور مناظرہ و مباحثہ کرنا بھی اسی لیے منع ہے کہ یہ غیب کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خاص ہے، جس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہوسکتا، پھر اس میں بحث و تمحیص کرنا اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کہنا ہے۔ نیز یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے بعد آنے والے سلف صالحین رحمہم اللہ جن کے اتباع کے ہم مکلف ہیں، وہ تقدیر میں بحث و مناظرہ سے منع کرتے تھے۔ لہٰذا ہمیں اس سے رک جانا چاہیے۔

تقدیر پر ایمان کیسے؟

تقدیر پر ایمان کامل تسلیم و رضا سے ہی ممکن ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ پر راضی ہو جائے اور یہ یقین کر لے، کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے نصیب میں لکھا تھا وہ ہو گیا اور ہو کر رہے گا۔

اس فقرہ میں بھی ''جدال و مراء۔ جھگڑا اور کٹ حجتی۔'' جیسے اہم اور خطرناک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس میں سابقہ اور موجودہ زمانہ کے لوگ مبتلا رہے ہیں۔ مناظرہ اور کٹ حجتی اسلام میں اصلاً منع ہے۔ اس کی اجازت صرف ان لوگوں کو ہے جو اس کے اہل ہوں اور اس فن کی شرائط ان میں پائی جائیں۔ اصل میں ناحق انکار اور کٹ حجتی کرنا ''أھل أھواء'' (گمراہ) فرقوں کے اصول اور منہج میں سے ہے۔ جب کہ اہل سنت والجماعت کا یہ طریق کار نہیں ہے۔ دین کے تمام ہی امور میں جھگڑا کرنا برا اور ممنوع ہے، لیکن قدر [یعنی تقدیر جیسے: انسان کا خوش بخت یا بد بخت ہونا؛ اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ؛ رزق اور مستقبل کے اعمال جو بھی غیب سے تعلق رکھتے ہیں] جیسے مسئلوں میں اس کی قباحت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور اسے کبیرہ گناہ شمار کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک ''سر'' ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جن کا احاطہ بشری عقل نہیں کرسکتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جتنے بھی غیبی امور ہیں ان میں کٹ حجتی، مجادلہ و مناظرہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اکثر طور پر مناظرہ کا انجام دوسرے فریق پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے حجت بازی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو حرام کہا گیا ہے۔

بعض مواقع پر جہاں دین اسلام کا غلبہ، حق کا اظہار، سنت کا بیان اور لوگوں کی اصلاح مقصود ہو؛ یا ایسا وقت آجائے کہ لوگوں حق کے نام پر باطل کو ہوا دے رہے ہوں، اور اسے عوام الناس میں پھیلا رہے ہوں، تو عوام کو جہالت کے اندھیرے سے نکالنے کے لیے وہاں مجادلہ وہ مناظرہ حسن اسلوب اور حکمت کے ساتھ ان لوگوں کے لیے جائز ہے جو اہل علم ہوں؛ اور اس فن پر دسترس رکھتے ہوں؛ اور ان میں اتنی استعداد ہو کہ وہ درست جواب دے سکیں۔ لیکن ''مَـرَاءُ'' یعنی کٹ حجتی ہر حال میں ممنوع ہے۔ اس لیے کہ کٹ حجتی میں ایک فریق دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش میں رہتا ہے خواہ وہ حق پر ہو یا نہ ہو۔

مناظرہ کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ مناظرہ کرنے والا مسئلہ کی اصلیت اور اس کی دلیل کا عالم ہو، اور وجہ استدلال بھی جانتا ہو اور ایسے مناظرہ کی شروط میں سے قدرت کا ہونا بھی ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ مناظر کو مسئلہ؛ اس کی دلیل اور وجہ استدلال کا تو علم ہو مگر وہ اس کو صحیح طور پر فی البدیہہ بیان کرنے پر قادر نہ ہو، تو اس کے لیے بھی کسی طرح جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مضبوط فریق مخالف کے ساتھ لوگوں کے سامنے مناظرہ کرے۔ اس لیے کہ اس کی معمولی سی غلطی کی وجہ سے لوگوں پر غلط اثر پڑ سکتا ہے اور معاملہ الٹ سکتا ہے۔

اسراء ومعراج

اسراء ومعراج رسول اللہ ﷺ کے بڑے معجزات میں سے ایک ہے اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے معجزات پر بھی ایمان لایا جائے؛ جو کہ آپ ﷺ کی رسالت کے صداقت پر دلیل ہیں)۔ یہ ایک ہی رات میں پیش آنے والے دو سفر ہیں:

مکہ مکرمہ (ام ہانی کے گھر سے) لے کر بیت المقدس تک کا سفر؛ اسراء۔

بیت المقدس سے لے کر عالم بالا (آسمانی دنیا) کا سفر؛ معراج۔

یہاں پر اس پیرائے کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسراء وہ معراج کا تعلق مسلمانوں کے عقیدہ سے ہے اور اکثر گمراہ لوگوں کو آپ ﷺ کے سفر معراج میں شک ہوا ہے۔ مصنف انہی لوگوں پر رد کرنے کے لیے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کررہے ہیں۔

۷۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن رسول الله ﷺ أسريَ به إلى السماء؛ وصار إلى العرش وكلم الله تبارك و تعالىٰ؛ ودخل الجنة؛ واطلع إلى النار ورأى الملائكة؛ [وسمع كلام الله عز و جل]؛ ونُشِرَتْ له الأنبياءُ؛ ورأى سرادقات العرش والكرسي؛ وجميع ما في السماوات وما في الأرضين؛ في اليقظة؛ حمله جبريل على البراق حتى أداره في السماوات؛ وفرضت عليه الصلوات في تلك الليلة؛ ورجع إلى مكة في تلك الليلة؛ وذلك قبل الهجرة.))

''اور اس بات پر ایمان کہ رسول اللہ ﷺ کو آسمانوں کی طرف سیر کرائی گئی، اور وہاں سے وہ عرش کی طرف چلے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بات کی؛ اور جنت میں داخل ہوئے؛ اور جہنم کو دیکھا؛ اور ملائکہ کو دیکھا؛ [اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنا]۔ آپ ﷺ کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا اور آپ ﷺ نے عرش اور کرسی کی قناتیں دیکھیں اور جو کچھ آسمانوں میں تھا، اور جو کچھ زمینوں میں؛ (سب کچھ دیکھا)۔ یہ سب

بیداری کے عالم میں ہوا۔ جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا؛ یہاں تک کہ آپ کو آسمانوں تک لے گیا اور اسی رات آپ ﷺ کے لیے نمازیں فرض کی گئیں اور اسی رات آپ ﷺ واپس مکہ تشریف لے آئے۔ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔''

اسراء و معراج کی حقیقت

شرح: ...... یہ معجزہ نبوت کے بارہویں سال ماہِ رجب کی ستائیس (۲۷) تاریخ اور بدھ کی رات کو پیش آیا۔ جبکہ آپ ﷺ کی عمر شریف باون (۵۲) سال ہو چکی تھی۔ آغازِ سفر سے قبل بیت اللہ شریف کے پہلو میں ملائکہ نے آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا۔ قلب اقدس کو نکال کر سونے کے ایک طشت میں رکھا اور اسے آب زمزم سے دھونے اور اس میں ایمان و حکمت بھرنے کے بعد اسے واپس اسی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ کی سواری کے لیے براق لایا گیا جس کا ہر قدم اتنی دور پڑتا تھا جہاں تک نظر جا سکتی ہے۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے۔ وہاں امام الانبیاء ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ❶

بیت اللہ شریف سے بیت المقدس تک کا سفر اسراء کہلاتا ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ البَصِیْرُ﴾ (الاسراء: ۱)

''وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی، جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں؛ تاکہ اُسے اپنی نشانیاں دکھائے، بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

بیتُ المقدس سے آپ ﷺ حضرت جبرائیلِ امین علیہ السلام کی معیّت میں آسمانوں کی طرف لے جائے گئے۔ پہلے، دوسرے، حتیٰ کہ ساتویں آسمان اور اس سے بھی آگے سدرۃُ المنتہیٰ تک گئے اور پھر اس سے بھی آگے لے جا کر قربِ الٰہی اور شرف ہم کلامی و مناجات سے نوازے گئے۔ سات آسمانوں پر آپ ﷺ نے آٹھ انبیاء کرام سے بھی ملاقات کی۔ جن میں: پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور یحیٰ علیہما السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام؛ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔'' ❷

تمام عبادات تو بذریعۂ وحی فرض کی گئیں؛ مگر نمازِ پنجگانہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر بلا واسطہ فرض کی گئیں اور یہ اس سفرِ معراج کا تحفہ ہیں اور بیت المقدس سے لے کر آسمانوں کے اس سفر کو ہی معراج کہا جاتا ہے؛ ارشادِ ربانی ہے:

---

❶ بخاری، و مسلم۔

❷ بخاری ح ۳۰۳۵؛ و مسلم ۲۵۹۔

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى o ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى o وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى o ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى o فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى o فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى o مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى o أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى o وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى o عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى o عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى o إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى o مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى o لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى o﴾

(النجم: ٥-١٨)

''ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا۔ (یعنی جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھے۔ پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔ تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔ کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو اور انہوں اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔ پرلی حد کی بیری کے پاس۔ اسی کے پاس رہنے کی جنت ہے۔ جب کہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

معراج جسمانی ہوئی

اس بارے میں اختلاف کیا گیا ہے کہ کیا معراج روح کو ہوئی تھی یا جسمانی تھی۔ اس میں صحیح اور ارجح ترین قول یہی ہے کہ اسراء و معراج جسمانی تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے: صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے جسدِ مبارک کے ساتھ رات کے وقت مسجدِ حرام سے بیت المقدس بُراق پر سوار کر کے لے جایا گیا، آپ کے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے، وہاں آپ اُترے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو امام بن کر نماز پڑھائی، اور بُراق کو مسجد کے دروازے کی کنڈی کے ساتھ باندھ دیا، پھر آپ کو اسی رات بیت المقدس سے آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا اور پھر وہاں سے آگے ساتوں آسمانوں کی سیر کی۔

ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا آپ نے اس رات اپنے ربّ کو دیکھا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح قول یہی ہے کہ آپ نے اپنے ربّ کو دیکھا، اور ان سے یہ بھی صحیح مروی ہے کہ انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو اپنے دل کے ذریعہ دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى o عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى o﴾ (النجم: ١٣-١٤)

......''اور انہوں نے اس فرشتہ کو دوسری بار بھی دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔'' ...... سے مراد جبریل ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے، انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا:

''کیا آپ نے اپنے ربّ کو دیکھا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک نور دیکھا، اللہ کو کہاں دیکھ سکتا تھا۔ یعنی میرے اور اللہ کی رؤیت کے درمیان ایک نور حائل تھا۔'' ❶

جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے، میں نے ایک نور کو دیکھا ہے۔ ابن قیم کہتے ہیں: عثمان بن سعید داری نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق نقل کیا ہے کہ آپ نے اللہ کو نہیں دیکھا۔''

معراج حالت بیداری میں

مصنف رحمہ اللہ کا قول: (...... یہ سب بیداری کے عالم میں ہوا):

مصنف یہاں پر اس مسئلہ سے متعلق عقیدہ کے اہم ترین معاملہ کو بیان کر رہے ہیں کہ:

آپ ﷺ کو معراج حالت بیداری میں ہوئی، نہ کہ خواب میں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ خواب میں تو کوئی بھی کہیں بھی جا سکتا ہے، اس میں تو پھر نبی کریم ﷺ کا کوئی معجزہ نہ ہوتا؛ اور نہ ہی کفار اس کا انکار کرتے۔ اس جملہ میں ان لوگوں پر رد کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أسری بعبدہ﴾ اس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔ بندہ روح اور جسم کے مجموعے کا نام ہے۔ نہ ہی اکیلے جسم کو عبد (بندہ) کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی فقط روح کو۔ یہ دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔

جمہور سلف صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا مذہب یہ ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں روح اور جسد کے ساتھ ہوئی ہے، اور یہ وہ معجزہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو چیلنج کیا۔

سفر معراج کے معجزات

اس سفر میں آپ ﷺ کے کئی معجزے ہیں جنہیں سیرت نگار علمائے کرام نے شمار کیا ہے۔ ان معجزات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ آپ ﷺ کا سینۂ مبارک چاک کیا گیا، پھر آپ ﷺ کے دل کو نکال کر دھویا گیا اور اسے ایمان سے بھر کر پھر آپ ﷺ کے سینۂ مبارک میں لوٹا دیا گیا۔

۲۔ آپ ﷺ کے سامنے شراب، شہد اور دودھ لایا گیا، تو آپ نے دودھ کو پسند کیا، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس فطرت کو پسند کیا، جس پر آپ ﷺ قائم ہیں، اور آپ کے بعد آپ کی امت اس پر قائم رہے گی۔

۳۔ آپ ﷺ نے جنت میں چار نہریں دیکھیں؛ دو نہریں اندر کی طرف سے اور دو باہر کی طرف سے، اور یہ دونوں دریائے نیل و فرات تھے؛ باہر کی نہریں جیحان اور سیحان ہیں۔

❶ مسلم؛ باب في قولِهِ عليهِ السلام: نوراً ني أراه ؛وفي قولِهِ: رأيت نوراً؛ ح: ٤٦١۔

۴۔ آپ ﷺ نے داروغۂ جہنم مالک کو دیکھا جو ہنستا نہیں تھا، اور اس کے چہرے پر خوشی اور شادمانی کا کوئی نشان نہیں تھا، اور آپ ﷺ نے جنت اور جہنم کو دیکھا۔

۵۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو دیکھا جو یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کے مانند تھے، وہ اپنے منہ میں آگ کے ٹکڑے ڈالتے جاتے تھے جو ان کے پیچھے کے راستے سے نکل رہے تھے۔

۶۔ آپ ﷺ نے سود کھانے والوں کو دیکھا، ان کے پیٹ بڑے بڑے تھے، جن کے سبب وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے، اور ان کے پاس سے آلِ فرعون کے لوگ گزرتے تھے جنہیں آگ میں لے جایا جا رہا تھا، وہ انہیں اپنے پاؤں سے روندرہے تھے۔

۷۔ آپ ﷺ نے زنا کاروں کو دیکھا، ان کے ہاتھوں میں اچھا، تازہ گوشت تھا اور اس کے پاس ہی سڑا ہوا بدبودار گوشت تھا، وہ سڑا ہوا بدبودار گوشت کھاتے تھے، اور تروتازہ گوشت چھوڑ دیتے تھے۔

۸۔ ایسی عورتوں کو دیکھا جو اپنے شوہروں کی اولاد میں ان بچوں کو داخل کرتی تھیں، جو ان کے نہیں ہوتے تھے، وہ اپنی چھاتیوں کے ذریعہ لٹکائی ہوئی تھیں۔

۹۔ آپ ﷺ نے اس مبارک سفر میں جاتے اور لوٹتے ہوئے اہلِ مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کو دیکھا، اور قافلہ والوں کو ایک اونٹ کے بارے میں بتایا جو ان سے بچھڑ گیا تھا، اور آپ ﷺ نے ایک ڈھکے ہوئے برتن میں موجود ان کے پانی میں سے پیا، اُس وقت وہ لوگ سوئے ہوئے تھے، پھر آپ ﷺ نے برتن کو اسی طرح ڈھکا ہوا چھوڑ دیا، اور یہ بات معراج کی صبح آپ ﷺ کے دعوے کی صداقت کی دلیل بنی۔

۱۰۔ اور آپ ﷺ اپنے رب کے قریب ہوئے، یہاں تک کہ دو کمان کی مسافت سے بھی زیادہ قریب ہو گئے: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو جو چاہا وحی کی۔

۱۱۔ آپ ﷺ اور آپ کی امت پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر اللہ کی جانب سے بطور تخفیف ہر روز پانچ نمازیں کر دی گئیں۔

۱۲۔ آپ ﷺ کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا، پھر آپ اپنے جسم وروح کے ساتھ حالتِ بیداری میں آسمانوں کی طرف لے جائے گئے۔ جمہور ائمۂ مسلمین کے نزدیک یہی راجح ہے۔

۱۳۔ آپ ﷺ جب جنت کی سیر کر رہے تھے تو آپ کا گزر ایک نہر کے پاس سے ہوا جس کے دونوں کنارے موتی کے قبوں کے تھے، آپ نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے، جسے آپ کے رب نے آپ کے لیے تیار کیا ہوا ہے، اس کی مٹی مشک کی مانند خوشبودار تھی (بخاری وترمذی)۔

۱۴۔ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کے چھ سو پروں کے ساتھ دیکھا۔ (بخاری ومسلم)

۱۵۔ آپ ﷺ کو اُس رات تین چیزیں دی گئیں؛ پانچوں نمازیں، سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں، اور یہ خوشخبری کہ

آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائے گا اسے معاف کر دیا گیا۔(مسلم)

۱۶۔ آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر مکہ سے چلے اور اسے مسجدِ اقصیٰ کے دروازے کی کنڈی میں بندھا ہوا چھوڑ کر آسمانوں کی سیر کے لیے روانہ ہو گئے، پھر اسی رات کی صبح مکہ واپس آ گئے، آپ ﷺ کے دل و دماغ سے ہر تکلیف اور ہر حزن و ملال زائل ہو گیا تھا اور پہلے سے کہیں زیادہ آپ ﷺ کو سکون و اطمینان حاصل ہو چکا تھا۔

جب نبی ﷺ نے راتوں رات سفر بیت المقدس کیا تو کچھ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے، کیا تم اس بات کی تصدیق کرو گے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ میں تو اس سے بڑی بات (خبر السماء) کی تصدیق کرتا ہوں، تو یہ کیا ہے۔ اگر آپ ﷺ نے ایسے فرمایا ہے تو میں تصدیق کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے انہیں ''صدیق'' کا خطاب ملا۔ ❶

اسراء و معراج میں فرق

مسئلہ اسراء و معراج بھی عقائد کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک ہی رات میں بیت الحرام سے بیت المقدس کی سیر کی، یہ زمینی سفر اسراء کہلاتا ہے اور وہاں سے آسمانوں تک اور عالم بالا کی طرف تشریف لے گئے؛ جنت اور جہنم کی سیر کی؛ یہ سفر معراج کہلاتا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کے خصائص و معجزات میں سے ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اسراء ہوئی تو آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بیت المقدس میں بھی دیکھا، وہاں ان کی امامت کرائی؛ اور آسمانوں میں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ اسراء کا سفر بیت المقدس تک تمام ہوتا ہے۔ بیت المقدس سے آگے عالم بالا کا سفر معراج کہلاتا ہے؛ جس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔

پہلی نشانی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس جاتے ہوئے راستہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ لیکن جب بیت المقدس پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ❷

دوسری نشانی: جن انبیاء کرام کی آپ ﷺ نے بیت المقدس میں امامت کرائی؛ اور پھر آپ ﷺ وہاں سے براق پر سوار ہو کر آسمانی سفر پر نکلے۔ جب آپ ﷺ آسمانوں پر پہنچے تو ان انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی سواری کے؛ اپنی قدرت سے پہلے ہی آسمانوں پر پہنچا دیا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے لیے سواری کا بندوبست بطور اکرام کیا گیا تھا، ورنہ اللہ اس بات پر قادر تھا کہ آپ ﷺ کو بھی بغیر کسی سواری کے آسمانوں پر لے جاتا۔

تیسری نشانی: انبیاء کرام علیہم السلام کی (برزخی) زندگی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو برزخی زندگی حاصل ہے، مگر اس برزخی زندگی کو اس دنیا کی زندگی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

---

❶ الفتح الربانی ۲۰/ ۲٦٤۔

❷ مسلم کتاب الفضائل؛ باب من فضائل موسیٰ علیه السلام ح: ٤٤٨٣۔ مسند أحمد مسند أنس بن مالك؛ ح ١٢٢٥٤۔ دلائل النبوة للبیهقی، باب الإسراء برسول الله ﷺ ح: ٦٥٠۔ التوحید لابن خزیمه - باب ذکر الدلیل علی أن قوله عزو جل: هو الذي أحیاکم: ح ٥٥٠۔ السنن الکبری للنسائی؛ کتاب قیام اللیل و تطوع النهار؛ ذکر صلاة نبی الله موسیٰ علیه السلام باللیل ح: ١٣٠٦۔

چوتھی نشانی: جب نبی کریم ﷺ کا گزر [اپنی سواری پر] مشرکین کے قافلہ کے قریب سے ہوا تو ان کے جانور بدک گئے، پہلے تو وہ تعجب میں پڑ گئے، اور پھر کہنے لگے: آندھی چلی تھی۔"❶

پانچویں نشانی: یہ سچے مؤمنین کا امتحان تھا؛ کہ کئی لوگ اس واقعہ کے بعد مرتد ہوکر ابوجہل سے جا ملے، اور سچے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا۔❷

اس معجزہ معراج کی سب سے بڑی نشانی کہ آپ ﷺ نے اپنے رب سے صاف ظاہری اور کھلا ہوا کلام کیا، اور اپنے دل سے اپنے رب کو دیکھا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ کا اس پر ایک مستقل رسالہ ہے جس میں اسراء کی تمام روایات جمع کی ہیں؛ اور اس کا نام رکھا ہے: "الآية الكبرى في شرح قصة الإسراء۔" جو کہ طبع ہو چکا ہے۔ ایسے ہی شیخ محمد ابوشبہ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام رکھا ہے: "الإسراء و المعراج۔"

ارواح کا مسئلہ

۷۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن أرواح الشهداء في حواصل طير خضر تسرح في الجنة؛ وتأوي إلى قناديل تحت العرش❸ وأرواح الكفار و الفجار في برهوت [وهي في سجين]۔))

"اور جان لیجیے کہ: شہداء کی روحیں عرش کے نیچے قندیلوں میں ہیں؛ جہاں وہ اڑتی پھرتی ہیں؛ اور مؤمنین کی روحیں عرش کے نیچے ہیں اور کفار اور فجار کی روحیں بئر برہوت میں ہیں۔ [یہ جہنم میں ایک کنواں ہے]۔"

شـرح: ......روح چیز ہے جس سے زندگی پیدا ہوتی ہے، جاندار چلتے پھرتے؛ بڑھتے اور ادراک و شعور رکھتے ہیں۔ روح اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

(الاسراء: ۸۵)

"اور (اے پیغمبر) آپ سے پوچھتے ہیں روح کیا ہے کہہ دے میرے مالک کا حکم ہے اور تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کچھ نہیں ملا مگر تھوڑا۔"

مصنف رحمہ اللہ نے جو کچھ یہاں پر بیان کیا ہے یہ سارے حالات بعث سے قبل ہوں گے۔ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت میں اڑتی پھرتی ہیں، اور پھر عرش کے نیچے قنادیل میں لوٹ کر آجاتی ہیں۔ یہ صحیح حدیث

❶ مصنف ابن ابی شیبه کتاب المغازی؛ حدیث المعراج حین أُسرِیَ بالنبی ؛ ح: ۳۵۸۹۶۔
❷ مستدرك حاكم ؛ كتاب معرفة الصحابه : ح : ۴۴۰۶۔
❸ کتاب (۱۸۷۸) الإمارة ، باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة" حديث عبد الله بن مسعود رضي الله عنه۔

سے ثابت ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لما أُصِيب إِخوانكم بأحد جعل الله أرواحهم فِي جوفِ طير خضر تَرِد أنهار الجنةِ تأكل مِن ثِمارِها وتأوي إلى قنادِيل مِن ذهب معلقة فِي ظِلِ العرشِ فلما وجدوا طِيب مأكلِهم ومشربِهم ومقِيلِهم قالوا: من يبلِغ إِخواننا عنا أنا أحياءٌ فِي الجنةِ نرزق لِئلا يزهدوا فِي الجِهادِ ولا ينكلوا عِند الحربِ فقال الله سبحانه: أنا أبلِغهم عنكم قال: فأنزل الله ﴿ولا تحسبن الذِين قتِلوا فِي سبِيلِ اللهِ أمواتاً﴾ ❶

''جب تمہارے بھائیوں نے میدان احد میں شہادت پالی، اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں منتقل کردیا، وہ جنت کی نہروں پر جاتی اور اس کے پھلوں میں سے کھاتی ہیں؛ اور پھر سونے کے قندیلوں میں ٹھکانا پکڑتی ہیں جو عرش کے سائے میں لگے ہوئے ہیں۔ جب انہوں نے اپنے لیے اچھا کھانا، اچھا پینا اور اچھا ٹھکانا پالیا تو کہنے لگے: ہماری خبر ہمارے بھائیوں تک کون پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں، اور ہمیں روزی دی جاتی ہے۔ تاکہ وہ جہاد سے بے رغبت نہ ہو جائیں، اور معرکہ کے وقت بزدلی نہ دکھائیں۔ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہاری طرف سے یہ خبر پہنچاؤں گا۔ (آپ نے فرمایا:) ''پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ گمان نہ کرو......الخ۔''

میت سے سوال اور زیارت قبور

۷۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن الميت يقعد في قبره؛ ويرسل الله فيه الروح حتى يسأله منكر و نكير عن الإيمان و شرائعه؛ ثم تسل روحه بلا ألم؛ ويعرف الميت الزائر إذا أتاه؛ ويتنعّم في القبر المؤمن؛ ويعذّب الفاجر كيف شاء الله۔))

''اور اس بات پر ایمان کہ میت کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس میں روح کو بھیجتے ہیں؛ حتیٰ

---

❶ سنن أبو داؤد، باب: فضل الشهادة، ح: ۲۵۲۰۔ قال الألباني: حسن۔ اس مسئلہ میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الروح" (ص ۱۲۵) میں ایک تفصیلی بحث کی ہے۔ مزید دیکھو: "أهوال القبور" ابن رجب الحنبلي (ص ۲۰۹-۲۴۳)۔

بئر برہوت یہ ایک گہرا کنواں ہیں، جس کی تہہ تک اترنا محال ہے۔ جیسا کہ معجم البلدان (۴۰۵/۱) میں، یاقوت حموی نے؛ اور ''النہایۃ'' (۱۲۲/۱) میں ابن اثیر نے نقل کیا ہے۔ لیکن اس بارے میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے کہ کفار کی ارواح بئر برہوت میں ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: کتاب "الروح" (ص ۱۲۵) "أهوال القبور" ابن رجب الحنبلي (ص ۲۰۹-۲۴۳)

کہ منکر نکیر اس سے ایمان اور شریعت کے متعلق سوال کرتے ہیں ؛ اور پھر اس کو دوبارہ بغیر کسی تکلیف کے نکال دیا جاتا ہے اور میت زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے جب اس کے پاس کوئی آئے اور مؤمن قبر میں نعمتیں پاتا ہے، اور فاجر کو عذاب دیا جاتا ہے۔ اس عذاب اور نعمت کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔''

شرح: ...... اس فقرہ میں حیات برزخ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کیا جارہا ہے۔ برزخی زندگی قرآن وحدیث کی رو سے ثابت ہے، جو کہ آخرت کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ جس کا دنیا کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن یہ دنیا اور آخرت کی زندگی کے درمیان کا ایک مرحلہ ہے۔ برزخی زندگی کے بارے میں بہت ساری چیزیں ثابت ہیں، ان میں سے:

۱۔ قبر میں میت سے سوال کیا جانا ہے۔ کہ انسان کے پاس دو فرشتے آئیں گے اور اس سے سوال کریں گے؛ اس کے رب کے بارہ میں ؛ اس کے دین کے بارہ میں ؛ اور نبی کریم ﷺ کے بارہ میں۔ بعض احادیث میں ان فرشتوں کے نام بھی وارد ہوئے ہیں ؛ منکر اور نکیر۔ کئی ایک علماء نے فرشتوں کے ان ناموں والی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

۲۔ دوسری چیز جو قبر کی زندگی سے متعلق ثابت ہے وہ انسان پر اس کے اعمال کا پیش ہونا ہے۔ اگر اعمال اچھے ہوں گے تو وہ اچھی صورت میں آئیں گے، اور اگر اعمال برے ہوں گے تو وہ بری اور بھیانک صورت میں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

ایسے ہی نیکوکار اور جنتی انسان کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولا جائے گا اور وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں سے ہی بنا دے۔ ؛ اور اگر بدکار اور جہنمی ہوگا تو اس کے لیے جہنم کی طرف دروازہ کھول دیا جائے گا ؛ اور وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں دیکھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ اور بعض روایت کے مطابق اسے جہنم کی گرمی اور بو آنی شروع ہوجائے گی۔

۳۔ ایسے ہی قبر میں روح کا لوٹایا جانا بھی ثابت ہے اور اسے احساس بھی ہوتا ہے، وہ نعمتیں بھی پاتی ہے اور تکلیف بھی ہوتی ہے اور دفن کرتے وقت یا دفن کے فوراً بعد اسے اپنے گرد ونواح کے لوگوں کا بھی شعور ہوتا ہے۔ دیکھیں: حاشیہ پیرا یہ نمبر ۶۳۔

میت اور زائر

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور میت زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے):

اس بارہ میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ جب میت کی زیارت کے لیے کوئی جاتا ہے تو وہ اسے پہنچاتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے قبروں کی زیارت مشروع کی گئی ہے۔ یہ مسئلہ چونکہ احوال برزخ سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے ہم برزخ اور آخرت کے متعلق کوئی چیز بغیر کتاب وسنت کی دلیل کے نہیں کہہ سکتے۔ میت کے اپنے زائر کو پہچاننے کی کیفیت کیا ہے؟ اس کا تعلق علم غیب سے ہے۔ اس لیے اس میں دخل اندازی کرنا منع ہے۔ رہا یہ مسئلہ کوئی

انسان یہ کہے کہ اگر اہل قبر کو انسان کی زیارت کا شعور و احساس ہوتا ہے تو پھر ہم اس سے اپنی ضروریات و حاجات میں مدد کیوں نہ طلب کریں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت محمدیہ میں اس کی اجازت نہیں ہے، اور نہ ہی ایسا کرنا کوئی مشروع طریقہ ہے۔

بعض علماء ان روایات کے متعلق کہتے ہیں: ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے۔ ❶

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور مؤمن قبر میں نعمتیں پاتا ہے، اور فاجر کو عذاب......):

ایمان کے اصولوں میں ایک اصل قبر کی نعمتوں اور عذاب پر ایمان ہے۔ جب کہ معتزلہ اس عقیدہ کے مخالف ہیں؛ وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے: ''میت اپنی قبر میں ایسے ہی رہتا ہے جیسے ہم نے رکھ دیا؛ نہ ہی اسے کوئی عذاب ہوتا ہے، اور نہ ہی کوئی نعمت پاتا ہے۔ یہ لوگ اپنی نظر، عقل اور فکر پر اعتماد کرتے ہیں؛ غیب پر ایمان نہیں رکھتے۔ جب کہ دنیا کو آخرت کے امور پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی آخرت کے امور کو دنیا پر قیاس کرنا ممکن ہے۔

قبر میں ملنے والا عذاب یا ثواب متواتر احادیث سے ثابت ہے، اور اس سلسلہ میں عذاب قبر کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ قبر میں میت کی دو ہی حالتیں ہیں، یا تو وہ نعمتوں سے سرفراز ہو رہا ہے؛ یا پھر اسے عذاب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

علامہ صالح الفوزان اپنی شرح میں فرماتے ہیں: جو کوئی قرآنی نصوص اور احادیث مبارکہ معلوم ہونے کے باوجود عذاب قبر کا انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے''۔

اور جو کوئی تأویل یا تقلید کی وجہ سے انکار کر رہا ہو، اس کے لیے حق بیان کیا جائے گا، اور اس کے شبہات دور کیے جائیں گے اور اگر پھر بھی وہ اپنے عقیدہ پر مصر رہے تو اس پر کفر کا فتوی لگایا جائے گا۔ ❷

برج اور ستاروں کی حقیقت

۷۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن البروج بقضاء الله وقدره۔))

''اور یہ بھی جان لیجیے کہ: ستارے اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہیں۔''

شرح: .....اس پیرائے سے مؤلف رحمہ اللہ کا مقصد اہل نجوم اور کہانت پر رد کرنا ہے؛ جو ستاروں کی گردش کو انسان کے افعال؛ اس کی تقدیر اور موت و حیات میں مؤثر مانتے ہیں۔ جب کہ اجل اور عمر اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر سے ہے؛ اچھی اور بری تقدیر بھی اللہ ہی کی جانب سے ہے؛ اس میں کسی ستارے یا برج کی گردش کا کوئی اثر نہیں۔ نیز اس بات کے کہنے سے ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو عمر کے بارے میں قدریہ فرقہ کی رائے سے متاثر ہیں۔

❶ مزید دیکھیں: " بشری الكئيب بلقاء الحبيب "(ص ۸۷-۸۹)۔" أهوال القبور " ابن رجب الحنبلی (ص ۱۸٤ - ۱۹۲)۔
❷ شرح شرح السنة ۲۱۳۔

صحیح یہ ہے کہ جب بھی اجل پوری ہو جائے گی تو روح نے جسد سے جدا ہونا ہی ہے۔خواہ ایسا قتل سے ہو، یا حادثہ سے ہو، یا طبعی موت مرنے سے۔ جس طرح بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا خاتمہ لکھا ہوگا؛ ویسا ہو کر رہے گا۔ ❶

افسوس کی بات یہ ہے کہ جہلا تو درکنار، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی نجومیوں اور کاہنوں کے پاس جا کر اپنے ستارے دکھاتے ہیں، اور حساب کرواتے ہیں۔ اب تو یہ کام صنعت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ روزانہ اخباروں کے صفحات اسی بکواس سے بھرے ہوتے ہیں۔

کاہن، نجومی، اور فال والے کی تصدیق کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لہٰذا ان کے پاس جانے سے پرہیز کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من أتى عرافاً أو كاهناً فصدقه بما يقول ، فقد كفر بما أنزل على محمد)) ❷

''جو نجومی، کاہن اور فال گر کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی، تحقیق اس نے قرآن کا کفر کیا۔''

موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی

۷۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن الله تبارك وتعالى هوالذي كلم موسىٰ بن عمران عليه السلام يوم الطور؛ وموسىٰ يسمع من كلام الله بصوت الله وقع في مسامعه منه لا من غيره؛ فمن قال غير هذا؛ فقد كفر [بالله العظيم]۔))

''اور اس بات پر ایمان کہ ''طور'' کے دن اللہ تعالیٰ نے ہی موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے کلام کیا تھا اور موسی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ کلام آواز کے ساتھ سنا تھا اور آپ کی سماعت میں یہ آواز اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ڈالی گئی تھی کسی اور کی طرف سے نہیں۔ جو اس کے علاوہ کوئی اور عقیدہ رکھے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔''

شرح: ......اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ کئی ایک گمراہ فرقوں پر رد کر رہے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک جہمیہ بھی ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں: کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کا کلام سنا ہے۔اس لیے انہوں نے آیت کو بدل دیا اور کہنے لگے:

﴿وَ كَلَّمَ اللّٰهَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (النساء: ١٦٤) (لفظ اللہ کے ھ پر زبر کے ساتھ پڑھا)۔

''اور موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے باتیں بھی کیں۔''

حالانکہ آیت اس طرح ہے:

﴿وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾

''اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے باتیں بھی کیں۔'' (اصل لفظ اللہ کے ھ پر پیش کے ساتھ ہے)

❶ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: تفسیر القرطبی (٢٨٣٥)۔

❷ ابو داؤد، ترمذی، احمد / صحیح۔

اور بعض نے آیت کے الفاظ وحروف میں تو تحریف نہیں کی؛ فقط تأویل کر کے اس کے معنی کو بدل دیا، اور کہنے لگے: اس سے مراد کلام کرنا نہیں، بلکہ علم ہونا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام کے دل کی باتیں معلوم ہوگئیں۔ اور بعض نے اس سے ہٹ کر کچھ دیگر تأویلات کیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

منکرین پر رد

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حقیقی بات چیت کی، اور یہ گفتگو ایسے ہی تھی جیسی اللہ کی شان کے لائق ہے۔ اس کے کئی ایک دلائل اس آیت کے علاوہ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ يَا مُوسَى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ ۝﴾

(الاعراف: ۱۴۳۔ ۱۴۴)

''اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہِ طور پر) پہنچے اور اُن کے رب نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے اللہ! مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) کروں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی؛ تو (تجلی انوار ربانی نے) اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں اُن میں سب سے اوّل ہوں۔ (اللہ نے) فرمایا کہ موسیٰ! میں نے تمہیں اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے تو جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے اُسے پکڑ رکھو اور (میرا) شکر بجا لاؤ۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلام ہونا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام کے شرف اور فضائل میں سے ایک ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ہم کلام ہونا بھی بیان کیا ہے اور اس پر شکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایسے ہی ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَى ۝ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى ۝ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝﴾ (طٰہ: ۱۱۔ ۱۴)

''جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ! ۔ میں تو تمہارا رب ہوں تو اپنی جوتے اُتار دو تم (یہاں) پاک میدان (یعنی) طویٰ میں ہو اور میں نے تم کو انتخاب کر لیا ہے تو جو حکم دیا جائے اُسے سنو۔ بیشک میں ہی اللہ

ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔"

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِن شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَن يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (القصص: ۳۰)

"جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ موسیٰ میں تو اللہ رب العالمین ہوں۔"

معتزلہ کی تأویل بالکل بودی اور ناکارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درخت میں کلام ڈال دیا تھا، اور درخت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ درخت وغیرہ کسی بھی غیر اللہ کے لیے یہ بات محال ہے کہ وہ اللہ رب العالمین ہونے کا دعویٰ کرے جیسا کہ آیت مذکورہ کے آخر میں ہے۔

احادیث سے رد

احادیث میں بھی اس کے کئی دلائل ہیں، ان میں سے:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے رب! مجھے حضرت آدم علیہ السلام دکھا دے جس نے ہمیں بھی اور اپنے آپ کو جنت سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام دکھا دیے۔ تو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے۔ کہا: "کیا آپ ہمارے باپ آدم ہیں؟ آدم علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ تو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے۔ کہا: "کیا آپ وہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی؛ اور آپ کو تمام اسماء کی تعلیم دی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کو سجدہ کریں۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے۔ کہا: "تو آپ کو کس چیز نے اس بات پر ابھارا کہ آپ ہمیں بھی اور اپنے آپ کو جنت سے نکالیں؟۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: تم کون ہو؟ کہا: میں موسیٰ ہوں؟ کہا: آپ بنی اسرائیل کے وہ نبی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے پردہ کے پیچھے سے کلام کیا، اور اپنے اور آپ کے درمیان اپنی مخلوق میں سے کسی کو پیغام رساں نہیں بنایا؟ فرمایا: ہاں۔ تو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے۔ کہا: کیا تم نے کتاب میں نہیں پایا کہ یہ بات میرے پیدا کیے جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں کتاب میں لکھی جا چکی تھی؟۔ موسیٰ علیہ السلام نے۔ کہا: ہاں، ایسا پایا ہے۔ تو فرمایا: تو پھر ایسی چیز میں مجھے ملامت کیوں کرتے ہیں جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے ہی کر دیا تھا؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام نے موسیٰ پر حجت قائم کر دی۔" ❶

اس حدیث سے استدلال کی وجہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ذکر کرنا ہے۔

---

❶ سنن أبي داؤد، باب: في القدر، ح: ٤٧٠٤۔ قال الألباني: حسن۔ ومسند أبي يعلى، مسند عمر بن خطاب، ح: ٢٤٣۔

الغرض یہ بات مسلمانوں کے عقیدہ کا جزء ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست پردہ کے پیچھے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حقیقی کلام کیا؛ جو آپ نے سر کے ان دو کانوں سے سنا اور جو کوئی اس کا انکار کرے؛ وہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کررہا ہے، اس لیے وہ کافر ہے اور جو انسان یہ بات کہے کہ اللہ تعالیٰ نے درخت میں کلام پیدا کردیا تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کیا، یہ بھی کفر ہے۔اس لیے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ کلام مخلوق ہے اور اس کا گمان ہے کہ مخلوق نے اس کے رب ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔حالانکہ کسی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ الہ اور معبود ہونے کا دعویٰ کرے ۔مسلمان سے ایسی بات کہنی کی توقع نہیں کی جاسکتی ۔ایسا انسان کافر ہے، اسے توبہ کرنے کا کہا جائے گا، اور اگر توبہ نہ کرے تو اسلامی حکومت کا کام ہے کہ اسے قتل کردے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو، وہ انسان نہ ہی قتل کیا جاسکے، اور نہ ہی اس سے توبہ کروائی جاسکے، تو اس صورت میں اس پر حجت قائم کرنے کے بعد ہٹ دھرمی کی صورت میں قطع تعلقی واجب ہوجاتی ہے اور ایسا انسان اگر مرجائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور نہ ہی زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے، اور نہ ہی اسے سلام کیا جائے، اور نہ ہی کوئی مسلمان اپنی بیٹی اس کو شادی کرکے دے۔

اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کلام کیا تھا اور اس رات تحفہ میں آپ کو پانچ نمازیں ملیں ۔اللہ تعالیٰ نے ایسی آواز میں اپنے نبی سے بات چیت کی کوسنی اور سمجھی جاسکتی تھی۔

جہمیہ فرقہ اس کا انکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرتا۔اس لیے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے لیے کلام کی صفت کو ثابت مانیں گے تو اسے مخلوقات سے تشبیہ دیں گے۔اس لیے کہ مخلوق کلام کرتی ہے۔

لیکن ان عقل کے اندھوں کو اتنی سمجھ نہیں آتی کہ کلام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور مخلوق کی صفت بھی کلام کرنا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا ایسے ہی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے، اور مخلوق کا کلام ان کی قوت کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کے حساب سے ہے۔ان دونوں کی نہ ہی تو آپس میں کوئی مشابہت ہے اور نہ ہی مماثلت ۔اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہ فرقوں کے شکوک وشبہات سے محفوظ رکھے؛ جو قرآن وحدیث کی موجودگی میں اپنی عقل کو شریعت میں داخل کرکے گمراہی مول لیتے ہیں۔

عقل کے بارے میں

۷۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والعقل مولود ؛ أعطي كل إنسان من العقل ما أراد الله؛ يتفاوتون في العقول مثل الذرة في السماوات؛ ويطلب من كل إنسان من العمل على قدر ما أعطاه الله من العقل ؛ وليس العقل باكتساب؛ إنما هو فضل من الله تبارك الله وتعالىٰ۔))

"عقل پیدا کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق ہر انسان کو عقل دی گئی ہے۔[لوگ] عقل میں ا...

مختلف ہوتے ہیں جیسے آسمان میں ذرات اور ہر انسان سے ایسے ہی عمل طلب کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کو عقل دی ہے۔ عقل کسب سے نہیں آتی۔ بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے۔''

شـــرح: ...... عقل وہ قوت ہے جس سے انسان چیزوں کا ادراک کرتا ہے۔ عقل سے فائدہ مند اور نقصان دہ، بھلائی اور برائی اور خیر وشر کی پہچان ہوتی ہے۔ کوئی ایک نہیں جانتا کہ عقل کی کیفیت کیا ہے۔ مگر اتنا منہج سلیم میں ثابت ہے کہ عقل پیدا کی گئی ہے اور ایک فطری چیز ہے۔ اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ کا مقصود ان فلاسفہ اور غالی متکلمین پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ عقل قدیم اور ازلی قوت ہے اور عقل اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے؛ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اس نے لوٹ کر جانا ہے اور عقل ایک مستقل کائنات ہے جس کا وجود باقی تمام تر مخلوقات سے جداگانہ ہے۔ شیخ رحمہ اللہ یہاں پر فرمانا چاہتے ہیں کہ: ''عقل ایک فطری عطیہ ہے؛ جس طرح باقی مواہب انسان میں پیدا ہوتے ہیں، ایسے عقل بھی پیدا ہوتی ہے۔'' یعنی عقل بھی انسان کی ذہانت؛ فہم، ادراک اور ان دوسرے امور کی طرح ہے جو انسان کے اندر پیدا ہوتے ہیں، اور بڑھتے ہیں۔ لوگوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو کامل عقل والے ہوتے ہیں، اور کچھ درمیانہ درجہ کے، اور کچھ کمزور عقل والے ہوتے ہیں تو کچھ کی عقل اس سے بھی کم؛ یا بالکل نہیں ہوتی؛ جس طرح کے باقی قدرات اور مواہب میں انسان کا معاملہ ہے۔

عقل کے مطابق ہی انسان کو اعمال کا مکلف ٹھہرایا جاتا ہے۔ جو انسان کامل عقل والا ہوتا ہے اس پر اتنے ہی فرائض ہوتے ہیں، جو اس سے کم عقل والے پر نہیں ہوتے اور اس عقل کے حساب سے ہی انسان کا محاسبہ بھی ہوگا؛ جس کی کوئی عقل نہیں ہے، اس کا نہ ہی کوئی اتنا محاسبہ ہوگا اور نہ ہی اس کی اتنی ذمہ داریاں ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ اہل عقل کو مخاطب کیا ہے، اور ان کی تعریف بھی کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (النحل: ۱۲)

''اور اسی اللہ نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمھارے کام میں لگایا اور تارے بھی اس کے حکم سے تابعدار ہیں بے شک جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لیے ان چیزوں میں (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ کائنات میں بکھری ہوئی نشانیاں اور اپنی توحید بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان مثالوں کو ہم اس لیے بیان کرتے ہیں کہ عقل مند لوگ سمجھ حاصل کریں، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ (النحل: ۴۳)

''اور یہ نشانیاں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لیے بھی بیان کرتے ہیں، اور ان کی سمجھ صرف علم والے ہی رکھتے ہیں۔''

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عقل اللہ تعالیٰ نے مسخ کردی ہوتی ہے، فرمایا:

﴿اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا﴾

(الفرقان: ٤٤)

''کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سنتے ہی یا عقل رکھتے ہیں نہیں وہ تو چوپائے جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر بے قوف۔''

اور کئی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عقل تو دی ہوتی ہے، مگر وہ راہِ حق پانے میں اس سے استفادہ نہیں کر سکتے، اور ان کی عقل انہیں کچھ بھی کام نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَ لٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ﴾ (الحج: ٤٦)

''کیا یہ لوگ زمین میں نہیں پھرے (ملکوں کی سیر نہیں کی اگر سیر کرتے) تو ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے (حق بات) سمجھ لیتے یا کان ایسے ہو جاتے جن سے (نصیحت) سن لیتے بات یہ ہے کہ آنکھیں تو (ان کی) اندھی نہیں ہیں لیکن دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہیں۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (...... ایسے ہی عمل طلب کیا جاتا ہے جیسے...... اس کو عقل دی ہے......)۔ یعنی جو چیز انسان کی سمجھ، وعقل سے بالاتر ہو وہ اس کا مکلّف نہیں ہوتا۔ اس لیے ہمیں سیرت میں بہت سے واقعات ایسے ملتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی معاملہ کو اگر سمجھ نہ پاتے تھے تو اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا عذر قبول کرتے تھے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عقل مشق و ریاضت سے نہیں حاصل کی جاسکتی؛ اور نہ ہی سیکھنے سے آتی ہے۔ یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ بعض لوگ عقل کے وظائف و وسائل اور اس کی اصل میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے اشتباہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عقل کے مدارک و مراتب اور اس کے وظائف سوچ و بچار، غور و فکر کرنے اور تعلیم حاصل کرنے سے بڑھتے اور مگر اس کی اصلیت بذاتِ خود اپنی جگہ پر برقرار رہتی ہے۔

لوگوں کے مابین فضیلت

۷۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن الله فضّل العباد بعضهم على بعض في الدين و الدنيا؛ عدلًا منه؛ لا يقال: "جار و لا حابي" فمن قال: "إن فضل الله على المؤمنين والكافر سواء؛ فهو صاحب بدعة۔ بل فضّل الله المؤمنين على الكافرين؛ والطّائع على العاصي؛ والمعصوم على المخذول؛ عدل منه؛ هو فضله يعطي من يشاء و يمنع من يشاء۔))

''یہ بھی جان لیجیے کہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ یہ اس کا عدل ہے۔ اس

کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ظلم کیا، اور نہ محبت کی۔'' [یعنی کسی خاص محبت کی وجہ سے اسے فضیلت دی]۔ جس نے یہ بات کہی کہ: ''اللہ تعالیٰ کا فضل کافر اور مؤمن پر برابر ہے، وہ بدعتی ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو کافروں پر فضیلت دی ہے اور فرمانبردار کو نافرمان پر فضیلت دی ہے، اور گناہ سے پاک کو گناہ میں لت پت پر۔ یہ سب اس کا عدل ہے۔ یہ اس کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم رکھتا ہے۔''

شرح: ......اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مابین فرق رکھا ہے، اور بعض کو بعض پر مراتب و مقام میں علم و عمل میں اور دیگر کئی لحاظ سے فضیلت دی ہے۔ کافر پر مؤمن کو فضیلت ہے، جاہل پر عالم کو برتری ہے۔ نبی کو امت پر فضیلت ہے اور پھر جیسے انبیاء کرام کے مراتب و فضائل میں فرق ہے۔ ایسی ہی امت کے لوگوں میں بھی فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ (فاطر: ۳۲)

''پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رَو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں یہی بڑا فضل ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَّا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (نساء: ۹۵)

''جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے (اور لڑنے سے جی چراتے) ہیں اور کوئی عذر نہیں رکھتے وہ اور جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے اور (گو) نیک وعدہ سب سے ہے لیکن اجرِ عظیم کے لحاظ سے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر کہیں فضیلت بخشی ہے۔''

اللہ تعالیٰ اطاعت گزار اور نافرمان کے مابین فرق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ (الجاثیہ: ۲۱)

''جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے

اور نیک عمل کرتے رہے اوران کی زندگی اور موت یکساں ہوگی؟ یہ جو دعوے کرتے ہیں بُرے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ مؤمنین اور مفسدین کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے مؤمنین کی فضیلت جتاتے ہیں، فرمایا:

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ (ص: ۲۸)

''جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کیا ان کو ہم ان کی طرح کردیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کردیں گے؟''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (الزخرف: ۳۲)

''کیا تیرے مالک کی رحمت کا بانٹنا ان کا کام ہے (نبوت بھی اللہ کی ایک رحمت ہے) ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی روزی بانٹ دی ہے اور ان میں ایک کو دوسرے سے کئی درجہ بڑھا کر رکھا ہے اس سے یہ غرض ہے کہ ان میں ایک دوسرے سے تابعداری کرائے اور جو (مال متاع) یہ لوگ (دنیا میں) اکٹھا کرتے ہیں تیرے مالک کی مہربانی اس سے (کہیں) بہتر ہے۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾

(المجادلة: ۱۱)

''جولوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم ملا ہے (دین کے عالم ہیں) اللہ ان کے درجے (دنیا اور آخرت میں) بلند کریگا اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے (سب) کاموں کی خبر ہے۔''

یہ ساری آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں مراتب کا فرق رکھا ہوا ہے۔ سب کے سب ایک ہی درجہ میں برابر نہیں ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (یہ اُس کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے.....):

یہ قاعدہ بھی قضا وقدر سے متعلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے بعض کو دین میں فضیلت دی ہے۔ مراد ہدایت اور گمراہی؛ اور نیک بختی اور بدبختی کے ملنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں میں ہدایت کے بھی مختلف درجے بنائے ہیں۔ اور ایسے ہی جن کے نصیب میں گمراہی ہے، ان کے بھی مختلف درجے ہیں۔ ایسے ہی دنیاوی نصیب اور رزق و مال میں بھی لوگوں کے درمیان فرق ہے۔ اور اس کی حکمت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے، اس سے اس

بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا۔جن لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو مقدر کر دیا ہے، یہ اس کے سابق علم کی بنیاد پر ہے؛ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ اہل ہدایت کے اعمال کریں گے؛ اور گمراہی کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل میں اس حد تک تو سب کافر اور مسلم برابر کے شریک ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا، اچھی شکل وصورت دی؛ اپنے انعامات کیے؛ اور ان کی ہدایت کے لیے رسول بھیجے، اور کتابیں نازل کیں۔مگر وہ جانتا تھا کہ کون اسے قبول کرے گا اور کون نہ مانے گا۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیکوکار بندوں کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دی اور پھر ان میں بھی اطاعت اور عمل کے لحاظ سے لوگوں کے مراتب مختلف ہیں۔ اس میں ان غالی صوفیوں، متکلمین اور فلاسفہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ کافر اور مسلمان میں فرق صرف شکلی ہے، اس کا آخرت میں کوئی اثر نہ ہوگا، اور نہ ہی مسلمان کی کوئی خاص فضیلت ہے، بلکہ کافر مسلمان سے بہتر ہے اور آخرت میں کافروں کو عذاب نہیں ہوگا بلکہ وہ آگ سے لطف اندوز ہوں گے اور راحت پائیں گے۔ایسے لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہوئے ایسی باتیں کرتے ہیں:

﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ o أَفَلَا تَذَكَّرُونَ o أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِينٌ o فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ o﴾ (الصافات: ١٥٤ ـ ١٥٧)

''تم کیسے لوگ ہو کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو؟۔ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ یا تمہارے پاس کوئی صریح دلیل ہے؟۔اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو۔''

انسان کے اعمال اور سلوک و برتاؤ؛ اور محبت ونفرت میں بھی حسن اسلوب اور حکمت کے ساتھ اس فضیلت اور برتری کا اظہار ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر انعام کی ہے۔مثال کے طور پر عالم دین کا زیادہ احترام کرے، اور طالب علم کا اس سے کم اور ایسے ہی جو دین کا جتنا زیادہ دشمن ہو اس سے اتنی ہی نفرت رکھے اور عام کافر سے اس سے کم۔

نصیحت اور خیر خواہی

٨٠۔مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا يحل أن تكتم النصيحة أحداً من المسلمين؛ -برّهم و فاجرهم- في أمر من أمور الدين؛ فمن كتم؛ فقد غش المسلمين؛ ومن غش المسلمين فقد غش الدين؛ ومن غش الدين فقد خان الله و رسول الله و المؤمنين۔))

''یہ حلال نہیں ہے کہ مسلمانوں کے دین کے معاملہ میں ان کی خیر خواہی [نصیحت] کو چھپا کر رکھا جائے۔- نیک و فاجر، کسی کے لیے بھی-۔جس نے نصیحت کو چھپایا، اس نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ بازی کی۔ جس نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ بازی کی، اس نے دین میں ملاوٹ کی، اور جس نے دین میں ملاوٹ کی، اس نے یقیناً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مؤمنین سے خیانت کی۔''

شرح: ...... نصیحت کا معنی ہے: اخلاص ؛ اصطلاح میں لوگوں کے لیے خیر خواہی اور مخلصانہ جذبات واحساسات کا نام نصیحت ہے۔ نصیحت کرنا انبیاء اور رسولوں کا کام ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴾ (الاعراف : ٦٨)

''میں آپ تک اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں ، اور میں آپ کا خیر خواہ اور امانت دار ہوں۔''

ہر رسول اور نبی اپنے زمانے کا سب سے بڑا ناصح اور لوگوں کا خیر خواہ ہوا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں چند انبیاء کی نصیحتیں اور ان پر لوگوں کے ردعمل کا ذکر کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((الدین النصیحة ، الدین النصیحة ، الدین النصیحة۔ "قالوا : لمن یارسول الله! قال: "لله ، ولکتابه ، ولرسوله ، ولأئمة المسلمین ، وعامتهم۔)) ❶

''دین خیر خواہی ہے ، دین خیر خواہی ہے ، دین خیر خواہی ہے۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا: کس کے لیے خیر خواہی ہے یا رسول اللہ ! آپ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ کے لیے ، اور اس کی کتاب کے لیے اور اللہ کے رسول ﷺ کے لیے ، مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے ، اور ان کے عوام کے لیے۔''

اس حدیث میں جن پانچ اقسام کی خیر خواہی کا تذکرہ ہے ، اس کی کچھ تفصیل یہ ہے:

اللہ کے لیے خیر خواہی

اللہ کے لیے نصیحت و خیر خواہی کا معنی یہ ہے کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے جس میں اس کے لیے مکمل خلوص و للّٰہیت ہو اور وہ نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے عین مطابق ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل خشوع وخضوع ، تذلل اور اس سے محبت کے جذبات کارفرما ہوں ۔ اور دعا و پکار ، ذبح وقربانی ، نذر و نیاز ، استعانت و مدد طلبی ، استعاذہ و پناہ طلبی ، استغاثہ وتعاون ، اس پر توکل و بھروسہ ، اسی سے امیدیں وابستہ کرنے ، اسی کی رحمت میں رغبت رکھنے ، اسی سے خوف کھانے یا عبادت کی کسی بھی قسم میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ﴾ (النساء: ٣٦)

''اور صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔''

اللہ کے لیے خیر خواہی میں ہی یہ بھی شامل ہے کہ ہر فریضہ و نافلہ عبادت کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کے حرام کردہ امور واشیاء سے اجتناب کیا جائے ۔ اور جن اقوال واعمال کو محبوب سمجھتا ہے انہیں محبوب سمجھا جائے اور جن اشیاء وامور سے اللہ تعالیٰ بغض ونفرت کرتا ہے ان سے بغض ونفرت کی جائے۔

---

❶ مسلم کتاب الإیمان ،باب: بیان أن الدین نصیحة ؛ح : ٩٥ ۔

کتاب اللہ کے لیے خیر خواہی

اللہ تعالیٰ کی کتاب سے خیر خواہی کا معنی اس سے شدید محبت کرنا، اس کی بھرپور تعظیم کرنا اور اسے سمجھنے میں گہری رغبت رکھنا ہے، اسی طرح اس کے معانی پر تدبر کرنا، حسبِ استطاعت وحسبِ توفیق و مدد الٰہی اسے حفظ کرنا، اس کی تلاوت کرتے رہنا، اس میں نازل شدہ آداب پر عمل پیرا ہونا؛ لوگوں کو اس پر توجہ دینے کی دعوت دینا کہ وہ اسے سیکھیں اس پر عمل کریں اور دوسروں کو سکھلائیں، یہ سب امور کتاب اللہ کیلیے خیر خواہی میں شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے خیر خواہی

اللہ کے رسول ﷺ سے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے احکام و اوامر کی اطاعت کی جائے، آپ ﷺ کے منع کردہ امور سے اجتناب کیا جائے، آپ ﷺ کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کی جائے، آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق اللہ کی عبادت کی جائے، آپ ﷺ کی سنت کی حمایت ونصرت (نشر واشاعت) کی جائے اور آپ ﷺ کی سنت وطریقہ کو سیکھنے اور دوسروں کو سکھلانے پر توجہ دی جائے اور نبی ﷺ کی سنت کے ساتھ بغض ونفرت رکھنے والے کے ساتھ بغض ونفرت کی جائے۔

نبی اکرم ﷺ سے خیر خواہی میں ہی یہ بھی شامل ہے کہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے آپ ﷺ کی مکمل اقتدا و پیروی کی جائے اور اپنے آپ کو، اپنے مال و اولاد اور اہل سے بھی زیادہ آپ ﷺ سے محبت کی جائے اور علمائے کرام پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے دلائل کے ساتھ گمراہ کن خواہشاتِ نفس کو پھیلانے والوں کا رد کریں اور نبی ﷺ کی سنت کا بھرپور دفاع کریں۔

آئمہ وحکام کی خیر خواہی

آئمہ و حکام سے خیر خواہی کا معنی یہ ہے کہ ان کی اصلاح کیلیے دعائیں کی جائیں، ان کی صلاح واصلاح اور ان کے عدل و انصاف سے محبت کی جائے اور ان کے اتحاد و اتفاق سے پیار کیا جائے اور ان سب امور کیلیے دعائیں مانگی جائیں، ان کی نیکیوں کو عام پھیلانے میں دلچسپی لی جائے۔ اللہ کی اطاعت کے امور میں ان کی اطاعت کی جائے۔ مسلم آئمہ و حکام کو نرمی، حکمت و دانائی اور پورے اخلاص للہ کے ساتھ ان امور کی نصیحت کی جائے جو امت وقوم کیلیے دنیا و آخرت میں خیر و بھلائی کا باعث ہوں۔ وہ جو ذمہ داری کسی کو سونپیں اسے ایسے طریقے سے ادا کیا جائے جو اللہ کو راضی کرنے والا ہو اور مسلمانوں کے مفادات میں ہو۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی

مسلمان عوام الناس سے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کیلیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ان کے لیے بھی اس چیز کو برا سمجھے جسے اپنے لیے برا سمجھتا ہے۔ نہیں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور وہ اذیتیں،

مصائب و مشکلات اور خطرات جو ان کی راہ میں حائل ہوں انہیں دور کرے۔ نصیحت جہاں مسلمان کے صفاء قلب کی نشانی ہے تو وہیں ہر اس مسلمان کا حق ہے، جو بھی کسی دوسرے سے اس کا طلب گار ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ ، إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ ، وَإِذَا عَطِسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَ إِذَا مَاتَ فَاتْبَعْهُ)) ❶

"ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں: جب اسے ملیں تو اسے سلام کہیں، جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کریں، جب وہ نصیحت و خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کریں، جب وہ چھینک مارے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو اسے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہیں، جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت و بیمار پرسی کریں اور جب ہو فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے جائیں۔"

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ ، وَ مُنَاصِحَةُ وَلَاةِ الْأَمْرِ ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ)) ❷

"تین امور ایسے ہیں کہ کسی مسلمان کا دل ان کے بارے میں خیانت (و بغض اور شر) میں مبتلا نہیں ہوتا؛ اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص فی العمل (اخلاص للہ) حکام کی خیر خواہی اور (مسلمانوں کی) جماعت کے ساتھ رہنا۔"

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَحَبُّ مَا تَعَبَّدَنِيْ بِهٖ عَبْدِيْ النُّصْحُ لِيْ)) ❸

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنے بندے کی عبادات میں سے سب سے محبوب ترین عبادت میری خیر خواہی کرنا ہے۔"

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ہم میں سے جس نے بھی مرتبہ پایا اس نے یہ مقام نماز روزے سے نہیں پایا بلکہ نفیس چیزوں کی سخاوت، دلوں کی سلامتی اور امت کیلیے خیر خواہی سے پایا۔"

مصنف رحمہ اللہ کا قول: (اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مومنین سے خیانت کی):

اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی خیانت سے منع کیا ہے، ارشاد فرمایا:

---

❶ صحیح مسلم: ۲۱۶۲۔ ❷ مسند احمد: ٤/ ۸۰ و ابن ماجه: ۳۰۵٦۔

❸ (مسند احمد)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

(الانفال: ۲۷)

''اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم جانتے ہو۔''

پھر ایسی خیانت جس میں قوم وملت اور مذہب سب کا نقصان ہو انتہائی قبیح حرکت ہے۔ اس پیرائے میں بعض ان لوگوں اور باطنی فرقوں پر رد ہے جو کسی بھی طرح مسلمان عوام اور حکومتوں کو ضرر پہنچانا اپنے ایمان وعقیدہ کا حصہ سمجھتے ہیں اور انہوں نے مختلف اوقات میں عملاً ایسا کر کے دکھایا ہے۔ جب کہ اہل سنت والجماعت کا منہج ومسلک اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور عام مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں سے وفاداری اور ان کی خیر خواہی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اوپر گزر چکا۔

توحید اسماء وصفات

۸۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والله تبارك وتعالى سميع بصير؛ سميع عليم؛ يداه مبسوطتان؛ قد علم الله أن الخلق يعصونه من قبل أن يخلقهم۔ علمه نافذ فيهم؛ فلم يمنعه علمه فيهم أن هداهم للإسلام؛ ومن به عليهم كرماً و جوداً وتفضلًا ؛فله الحمد۔))

''اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے۔ سمیع وعلیم ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی علم تھا کہ مخلوق اس کی نافرمانی کرے گی۔ اور اس کا علم ان میں نافذ ہے اور ان کے بارے میں اس کا علم ان کو دین اسلام کی طرف ہدایت دینے سے رکاوٹ نہیں بنا۔ اسلام کے ذریعہ اس نے ان پر اپنے کرم وسخاوت اور فضل کی وجہ سے احسان کیا۔ بس تمام تعریف اسی کے لیے ہے۔''

شرح: ...... یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ صفات ثابت کی ہیں؛ جیسے علم وسمع؛ بصر؛ جود وسخا؛ فضل واحسان اور اس کے لیے ہاتھوں کا ہونا بھی ثابت کیا ہے۔ ان میں سے بعض صفات خبری ہیں۔ یعنی اللہ نے ان کے بارے میں اطلاع دی ہے۔؛ بعض کا علم عقل اور اطلاع/خبر کے ذریعہ سے حاصل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے علم؛ سمع اور بصر کا ہونا عقلی طور پر معلوم ہے، اور اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی آیات نازل کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے، ہاتھوں کا ہونا خبر سے ثابت ہے؛ اس کا ادراک عقل سے نہیں ہوسکتا۔ عقلی ادراک دو طرح کا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کمال کی ساری صفات کو بدرجہ اتم واحسن بدیہی اور ابتدائی طور پر تسلیم کیا جائے۔

۲۔ وہ صفات عقل جن کی نفی نہیں کر سکتی۔ جب یہ صفات ثابت ہو جائیں، تو عقل ان کی تائید کرتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ''استواء'' اور صفت نزول؛ رضا اور غضب اور اس طرح کی دوسری صفات۔ لیکن صرف محض

عقل کی بنیاد پر کوئی صفت ثابت بھی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ یہ غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ سو جن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا ہدایت دینے کا ارادہ ہوتا ہے، وہ ان پر ویسے ہی ایمان لاتے ہیں جیسے یہ صفات کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں، اور دوسرے لوگ ان میں عقلیات کو داخل کرتے ہیں، اور تأویل اور تعطیل یا تمثیل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝﴾ (الانعام: ۱۲۵)

''تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے، عذاب بھیجتا ہے۔''

وہ لوگ جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جن کی عقل و دانش کی گواہی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے دی ہے، ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے کلام کا مشاہدہ کیا، اور نبوت کی زبان سے اس کے معانی اور مفاہیم کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوئے، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں معیارِ حق اور ان کی اتباع کو کامیابی کا پیمانہ قرار دیا؛ وہ لوگ بغیر کسی تأویل اور تعطیل کے ان آیات پر ایمان لائے تھے۔ آج بھی کامیابی کا راز عقیدہ و عمل میں ان ہی کی اتباع میں ہے۔

موت کے وقت بشارت

۸۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن البشارة عند الموت ثلاث بشاراتٍ؛ يقال: أبشر يا حبيب الله ! برضى الله و جنته ؛ ويقال: أبشر ياعدو الله ! النار ـ ويقال: أبشر يا عبد الله ! بالجنة بعد الإسلام ـ هذا قول ابن عباس رضي الله عنهما ـ))

''اور جان لیجیے کہ موت کے وقت کی بشارات تین قسم کی ہیں: کہا جاتا ہے: اے اللہ کے دوست، اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور جنت کی بشارت ہو اور کہا جاتا ہے: ''اے اللہ کے دشمن! اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی بشارت ہو''؛ اور کہا جاتا ہے: ''اے اللہ کے بندے! اسلام کے بعد جنت کی بشارت ہو''۔ [1] یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔''

---

[1] دیکھو: تفسیر ابن کثیر (۲/ ۵۳۱-۵۳۸)؛ والتذکرۃ " امام قرطبی (۱/ ۶۷-۷۲)؛ اور شرح الصدور، امام السیوطی - رحمہم اللہ- (ص ۹۱-۱۳۱)۔

شرح: ......جس انسان کی موت کا وقت قریب آجائے، خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر، اسے بشارت دی جاتی ہے۔ اگر وہ انسان مؤمن ہو، تو اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کی بشارت سنائی جاتی ہے، اور اگر وہ انسان کافر یا منافق ہو، تو اسے اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی بشارت دی جاتی ہے۔ یعنی کوئی بھی ہو، اسے مرنے سے پہلے خبر ہو جاتی ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا، اور وہ کہاں جانے والا ہے۔ اس وقت اس کے لیے توبہ کرنا یا نجات کا سامان کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أحب لقاء الله أحب الله لقائه))۔ قالت عائشة : يارسول الله ! كلنا نكره الموت ۔ قال: ((ليس كذلك يا عائشة ! وإنما يبشر المؤمن عند الموت ، فيحب لقاء الله ، فيحب الله لقاء ه والكافر يبشر بالنار ، فيبغض لقاء الله، فيبغض الله لقائه)) [1]

"جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر ایک موت کو ناپسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! ایسے نہیں ہے۔ (بلکہ) بیشک مؤمن کو موت کے وقت خوشخبری دی جاتی ہے، اور وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا، اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں اور کافر کو موت کے وقت جہنم کی بشارت دی جاتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔"

روزِ قیامت لوگوں کی اقسام

لوگوں کی قیامت کے دن تین قسمیں ہوں گی:

۱۔ **پہلی قسم:** وہ لوگ ہیں جو پہلے پہل ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان میں سے بنادے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ○ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ○﴾

(فصلت: ۳۰۔ ۳۲)

"جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور اس بہشت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمہارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو

[1] أخرجه البخاري (۱٦٤٢) مسلم (۲٦۸۳)۔

تمہارا جی چاہے گا تم کو (ملے گی) اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لیے (موجود ہو گی)۔ (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے میزبانی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ○﴾ (الاحقاف: ۱۳۔ ۱۴)

''لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ یہی اہلِ جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (یہ) اس کا بدلا (ہے) جو وہ کیا کرتے تھے۔''

۲۔ **دوسری قسم:** کافر وملحد؛ کھلم کھلا منافق اور مشرک وہ لوگ ہیں جو پہلے پہل ہی جہنم میں چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ و مامون رکھے۔ موت کے وقت ملائکہ انہیں سزا دیتے ہیں اور جھاڑ پلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ○ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ○﴾

(الانفال: ۵۰۔۵۱)

''کاش! کہ آپ دیکھتے ان کافروں کو، اس وقت جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں، اور ان کے چہروں پر، اور سرینوں پر مار مارتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: آگ کا عذاب چکھو، یہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے، اور بیشک اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔''

۳۔ **تیسری قسم:** کبیرہ گناہوں کے مرتکب افراد؛ جو اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں جہنم کی آگ سے پاک کرکے اپنی رحمت کی وجہ سے؛ یا اہل شفاعت کی سفارش کی بنا پر؛ جن کو اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دیں گے- جنت کی طرف نکالیں گے۔

اس تیسرے پیرائے: (اے اللہ کے بندے! اسلام کے بعد جنت کی بشارت ہو):

میں بعض نسخوں میں ''اسلام'' کی جگہ ''انتقام'' کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جہنم کی آگ میں پاک ہونے کے بعد جنت کی بشارت ہو، یہی جملہ درست لگتا ہے، اور موقع محل کے لحاظ سے مناسب بھی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا دخلوا أهل الجنة الجنة ؛ وأهل النار النار ؛ قال الله برحمته : انظروا من كان في قلبه حبة من خردل من إيمان ؛ فأخرجوه من النار ـ قال : فأخرجوا ؛ و قد عادوا حمماً ، فيلقون في نهر يسمى نهر الحياة ، فينبتون كما ينبت الغثاء في حميل

السیل ؛ أو إلی جانب السیل ، ألم تروا أنها تأتي صفراء ملتویة)) ❶

''جب جنتی جنت میں داخل ہو جائینگے ، اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائینگے ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے فرمائیں گے : دیکھو ! جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان پاؤ ، اسے جہنم سے نکال دو ؛ فرمایا : پھر انہیں نکالا جائے گا ، اور وہ کوئلہ بن چکے ہوں گے ۔ انہیں ایک نہر میں ڈالا جائے گا جس کا نام ہوگا ''نہر حیات'' ؛ ۔ وہ اس سے ایسے اُگیں گے جیسے سیلاب کی جھاگ میں کونپل اُگتی ہے ؛ یا اس کی ایک جانب ۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو وہ کیسے لپٹی ہوئی پیلے رنگ میں چڑھتی ہے ؟ ۔''

دیدار الٰہی

۸۳ ۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

((واعلم أن أول من ینظر إلی اللہ [تعالی] في الجنة الأضراء ❷ ؛ ثم الرجال ؛ ثم النساء ؛ بأعین رؤوسهم ؛ کما قال رسول اللہ ﷺ : "إنکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلة البدر ؛ لا تضامّون في رؤیته ❸ ۔" والإیمان بهذا واجب وإنکاره کفر ۔))

''اور جان لیجیے کہ روز محشر سب سے پہلے اندھے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے ، اور پھر مرد ، پھر عورتیں ۔ سب اپنے سر کی ان آنکھوں سے دیکھیں گے ۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((إنکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلة البدر ؛ لا تضامّون في رؤیته)) ۔

''بیشک تم اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں کی رات چاند کو دیکھتے ہو ، اور اس کے دیکھنے میں تمہاری نظریں ٹکرائیں گی نہیں ۔'' [یعنی دیکھنے میں تکلیف نہ ہوگی] ۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے ، اور اس کا انکار کرنا کفر ہے ۔''

حدیث کے لفظ : (لا تضامّون) کا معنی یہ ہے کہ تم ایک دوسرے ٹکراؤ گے نہیں ، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے وقت بھیڑ بھاڑ ہوگی اور دوسرا معنی اس کا یہ ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی ۔ کہ تم میں سے بعض اللہ کو دیکھ سکیں اور بعض نہ دیکھ سکیں ۔ یہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ایک مرفوع حدیث میں وارد ہوا ہے ۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان : ''اور اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے ۔''

❶ رواہ البخاری (٦٥٦٠) ومسلم (١٨٤) مختصر الشریعہ ص ١٩٠ والمصنف (٨٠٢) ۔

❷ اسے دیلمی نے "فردوس الأخبار" (١/٥٥) میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور امام لالکائی نے "السنة" (٩٢٤) میں حسن بصری رحمہ اللہ سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے ۔

❸ دیکھیں : "النهایة" لابن أثیر (٣/١٠١) ۔ یہ حدیث اصل میں امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے ۔ دیکھو : صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلاة ، باب فضل صلاة العصر ، اور مسلم (٦٣٣) کتاب المساجد باب صلاتي الصبح و العصر "من حدیث جریر بن عبد اللہ ۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مسئلہ دین کے اہم اصولوں میں شمار ہوتا ہے۔ مگر مصنف رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تفصیل کے بارے میں کوئی صحیح نص ثابت نہیں ہے۔ یعنی پہلے اندھے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے ، اور بعد میں فلاں......۔" اس بارے میں تابعین کرام سے جو آثار منقول ہیں وہ ضعیف ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے دیدار پر ایمان رکھنا واجب ہے ؛ اور اس کا انکار کفر ہے۔ نہ کی اس تفصیل کا جو مصنف رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

زندیقیت کہاں سے آئی ؟

۸۰۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلـم- رحـمك الله -: أنه ما كانت زندقة قط ؛ ولا كفر؛ ولا شك؛ ولا بدعة ؛ ولا ضلالة ؛ ولا حيرة في الدين ؛ إلا من الكلام ؛ وأصحاب [الكلامِ ، والجدالِ ، والـمراءِ] والخصومة۔ والعجب كيف يجتريء الرجل على المراء و الخوصومة؛ والـجدال ؛ والله تعالىٰ يقول:﴿ مَا يُجَادِلُ فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ إِلَا الَّذِيْنَ كَفَرُوا ﴾۔ فعليك بالتسليم؛ والرضى بالآثار و أهل الآثار۔والكف والسكوت۔))

"اور جان لیجیے-اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں-! بیشک زندیقیت بالکل ہی نہ تھی اور نہ ہی کفر اور شک تھے اور نہ ہی بدعت اور گمراہی ؛ اور نہ ہی دین میں حیرت کی کوئی بات تھی۔ مگر یہ ساری باتیں علم کلام اور متکلمین [اصحاب الکلام و جدال اور شک کرنے والے لوگوں اور] ؛ ناحق جھگڑا کرنے والوں [شیخی خوروں اور خود پسندوں] کے ذریعہ ہی آئیں۔ (تعجب اس بات پر ہے کہ) کوئی انسان جدال و جھگڑے اور شک و خصومت پر کیسے جرأت کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَا يُجَادِلُ فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ إِلَا الَّذِيْنَ كَفَرُوا ﴾ (الغافر : ٤)

"اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں۔"

آپ پر اس کا ماننا اور حدیث اور محدثین پر راضی رہنا ؛[اور باتیں بنانے اور جھگڑا کرنے سے] رک جانا اور خاموش رہنا واجب ہے۔

شرح: ...... مذکورہ پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اہم اصول ذکر کر رہے ہیں۔ وہ اصول یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور نصوص سلف صالحین کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے خواہ مخواہ کی بحث و تمحیص ؛ مناظرہ اور حجت بازی ؛ اور جدل و خصومت کو ترک کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ امور نہ صرف گمراہی کا سبب بنتے ہیں ، بلکہ ان سے انسان کے سامنے ہدایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے ، جس کی وجہ

سے دل تنگ ہو جاتا ہے؛ اور انسان راہِ ہدایت سے دور چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقاً حَرَجاً كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ٥﴾

(الانعام: ۱۲۵)

’’تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے، عذاب بھیجتا ہے۔‘‘

گمراہی پر کٹ حجتی کے اسباب

دین میں بدعات کے اختیار کرنے؛ گمراہی پر ہٹ دھرمی؛ اور اپنی رائے کی تائید کے لیے داؤ پیچ لڑانے کے کئی ایک اسباب ہیں۔ جن کی تفصیل کے بیان کا یہ موقع نہیں، تاہم قارئین کے فائدہ کے لیے ان میں سے دو سبب بڑے اہم ترین اسباب کا یہاں پر بیان کیا جارہا ہے؛ تا کہ وہ ان سے خبردار رہیں:

۱۔ اندھی تقلید:

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے باپ دادا کی جاہلانہ رسومات کو حق بات واضح ہو جانے کے بعد صرف اس وجہ سے اختیار کیے رہے کہ اس کے باپ دادا، یا پیر اور استاد، شیخ اور امام اس طریقہ کے کاربند تھے؛ لہٰذا بھلے قرآن و سنت کی دلیل اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، وہ اس واضح دلیل کو چھوڑ کر اپنے آباء کی راہ پر قائم رہے گا۔ ایسا کرنے والے کا گمان یہ ہوتا ہے کہ اس کے باپ دادا، پیر، استاد، شیخ یا امام سے غلطی کا امکان نہیں ہے۔ حالانکہ وہ لوگ انسان ہی تھے۔ ان سے غلطی بھی ہو سکتی ہے؛ اور لاعلمی کا امکان بھی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وہ اللہ کے ہاں معذور ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے ہاں کوئی دوسری حدیث ہو، یا کسی تأویل کا شکار ہوں۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حق بات جانتے ہوئے ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی بدعت پر کاربند رہے ہوں۔ ان تمام صورتوں میں حق بات واضح ہونے کے بعد باپ دادا کی راہ چھوڑ کر اتباع قرآن و سنت لازم ہو جاتی ہے۔ ایسا نہ کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مذمت کی ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئاً وَلَا يَهْتَدُوْنَ٥﴾ (المائدہ: ۱۰۴)

’’اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اُس کی اور رسول اللہ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمیں کافی ہے بھلا اگر اُن کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں (تب بھی)؟‘‘

نیز باپ دادا کی راہ کو مطلق طور پر حجت سمجھنے والے یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے باپ دادا اللہ کے ہاں بڑے پہنچے ہوئے تھے؛ اور اللہ ان کی بات کو کبھی رد نہیں کرے گا، اور وہ اللہ کے ہاں سفارش کر کے ہمیں ہر قسم کی پریشانی سے نجات دلا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ایسے لوگوں کے رد میں فرمان ہے:

﴿أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ﴾ (الزمر: ٤٣)

"کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لیے ہیں؟ کہو کہ خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہی ہوں۔"

۲۔ تعصب:

گمراہی پر ہٹ دھرمی کے بڑے اسباب میں سے دوسرا بڑا سبب تعصب ہے۔ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں بھری پڑی ہیں؛ خواہ یہود و نصاریٰ کا معاملہ ہو، یا مشرکین اور مجوس کا۔ ان میں بیشمار مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ انہوں نے حق بات، واضح ہو جانے کے بعد حق کی پیروی صرف اپنے تعصب کی وجہ سے ترک کر دی۔ جیسا کہ ابو جہل، ابن صوریا، حیی بن اخطب، کعب بن اشرف؛ عبد اللہ بن ابی؛ ہرقل اور دوسرے لوگوں کے واقعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ﴾ (محمد: ۳۲)

"جن لوگوں کو سیدھا رستہ معلوم ہو گیا (اور) پھر بھی انہوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت کی وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے اور اللہ ان کا سب کیا کرایا اکارت کر دے گا۔"

حالانکہ یہی لوگ رسول اللہ ﷺ کے جلد مبعوث ہونے کی اور آپ کے ہاتھ پر فتح ملنے کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ مگر جب رسول برحق ﷺ آن پہنچے تو اپنے قبائلی تعصب کی وجہ سے ایمان نہ لائے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (البقرہ: ۸۹)

"اور جب اللہ کے ہاں سے اُن کے پاس کتاب آئی جو اُن کی کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔ تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب اُن کے پاس آ پہنچی تو اُس کے منکر ہو گئے پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"

اس سے پہلے جدال اور مناظرہ کے بارے میں گزر چکا ہے۔ کہ جب دین کو دفاع کی ضرورت ہو؛ اہل بدعت اپنی بدعات کو ہوا دے رہے ہوں، تو اس وقت دین کے غلبہ اور حجت قائم کرنے کے لیے مناظرہ کرنا جائز ہے۔ لیکن عام

حالت میں نہیں۔

کٹ حجتی کے نقصانات

لیکن کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی ہر حال میں حرام و نا جائز ہے۔ اس لیے کہ اس میں حق کا دامن چھوٹ جاتا ہے، اور انسان ذاتیات پر اتر آتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں زندیقیت پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں حرام قرار دیا ہے، جو کہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

اور اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ ناحق مجادلہ و مناظرہ کئی ایک فرقوں کو جنم دینے کا سبب بنتا ہے اور عام مسلمانوں کے دلوں میں اس سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں جو ان کے ایمان پر پہلا شیطانی وار ہے؛ جس کے بعد اس عمارت کو گرانا آسان ہو جاتا ہے۔

گمراہی کے درجات

کٹ حجتی اور خواہ مخواہ کی بحث اور بلا وجہ مناظرے تدریجاً دھیرے دھیرے انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے انسان دین میں شک کرنے لگتا ہے، جو کہ بذات خود گمراہی ہے۔ پھر وہ اپنے اس شک کو یقین سمجھ کر اس کے لیے دلائل تلاش کرتا ہے، اور اس مسئلہ میں لوگوں سے بحث و مناظرہ کرتا ہے۔ جب وہ مناظرہ اور مناقشہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو اب اسے اپنی ''اَنا'' کا مسئلہ بنالیتا ہے، لوگوں کے سامنے اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے وہ ہر طرح کے حیلے اور حربے آزماتا ہے۔ اب اسے حق سے بڑھ کر اپنی عزت پیاری ہوتی ہے جس کا ہر صورت میں دفاع کرنا چاہتا ہے، جب یہ مرحلہ آ جاتا ہے تو دل پر مہر لگ جاتی ہے، اور آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ پھر حق بات اسے فائدہ نہیں دیتی۔

حقیقت میں گمراہی کے یہ چار درجے ہدایت کے چار درجوں کے مقابلہ میں آتے ہیں:

أ۔ **شک**: یہ انابت اور رجوع الی اللہ کے مقابلہ میں آتا ہے۔

ب۔ **ضلالت**: جب توحید اور دین حق سے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کیا جائے تو پھر انسان گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے، اور راہِ حق چھوڑ کر راہ باطل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ درجہ ہدایت کے مقابلہ میں ہے۔

ج۔ **جدال**: ضلالت کے بعد جدال کی گمراہی کا درجہ آتا ہے۔ گمراہ شخص اپنے باطل عقائد و نظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اہل حق سے جھگڑا اور مجادلہ کرتا ہے، اور حق بات کو جھٹلاتا اور رد کرتا ہے۔ یہ درجہ استقامت کے مقابلہ میں ہے۔

د۔ **مہر جباریت**: (دل پہ مہر): یہ درجہ ربط قلب (اللہ سے مضبوط تعلق) کے مقابلہ میں آتا ہے۔ جب آدمی حق کے مقابلہ میں جھگڑا کرتا ہے اور تمام عقلی و نقلی دلائل سے راہ حق واضح ہو جانے کے بعد اس کو نہیں مانتا؛ اور ضد و عناد پر ڈٹا رہتا ہے، تو اب اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے؛ پھر کفر و نفاق دل سے باہر نہیں نکل سکتا، اور حق بات دل

میں داخل نہیں ہوسکتی۔اس انسان سے ہدایت کی توفیق سلب ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور کو یکجا ایک آیت میں بیان کیا ہے؛ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ جَاءَ كُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَ كُم بِهِ حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللّٰهُ مِن بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ٥ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللّٰهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ٥﴾ (الغافر: ٣٤۔٣٥)

''اوراس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے پاس کھلے دلائل لے کرآئے ،مگرتم پھربھی ان کی لائی ہوئی دلیل میں شک وشبہ ہی کرتے رہے؛ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے: ان کے بعدتو اللہ کسی رسول کونہیں بھیجے گا؛ ایسے ہی اللہ گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھ جانے والا اورشک وشبہ کرنے والا ہو۔ وہ لوگ جوبغیر کسی دلیل کے جوان کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں؛ اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی بیزاری کی چیز ہے؛ اللہ تعالیٰ ایسے ہی ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مہر کردیتا ہے۔''

مخلوق کو عذاب کی کیفیت

۸۵۔مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن الله تبارك و تعالى يعذب الخلق في النار؛ في الأغلال؛والأنكال والسلاسل ؛ والنار في أجوافهم ؛ وفوقهم وتحتهم؛ وذلك أن الجهمية[منهم هشام الفوطي] قال:"[إنّما]يعذب [الله] عند النار: ردّ على الله و رسوله۔))

''اوراس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو آگ سے عذاب دے گا؛ اوروہ بیڑیوں؛ عذاب دینے کے آلات ؛زنجیروں اورقیدوں میں جکڑے ہوں گے اور آگ ان کے پیٹوں میں داخل ہوگی ، اوران کے اوپر اور نیچے بھی آگ ہوگی۔ یہ اس وجہ سے [بیان کیا جارہا ہے] کہ بیشک فرقہ جہمیہ -ان ہی میں سے ہشام الفوطی [1] بھی ہے- نے کہا ہے:'' کہ اللہ تعالیٰ آگ کے قریب کرکے عذاب دیگا۔اس طرح انہوں نے اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی بات کو رد کیا ہے۔''

شرح: ......کسی کو عذاب دینا یا رحم کرکے معاف کردینا؛اورعذاب کی صورت میں اس کی حقیقی کیفیت غیبی امور

---

[1] ھشام ابن عمرو الفوطی؛ ھذیل کے ساتھیوں میں سے ایک معتزلی تھا، اوراعتزال کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔دیکھیں:'' لسان المیزان''(٦/٦٢)؛فهرست ابن نديم (ص ٢١٤)؛ "الفصل " لابن حزم (٥/٦٢)۔

سے متعلق ہے۔ غیبی امور کے بارے میں اصل یہ ہے کہ جتنی چیز قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت ہو؛ اسے تسلیم کر لیا جائے، اور اس سے آگے اپنی مرضی سے بڑھنے یا کچھ کم و زیادہ کہنے کی جرأت نہ کی جائے۔ مگر اہل بدعت اور خواہشات کے پجاری لوگوں کی ہمیشہ بدنصیبی رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے کلام کرنے کی جرأت کرتے رہتے ہیں، اور غیبی امور کو اپنی مرضی سے بیان کرتے ہیں۔

عذاب برحق ہے

اللہ تعالیٰ جس کو چاہے آگ سے عذاب دے یہ ثابت شدہ ہے اور آگ میں بیڑیوں؛ زنجیروں اور قید و بند کا ہونا بھی ثابت ہے اور یہ کہ آگ ان کے پیٹوں میں داخل ہوگی؛ اور ان کے اوپر اور نیچے ہوگی؛ یہ سب کچھ قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت ہے۔ جہمیہ فرقہ کی یہ فلاسفی کہ اللہ تعالیٰ آگ سے عذاب نہیں دیں گے، بلکہ اس کے قریب کر کے کچھ عذاب دیں گے، اصل میں یہ اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کہنا، اور غیبی امور میں عقل کو حاکم بنانا ہے۔ جس میں اوہام، خیالات اور وسوسوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جہنم کی جو آگ بیان کی گئی ہے، انسانی جسم اس کو برداشت کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا وہ گل سڑ جائے گا۔ یعنی انہوں نے اسے دنیا میں انسانی جسم پر قیاس کیا ہے۔ اس لیے عذاب آگ کے قریب کر کے دیا جائے گا نہ کہ آگ میں ڈال کر۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کہنا ہے۔ جب کہ اس بات پر کئی دلائل موجود ہیں کہ انہیں آگ میں ڈال کر عذاب دیا جائے گا۔

منکرین پر ردّ

۱۔ سورۂ مریم میں مؤمنین کی نجات اور کافروں کو آگ میں ڈال کر عذاب دیے جانے سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾ (مریم: ۷۱-۷۲)

''اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اُسے اُس (جہنم) پر گزرنا ہوگا۔ یہ تمہارے رب پر لازم اور مقرر ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔''

۲۔ دوسرے مقام پر جہنم کی آگ میں ڈالے جانے کے وقت ملائکہ کا استفسار اور اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر کیا ہے:

﴿وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ☆ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (الملك: ٦ ـ ١٠)

''اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ جب وہ

اس میں ڈالے جائیں گے تو اُس (جہنم) کا چیخنا چلانا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔ گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی۔ جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تھا؟ ۔ وہ کہیں گے کہ کیوں نہیں ضرور ہمارے پاس ہدایت کرنے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔''

۳۔ آگ کا عذاب ان کے چہروں کو جلائے گا؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا﴾

(الاحزاب: ٦٦)

''جس دن کہ منہ آگ میں الٹائے جائیں گے کہیں گے کہ اے کاش ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور رسول اللہ کا حکم مانتے۔''

۴۔ مستحق عذاب لوگوں کو چہروں کے بل جہنم میں گرائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

(النمل: ٩٠)

''اور جو بُرائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تم کو تو ان ہی اعمال کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔''

۵۔ بدکار لوگوں کی برائیوں کا بدلہ انہیں جہنم کے عذاب کی صورت میں اس طرح دیا جائے گا کہ ان کے چہرے آگ سے ڈھانک لیے جائیں گے، ارشادِالٰہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥﴾

(یونس: ٢٧)

''اور جنہوں نے بُرے کام کئے تو بُرائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا اور اُن کے مونہوں پر ذلت چھا جائے گی اور کوئی اُن کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا اُن کے مونہوں (کی سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ اُن) پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اڑھا دیئے گئے ہیں، یہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔''

۶۔ انہیں عذاب کے لیے جہنم (آگ) کا لباس پہنایا جائے گا، اور ان کے سر کے اوپر گرما گرم پیپ بہائی جائے گی؛ جس سے ان کی آنتیں جل کر باہر آجائیں گی، اور انہیں لوہے کے گرز سے مارا جائے گا، اور انہیں عذاب سے باہر نہیں آنے دیا جائے گا، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ☆ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ٥ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ٥ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾

(الحج: ۱۹۔۲۲)

''یہ دو (فرقے مومن اور کافر ایک دوسرے کے) مخالف (مدعی) ہیں جو اپنے اللہ کے باب میں جھگڑ رہے ہیں پھر جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے (ٹھیک ان کے بدن کے موافق) ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی اونڈیلا جائے گا۔جس (کی گرمی) سے جو ان کے پیٹ میں ہے آنتیں اور کھالیں گل جائے گی۔اوران کے (مارنے کے لیے) لوہے کے گرز ہوں گے۔ہر با جب وہ گھٹ کر اس میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور (ان سے کہا جائے گا) جلن کا عذاب چکھتے رہو۔''

۷۔ نیز آگ ان کے پیٹوں کے اندر داخل کردی جائے گی؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ (النساء: ۱۰)

''بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں (یعنی مرنے کے بعد ان کے پیٹ میں انگارے بھرے جائیں گے) اور (آخرت میں) وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔''

۸۔ انہیں ایسا گرم پانی بطور عذاب کے پلایا جائے گا جس سے ان کے منہ جل بھن کر رہ جائیں گے۔فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ (الکھف: ۲۹)

''اور (اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دے یہ قرآن حق ہے تمھارے مالک کی طرف سے (اترا ہے) پھر جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے ہم نے کافروں کے لیے آگ تیار کے لیے تیار رکھی ہے اس کی قناتیں ان کو گھیر لی گی اور اگر (پیاس کے مارے) فریاد کریں گے تو یہ فریاد درسی ہوگی پگھلے ہوئے تانبے (یا تیل کی تلچھٹ) کی طرح (گرم) پانی (پینے کو) ملے گا جس سے (سامنے آتے ہی) منہ بھن جائے گے (اس قدر گرم ہوگا) کیا بُرا پانی ہوگا اور دوزخ بھی کیا بُری جگہ ہے۔''

اس طرح کی دوسری آیات جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب آگ میں ڈال کر ہی دیا جائے گا۔جن کی تفصیل کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔

نماز کا بیان

۸۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن [صلاة] الفريضة خمس [صلواتٍ]؛ ولا يزاد فيهن ولا ينقص في مواقيتها۔ وفي السفر [ركعتان]؛ إلا المغرب۔فمن قال أكثر من خمس؛ فقد ابتدع؛ ومن قال أقلَّ من خمس؛ فقد ابتدع۔ لايقبل الله شيئاً منها إلا لوقتها۔ إلا أن يكون نسياناً؛ فإنه معذور؛ يأتي بها إذا ذكرها؛ أو يكون مسافراً فيجمع بين الصلاتين إن شاء .))

''اور جان لیجیے کہ: فرض نمازیں پانچ ہیں ۔ ان میں کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کے اوقات میں کمی کی جائے گی اور سفر میں دو رکعت ہیں سوائے مغرب کے ۔ جس نے کہا نمازیں پانچ سے زیادہ ہیں، اس نے بدعت کی ۔ اور جس نے کہا: ''فرض نمازیں پانچ سے کم ہیں، اس نے بھی بدعت کی ۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کوئی نماز بھی اس کے وقت کے بغیر قبول نہیں کرتے؛ سوائے بھول جانے کے؛ کیونکہ بھولنے والا معذور ہے؛ جب بھی اسے یاد آئے گا وہ اس نماز کو ادا کرے گا۔ یا پھر مسافر ہو تو اسے دو نمازیں جمع کرنے کا اختیار حاصل ہے، اگر وہ چاہے۔''

شرح: ......اسلام میں نماز کی بہت بڑی شان اور اہمیت ہے ۔ نماز اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے لا إله إلا الله محمد رسول الله کے اقرار کے بعد دوسرا رکن ہے ۔ جو کوئی نماز کے واجب ہونے کا منکر ہو وہ باجماع مسلمین کافر ہے اور جو کوئی اس کو فرض تو مانتا ہو، مگر سستی کی وجہ سے نماز نہ پڑھتا ہو، اس کے متعلق علماء کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

((بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة)) (مسلم)

''بیشک بندہ مومن اور کفر اور شرک کے درمیان فرق نماز کا ہے۔''

دن اور رات میں اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں ۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خمس صلوات كتبهن الله على العباد، فمن جاء بهن لم يضيّع منهن شيئاً استخفافاً بحقهن، كان له عند الله عهدأن يدخله الجنة؛ ومن لم يأت بهن فليس له عند الله عهد إن شاء عذّبه وإن شاء أدخله الجنة)) [1]

''پانچ نمازیں اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہیں، جس نے ان کو ادا کیا، اور ان کے حقوق میں سے کسی چیز

---

[1] موطأ، أحمد، نسائی/ صحیح الجامع ۔

کو حقیر سمجھ کر چھوڑا نہیں، اس کے لیے اللہ کے ہاں عہد ہے کہ اسے جنت میں داخل کردے۔ اور جو ان کو ادا نہیں کرے گا، اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی عہد نہیں ہے، اگر وہ چاہے تو انہیں عذاب دے، اور اگر چاہے تو انہیں جنت میں داخل کردے۔''

رسول اللہ ﷺ نے نماز کو پاکیزگی اور مغفرت کی نہر سے تشبیہ دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أرأيتم لو أن نهراً بباب أحدكم، يغتسل فيه كل يوم خمس مرات، هل يبقى من درنه شيئ؟ قالوا: لا يبقى من درنه شيئ۔"قال :"فذلك مثل الصلوات الخمس، يمحو الله بهن الخطايا)) (متفق عليه)

کیا تم دیکھتے ہو، اگر تم میں سے کسی ایک کے دروازے پر نہر جاری ہو، اور وہ روزانہ اس نہر میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس کے جسم پر کچھ میل باقی رہے گا؟ کہنے لگے: کچھ بھی میل باقی نہ رہے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سبب خطائیں مٹا دیتے ہیں۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (.....فرض نمازیں پانچ سے کم ہیں، اس نے بھی بدعت کی ......):

یہ ان لوگوں پر رد ہے جنہوں نے یا تو نمازوں کی تعداد میں ہی تبدیلی کردی ہے، یا پھر ان کے اوقات بدل دیے ہیں، اور ان کے اوصاف اور طریقہ کار بدل دیا ہے، جیسے کہ روافض اور دوسرے گمراہ فرقے۔ جنہوں نے دن میں پانچ نمازوں کے اوقات کو بدل کر تین کردیا اور نمازوں کے نام اور حقیقت بھی بدل دی اور ان کا نام ظہرین اور مغربین رکھ دیا۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (.....کوئی نماز بھی اس کے وقت کے بغیر قبول نہیں کرتے):

اس سے مراد نماز کی اوقات کی اہمیت بیان کرنا ہے۔ تاکہ انہیں اپنے وقت پر ادا کیا جائے اور افضل ترین نماز وہی ہے جسے پہلے وقت میں ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ (اسراء ٧٨)

''(اے پیغمبر) سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز درستی سے پڑھتا رہ اور صبح کی نماز بھی ادا کر) کیونکہ صبح کی نماز میں فرشتے (بھی) شریک ہوتے ہیں۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (النساء: ١٠٣)

''بیشک نماز مسلمانوں پر ہے بندھے ہوئے وقتوں پر فرض ہے۔''

یعنی اپنے مقرر شدہ اوقات میں فرض ہے۔ جان بوجھ کر نماز کے اوقات گزار دینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ تاہم اگر کوئی انسان بھول جائے؛ یا بغیر قصد کے سویا رہے، تو اسے جب بھی یاد آجائے نماز پڑھ لے؛ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من نسي الصلاة فليصلها إذا ذكرها؛ فلا كفارة له إلا ذلك)) ❶

''جو کوئی نماز کو بھول گیا اسے چاہیے کہ جب یاد آئے، وہ اسے پڑھ لے؛ اس کا کوئی کفارہ اس کے علاوہ نہیں ہے۔''

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز سے سو جانے کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إنـه ليس في النوم تفريط ، وإنما التفريط في اليقظة ؛ فإذا نسي أحدكم صلاة أو نام عنها فليصلها إذا ذكرها)) ❷

''سو جانے والے پر کوئی قصور نہیں، قصور جاگنے والے پر ہے۔ سو تم میں سے کوئی ایک جب نماز کو بھول جائے، یا اس سے سو جائے، اسے چاہیے کہ جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......اسے دو نمازیں جمع کرنے کیا اختیار حاصل ہے......):

اس پیرائے سے مقصود نماز میں قصر اور جمع کر کے پڑھنے کا بیان کرنا ہے۔ سفر میں قصر نماز کا حکم نصِ قرآنی سے ثابت ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا﴾ (النساء: ١٠١)

''اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تمہیں خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں ایذا دیں گے بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔''

زکواۃ کا بیان

۸۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والزكاة من الذهب والفضة ؛ والثمر والحبوب؛ والدواب على ما قال رسول الله ﷺ ؛ فإن قسمها فجائز؛ وإن أعطاها الإمام فجائز ـ والله أعلم .))

سونے اور چاندی میں زکواۃ، اور پھلوں اور دانوں میں اور جانوروں میں [واجب ہے] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

❶ ابن ماجة ، باب : من نام عن الصلاة أو نسيها ، ح: ٦٩٦ ـ قال الألباني : صحيح۔
❷ سنن الترمذي ، باب : النوم عن الصلاة ، ح : ١٧٧

کے فرمان کے مطابق؛ اگر کسی نے اس زکواۃ کو تقسیم کر دیا تو بھی جائز ہے، اور اگر حاکم کو دیدیا (تاکہ وہ تقسیم کر) تو بھی جائز ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

شــرح: ......ان دو پیرائے میں شیخ رحمہ اللہ نے دین کے کچھ فرائض اور اسلام کے احکام بیان کیے ہیں اور انہیں عقیدہ میں سے شمار کیا اس لیے کہ ارکان اسلام عقیدہ کا جزء ہیں۔ جسے بعض لوگ صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے، اور انہوں نے صرف ارکان ایمان کو ہی عقیدہ سمجھا ہے؛ جو کہ غلط ہے۔ بیشک ارکان اسلام بھی عقیدہ میں اول درجہ میں شامل ہیں۔ اور ان کا اعتقاد رکھے بغیر ان پر عمل ممکن نہیں ہے۔

گزشتہ پیرائے میں پانچ نمازوں کے بیان کرنے کا مقصد رافضہ اور باطنیہ پر رد کرنا تھا؛ جو کہتے ہیں کہ نمازیں تین ہیں؛ اور ایسے ہی بعض ان جھوٹے صوفیوں پر رد کرنا تھا جو اپنی طرف سے نمازیں زیادہ کرتے ہیں اور اس پیرائے میں زکواۃ کا بیان آرہا ہے۔

جن اموال میں زکواۃ فرض ہے، ان کے مذکورہ اصناف یہ ہیں:

اول: ......نقدی، یعنی سونا اور چاندی یا جو چیز ان کے قائم مقام ہو، جیسے کہ آج کل نوٹ اور سکے ہیں۔

دوم: ......(گھریلو پالتو) چوپائے؛ جیسے: اونٹ؛ گائے، بکری وغیرہ۔

سوم: ......زمین سے اگنے والی چیزیں؛ جیسے: پھل اور غلہ جات وغیرہ۔

چھارم: ......تجارتی اموال۔

بعض علماء کے ہاں انہیں قیاس بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس سے مقصود ان لوگوں پر بھی رد کرنا ہے جو فرضیت زکواۃ کے منکر ہیں، یا وہ سمجھتے ہیں کہ اب کسی حکمران کا حق نہیں کہ وہ ان سے زکواۃ وصول کرے۔ حالانکہ مسلمان حاکم جب بھی شرعی تقاضوں کے مطابق زکواۃ طلب کرے تو اس کا (بیت المال میں) ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

اور زکوۃ کا اگر انسان خود اپنے ہاتھوں سے تقسیم کردے تو تب بھی جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر مسلمان حکمران یا اس کے نمائندہ کے سپرد کردے تاکہ وہ اسے ضرورت کی جگہ پر خرچ کریں تب بھی جائز ہے؛ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ انسان اپنے ذمہ سے بری ہو گیا اور ایسے بھی ہو سکتا ہے کہ زکوات کا کچھ حصہ اپنے ہاتھ سے تقسیم کردے اور باقی مسلمان حکمران کے ذریعہ سے۔

شریعت کا بیان

۸۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن أول الإسلام: شهادة أن لا إله إلا الله و أن محمداً عبده و رسوله- ﷺ.))

''جان لیجیے کہ: اسلام کا سب سے پہلا رکن اللہ تعالیٰ کے معبود برحق ہونے کی اور محمد ﷺ کے اللہ کے رسول ہونے کی گواہی دینا ہے۔[یعنی لا إله إلا الله محمد رسول الله کا اقرار]۔''

شرح: ......اس میں ان فلاسفہ اور ملاحدہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ انسان پر پہلا واجب اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور وفکر کرنا ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة فإذا قالوها عصموا مني دمائهم وأموالهم إلا بحق الإسلام وحسابهم على الله)) ❶

''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب وہ اس بات کا اقرار کرلیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال محفوظ کرلیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔''

ایک دوسری حدیثِ نبوی میں ہے:

((والذي نفس محمد بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت، ولا يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار)) ❷

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میرے متعلق اس امت میں کوئی بھی یہودی اور نصرانی سنے گا اور پھر وہ اس چیز پر ایمان نہیں لائیگا جسے دیکر مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ جہنمی ہوگا۔''

آپ ﷺ کی دعوت یہ ہے سب سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سکھائی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا:

((إنك تقدم على قوم من أهل الكتاب، فليكن أول ماتدعوهم إليه عبادة الله؛ فإذا عرفوا الله، فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في يومهم وليلتهم ......)) ❸

''بیشک آپ ایسی قوم کے پاس جارہے ہیں جو اہل کتاب ہیں۔ پس چاہیے کہ سب سے پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دو؛ جب وہ اس کو پہچان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں ان پر پانچ

---

❶ بخاری ح۲۵ - مسلم ح۲۲۔ ❷ مسلم باب الإیمان۔

❸ رواه البخاري؛ باب: لا تؤخذ كرائم أموال الناس، ح: ۱۳۸۹۔ مسلم كتاب الإيمان، باب: الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، ح: ۱۹۔

نمازیں فرض کی ہیں......''

سلف صالحین کے ہاں انسان پر پہلا واجب اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا ہے۔ یعنی ''لا إله إلا الله محمد رسول الله '' کا اقرار کرنا ہے۔ یہ کہنا کہ انسان پر پہلا واجب ''غور فکر کرنا'' ہے، یہ ایسا معاملہ ہے جس کی ہر انسان استطاعت نہیں رکھتا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کو ماننا اور اس کا اقرار کرنا ایک فطری امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق جو کچھ اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے، اور جو کچھ اس کے رسول ﷺ نے بیان کیا ہے، وہ ہمیں اس بات سے مستغنی کر دیتا ہے کہ ہم اس کے بارے میں اس سے آگے زیادہ غور و فکر کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق امور غیب سے تعلق رکھتے ہیں جن کا ادراک بشری عقول نہیں کر سکتیں۔ نیز تمام بشریت کی عقلیں برابر نہیں ہیں کہ سارے لوگ غور و فکر کے ذریعہ ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں۔ جب کہ اسلام ایک فطری امر ہے؛ جو ہر ادنی اور اعلیٰ کو حاصل ہے، اور اس کا اقرار کرنا اور اسے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا سب پر واجب ہے۔ اس سے فلاسفہ کے قول کا بودہ پن اور باطل ہونا صاف ظاہر ہے۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا ہے جس نے خالص اللہ کی رضا کے لیے '' لا إله إلا الله'' کہا ہو۔'' متفق علیہ۔

سو شہادت (یعنی '' لا إله إلا الله '' کے اقرار) کا معنی یہ ہوا کہ دل میں اس کا اعتقاد اور یقین ہو، اور زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جتنے بھی معبود ہیں سب باطل ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ (الحج: ٦٢)

''(اور) یہ اس لیے کہ اللہ ہی سچا اللہ ہے اور اس کے سوا (کافر) جس کو پکارتے ہیں وہ غلط ہے (جھوٹ لغو ہرگز اللہ نہیں ہے) اور اس لیے اللہ ہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔''

اور (''محمد رسول الله '' کے اقرار) کا معنی یہ ہوا کہ ظاہری و باطنی طور پر اس بات کو جانا جائے، اور اس پر دل سے یقین کامل رکھا جائے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ جو انسان زبان سے اقرار کرے مگر دل سے یقین نہ کرے، شکوک و شبہات کا شکار ہو، وہ منافق ہے، اس کی زبانی گواہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہوگی؛ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (المنافقون: ١)

''(اے پیغمبر) منافق جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو (دل سے) اس بات کی گواہی دیتے

ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ منافق بے شک جھوٹے ہیں۔''

اس گواہی (یعنی لا إلـه إلا الله محمد رسول الله) کے اقرار کا تقاضا ہے کہ آپ جس چیز کا حکم دیں اسے مانا جائے، اور اس پر عمل کیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب: ٣٦)

''اور کسی مسلمان مرد یا مسلمان عورت کے لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی بات کا حکم کردیں تو پھر ان کو اس بات میں کوئی اختیار رہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرمان نہ مانے (اور دوسروں کی رائے پر چلے) تو وہ کھلا گمراہ ہو چکا۔''

اللہ تعالیٰ کا وعدہ

۸۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن ما قال الله كما قال؛ ولا خُلْفَ لما قال۔ وهو عند ما قال .))

''اور یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ویسے ہی ہے جیسے اس نے فرمایا ہے، وہ اپنے فرمائے ہوئے کی وعدہ خلافی نہیں کرتا، وہ اپنے اسی فرمائے ہوئے کے پاس ہے۔''

شرح: ......یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات، اور اسماء و افعال کے متعلق فرمایا ہے، یا جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے؛ وہ اپنی حقیقت پر ایسے ہی ہے جیسے کہ نصوص میں وارد ہوا ہے۔ یہ صرف خیالات اور مثالیں نہیں ہیں؛ بلکہ ایک حقیقت ہے جس کے معنی اور مفہوم معلوم شدہ ہیں؛ جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (النساء: ٨٧)

''اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوسکتی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (النساء: ١٢٢)

''یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا اور کون ہے۔''

اللہ سے بڑھ کر سچا کوئی نہیں ہوسکتا۔ وہ جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے، فرمایا:

﴿وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الروم: ٦)

''یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا وعدہ کرتے ہیں تو اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے؛ اور جب کسی چیز پر عذاب سے ڈراتے ہیں تو کبھی معاف بھی کر دیتے ہیں، معاف کرنا اس کا فضل اور رحمت ہے اور کبھی اس وعید کو پورا کرتے ہیں اور اس سزا دیتے ہیں۔ اس سزا کے دینے میں وہ عادل ہے، ظالم نہیں اور جو کچھ اس نے فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

اہل بدعت کا آیاتِ صفات میں تأویل کرنا یا ان نصوص کا انکار کرنا ایک نئی ایجاد ہے جو سلفِ صالحین صحابہ ور تابعین کے دور میں نہیں تھی۔ مصنف رحمہ اللہ اس پیرائے میں اسی چیز پر رد کر رہے ہیں۔

شرائع پر ایمان

۹۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بالشرائع كلها .))

''تمام شرائع پر ایمان رکھنا واجب ہے۔''

شرح: ......شرائع کے کئی ایک معانی ہیں:

ا۔ **شرائع** بمعنی عام: یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں، جن میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بھی شامل ہے۔ ان پر ایمان لانا واجب ہے، مگر ان کے متعلق غور وفکر کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ اسلام آنے سے یہ تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ (یہ ایمان بالکتب کے مسئلہ میں شامل ہے)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران: ٨٤)

''(اے پیغمبر) کہہ دے ہم تو ایمان لائے اللہ پر اور جو ہم پر اترا (قرآن) اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر؛ اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ملا ہم ان میں سے کسی کو الگ نہیں کرتے (سب کو مانتے ہیں اور سچا پیغمبر جانتے ہیں) اور ہم اسی (ایک اللہ) کے تابع دار ہیں۔''

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (البقرہ: ١٣٦)

''(مسلمانو) تم کہو ہم تو اللہ تعالیٰ پر اور جو ہم پر اترا (قرآن شریف) اور جو ابراہیم اور اسمعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اترا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو اپنے پروردگار سے ملا سب پر ایمان لائے ہم ان پیغمبروں میں سے کسی ایک کو بھی الگ نہیں کرتے (جیسے یہود کرتے ہیں کہ ایک کو مانتے ہیں اور دوسرے کو نہیں مانتے اور ہم اس کے تابع دار ہیں۔''

۲۔ **شرائع** بمعنی خاص: یعنی اسلام کے ارکان اور واجبات۔ حلال وحرام اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے؛ خرید و فروخت اور حدود وقصاص؛ جنگ وصلح؛ پیدائش سے لے کر مرنے تک کے احکام۔ سو ان احکام میں سے جو چیز بھی قرآن میں وارد ہو؛ یا نبی کریم ﷺ کی صحیح سنت سے ثابت ہو؛ اسے قبول کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

تجارت اور خرید وفروخت

۹۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن الشراء والبيع حلال إذا بيع في أسواق المسلمين على حكم الكتاب والإسلام والسنة؛ من غير أن يدخله تغيير أو ظلم؛ أو جور؛ [أو غذر]؛ أو خلاف للقرآن؛ أو خلاف للعلم.))

''اور جان لیجیے کہ خرید وفروخت حلال ہیں، جب مسلمانوں کے بازار میں ان کی خرید وفروخت ہو، جب تک کہ (خرید وفروخت کے یہ) معاملات کتاب وسنت اور اسلام کے حکم پر ہوں۔ بغیر اس کے کہ ان میں کوئی تبدیلی داخل کی جائے؛ یا ظلم وزیادتی ہو، یا دھوکہ بازی ہو؛ یا قرآن اور علم کے خلاف ہو۔''

شرح: ......اہل سنت والجماعت کا اعتقاد اور ایمان ہے کہ خرید وفروخت حلال ہیں (جب تک کہ حلال اور جائز چیزوں کا لین دین ہو رہا ہو)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ: ۲۷۵)

''اور اللہ نے بیچنے کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔''

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء: ۲۹)

''مسلمانو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور سے مت کھاؤ مگر سوداگری کر کے آپس کی خوشی سے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ جب نماز کے لیے آذان ہو تو تمام کام چھوڑ کر مسجدوں کی طرف چل پڑیں، اور جب عبادت سے فارغ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کا رزق تلاش کریں، یہی کامیابی کی علامت ہے؛ خواہ مخواہ

جھوٹا زہد اور جھوٹا توکل اختیار کر کے ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝﴾ (الجمعه: ۹، ۱۰)

''مسلمانو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد (نماز) کی طرف (دنیا کے سب کام) اور بیچ (کھوچ) چھوڑ دو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ پھر جب (جمعہ کی) نماز ہو چکے تو (تم کو اختیار ہے اپنے اپنے کاموں کے لیے) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور (جہاں رہو) اللہ کی یاد بہت کرتے رہو اس لیے کہ تم مراد کو پہنچو۔''

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جنھیں ان کی تجارتیں اور کاروبار اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتے ۔ بلکہ وہ صبح وشام کو عبادت سے اللہ کے گھروں کو آباد کرنے والے ایسے افراد ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ((رجال)) یعنی جوانمرد کا خطاب دیا ہے، فرمایا:

﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ....﴾ (النور ۳۶-۳۷)

'' ان گھروں میں (ہے) جن کی تعظیم کرنے کا (یا بلند کرنے کا) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان میں صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وہ لوگ کرتے ہیں جو کو کوئی سوداگری اور مول تول اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے درستی کے ساتھ ادا کرنے سے زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتے......''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (مسلمانوں کے بازار میں ان کی خرید وفروخت ہو......):

یعنی جو چیز مسلمانوں کے بازاروں میں فروخت ہو رہی ہو، اس کے متعلق پوچھ گچھ اور تفتیش نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ یہ لین دین اپنی اصل اباحت پر ہو رہا ہے۔ جب تک یہ خرید وفروخت شرعی احکام وشرائط کے مطابق ہو رہی ہو؛ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ کسبِ رزق حلال کے لیے ایسا کرنا عین عبادت ہے۔ اور جب شرعی شرائط ٹوٹ جائیں تو اسی قدر اس کے حرام یا ناجائز ہونے کا حکم لگایا جائے گا جس قدر شریعت کی خلاف ورزی ہوئی ہو۔ مطلق طور پر تجارت اور خرید فروخت کو ترک کر دینا جھوٹے عبادت گزاروں اور ریا کاروں کا طریقہ ہے۔

اصل میں یہاں اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ ان ریاکار ومکار، جھوٹے اور غالی صوفیاء پر رد کر رہے ہیں جو بیع و شراء ترک کر کے، اور خود پر تجارت وغیرہ کی ممانعت لازم کر کے جھوٹی عبادتیں کرتے ہیں۔ بعض فرقے ایسے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ ترکِ دنیا ہی اصل دین ہے۔ اور جتنے بھی ذرائع کسب ومعاش ہیں، وہ سب دین کا فساد اور وقت کا ضیاع ہیں۔ حالانکہ سلفِ امت جو کہ کائنات کے بہترین لوگوں میں سے ہیں؛ وہ خرید وفروخت اور تجارت کیا کرتے تھے اور

انسانی زندگی اس کے بغیر صحیح طور پر نہیں چل سکتی۔ کیونکہ انسان کو اپنی ضروریات کے لیے لین دین کرنا پڑتا ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، پھر کسی کی کیا جرأت ہے کہ انہیں حرام قرار دے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کتاب وسنت چھوڑ کر جب اپنی رائے سے کسی چیز میں دخل اندازی کی جاتی ہے، یا جھوٹا زہد وتقوی اختیار کیا جاتا ہے تو انسان راہ راست پر نہیں رہ سکتا، بلکہ گمراہی اس کا مقدر ہو جاتی ہے۔

خوف اور اُمید

۹۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله -: أنه ينبغي للعبد؛ أن تصحبه الشفقة أبداً ما صحب الدنيا؛ لأنـه لا يـدري عـلـى ما يموت؛ وبم يختم له؛ وعلى ما يلقى الله [عزوجل]؛ وإن عمل كل عمل الخير .))

''اور اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے؛ جان لیجیے! انسان کو چاہیے کہ جب تک وہ اس دنیا میں رہے، اس وقت تک خوف اور اندیشہ رکھے رہے۔ اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کی موت کس حال میں ہو اور کس عمل پر اس کا خاتمہ ہو اور کون سا عمل کرتے ہوئے اللہ سے جا ملے گا؛ اگر چہ وہ سارے نیکی اور بھلائی کے عمل کرتا رہے۔''

شرح: ......اعمال کا نجام ان کے خاتمہ کے لحاظ سے ہوگا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فـوالـذي لا إلـه غيره ، إن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى ما يكون بينه و بيـنها إلا ذراع ؛ ثم يسبق عليه الكتاب ، فيختم له بعمل أهل النار ، فيدخلها ؛ وإن أحـدكـم ليعمل بعمل أهل النار ؛ حتى ما يكون بينه و بينها إلا ذراع ؛ ثم يسبق عليه الكتاب ، فيختم له بعمل أهل الجنة ، فيدخلها)) [1]

''اس ذات کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں! بیشک تم میں سے کوئی ایک اہل جنت کے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے؛ پھر اس پر لکھی ہوئی کتاب -تقدیر- سبقت لے جاتی ہے، اور اس کا خاتمہ اہل جہنم کے کاموں پر ہوتا ہے، اور اس کا داخلہ جہنم میں ہو جاتا ہے۔ اور بیشک تم میں سے کوئی ایک اہل جہنم کے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اسکے اور جہنم کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے؛ پھر اس پر تقدیر سبقت لے جاتی ہے، اور اسکا خاتمہ اہل جنت کے کاموں

[1] رواه البخاري [٦٥٩٤] مسلم [٢٦٤٣]۔ الشريعة ص ١٧٩ ح: ١٩٧ ۔و الترمذي ؛ باب: أنما الأعمال بالخواتيم ، ح: ٢١٣٧۔ امام ترمذی اور علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

پر ہوتا ہے، اور اس کا داخلہ جنت میں ہو جاتا ہے۔''

کتاب وسنت کی نصوص کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ انسان کو اتنا زیادہ بھی خوف کا شکار نہیں ہو جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدیں توڑ دے۔ ایسا خوف بھی مذموم ہے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید بھی رکھے، مگر اس امید میں اتنا مبالغہ نہ کرے کہ خود کو اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بالا تر یا بچا ہوا سمجھے۔ بلکہ انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کی رحمت پر بھی نظر رکھنی چاہیے، اور اس کے فضل و کرم اور احسان کا سوال کرتے رہنا چاہیے۔ رحمت تو اس کی رحمت ہے جسے چاہتا ہے اسے نواز دیتا ہے اور مکر بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ان معانی میں نہیں ہے جو انسان کے لیے عام استعمال میں سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ ''مکر'' کا لغوی معنی ہے: ''کسی دوسرے کو خفیہ طریقہ سے تکلیف دینا۔''

مگر جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس سے مراد ہوتی ہے کہ ظالم کو اس طرح عذاب دینا کہ اسے اس کا شعور بھی نہ ہو سکے اور یہ اس کا عدل ہے ظلم نہیں ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھے، اور اپنے اعمال کے قبول ہونے کی دعا کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا گمان رکھے، اور اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اس لیے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے جیسی امید رکھتا ہے، اور جیسا اس ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق اس کا گمان ہوتا ہس، اس کو ویسا ہی مل کر رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گمان کے قریب تر ہے۔ اور اس پر کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں۔

خوف اور امید

۹۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وينبغي للرجل المسرف على نفسه أن لا يقطع الرجاء من الله تعالىٰ عند الموت ؛ ويحسن ظنه بالله تبارك وتعالىٰ ويخاف ذنوبه؛ فإن رحمه الله ؛ فبفضلٍ؛ وإن عذبه ، فبذنبٍ .))

''اپنے نفس پر زیادتی کرنے والے (گنہگار) کو چاہیے کہ وہ مرتے دم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے اچھا گمان رکھے اور اپنے گناہوں سے ڈر کر رہے، اگر اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرما دیں گے تو یہ اس کا فضل ہوگا؛ اور اگر اس کو عذاب دیں گے تو یہ اس کے گناہوں کی وجہ سے ہوگا۔''

شرح: ...... مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو......):

مؤمن کی صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اس سے رحمت کی امید کے ساتھ، اور پکڑ کے خوف کے ساتھ، ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسٰرِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوا لَنَا خٰشِعِينَ﴾

(الأنبياء : ٩٠)

''بیشک وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو توقع اور ڈر رکھ کر پکارتے تھے اور ہمارے سامنے گڑگڑاتے (عاجزی کرتے) رہتے تھے۔''

یہ اہل سنت والجماعت کے منہج کی امتیازی نشانی ہے کہ وہ وسط اور اعتدال کی راہ پر چلنے والے ہیں۔ جب کہ ان کے، برعکس کچھ لوگوں نے افراط وتفریط سے کام لیا جس کے سبب وہ گمراہ ہوگئے ۔خوارج نے افراط سے کام لیا،اور تعالیٰ کے،خوف سے ہی سب کچھ کرنے لگے، جب کہ صوفیاء نے لمبی اور جھوٹی امیدیں باندھ لیں؛ اور وہ تفریط کا شکار ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امیدی کی ممانعت بہت ساری احادیث میں آئی ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امیدی اور مایوسی کفر تک پہنچے کے زینے اور اسباب ہیں۔بہت سارے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے جب گناہ سرزد ہوجاتا ہے، یا جب وہ توبہ توڑ دیتے ہیں ،اور ایک ہی قسم کے گناہ کا ارتکاب کئی بار ہوجاتا ہے تو پھر وہ توبہ کے قبول ہونے سے، مایوس ہوکر بیٹھ جاتے ہیں۔یا ایسے لوگ جو کفر پر قائم ہیں؛ وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ بدبختی کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھ دیا ہے،جس سے کسی بھی طرح چھٹکارا ممکن نہیں۔سو وہ اپنے کفر پر ویسے ہی گناہ میں لگے رہتے ہیں؛ دل میں خیال آنے کے باوجود توبہ نہیں کرتے ۔ یہ نظریہ اور تصور رکھنا خود ایک اور گناہ ہے جس سے توبہ کرنا واجب ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (الزمر: ٥٣)

''(اے پیغمبر! میری طرف سے) کہہ دو: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

۲۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو گمراہ قرار دیا ہے جو اس کی رحمت سے نا امید ہوتے ہیں،فرمایا:

﴿قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّآلُّونَ﴾ (الحجر: ٥٦)

''کہا کہ اللہ کی رحمت سے کون مایوس ہوسکتا ہے سوائے گمراہوں کے۔''

۳۔ ایک مقام پر اپنے نبی کی زبانی مایوسی و ناامیدی کو کفر سے تعبیر کیا ہے،فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾

(یوسف: ۸۷)

''اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو کہ اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ نا امید ہوا کرتے ہیں۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہلاکت دو چیزوں میں ہے۔ایک خود پسندی اور دوسرا نا امیدی۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھے......): حدیث قدسی میں ہے:

((أنا عند ظن عبدي بي ، وأنا معه إذا دعاني .)) متفق عليه

''میں اپنے بندہ کے میرے متعلق حسن ظن کے پاس ہوں ، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اپنے گناہوں سے ڈر کر رہے......): اس لیے کہ کتاب وسنت کی نصوص اور منہج سلف صالحین کے مطابق مسلمان کے امورِ قلب اور عبادت کو تین ارکان پر مشتمل ہونا چاہیے:

۱۔ **محبت**: یعنی اللہ تعالیٰ کی کامل محبت؛ اور اس کی تعظیم وتقدیس۔

۲۔ **امید**: امید خوف پر مقدم ہے، چونکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ سے خیر و بھلائی کی امید ہے۔

۳۔ **خوف**: مسلمان کی عبادت میں ان تینوں ارکان کا ہونا ضروری ہے۔

ان تین ارکان میں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا میزان ہمیشہ ایک سا رہنا چاہیے۔اس میں فرق نہ آنے پائے۔ باقی خوف اور امید میں ان میں سے کبھی کبھار ایک رکن دوسرے پر غالب آسکتا ہے۔مثال کے طور پر جب کسی کو گناہ میں مبتلا دیکھا؛ یا پھر کسی بڑے گناہ کا ارتکاب ہو گیا تو خوف کا پہلو بڑھ گیا ، اور عذاب کا ڈر محسوس ہونے لگا اور جب کوئی اچھا اور نیک کام کیا تو اللہ تعالیٰ سے بھلائی اور خیر کی امید بڑھ گئی۔خاص کر شدت مرض میں اور موت کے وقت انسان کو اللہ تعالیٰ سے امید ہی دلانی چاہیے، اور اس وقت خوف سے دور رکھنا چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے والے امور کی اطلاع

۹۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن الله تبارك و تعالىٰ أطلع نبيه ﷺ على ما يكون في أمته إلى يوم القيامة .))

''اور اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قیامت تک ہونے والے امور پر مطلع کیا ہے۔''

شرح: ......اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیب کا علم کسی کو نہیں۔ہر قسم کا غیب اسی کے لیے ہے،فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾

(الانعام: ٥٩)

''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے

اس کو (بھی وہی) جانتا ہے اور ایک پتہ نہیں گرتا مگر اس کو معلوم رہتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں (یعنی زمین کے اندر یا تاریک مقاموں میں) اور نہ کوئی ہرا نہ کوئی سُوکھا جو کھلی کتاب (لوح محفوظ میں)۔"

مگر کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کے انبیاء غیب کے بارے میں کوئی خبر دیتے ہیں، جو کہ سو فیصد بالکل درست ہوتی ہے؛ اور وہ اللہ کے بتائے ہوئے علم سے ہی آگے بتاتے ہیں؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ (یوسف: ۱۰۲)

"(اے پیغمبر) یہ غیب کی خبریں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔"

اور دوسری جگہ پر فرمایا:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (الجن: ۲۶۔۲۷)

"غیب کا علم اسی کو ہے وہ اپنے غیب کو کسی پر نہیں کھولتا مگر جس پیغمبر کو وہ چاہتا ہے (اس کو غیب کی کوئی بات بتادیتا ہے)۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک سخت گرمی کے دن سورج کو گرہن لگ گیا۔ سو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی اور بہت لمبی نماز پڑھی؛ یہاں تک کہ صحابہ گرنے لگے۔ پھر آپ نے رکوع کیا، اور پھر آپ کھڑے ہوئے اور ایسے ہی کیا۔ پھر آپ آگے بڑھے اور پیچھے ہٹے۔ - یہ نماز - چار رکوع اور چار سجدوں پر مشتمل تھی۔ پھر آپ نے فرمایا:

"بیشک مجھ پر ہر وہ چیز پیش کی گئی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ مجھ پر جنت پیش کی گئی۔ یہاں تک کہ میں نے اس سے کچھ پھلوں کو پالیا۔ اگر میں چاہتا تو انہیں لے لیتا۔...... پھر مجھ پر جہنم کو پیش کیا گیا۔ میں اس سے پیچھے ہٹنے لگا؛ اس ڈر سے کہ کہیں تمہیں گھیر نہ لے......" ❶

افتراق امت کی بشارت

۹۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن رسول الله ﷺ قال:" ستفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة ؛ كلها في النـار إلا واحدة ؛ وهي الجماعة ـ"قيل من هم يارسول الله ﷺ؟ قال:" ما أنا عليه

❶ صحيح ابن خزيمه : باب ذكر عدد الركوع في كل ركعة من صلاة ؛ح: ۱۳۸۱ ـ مسلم في الكسوف ، باب : ما عرض على النبي ﷺ في صلاة الكسوف ؛ ح: ۹۰۵ ـ بخاری ح: ۱۰۰۴ ـ

اليوم و أصحابي . "

اور جان لیجیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور یہ سارے کے سارے جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے۔'' یہی جماعت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون ہوں گے؟ فرمایا: ''[وہ اس راہ پر چلنے والے ہوں گے] جس پر آج میں اور میرے صحابہ [چل رہے] ہیں۔'' ❶

شرح: ......اس حدیث میں امت کے فرقوں میں بٹ جانے کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم جماعت کی صورت میں رہیں، اور تفرقہ بندی سے بچیں؛ فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

''اور سب مل کر اللہ کی رسی (یعنی اس کے دین یا عہد یا جماعت یا قرآن کو) تھامے رہو اور پھوٹ نہ کرو (جیسے یہود و نصاریٰ الگ الگ فرقے ہو گئے)۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے خبردار کیا ہے جو تفرقہ بازی پھیلاتے ہیں، اور ہمیں ان کا ساتھ دینے سے منع کیا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴾ (الأنعام: ۱۵۹)

''(قیامت ہی میں ہمارا تمھارا فیصلہ ہو جائے گا) جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور کئی فرقے بن گئے تجھ کو ان سے کچھ غرض نہیں ان کا کام اللہ کے حوالے ہے بس وہی ان کو جتائے گا جو وہ (دنیا میں کرتے رہے)۔''

چونکہ تمام تر تفرقہ بازی کا اصل منبع خواہشات کی پیروی؛ دین میں عقلیات کی دخل اندازی اور کتاب و سنت سے دوری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جماعت کی صورت میں رہنے کی راہ بھی بتائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الأنعام: ۱۵۳)

''اور (اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے) یہ میری سیدھی راہ ہے اس پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو وہ تم کو اللہ کی

❶ یہ حدیث حسن ہے، اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے: كتاب الإيمان باب ماجاء في افتراق هذه الأمة (۵/۲۶)؛ اور ابن وضاح نے "البدع" (ص ۸۵) پر؛ اور امام آجری نے "الشريعة" (ص ۱۵) پر، اور "اربعین" (۱۳) پر؛ والحاکم (۱/۱۲۸-۱۲۹)؛ اور ابن نصر نے "السنة" (۶۲) میں؛ اور امام لالکائی نے "السنة" (۱۴۷)؛ اور ابن جوزی نے "تلبيس إبليس" (۱۶) میں؛ اور عقیلی نے "الضعفاء" (۲/۲۶۲) پر، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے، اور اس کے شواہد بھی ہیں جو اس حدیث کو تقویت دیتے ہیں۔" دیکھیں: "السلسلة الصحيحة" للألباني (۲۰۳-۲۰۴)۔

راہ سے ہٹا دیں گی یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے اس لیے کہ تم (ان کا خلاف کرنے سے) بچے رہو پھر (ایک بات اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے پہلے)۔''

اپنے باپ دادا کی جاہلانہ اور اندھی تقلید میں یا اپنی رائے اور خواہش کو دین کے مطابق ثابت کرنے کے لیے نصوص میں تأویل کر کے معانی کو بدل دینا یہ گمراہ فرقوں کا شیوہ ہے، جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

رہا فقہی مسائل میں علمائے کرام کا اختلاف؛ تو یہ مذموم نہیں ہے، ایسا اختلاف ظاہر ہوسکتا ہے؛ اس موقع پر بھی ہمیں فقط اپنی رائے کی تائید کرنے سے بچنے کا اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ (النساء: ٥٩)

''مسلمانو اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور حکومت والوں کا جو تم میں سے ہوں پھر اگر تم (اور حاکمِ وقت) کسی بات میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم کو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان ہے یہ (تمھارے حق میں) بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔''

کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ وہ لوگ جو اجتہاد و استنباط کے اہل ہیں، وہ کسی شرعی مسئلہ میں اختلاف کریں، اور ان میں سے ہر ایک کا ایک نقطۂ نظر ہو، مگر وہ اس اختلاف پر باقی نہیں رہ سکتے؛ اس لیے کہ جب بھی انہیں کتاب وسنت سے سے قوی دلیل مل جائے گی، تو جس کے ساتھ حق ہوگا اس کی پیروی کریں گے۔

افتراق امت کی بشارت کی یہ حدیث؛ اگرچہ بعض جاہل لوگوں نے اس حدیث کی صحت کا انکار کیا ہے؛ لیکن ان کی بات کسی طرح بھی معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حدیث کئی راویوں سے روایت کی گئی ہے اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے علاوہ بھی کئی احادیث میں امت کے بٹ جانے کی خبر دی ہے۔ اس سے مقصود ہدایت کی راہیں نہیں ہیں، بلکہ گمراہی کی راہیں ہیں۔ حالات ہمارے سامنے اس حدیث کے سچا ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔

اس میں یہ بھی بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق حق قیامت تک محفوظ رہے گا۔ ان فرقوں میں سے ایک جماعت کے کامیاب و کامران ہونے کی بشارت کے ساتھ ساتھ قیامت تک ان کے باقی رہنے کی ضمانت بھی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

((لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين يقاتلون على الحق إلى يوم القيامة ؛ ...... قال: فينزل عيسى بن مريم عليهما السلام؛ فيقول أميرهم: تعال صل لنا ، فيقول: لا إن

بعضكم على بعض أمراءٌ تكرمةُ الله لهذه الأمة .)) ❶

''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم جہاد کرتی رہے گی ؛ یہاں تک کہ عیسی بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے ، تو ان کا امیر کہے گا : آیئے ! ہمیں نماز پڑھائیں ۔ مگر عیسی علیہ السلام فرمائیں گے : نہیں ، بلاشبہ تم میں سے بعض دوسروں پر امیر ہیں ، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لیے اکرام وشرف ہے ۔''

اس حدیث میں جن گمراہ فرقوں کی خبر ہے ان کی ساری بنیادی جہنم میں ہے ۔ جب کہ تہتر واں فرقہ یا گروہ جسے آپ نمبر شمار کے لحاظ سے پہلے درجہ پر رکھ سکتے ہیں ، وہ لوگ جنتی ہیں اور ان لوگوں کی نشانی وہی ہے جو نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان سے بیان فرمائی ہے :

((ما أنا عليه اليوم و أصحابي .))

''جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں ۔''

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی راہ پر قائم ان لوگوکو فرقہ ناجیہ کہنا بھی درست ہے ، اور انہیں اہل سنت والجماعت بھی کہا جاتا ہے ۔ ان کے علاوہ جتنے لوگ ہیں وہ اس منہج کی مخالفت کی وجہ سے جہنم کی بشارت دیے ، گئے ہیں اور جہنم کی یہ بشارت ان کی معصیت اور نافرمانی کی وجہ سے ہے ۔ اس سے کوئی یہ بات نہ سمجھ لے کہ وہ کافر ہو چکے ہیں ، اس لیے انہیں جہنم کی بشارت ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے تفرقہ بازی سے محفوظ رکھے ۔ آمین ۔

(مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں) :

((وهكذا كان الدين إلى خلافة عمر [ابن الخطاب رضى الله عنه] ؛ الجماعة كلها ؛ وهكذا كان في أول زمن عثمان رضى الله عنه ؛ فلما قتل عثمان رضی اللہ عنہ جاء الاختلاف والبدع ؛ وصار الناس أحزاباً ؛ وصاروا فرقاً ؛ فمن الناس من ثبت على الحق عند أول التغيير ؛ وقال به [وعمل به] ؛ ودعا الناس إليه .))

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دین ایسے ہی تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایسے ہی رہا ۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو اس وقت اختلافات اور بدعات پیدا ہوئے اور لوگ گروہ اور فرقے بن گئے ۔ لوگوں میں بعض ایسے تھے جو اس تبدیلی کی ابتداء میں حق پر رہے ، اور لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دیتے رہے ۔''

شرح : ......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین کے زمانہ میں مخالف لوگ کھل کر سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکتے

❶ رواه مسلم (۱۹۲٤) كتاب الإيمان ؛ — باب : نزول عيسى بن مريم حاكماً ؛ ۳۹۵ ۔

تھے، اس لیے وہ لوگوں میں چھپ چھپا کر سازشیں کرتے ؛ اور سادہ لوح نئے نئے مسلمان عوام کو اپنی گمراہ کن خواہشات کا نشانہ بناتے ۔ اس لیے کہ اس وقت تک اسلام بڑا مضبوط تھا؛ اور ان لوگوں میں کھلے عام داؤ پیچ لڑانے کی ہمت نہیں تھی ۔
یہاں تک کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یمن کے شہر صنعاء کا یہودی عبد اللہ بن سباء (اسے ابن سوداء بھی کہتے ہیں) ؛ ظاہر ہوا۔ اس نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ، اور مدینہ منورہ چلا آیا اور محفلوں میں خلیفہ برحق پر سب وشتم کرنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ اپنے باطن کی خباثت اور زہر کو ظاہر کرتا چلا گیا ، اور سادہ لوح عوام بہکانے کی کوششیں کرتا رہا۔ جب مدینہ میں صحابہ کرام کی موجودگی میں اسے پذیرائی نہ ہوئی تو اس نے مدائن ، مصر ، کوفہ اور دوسرے شہروں کا رخ کیا ، اور وہاں پر لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہوگیا ، جس کے نتیجہ میں ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت مدینہ منورہ کا گھیراؤ کرلیا گیا ، اور چالیس دن کے بعد دامادِ رسول ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہم زلف اور جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بہنوئی کو انتہائی مظلومیت کی حالت میں شہید کردیا گیا۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون ۔
جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے ۔ مگر بدقسمتی سے تمام لوگ ان کی بیعت پر جمع نہ ہوسکے ؛ جس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ، اور مسلمانوں کے مابین انتہائی خونریز معرکے پیش آئے ۔
لیکن اس وقت تک یہ مذہبی اختلاف نہیں تھا۔ پھر اس کے بعد لوگ مخالفت برائے مخالفت میں ایک دوسرے کے خلاف کرنے لگے ، اور اپنی اپنی رائے کو ثابت کرنے کے لیے احادیث گھڑنے لگے۔ جس کی وجہ سے کئی گمراہ فرقے سامنے آئے ، جن میں سے ایک دوسرے کو کافر کہتا اور ان کے خلاف فتوے لگاتا ۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت و کے متوالوں اہل سنت و الجماعت پر انعام فرمایا ، اور انہیں دین حق پر ثابت قدمی عطا کی اور انہوں نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھنے کی خاطر اپنی جانوں تک کے نذرانے پیش کردیے ۔ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیاں قبول فرمائے ، اور انہیں اس امت کی طرف سے بہترین بدلہ دے ۔ آمین ۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فكان الأمر مستقيماً حتى كانت الطبقة الرابعة في خلافة بني فلان؛ انقلب الزمان، وتغير الناس جداً، وفشت البدع؛ وكثر الدعاة إلى غير سبيل الحق و الجماعة ـ و وقعت المحنة في[كل] شيءٍ؛ لم يتكلم به رسول الله ﷺ ولا أحد من أصحابه .))

’’یہ تمام معاملہ صراطِ مستقیم پر ہی رہا ؛ یہاں تک کہ چوتھے طبقہ میں بنی فلاں کی خلافت میں ایک انقلاب آگیا ؛ اور لوگ بہت ہی زیادہ تبدیل ہوگئے ۔ اور بدعات پھیل گئیں ؛ حق اور جماعت سے ہٹ کر دعوت دینے والے بہت بڑھ گئے اور ہر چیز میں آزمائش پیش آنے لگی ۔ (ایسے امور) جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی کوئی کلام نہیں کیا تھا ۔‘‘

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ اس پیرائے میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جن تین زمانوں کے بہتر ہونے کی گواہی دی گئی تھی؛ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((خیر الناس قرنی ، ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم))

''بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر جو ان کے بعد آئیں گے، پھر جو ان کے بعد آئیں گے۔''

جب یہ تین زمانے گزر گئے، اور بنی عباس کی خلافت قائم ہوگئی، اور مأمون عباسی اور پھر اس کے بعد معتصم اور واثق آئے تو انہوں نے قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں جہمیہ کی رائے سے متأثر ہوکر اس کی تائید کرنا شروع کردی اور لوگوں کو زبردستی اس رائے پر لانے لگے۔ اہل سنت والجماعت پر امتحان کا ایک دور شروع ہوگیا۔ بہت سے علماء حق کو قتل کردیا گیا، بہت سے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیے گئے۔ ان حالات میں حق پر وہی لوگ ثابت قدم رہ سکے جن پر اللہ نے اپنا انعام فرمایا تھا۔

گمراہیوں کی طرف بلانے والے بڑھ گئے، ان کو حکومت کی پشت پناہی بھی مل گئی ۔ عام مسلمان اور خاص کر علمائے کرام رحمہم اللہ کا طبقہ امتحان کا شکار ہوئے۔ نئے نئے علوم کے ترجمہ کی وجہ سے ہر چھوٹا بڑا عالم ہونے کا دعوی کرنے لگا۔ لیکن یہ سارے لوگ کتاب وسنت سے بہت ہی دور اور مختلف قسم کی گمراہیوں کا شکار تھے۔ اس پیرائے سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایسے حالات میں دین حق اور منہج سلیم پر قائم رہنے کے لیے دو چیزیں بہت ضروری ہیں:

۱۔ **علمِ نافع:** ......جس کی بنا پر معلوم ہوسکے کہ کتاب وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلہ میں کیا مؤقف ہے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے تابعین کس منہج؛ وعمل پر تھے۔

۲۔ **صبر و ثبات:** ...... جب فتنے بڑھ جائیں تو اس وقت دین حق پر قائم رہنے کے لیے ثابت قدمی اور صبر و استقامت بہت ضروری ہیں۔ ایسے وقت میں انسان کو نہ ہی کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف ہونا چاہیے اور نہ ہی کسی ظالم کے ظلم کا ڈر۔ بس فکر ونظریہ ہونی چاہیے کہ اللہ کا دین کیسے سلامت رہ جائے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ودعوا إلى الفرقة؛ وقد نهى الرسول ﷺ عن الفرقة -. وكفر بعضهم بعضاً؛ وكلٌّ داعٍ إلى رأيه؛ وإلى تكفير من خالفه فضلَّ الجهال؛ والرعاع؛ ومن لا علم له؛ وأطمعوا الناس في شيءٍ من أمر الدنيا؛ وخوَّفوهم عقاب الدنيا؛ فاتبعهم الخلق على خوف [في] دينهم- ورغبة في دنياهم .))

''اور فرقہ بندی کی دعوت دینے لگے؛ -رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرقہ بندی سے منع کیا تھا-؛ اور آپس میں ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے اور ہر ایک اپنی رائے کی طرف بلانے لگا؛ اور اپنے مخالف کی تکفیر کی دعوت

دینے لگا۔ بہت سے جاہل اور سادہ لوگ؛ اور وہ جن کو کوئی علم نہیں تھا؛ گمراہ ہو گئے اور لوگوں کو دنیاوی امور کی طمع دینے لگے؛ اور دنیا کی سزا سے ڈرانے لگے۔ خلقت اس دین میں خوف کی بنا پر ان کی دنیا میں رغبت رکھنے لگے۔''

شرح: ......اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (آل عمران ۱۰۵)

''اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنھوں نے پھوٹ کر لی اور صاف صاف حکم آنیکے بعد اختلاف کرنے لگے اور یہی لوگ ہیں جن کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا۔''

ایسے ہی یہ لوگ بھی جہالت کی وجہ سے گروہ بندی کا شکار نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے جان بوجھ کر تعصب کی وجہ سے قرآن و سنت کو چھوڑ کر گمراہی مول لے لی تھی۔ اسی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر میں جلدی کرنے لگے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سارے گروہ باطل پر ہیں۔ کیونکہ اہل حق، اہل سنت والجماعت آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کرتے، بلکہ ان سے محبت اور دوستی رکھتے ہیں اور ان کا ایمان ہے کہ کبیرہ گناہ کی وجہ سے انسان کافر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس کو حلال نہ سمجھے؛ یا ایسا گناہ نہ ہو جس کی وجہ سے مرتد ہونا لازم آتا ہو۔ اس صورت میں بعض کفر کا فتوی لگانے میں جلدی نہیں کی جاتی، بلکہ پہلے اس کے شرعی تقاضے پورے کیے جاتے ہیں، اور پھر اس کے بعد کفر کا فتوی لگایا جاتا ہے۔

جب کہ اہل باطل فرقے ایک دوسرے کی تکفیر میں یدِ طولی رکھتے ہیں؛ اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوئے خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (المؤمنون: ۵۳)

''پھر ان لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں پھوٹ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے (یعنی جو دین اس کا ہے) اسی سے خوش ہے۔''

ان حالات میں وہ لوگ گمراہ ہو گئے جن کے پاس کوئی دینی مستند علم نہیں تھا۔ وہ ہر نئی بات کو حق سمجھ کر اس کے پیچھے چل پڑے۔ جب کہ اہل حق جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کے علم سے نوازا تھا، انہوں نے حق کا دامن نہیں چھوڑا۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فصارت السنة وأهل السنة مكتومين؛ وظهرت البدعة وفشت؛ وكفروا من حيث لا يعلمون؛ ومن وجوه شتى؛ ووضعوا القياس؛ وحملوا قدرة الرب وآياته،

وأحكامه ، وأمره و نهيه؛ على عقولهم [و آرائهم]؛ فما وافق عقولهم قبلوه؛ وما لم يـوافـق عقولهم؛ ردّوه؛ فصار الإسلام غريباً ؛ والسنة غريبة؛ وأهل السنة غرباء في [جوف ديارهم]......))

''بس پھر سنت اور اہل سنت چھپ کر رہ گئے ، اور بدعات ظاہر ہوئیں اور پھیل گئیں اور کئی لوگ ایسی وجوہات کی بنا پر کفر کے مرتکب ہوئے جن کو وہ جانتے ہی نہیں تھے اور انہوں نے قیاس گھڑ لیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ، اس کی آیات اور احکام کو؛ اس کے امر اور نہی کو اپنی عقلوں اور آراء کے مطابق محمول کرنے لگے۔ جو چیز ان کی عقول کے موافق ہوئی ، اسے قبول کرلیا؛ اور جو ان کی عقول کے موافق نہ تھی ؛ اسے رد کردیا۔ بس اسلام اور سنت غریب اور اچھنبے ہو کر رہ گئے ۔ اور اہل سنت بھی اپنے گھروں میں غریب ہو کر رہ گئے۔''

شرح: ......یعنی اس سے پہلے اہل سنت کا غلبہ تھا؛ مگر اب اہل بدعت نے ایسا زور پکڑا کہ سنت اور اہل سنت چھپ کر رہ گئے۔ اہل بات کا غلغلہ ہو گیا ، اور وہ لوگ ں کو فتنہ میں مبتلا کرنے لگے ، اور آپس میں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے کی وجہ سے خود بھی کفر میں واقع ہو گئے ۔ اس سے مقصود مؤلف رحمہ اللہ کی طرف سے ان لوگوں کی تکفیر نہیں ہے ، بلکہ مقصود یہ ہے کہ انہوں نے ایسا کام کیا جس کی وجہ سے وہ کفر میں واقع ہو گئے ، یا جو کام انہیں کفر کی طرف لے کر جانے والا ہے ۔ اس سے انہیں کافر کہنا مراد نہیں ہے ۔

مصنف رحمہ اللہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے عقیدہ کے مسائل میں قیاس شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ عقیدہ دوٹوک اور توقیفی (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ہوتا ہے ۔ اس میں کسی قسم کا کوئی قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ مگر انہوں نے اپنی اپنی رائے کو درست ثابت کرنے کے لیے تمام قسم کے علوم سے استدلال کیا اور اللہ کی ذات میں اپنے عقل و فکر کو دخل دینے لگے، جو کچھ ان کی خواہش کے مطابق ہوتا ، اسے لے لیتے ، اور جو اس کے مخالف ہوتا اس کو رد کر دیتے۔ ان حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صادق آنے لگی:

((بداء الإسلام غريباً؛ سيعود غريبا ، كما بداء؛ فطوبى للغربا .))

''اسلام غربت ہی شروع ہوا ہے ، اور عنقریب غریب ہو جائے گا؛ پس مبارک ہو غریبوں کے لیے۔''

عورتوں سے متعہ

۹۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن المتعة - متعة النساء- والاستحلال حرام إلى يوم القيامة .)) ❶

اور جان لیجیے کہ : یہ کہ متعہ-عورتوں سے متعہ کرنا- ؛اور استحلال -یعنی حلالہ کرنا- ؛ قیامت تک کے لیے

❶ أخرجه مسلم (٤٢٥)؛ من حديث ابی هريره / والترمذی (٢٦٣٠٩)۔

حرام ہیں۔''

شرح: ......

ا۔ یہ بھی فقہی مسئلہ ہے، مگراس کا عقیدہ سے تعلق ہونے کی وجہ سے اسے یہاں پر ذکر کیا گیا ہے۔عقیدہ سے تعلق متعہ کو حلال جاننے کی بنا پر ہے۔

متعہ کا معنی ہے: ''ایک خاص وقت کے لیے طے شدہ مہر پر کسی عورت سے نکاح کر لینا۔'' خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ ،اس مدت کے گزر جانے کے بعد یہ نکاح بغیر طلاق کے خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔شروع اسلام میں متعہ حلال تھا۔ پھر غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دیا۔ پھر فتح مکہ کے وقت اسے مباح کیا، اور پھر قیامت تک کے لیے اسے حرام قرار دیا۔تمام مسلمانوں کا متعہ کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔شیعہ، روافض اور جعفریہ کے علاوہ کسی نے بھی اسے حلال نہیں کہا اور ان لوگوں کے اہل سنت والجماعت سے اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لیے کہ یہ باقی کس چیز کو درست طور پر لیتے ہیں جو اس شہوانی مسئلہ میں حق کا ساتھ دیں گے۔

یہاں سے مصنف رحمہ اللہ رافضہ پر رد کر رہے ہیں۔متعہ نکاحِ مؤقت اور مشروط کو کہا جاتا ہے؛ یہ صرف زنا کا ایک حیلہ ہے۔اس میں طلاق کی نیت سے شادی کرنا داخل نہیں ہے۔اگر چہ وہ اپنی بعض شکلوں میں متعہ سے مشابہ ہے؛لیکن اس میں کوئی شرط طرفین کی جانب سے نہیں ہوتی۔ایسے بھی ہوتا ہے کہ طلاق کی نیت سے شادی کرنے والی کی رغبت بڑھ جائی اور وہ طلاق نہیں دیتا۔اس پر طلاق دینا لازم نہیں ہوتا، اور نہ ہی کوئی دیگر ایسی طے شدہ شرط ہوتی ہے۔اگر چہ طلاق کی نیت سے کی جانے والی شادی میں عورت کے لیے تکلیف ہے؛ اور اس کا گناہ مرد کی ذات پر ہے؛لیکن عقدِ نکاح میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اگر اس میں طلاق کی شرط پائی گئی تو یہ بھی متعہ ہی ہے۔حرمت متعہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ان احادیث میں سے:

ا۔ حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے -حجر اسود اور ملتزم کے درمیان کھڑے ہو کر- فرمایا:
''میں تمہیں متعہ کرنے کی اجازت دیتا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔''[1]

((إن رسول الله ﷺ أذن لنا فی المتعة ثلاثا ، ثم حرمها ، و الله لا أعلم أحدا يتمتع وهو محصن إلا رجمته بالحجارة ، إلا أن يأتينى بأربعة يشهدون أن رسول الله ﷺ أحلها بعد إذ حرمها))

''بیشک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تین بار متعہ کرنے کی اجازت دی، پھر اسے حرام قرار دے دیا۔ مجھے کسی ایک کا بھی پتہ چلے گا کہ اس نے متعہ کیا ہے اور وہ شادی شدہ ہے تو میں اسے پتھروں سے سنگسار کروں گا۔

[1] سنن ابن ماجه ؛كتاب النكاح؛ باب النهي عن نكاح المتعة؛ حديث : ۱۹۵۹.

سوائے اس کے کہ وہ چار گواہ لائے جو اس بات کی گواہی دیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دینے کے بعد پھر حلال کیا تھا۔''

ابن ماجہ میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ''جس کے پاس متعہ کی عورتوں میں سے کچھ ہو تو اسے چاہیے کہ انہیں چھوڑ دے، اور جو کچھ ان کو دیا ہے، اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے۔'' ❶

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: فقہ کی کتابیں۔

حلالہ کرنا

اس معنی میں ہے کہ مطلقہ سے شادی ہی اس شرط پر کی جائے کہ وہ ایک یا دو رات کے بعد اسے چھوڑ دے گا؛ تاکہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ ایسا کرنا حرام ہے۔ البتہ اگر کوئی انسان اپنی مرضی سے بغیر کسی شرط کے شادی کرے؛ اور پھر اس عورت کو صحبت کے بعد طلاق دے دے؛ یا بیوہ ہو جائے؛ یا طلاق واقع ہو جائے تو اب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی۔ اس عقدِ نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قریش و بنی ہاشم کے حقوق اور ان کی فضیلت

قریش اگرچہ مجموعی طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ تاہم ان میں بھی آگے چل کر گروہ اور قبیلے ہیں اور ہر قبیلہ شرف و منزلت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے جدا مقام رکھتا ہے۔ جناب نبیء کریم ﷺ کا تعلق بھی قریش کے سب سے معزز گھرانے بنو مناف سے ہے، اور بنو مناف کی معزز ترین شاخ بنی ہاشم سے ہیں اور پھر بنی ہاشم کے بھی معزز گھرانے بنو مطلب سے آپ کا تعلق ہے۔ ویسے تو اکثر قریشی خاندانوں سے آپ ﷺ کی رشتہ داریاں اور تعلقات ہیں، مگر بنو ہاشم آپ ﷺ کے قریب ترین رشتہ دار ہیں، اور ان کے خاص حقوق ہیں جن کے ادا کرنے کی تعلیم آپ ﷺ نے اپنی امت کو دی ہے۔ ذیل کے پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ ان ہی لوگوں کے حقوق بیان کر رہے ہیں۔

۹۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعرف لبني هاشم فضلهم لقرابتهم من رسول الله ﷺ وتعرف فضل قريش والعرب؛ وجميع الأفخاذ؛ فاعرف قدرهم [وحقوقهم] في الإسلام؛ ومولى القوم منهم۔ وتعرف لسائر الناس حقهم في الإسلام۔ و[اعرف فضل] الأنصار؛ ووصية رسول الله ﷺ فيهم؛ وآل الرسول ﷺ فلا تنساهم۔[واعرف]فضلهم [وكراماتهم]؛ وجيرانه من أهل المدينة فاعرف فضلهم .))

❶ موطا امام مالک ،باب : المتعة ؛ سنن ابن ماجه ، باب : النهي عن نكاح المتعة ؛ ح: ۱۹۶۲۔

''بنی ہاشم کی فضیلت کو جانیں، انہیں رسول اللہ ﷺ کی جو قرابت کی وجہ سے حاصل ہے۔ قریش اور عرب کی فضیلت کو جانیں اور ان کی تمام شاخوں کی فضیلت اور اسلام میں ان کی قدر اور ان کے حقوق کو پہچانیں اور ہر قوم کا موالی (غلام/منسوب) انہی میں سے ہے اور اسلام میں باقی تمام لوگوں کے حقوق کو پہچانیں؛ اور انصار کی فضیلت کو جانیں۔ ان کے متعلق جو رسول اللہ ﷺ کی وصیت ہے۔ اور آل رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں بھولنا؛ ان کی فضیلت اور بزرگی کو پہچانیں اور مدینہ منورہ میں آپ کے پڑوسیوں کے فضائل کو پہچانیں۔''

شرح: ......اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اہل قریش کے مؤمنین کو بہت بڑی فضیلت سے نوازا تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اپنی رسالت کے لیے چن لیے تھا، ایسے ہی اپنے حبیب کے پیغام اور منہج کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے کائنات کے بہترین لوگوں کو چن لیا تھا۔ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((إن الله اصطفى كنانة من ولد اسمعيل ، واصطفى قريشاً من كنانة ، واصطفى من قريش بني هاشم ، واصطفاني من بني هاشم)) ❶

''بیشک اللہ نے اسمٰعیل کی اولاد سے کنانہ کو، اور کنانہ کی اولاد سے قریش کو چن لیا تھا، اور قریش سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا ہے۔''

بنی ہاشم بن عبد مناف ۔ عبد مناف کے کئی بیٹے تھے: رسول اللہ ﷺ کے دادا ہاشم، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دادا عبد الشمس، اور نوفل بن عبد مناف جو کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دادا ہیں۔

آپ ﷺ کی بعثت بنو ہاشم میں ہوئی ۔ ان کے اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت ہیں ۔ ان کا مسلمانوں پر خاص حق ہے۔ ان پر صدقہ حرام ہے، اور ہدیہ حلال ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے، ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ چونکہ یہ ان لوگوں کی یہ قدر و قیمت صرف نسبت کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ اس میں اصل عنصر ایمانی روح ہے۔ جس کی عدم موجودگی میں تمام تر اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی بنی ہاشم وغیرہ کے وہ لوگ اس عزت و شرف کے مستحق ہیں، اور امت پر ان کے حقوق ہیں جو اہل سنت والجماعت کے مذہب و منہج پر چل رہے ہیں۔ جو لوگ نبی کے منہج سے ہٹ چکے ہیں ان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ ان کے حقوق ایمان کے ساتھ مشروط ہیں۔

عمومی طور پر یہ پورا پیرایہ مصنف رحمہ اللہ نے حقوق العباد سے متعلق بحث میں ذکر کیا ہے۔ ان حقوق کے مختلف درجے ہیں۔ کچھ عام حقوق ہیں، اور کچھ خاص۔

---

❶ مسلم كتاب الفضائل ؛ باب : فضل نسب النبي ﷺ ح: ٤٣١٨ ـ صحيح ابن حبان ؛ كتاب التاريخ ،ذكر اصطفاء الله جل و علا صفيه ﷺ؛ ح: ٦٤٢٤ ـ

ہر مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی پر حق ہے۔ ایسے ہی عام مسلمانوں پر علماء کا حق ہے، اور حکمرانوں کا بھی حق ہے۔ ان کے علاوہ بھی کچھ مسلمانوں کے خاص الخاص حقوق ہیں؛ جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی ہے۔ حقوق العباد میں سب سے پہلے جو حق تمام لوگوں پر عائد ہوتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا آپ پر پہلا حق آپ سے محبت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا يؤمن أحدكم حتّى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين))[1]

''تم میں سے کوئی ایک اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں۔''

پھر رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت - بنو ہاشم - کا حق ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْناً إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾

(الشوری: ۲۳)

''یہی وہ (انعام ہے) جس کی اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہہ دو کہ میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا مگر (تم کو) قرابت کی محبت (تو چاہیے) اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لیے اس میں ثواب بڑھائیں گے بیشک اللہ بخشنے والا قدردان ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((ستة لعنتهم لعنهم الله، وكل نبي كان: الزائد في كتاب الله؛ والمكذب بقدر الله، والمتسلط بالجبروت ليعز بذلك من أذل الله؛ ويذل من أعز الله۔ والمستحل لحرم الله؛ والمستحل عترتي ما حرم الله، والتارك لسنتي))[2]

''چھ قسم کے لوگ ایسے ہیں جن پر میں لعنت کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی ہے، اور ہر سابقہ مستجاب الدعاء نبی نے ان پر لعنت کی ہے:

۱-: -اپنی طرف سے- اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادہ کرنے والا۔

۲-: اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔

۳-: اور ڈنڈے کے زور پر مسلط تاکہ اسے عزت دے جسے اللہ نے ذلیل کیا ہے، اور اسے ذلیل کرے

[1] متفق علیہ ـ بخاری کتاب الإیمان، باب حب رسول اللہ ﷺ من الإیمان، ح: ۱۵ـ مسلم کتاب الإیمان، باب: وجوب محبة رسول اللہ ﷺ، ح: ۷۸ـ

[2] سنن الترمذي؛ ح: ۲۱۵۴ـ مشكل الآثار للطحاوي؛ ح: ۵۵۵؛ باب: بيان مشكل ما روي عن رسول الله في الستة الذين لعنهم؛ و موطأ امام مالك ،باب: غسل اليدين ـ صحيح ابن حبان ،باب: اللعن، ح: ۵۷۴۹ـ

جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے۔

۴-: اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے والا۔

۵-: اور میری اولاد- کی بے عزتی کو- حلال سمجھنے والا۔

۶-: میری سنت کو ترک کرنے والا۔''

پھر ان کے بعد عموم قریش سے محبت؛ اس لیے کہ یہ اصل اہل عرب ہیں۔ پھر اس کے بعد باقی عرب۔ بنی ہاشم کے بعد قریش کی باقی عربوں پر فضیلت ہے۔ پھر عرب قوم کی باقی لوگوں پر فضیلت اور ان کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ان کے خاص حقوق ہیں ہے۔ اس کی وجہ فقط نسبت یا رشتہ داری نہیں اور نہ ہی اس سے مراد عصبیت کی برتری اور فضیلت ہے، بلکہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے لیے ان کی زبان کا انتخاب کیا، اور باقی لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے اس قوم کا انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْاَلُوْنَ﴾ (الزخرف: ۴۳, ۴۴)

''تو (اے پیغمبر) آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو (مضبوط) تھامے رہیے (شریعت پر قائم رہیے) بے شک آپ سیدھے رستے پر ہیں۔ اور یہ قرآن نصیحت ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور (لوگو) آگے چل کر تم سے پوچھ ہوگی۔''

یعنی ان سے اس قرآن کے بارے میں اور اس کی طرف کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذمہ داری لگائی تھی کہ وہ اس قرآن کو عربوں کے علاوہ باقی امتوں تک بھی پہنچائیں۔ ان کی فضیلت صرف عرب ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کی وجہ سے ہے جو ان کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے؛ جیسا کہ دوسری جگہ اس کی وضاحت ہے، فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے؛ تم اچھی بات کا حکم دیتے اور بری بات سے منع کرتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

عربوں کی فضیلت کی وجہ اس دین کے ساتھ مضبوط تعلق ہے۔ جو کوئی اس دین سے دور ہوجاتا ہے اس کی کوئی فضیلت باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہیں قبائل اور خاندان اس لیے بنایا ہے تا کہ تم پہچان حاصل کرسکو، تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور باخبر ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يا أيها الناس إن ربكم واحد وأباكم واحدٌ؛ ألا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لِأسود على أحمر ولا لِأحمر على أسود إلا بالتقوى......))

(مسند احمد)

''اے لوگو! بیشک تمہارا معبود ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، آگاہ ہو جاؤ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، مگر افضل وہ ہے جو متقی ہے۔''

اس کے بعد عربوں کی تمام شاخوں اور قبائل کی فضیلت ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا اس کی منزلت کے برابر حق ہے۔ اگر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی راہ چھوڑ کر خواہشات اور بدعات کے پیچھے پڑ جائیں تو ان کی کوئی فضیلت اور برتری نہیں ہے۔

موالی (غلامی/اتحاد) کا مسئلہ

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور ہر قوم کا موالی (غلام/منسوب) انہی میں سے ہے):

قوم کا موالی: موالی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ **غلام**: بھلے انہیں آزادی مل گئی ہو یا ابھی تک غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہوں، ان کا اعتبار موالین میں سے ہوگا۔ ان کے مالکوں کے ان پر حقوق ہیں اور ان کے حقوق ان کے مالکوں پر ہیں۔

۲۔ **موالي** یعنی حلیف: عربوں میں یہ عادت تھی کہ قبائل آپس میں اتفاق اور اتحاد کر لیتے تھے؛ جسے حلف کہتے؛ اور قبیلہ حلیف کہلاتا ہے۔

اور کسی قوم کے حلیف لوگوں کا شمار اسی قوم میں ہوگا جب تک کہ وہ دین پر استقامت کے ساتھ قائم رہیں۔ ان کی بھی وہی فضیلت ہوگی جو اس قوم کی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وہ برگزیدہ جماعت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے مشیر اور وزیر بنانے اپنے نبی کی صحبت اور ان کے پیغام کے نشر کرنے کے لیے چن لیا تھا، نہ صرف یہ بلکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے انہیں معیار ایمان بھی مقرر کیا۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کے دلوں کو دیکھا۔ جو ان میں سب سے افضل تھے انہیں نبوت اور رسالت کے لیے چن لیا اور ان کے بعد جن کا درجہ تھا انہیں اپنے

نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چن لیا۔"

انصار کی فضیلت [رضی اللہ عنہم اجمعین]

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور انصار کی فضیلت کو جانیں):

اس سے مراد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک خاص جماعت ہے جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ جو کہ اوس وخزرج پر مشتمل تھے۔ یہی وہ جماعت مسعود تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرم رضی اللہ عنہم کو ٹھکانہ دیا، ان کی پشت پناہی کی، اور ان کی مدد میں اپنا نفس ونفیس سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کردیا اور اللہ کی راہ میں ایسے جہاد کیا جیسے جہاد کرنے کا تھا، یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آ گیا۔ اس مقدس جماعت کا ایمان وعمل اللہ تعالیٰ کو ایسا پسند آیا کہ ان لوگوں کو اس دنیا میں ہی رہتے ہوئے ہی جنت کی ضمانت دیدی؛ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

(التوبہ: ۱۰۰)

"انصار ومہاجرین میں سے پہلے پہل مسلمان ہونے والے صحابہ اور وہ جنہوں نے پورے خلوص کے ساتھ ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کررکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ایک بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔"

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ﴾ (الفتح: ۲۹)

"محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنی رسالت مآب زبان سے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اللہ اللہ! في أصحابي لا تتخذوهم غرضاً من بعدي؛ فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني)) ❶

❶ سنن الترمذی، ۳۸۶۲؛ قال ابو عیسی: غریب۔ قال الألبانی: ضعیف۔ ابن حبان: باب: فضائل الصحابہ ۷۲۵۶۔

''اللہ اللہ میرے صحابہ کو اپنی ملامت کا نشانہ نہ بناؤ، جس نے ان سے محبت کی، اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، اور جس نے ان کو تکلیف دی اس نے گویا کہ مجھے تکلیف دی۔''

یہ حکم عمومی طور پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ہے۔ جب کہ انصار کے بارے میں خاص ارشادات ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حب الأنصار آية الإيمان و بغض الأنصار آية النفاق)) ❶

''انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے، اور انصار سے بغض نفاق کی نشانی ہے۔''

اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کو برا بھلے کہنے کی ممانعت بھی صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من سبَّ أصحابي ، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين))❷

''جو میرے صحابہ کو گالی دے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت۔''

اور ایک روایت میں ہے:

((إذا رأيتم الذين يسبون أصحابى فقولوا : لعنة الله على شركم))❸

''جب ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالی دیتے ہیں تو کہو: تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔''

جہمیہ پر رد

۹۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم- رحمك الله-: أن أهل العلم لم يزالوا يردون قول الجهمية ؛ حتى كان في خلافة بني فلان تكلم الرويبضة في أمر العامة؛ وطعنوا على آثار رسول الله ﷺ ؛ وأخذوا بالقياس والرائي؛ وكفروا من خالفهم؛ فدخل في قولهم الجاهل والمغفل؛ والذي لا علم له ؛ حتى كفروا من حيث لا يعلمون؛ فهلكت الأمة من وجوهٍ؛ وكفرت من وجوهٍ؛ وتزندقت من وجوهٍ؛ وضلت من وجوهٍ؛

❶ سنن النسائی ،باب : علامة الإيمان ٥٠١٩۔بخاری ؛ باب : علامة الإيمان حب الأنصار ، ح: ١٧۔

❷ المعجم الكبير،ح: ١٢٧٠٩۔صححه الألباني في السلسلة الصحيحة ٢٣٤٠۔

سنن الترمذی الجامع الصحيح ؛كتاب الذبائح ؛ أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ؛ باب ؛ حديث : ٣٨٨٣۔

❸ سنن الترمذی الجامع الصحيح ؛ كتاب الذبائح؛ أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ حديث : ٣٨٨٣۔ قال أبو عيسى : هذا حديث منكر لا نعرفه من حديث عبيد الله بن عمر إلا من هذا الوجه و النضر مجهول و سيف مجهول۔قال الشيخ اللبانی : ضعيف جدا۔

[وتـفـرقـت] وابتدعت من وجوه؛ إلا من ثبت على قول رسول الله ﷺ وأمره؛ وأمر أصحابه؛ ولم يخطيء أحداً منهم ، ولم يجاوز أمرهم؛ ووسعه ما وسعهم؛ ولم يرغب عن طريقتهم ومذهبهم؛ وعلم أنهم كانوا على الإسلام الصحيح والإيمان الصحيح؛ فقلدهم دينه؛ [واستراح] ، علم أن الدين إنما هو بالتقليد؛ والتقليد لأصحاب محمد ﷺ .))

''اور اللہ تعالیٰ آپ رحم فرمائے ، جان لیں کہ: اہل علم ہمیشہ جہمیہ کی باتوں کا رد کرتے رہے ، یہاں تک کہ بنی فلاں (بنو عباس) کی خلافت کا دور آ گیا۔ انتہائی گرے ہوئے لوگوں نے کھلے عام لوگوں میں ان مسائل کو اچھالنا شروع کیا اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں طعن کرنے لگے اور قیاس اور رائے کو مذہب بنالیا اور اپنے مخالف پر کفر کے فتوے داغے۔ جاہل اور غافل قسم کے لوگ ان کی باتوں میں آ گئے اور وہ جن کو کوئی علم ہی نہیں ہے۔ یہاں تک وہ خود ہی جہالت کی وجہ سے ایسے کفر کے مرتکب ہو گئے انہیں اس کا علم ہی نہیں ہوسکا۔ پس امت کئی وجوہات کی بنا پر ہلاک ہوگئی ، اور کئی اسباب کی بنا پر کفر کی مرتکب ہوگئی اور کئی وجوہات سے زندیق ہوگئی اور کئی باتوں میں گمراہ ہوگئی ؛ اور کئی باتوں میں گروہ بندی اور بدعات کا شکار ہوگئی۔ سوائے ان لوگوں کے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی راہ پر ثابت قدم رہے۔ ان میں سے کسی سے آگے نہیں بڑھے اور نہ ہی ان کی راہ کو چھوڑا اور انہیں وہی بات کافی ہوگئی جو صحابہ کرام کے لیے کفایت کرتی تھی۔ ان لوگوں نے صحابہ کی راہ سے بے رغبتی نہیں برتی اور وہ یہ بات جانتے تھے کہ وہ صحیح اسلام اور حقیقی ایمان پر قائم ہیں۔ انہوں نے صحابہ کی راہ کو گلے کا ہار سمجھا اور اس کی اتباع کی اور وہ یہ بات جان گئے کہ دین اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی راہ پر چلنے میں ہے۔''

شرح : ......جہمیہ فرقہ ، جہم بن صفوان کے پیروکار ہیں جنہوں نے سب سے پہلے خلق قرآن کا مسئلہ کھڑا کیا ؛ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی علی الاعلان نفی کی۔ یہ لوگ کھلے عام قرآن میں تحریف کرنے لگے ، اور سنت رسول اللہ ﷺ کے انکار کے مرتکب ہوئے۔

اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ ایک اہم منہج اور دینی کام کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جس پر سلفِ صالحین کا عمل رہا ، یہاں تک کہ ان کی پہچان ؛ اہم اصول اور بڑا منہج (طریق کار) میں شمار ہونے لگا ؛ وہ کام اور مقصود ہے: '' مخالف (فرقوں) پر رد'' کرنا۔

اہل سنت والجماعت کے شدید ترین مخالفین اور ان کے دشمنوں میں سے ایک فرقہ جہمیہ کا ہے۔ سلفِ صالحین نے اپنی تمام تر تحریری اور تقریری توانائیاں اس فرقہ کے رد میں لگا دیں۔ سلفِ صالحین میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے باقی فرقوں پر رد کرنے میں کوئی دلچسپی ظاہری نہیں کی ، مگر جہمیہ پر رد کرنے میں انہوں نے اپنا حصہ ضرور ڈالا

ہے۔ سلفِ صالحین کا جہمی مذہب کے اصولوں کو رد کرنے پر اتفاق اور اجماع رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہمیہ کے بعد جتنے بھی فرقے پیدا ہوئے، ان سب کی جڑیں کسی نہ کسی طرح جہمیہ سے ضرور ملتی ہیں۔ اس لیے سلفِ صالحین نے گمراہ فرقوں پر رد کرنے کے لیے جہمیہ کے اصولوں پر رد کرنے کو بنیاد بنایا تھا۔ ابتدائی دور میں یہ لوگ کھل بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن بنی عباس -خلیفہ مامون- کے دور میں بعض حاکم لوگ ان سے متاثر ہوئے، اور انہوں نے بدعات کو ہوا دینے میں ان کی مدد کی۔ ورنہ نصوص کو واضح طور پر رد کرنے کی جرأت جہمیہ اور معتزلہ کے علاوہ کوئی فرقہ نہیں کر سکتا تھا اور عقیدہ کے امور میں قیاس بھی ان ہی لوگوں نے شروع کیا؛ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے مخالفین پر کفر کے فتوے لگانے لگے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ لوگ عقل اور آزادی ءرائے کے دعویدار ہیں، مگر سب سے زیادہ بیوقوف اپنے مخالفین پر کفر کے فتوے لگانے والے بھی یہی ہیں۔ بیوقوف اس لیے ہیں کہ انہیں اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ جس معاملہ کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا، اور آسمانوں سے ان پر کتابیں نازل کیں، اسے عقل سے کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے؟

اسی بنا پر کہ لوگوں کے لیے ایک دروازہ کھول دیا گیا، اور ہر جاہل و غافل کو دینی معاملات میں بغیر علم و معرفت کے باتیں کرنے کا موقع مل گیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے گزشتہ علمائے کرام پر کفر کے فتوے لگانے شروع کر دیے اور انہیں کہتے ہوئے سنا گیا کہ کوئی ایک کہتا:

''احمد بن حنبل بھی آدمی ہے، اور ہم بھی آدمی ہیں۔ وہ بھی مرد تھے، ہی بھی مرد ہیں، (امام) مالک بھی انسان تھے، اور ہم بھی انسان ہیں (تو پھر ہم ان کی بات کیوں مان لیں)۔''

جب انسان اس قدر بیباکی، شیخوخوری اور تکبر و گھمنڈ پر اتر آئے تو اس سے اللہ کی پناہ۔ ایسی باتیں کر کے انہوں نے امت پر اشتباہ پیدا کر دیا، اور دین میں بہت بڑا خلل ڈالا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی ایک بد بخت اٹھتا کفریہ کلمات بکتا اور کہتا: ''یہ ان آئمہ کے اقوال ہیں۔'' اس طرح لوگ تفرقہ بندی کا شکار ہو کر ہلاکت کے گڑھوں میں گر گئے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (سوائے ان لوگوں کے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی راہ پر ثابت قدم رہے......):

یعنی کفر اور گمراہیوں کے اس طوفان کا شکار ہونے سے وہی لوگ بچ سکے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ پر ثابت قدم رہے اور انہوں نے اپنے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو اپنے لیے، کافی سمجھا، اور اس سے تجاوز نہیں کیا اور اس بات کا پکا ایمان رکھا کہ صحابہ کرام صحیح اسلام و ایمان پر قائم تھے؛ اور ان کی راہ پر چلنے میں ہی کامیابی ہے اور جو کوئی ان کی راہ سے ہٹ کر چلے وہ اپنے لیے گمراہی کو مول خرید رہا ہے؛ تاکہ لوگ بھی اس کے پیچھے چل کر گمراہ ہوں، اور ان سب کے گناہوں کا بوجھ اس کے کندھے پر ڈال دیا جائے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ٥﴾ (النحل: ۲۵)

''آخر وہ اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ قیامت کے دن اٹھائیں گے (کیونکہ ان کا کوئی گناہ معاف تو ہوگا نہیں) اور جن لوگوں کو بے گمراہ کرتے ہیں ان کے (گناہوں کے بھی) کچھ بوجھ اٹھائیں گے سن لو کیا بُرا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔''

کوئی بھی سچا مسلمان اس میں کوئی دورائے نہیں رکھ سکتا کہ بیشک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی صحیح اسلام اور حق منہج پر تھے۔ لہٰذا کامیابی پانے کے لیے ان کی ہی پیروی کرنی چاہیے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی پیروی کو کیسے ذریعہ نجات سمجھ جا سکتا ہے جن کی کوئی ضمانت نہ ہو۔ جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے مؤمن، مخلص مسلمان اور کامیاب لوگ ہونے کی ضمانت اللہ تعالیٰ اس طرح دی ہے کہ قیامت تک سچے مسلمان اس ضمانت کو پڑھ کر اجر و ثواب کماتے رہے ہیں گے اور ان کی راہ پر چلنے کو باعث سعادت سمجھیں گے۔

قرآن کریم اللہ کی صفت اور کلام

۹۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أنَّ من قال:" لفظي بالقرآن مخلوق؛ فهو مبتدع؛ فمن سكت و فلم يقل مخلوق ولا غير مخلوق فهو جهمي ؛ هكذا قال أحمد بن حنبل رحمہ اللہ۔ وقال رسول الله ﷺ: "إنه من يّعش منكم بعدي فسيرى اختلافاً كثيراً؛ فإيّاكم و محدثات الأمور؛ فإنها ضلالة۔" و عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين وعضوا عليها بالنواجذ۔"))

جان لیجیے کہ: جس نے کہا کہ: قرآن پڑھنے میں میرے آواز-الفاظ-مخلوق ہے، وہ بدعتی ہے اور جو خاموش رہا، اس نے نہ مخلوق کہا اور نہ ہی غیر مخلوق، وہ جہمی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایسے ہی فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا؛ پس اپنے آپ کو نئے ایجاد کردہ کاموں سے بچا کر رکھو؛ بیشک یہ امور گمراہی ہیں؛ اور تم پر میری سنت کا التزام واجب ہے، اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت۔ اسے اپنے کنچلی کے دانتوں سے مضبوط پکڑلو۔''[1]

شرح: ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کلام کی صفت کو قرآن میں بیان کیا ہے اور اس معانی میں بہت ساری آیات

[1] حدیث حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کا ایک ٹکڑا ہے اور صحیح حدیث ہے۔ دیکھو: امام احمد فی مسندہ (۴/۱۲۶- ۱۲۷) و أبو داؤد کتاب لسنة باب لزوم السنة، والترمذي كتاب العلم؛ - باب ما جاء في الأخذ بالسنة، واجتناب البدع۔ وابن ماجة في المقدمة؛ باب: اتباع سنة الخلفاء الراشدين)۔ مزید جاننے کے لیے دیکھو: "المذكر والتذكير و الذكر" لابن أبي عاصم (ص ۹۸)۔

ہیں۔جن میں سے ایک یہ بھی ہے:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ (الكهف : ١٠٩)

''(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہہ دے اگر میرے مالک کی باتیں (علم وحکمت کی اور اس کی قدرت کے عجائبات) لکھنے کے لیے سمندر کی سیاہی ہو۔تو میرے مالک کی باتیں تمام ہونے سے پہلے سمندر تمام ہوجائے ۔گو اتنا ہی ایک اور سمندر ہم اس کی مدد کو لائیں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ کلمات ہیں جن سے وہ حکم دیتا ہے؛منع کرتا ہے؛ اور کائنات کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے کلمات اتنے ہیں کہ اگر سمندروں کو سیاہی بنادیا جائے ، پھر بھی وہ ختم نہ ہونے پائیں۔ اللہ تعالیٰ ازل سے ہی کلام کی صفت سے متصف ہے۔مگر ہر دور میں یہ کلام مختلف صورتوں میں اس روئے زمین پر نازل ہوتا رہا ہے۔کبھی وہ تورات کی شکل میں نازل ہوا اور کبھی انجیل اور آخر کار قرآن کی شکل میں ۔

عقلی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کے لیے کلام کی صفت ثابت ہے،اس لیے کہ کلام صفاتِ کمال میں سے ہے۔ جب، کہ اس کا الٹ نقص اور عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب سے بری ہے ۔مگر جہمیہ فرقہ کے لوگ عوام کے دلوں سے قرآن کی قدر کو ختم کرنے کے لیے مختلف قسم کے شکوک وشبہات اڑاتے رہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے ۔ جسے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ پر یا جبریل امین کے دل میں پیدا کیا ، اور پھر محمد ﷺ پر نازل ہوا ۔ایسے ہی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی دیگر کئی ایک صفات کی نفی کی ۔ یا ان میں باطل تاویل کا شکار ہوئے۔

اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ اہل سنت کے مشہور اصولوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کررہے ہیں جو کہ قرآن سے متعلق ہے۔کہ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلام کی صفت سے موصوف ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی شان کے لائق کلام کرتے ہیں اور یہ کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے جو کہ مخلوق نہیں ہے۔ یہ ان عقائد میں سے ہے جن پر سلفِ امت کا اجماع ہے۔نصوص قرآن وسنت اور قواعدِ عقیدہ کا تقاضا بھی یہی ہے۔اس عقیدہ میں مسلمانوں میں سے چند گمراہ فرقوں ؛ جیسے معتزلہ ،جہمیہ ، باطنیہ ، اور اہل کلام کے علاوہ کسی نے بھی اہل سنت کی مخالفت نہیں کی۔سلفِ صالحین نے گمراہ فرقوں پر اتمام حجت کرنے کے بعد اس عقیدہ کی وجہ سے کفر کا فتوی لگایا ہے۔

یہاں پر اہل بدعت نے ایک حیلہ نکالا کہ انسان یہ بات کہے کہ:'' قرآن پڑھنے میں میرے الفاظ مخلوق ہیں۔''

اہل سنت علماء مسئلہ کی اصلیت کو پہچان گئے کہ یہ لوگ اپنے بدعتی عقیدہ کو رواج دینے کے لیے ایسا حیلہ اختیار کررہے ہیں اور یہ جملہ کہہ کر اس میں تاویل کر کے لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے ہیں ۔ اسی لیے سلف نے ان کے بدعتی ہونے کا فتوی دیا ہے۔'' [1]

---

[1] دیکھو: ''السنة'' لعبد الله بن أحمد بن حنبل ؛ (١/١٦٣)؛ و''مسائل الإمام أحمد'' لأبي داؤد (ص ٧٦٥-٢٧١)؛ و''مجموع الفتاوی'' لابن تیمیہ رحمہ اللہ (١٢/٣٥٩-٣٦٣-٣٧٣-٣٧٥) ۔

ان اختلافات کی خبر رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے دے رکھی تھی؛ کہ: میری امت تہتر گروہوں میں بٹ جائے گی، سارے کے سارے جہنمی ہوں گے، سوائے ایک اس گروہ کے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے منہج اور عقیدہ پر قائم رہے گا۔'' جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں گزر چکا۔ یہ گروہ اہل سنت والجماعت کا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر قائم رکھے۔ آمین۔

جهمیہ کی ہلاکت کے اسباب

۱۰۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أنَّه إنما جاء هلاك الجهمية: أنهم [فكروا] في الرب [عزو جل] فأدخلوا: لـمَ؟ و كيفَ؟ وتركوا الأثر ووضعوا القياس؛ وقاسوا الدين على رأيهم۔ فجاؤوا بالكفر عياناً؛ لا يخفى أنه كفر؛ وأكفروا الخلق؛ و اضطرهم الأمر حتى قالوا بالتعطيل۔))

''اور یہ بات جان لیجیے کہ جہمیہ کی ہلاکت کیسے واقع ہوئی؟ بیشک انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچنا شروع کیا اور کیوں؟ اور کیسے؟ کو اس میں داخل کیا۔ انہوں نے حدیث کی اتباع کو چھوڑ دیا؛ اور قیاس گھڑ لیا؛ اور دین کو اپنی رائے پر قیاس کرنے لگے۔ اور وہ دیکھتی آنکھوں کھلا کفر لے کر آئے؛ ان پر پوشیدہ نہیں تھا کہ یہ کفر ہے اور (پھر الٹا) لوگوں کو کافر کہنے لگے۔ ان معاملات سے مجبور ہو کر آخر میں انہوں نے تعطیل کے قول کو اختیار کر لیا۔''

شرح: ...... یہاں پر مصنف رحمہ اللہ جہمیہ کے اصول اور ان کی ہلاکت و بربادی کے اسباب بیان کر رہے ہیں۔ جہمیہ کی ہلاکت کے بہت سارے اسباب اور ان کے خود ساختہ اصول ہیں۔ کچھ اصولوں میں انہوں نے سنت کی مخالفت کی، اور اس حق کے ساتھ معارضہ کرنے لگے؛ یہ اصول صرف انہی لوگوں کے ہیں؛ جن میں سے کچھ کا بیان کیا جا رہا ہے:

پہلی چیز: کہ وہ اپنی رائے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات، اسماء اور صفات اور افعال میں غور و فکر کرنے لگے۔ اپنی عقلوں سے غیبی امور میں دخل اندازی شروع کی۔ حالانکہ ساری مخلوقات اور بشریت مل کر اللہ تعالیٰ کے غیب کی اطلاع نہیں پا سکتی۔ اور نہ ہی کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنی عقل سے کوئی چیز قیاس کرے۔ بلکہ اس پر واجب ہوتا ہے کہ جو چیز بھی وحی کے ذریعہ سے اس تک پہنچ جائے اس پر کامل ایمان رکھے۔ کیونکہ بشری عقل اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی بھی قیاس کرنے سے قاصر ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾ (طه: ۱۱۰)

''وہ (سب) جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور لوگوں کا علم اس کو گھیر نہیں سکتا ہے۔''

دوسری چیز : جب انہوں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مخلوقات میں تدبر و تفکر ترک کے اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے عقل سے غور وفکر شروع کیا تو ان پر شبہات بھی وارد ہونے لگے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے کیوں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس صفت سے موصوف کیوں بتایا؟ اور اس طرح کے دیگر سینکڑوں شکوک وشبہات صرف منہج حق سے ہٹ جانے کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔

تیسری چیز: جب ان کے دل میں یہ شبہات پیدا ہوئے، تو ان کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے آثار۔ یعنی قرآن وحدیث اور صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال اور منہج۔ سے ہٹ کر اس کا حل تلاش کرنا شروع کیا۔

چوتھی چیز : جب ذات باری تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات میں عقلی دخل اندازی کے نتیجہ میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے، جن کے حل کے لیے انہوں نے قرآن وسنت کی طرف رجوع نہ کیا؛ تو وہ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ اپنی طرف سے قیاس کریں اور تخمینہ لگائیں۔ غائب کو شاہد پر قیاس کریں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے بارے میں قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''سوائے جسم کے کوئی چیز موجود نہیں ہوسکتی اور جسم کا وجود اجزاء ترکیبی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور جو چیز اجزاء سے مرکب ہو، اسے اپنے اجزاء کی حاجت وضرورت رہتی ہے۔ اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسب نہیں ہے کہ وہ ضرورت مند ہو۔ اس بنا پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور افعال کی نفی کی اور دین -عقیدہ- کو اپنی رائے سے قیاس کیا۔

پانچویں چیز: اس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہوئے کفر کے مرتکب ہوئے اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کا وجود صرف ذہنی ہے؛ اور کبھی کہا فقط عقلی وجود ہے، اور کبھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود مطلق اور مجرد ہے۔

چھٹی چیز : جب اس عقیدہ میں انہوں نے پوری امت کو چھوڑ کر اپنی علیحدہ سے رائے قائم کرلی؛ اور اپنی رائے کے مخالفین کو کافر کہنے لگے؛ یوں مخالفین کو کافر کہنا اور کافر سمجھنا ان کے عقیدہ کی بنیاد بن گیا۔

ساتویں چیز: کہ صفات الٰہیہ کو مطلق طور پر معطل قرار دینے لگے۔

یوں وہ اپنے باطل قیاس اور خود ساختہ کلام کی وجہ سے جان بوجھ کر ہدایت کے بدلے گمراہی پر اتر گئے، اور کفر کے مرتکب ہوئے۔ جب وہ خود کفر کا شکار ہوگئے تو اپنے دفاع کے لیے انہوں نے اہل سنت والجماعت (اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء وصفات ثابت ماننے والوں) کو کافر کہنا شروع کردیا۔

آخر کار معاملہ یہاں تک پہنچا کہ یہ لوگ ملحد اور زندیق ہو کر دین سے خارج ہوگئے۔ چونکہ جب انہوں نے یہ ایمان وعقیدہ بنالیا کہ: ''اللہ تعالیٰ نہ ہی سنتا ہے، نہ ہی دیکھتا ہے، نہ ہی اس کا کوئی ارادہ ہے، نہ ہی وہ کلام کرتا ہے، نہ ہی اس کی کوئی چاہت (مشیت) ہے، نہ ہی وہ عالم (کائنات) کے داخل میں نہ ہے؛ نہ ہی اس سے خارج ہے، نہ ہی آسمان کے اوپر ہے، نہ ہی زمین کے نیچے ہے، تو پھر وہ ہے کیا؟ اور ہے کہاں پر؟ آخر کار ان ہی اشکالات اور ابہامات کی وجہ سے کافر ہوئے۔

آپ نے دیکھ لیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں قیاس کرنے کا کیا نتیجہ نکلا؟ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

جہمیہ کے متعلق حکم

۱۰۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقال بعض العلماء -منهم أحمد بن حنبل رحمہ اللہ- : الجهمي كافر؛ ليس من أهل القبلة؛ حلال الدم؛ لا يرث و لا يورث؛ لأنه قال: لا جمعة ولا جماعة؛ [ولا عيدين]؛ ولا صدقة؛ وقالوا: "إن من لم يقل القرآن مخلوق؛ فهو كافر. واستحلوا السيف على أمة محمد ﷺ وخالفوا من كان قبلهم؛ وامتحنوا الناس بشيء لم يتكلم فيه رسول الله ﷺ ولا أحد من أصحابه؛ وأرادوا تعطيل المساجد والجوامع؛ وأوهنوا الإسلام؛ وعطلوا الجهاد؛ وعملوا الفرقة؛ وخالفوا الآثار وتكلّموا بالمنسوخ؛ واحتجوا بالمتشابه؛ فشككوا الناس في آرائهم و أديانهم؛ واختصموا في ربهم؛ و قالوا: ليس عذاب قبر؛ ولا حوض؛ ولا شفاعة و الجنة والنار لم تخلقا؛ وأنكروا كثيراً مما قال رسول الله ﷺ فاستحل من استحل تكفيرهم و دمائهم من هذا الوجه؛ لأنه من ردّ آية من كتاب الله فقد ردَّ الكتاب كله. ومن ردّ أثراً عن رسول الله ﷺ فقد رد الأثر كله؛ وهو كافر بالله العظيم. فدامت لهم المدة؛ ووجدوا من السلطان معونة على ذلك؛ ووضعوا السيف والسوط دون ذلك فدرس علم السنة والجماعة [وأوهنوهما]؛ وصارتا مكتومين لأظهار البدع والكلام فيها؛ ولكثرتهم؛ واتخذوا المجالس وأظهروا رأيهم؛ ووضعوا فيه الكتب؛ وأطمعوا الناس؛ وطلبوا لهم الرئاسة؛ فكانت فتنة عظيمة؛ لم ينج منها إلا من عصم الله. فأدنى ما كام يصيب الرجل من مجالستهم أن يّشك في دينه؛ أو يتابعهم؛ أو يزعم أنهم على الحق. ولا يدري أنه على الحق أو على الباطل؛ فصار شاكاً؛ فهلك الخلق حتى كان أيام جعفر - الذي يقال له: متوكل - فأطفأ الله به البدع؛ وأظهر به الحق؛ وأظهر أهل السنة وطالت ألسنتهم؛ مع قلتهم وكثرة أهل البدع إلى يومنا هذا. والرسم من أعلام الضلالة قد بقي [منهم] قوم يعملون بها؛ ويدعون إليها؛ لا مانع يمنعهم؛ ولا أحد يحجزهم عما يقولون ويعملون.))

بعض علمائے کرام -ان میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ہیں- فرماتے ہیں:

''جہمی کافر ہے'' وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے اس کا خون حلال ہے۔ نہ ہی وہ وراثت پائے گا، اور نہ ہی اس کی وراثت تقسیم ہوگی۔ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ''جمعہ اور جماعت واجب نہیں ہے اور نہ ہی عیدین کی نماز ہے اور نہ ہی صدقہ ہے۔ اور انہوں [جہمیہ] نے یہ بات بھی کہی ہے کہ: ''جو یہ بات نہیں کہتا کہ قرآن مخلوق ہے؛ وہ کافر ہے۔ انہوں نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کا قتل کرنا حلال قرار دیا؛ اور اپنے سے پہلے لوگوں کی مخالفت کرنے لگے اور لوگوں کو ایسی چیز کے بارے میں امتحان میں ڈال دیا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ انہوں نے (عام) مساجد او رجامع (مساجد) کو بند کرنے کا ارادہ کیا۔ اسلام کو کمزور کیا، جہاد کو معطل کیا؛ اور (امت میں) تفریق پیدا کی۔ احادیث کی مخالفت کرنے لگے اور منسوخ چیزوں کو پیش کرنے لگے اور متشابہ سے حجت پیش کرنے لگے ❶۔ لوگوں کو ان کی آراء اور دین میں شک میں ڈالنے لگے اور اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے: ''عذاب قبر نہیں ہے ❷؛ اور نہ ہی کوئی حوض اور کوثر ہے، نہ ہی شفاعت ❸۔ جنت اور جہنم پیدا نہیں کیے گئے ❹ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے فرامین کا انکار کرنے لگے۔ اس بات پر بہت سے لوگوں نے ان کا خون حلال قرار دیا۔ ❺ اس لیے کہ جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت کا انکار کیا، اس نے تمام کتاب کا انکار کیا اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا انکار کیا، اس نے تمام حدیثوں کا انکار کیا۔ ایسا انسان اللہ بزرگ و برتر کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ ایسے لوگوں کو بہت بڑا عرصہ -اپنے نظریات پھیلانے کے لیے- موقع مل گیا؛ اور حکمرانوں نے ان نظریات کی اشاعت میں ان کا ساتھ دیا۔ انہوں نے تلوار اور کوڑے کے زور پر لوگوں میں یہ دعوت پھیلائی۔ پس اس وجہ سے سنت و جماعت کا علم کمزور ہوگیا۔ بدعت اور علم کلام کے غلبہ اور کثرت کی وجہ سے یہ دونوں علم -کتاب و سنت- چھپ کر رہ گئے۔ یہ لوگ مجلسیں لگا کر اپنے نظریات کی اشاعت کرنے لگے۔ اس مسئلہ میں کتابیں لکھیں اور لوگوں کو اس میں لالچ دینے لگے اور عہدے طلب کرنے لگے۔ یہ ایک بہت ہی بڑا فتنہ تھا۔ اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکا سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا ہو۔ ان کی مجلس سے سب سے کم جس پر اثر ہوتا تھا وہ یہ کہ وہ اپنے دین میں شک کرنے لگتا، یا ان کی اتباع کرنے لگا، یا کم از کم اس کا یہ گمان ہو جاتا کہ یہ لوگ حق پر

---

❶ متشابہ پر رد گزر بھی چکا اور کچھ آگے آرہا ہے۔

❷ اس پر رد پہلے گزر چکا ہے اور عذابِ قبر اور اس کی نعمتوں؛ سوال و جواب کی تفصیل؛ اور حیاتِ برزخ کا بیان گزر چکا ہے۔

❸ اس پر رد پہلے گزر چکا ہے اور مطلق شفاعت کے برحق ہونے، شفاعت کی اقسام اور شفاعت قہری کی نفی کے تفصیلی دلائل گزر چکے۔

❹ اس پر رد پہلے گزر چکا ہے اور جنت و جہنم کی تخلیق کے تفصیلی دلائل گزر چکے۔

❺ دیکھو: ''السنۃ'' از عبد اللہ - بن احمد بن حنبل - (۱/۱۰۲-۱۰۳)۔ "الرد علی الجهمية" للدارمی (ص ۱۷۱)۔

ہیں، اور اپنے بارے میں نہ جانتا کہ وہ حق پر ہے یا باطل پر۔ سو اس طرح وہ شک کرنے والوں میں سے ہوگیا؛ سو یوں مخلوق ہلاک ہوئی۔ یہاں تک کہ (خلیفہ) جعفر کے ایام آگئے، جسے متوکل [1] کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ بدعات کو ختم کیا؛ اور حق ظاہر ہوا اور اہل سنت غالب آگئے اور ان کی زبانیں کھلنے لگیں۔ باوجود کہ اہل سنت قلت میں تھے اور اہل بدعت ہمارے آج کے دن تک کثرت میں ہیں۔ ان گمراہی کی رسومات اور اعلام میں سے ایسے امور باقی ہیں جن پر ایک قوم آج تک عمل کررہی ہے اور اس کی دعوت بھی پیش کررہے ہیں۔ نہ ہی کوئی چیز ایسی رکاوٹ بنتی ہے کہ یہ اپنی اس دعوت سے باز آئیں؛ اور کوئی روکنے والا انہیں ان کے قول اور عمل سے روک نہیں رہا۔

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (''جہمی کافر ہے'' وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے......):

یعنی اپنے اس کلام اور عقیدہ کی وجہ سے کافر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا، اور اللہ کے بارے میں اپنی طرف سے باتیں گھڑنے لگے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا بھی انکار کیا جائے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جہمیہ کے رد پر ایک کتاب لکھی ہے: (الرد علی الجہمیۃ)۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ان پر بہت زبردست رد لکھا ہے، ان کی کتاب کا نام ہے: (بیان تلبیس الجہمیۃ)۔

امام احمد بن حنبل علماء رحمہم اللہ کا فرمان کہ: ''جہمی کافر ہے۔'' اس سے مراد خاص جہمی فرقہ ہے جو کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کا خون حلال ہے، اور وہ اگر وہ مرجائیں تو ان کا مال وراثت میں تقسیم نہیں ہوگا، اور اگر ان کا کوئی رشتہ دار مرجائے تو انہیں وراثت نہیں ملے گی۔

جہمیہ کے کافر ہونے کی وجوہات

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اس لیے کہ وہ کہتے ہیں): اس پورے پیرایہ (نمبر ۱۰۱) میں مصنف رحمہ اللہ نے جہمیہ فرقہ کے، سترہ (۱۷) اُصول ذکر کیے ہیں۔ پھر ان لوگوں کے امتیازی امور بیان کیے ہیں اور مذکورہ قواعد میں جہمیہ اور معتزلہ اپنے ابتدائی دور میں بالکل مشترک تھے، ان کے اصول اور قواعد بالکل یکساں تھے۔ پھر انہی اصولوں اور قواعد پر رافضہ اور خوارج نے اپنے اپنے مذاہب کی بنیادیں کھڑی کیں۔ اس جملہ سے مصنف رحمہ اللہ نے جہمیہ فرقہ کے کافر ہونے کی علتیں اور وجوہات بیان کرنا شروع کی ہیں:

پہلی وجہ:

وہ کہتے ہیں: ''جمعہ اور جماعت واجب نہیں ہے۔'' صفوان بن جہم جمعہ کی نماز اور جماعت کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: ''ان کے لیے صرف اللہ کی معرفت ہی کافی ہے، ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ ان کے ہاں جب

---

[1] عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ؛ أبو الفضل جعفر بن المعتصم باللہ بن محمد ابن الرشید ہارون، بن المہدی بن المنصور القرشی العباسی البغدادی متوفی (۲۴۷ھ)۔ اس کے حالات زندگی جاننے کے لیے دیکھیں: "سیر أعلام النبلاء" (۱۲/ ۳۰)؛ اور "الشذرات" (۲/ ۱۱۴)۔

انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے وہ کامل ایمان والا ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزہ رکھے یا نہ رکھے۔ ایسے باقی عبادات کے متعلق بھی کہتے ہیں۔''

❀ اور ان کا کہنا ہے کہ: ''نہ ہی عیدین کی نماز ہے اور نہ ہی صدقہ ہے۔'' کیونکہ ان کے ہاں اعمال ایمان کا حصہ نہیں ہیں، صرف زبان سے اقرار کافی ہو جائے گا۔

یہ ان فرقوں -جہمیہ، معتزلہ اور اس وقت کے رافضیوں- کے وہ عقائد ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ لاعلم ہیں۔ بلکہ ہر زمانے میں لوگوں کی اکثریت ان فرقوں کی اصلیت اور حقیقت سے ناواقف ہی رہی ہے؛ اس کی وجہ ان (گمراہ فرقوں کے) لوگوں کا اپنے عقائد کو چھپائے رکھنا اور اس کے خلاف ظاہر کرنا ہے۔

مذکورہ بالا ان عقائد کا اصل سبب یہ ہے کہ مذکورہ فرقے کسی بھی حکمران - خاص کر اہل سنت - کی حکومت کو جائز نہیں سمجھتے۔ -گویا کہ وہ ان کی حکومت میں کافر حکومت کے نیچے دار حرب میں رہتے ہیں- ؛ اس وجہ سے وہ جمعہ اور با جماعت نماز اور عیدین؛ اور زکوات کو ساقط کہتے ہیں۔

دوسری وجہ:

پھر ان کے کافر ہونے کا دوسرا سبب بیان کرتے ہیں، کہ -اس فرقہ کے لوگ کہتے ہیں-: ''جو یہ بات نہیں کہتا کہ قرآن مخلوق ہے؛ وہ کافر ہے۔'' اس بلا وجہ کفر کے فتوی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود ہی کافر ہوں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((أیما امرئٍ من قال لأخیه یا کافر، فقد باءَ بأحدِهما؛ إن کان کما قال؛ و إلا رجعت علیه)) ❶

''جس بھی اپنے -مسلمان- بھائی کو کافر کہا؛ وہ دو میں سے ایک کے ساتھ لوٹتا ہے۔ اگر اس نے جیسے کہا، ویسا ہی تھا؛ -تو ٹھیک ہے-؛ ورنہ اس کی بات اس پر ہی لوٹتی ہے۔''

حدیث میں: ''وہ ان دو میں سے ایک چیز کے ساتھ واپس لوٹتا ہے۔'' مراد یہ ہے کہ یا تو وہ اس فتوی کے جاری کرنے میں سے سچا ہے، علم اور دلیل کی روشنی میں کسی کفریہ کام کے مرتکب ہونے پر یہ فتوی دے رہا ہے تو اس کا یہ حکم لگانا درست ہے اور اگر جہالت اور تعصب کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے تو گویا کہ اس کے دین اور مذہب کو غلط قرار دے رہا ہے جو اللہ کے ہاں صحیح اور درست ہے، تو اس وجہ سے وہ خود ہی کافر ہوا۔''

تیسری وجہ:

مصنف رحمہ اللہ ان کے کافر ہونے کی تیسری وجہ بیان کرتے ہیں کہ: ''انہوں نے امت محمد ﷺ کے لوگوں کا قتل کرنا حلال قرار دیا۔''

---

❶ مسلم؛ باب: حال إیمان من قال لأخیه یا کافر، ح: ۲۲۵۔ صحیح البخاري، باب: من أکفر أخاه بغیر تأویل فهو کما قال، ح: ۵۷۵۳۔

جتنے بھی باطل فرقے گزرے ہیں ان میں یہ عقیدہ مشترک رہا ہے کہ وہ اپنے مخالف کے قتل ، مسلمان حکمران کیخلاف بغاوت اور انارکی پھیلانے کو اپنے مذہب اور عقیدہ کا حصہ سمجھتے ہیں ، اور جب بھی موقع ملتا ہے وہ ایسے کر گزرتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے جرأت کرکے اپنے اس عقیدہ کا برملا اظہار کیا تھا جیسے کہ خوارج اور بعض بزدل اور گھٹیا طبقہ کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں، اور موقع مل جائے تو اس پر عمل بھی کرتے ہیں ، مگر اس کا کھل کر اظہار نہیں کر سکتے ہے؛ اس لیے ان کے عام طبقہ کے لوگ بھی اس عقیدہ سے بے خبر ہیں ، جیسے رافضی۔

اسی لیے جب ان لوگوں کو خلیفہ مامون عباسی کے دور میں پذیرائی مل گئی تو انہوں نے بہت سارے علماء کو قتل کروایا ، اور باقی کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا ، حتی کہ عوام الناس بھی ان کے شر سے محفوظ نہ رہ سکے ؛ اور اپنے آپ کو اہل سنت کہلانا ، یا اہل سنت مذہب پر ہونا ایک جرم تصور کیا جانے لگا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی واضح تعلیمات کی روشنی میں کلمہ گو مسلمان کو قتل کرنا حرام اور عند اللہ ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے جو لعنت اور ہمیشہ جہنم میں رہنے کا موجب بنتے ہیں۔ دیکھیں آیت قصاص۔

<u>چوتھی وجہ:</u>

'' اپنے سے پہلے لوگوں کی مخالفت کرنے لگے۔'' حالانکہ ان لوگوں نے براہِ رسات نزول قرآن کا مشاہدہ کیا ؛ رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر سیکھی ، اور آپ ﷺ کے سامنے کتاب الٰہی کی تعلیمات پر عمل کر کے دکھایا، تو اللہ تعالیٰ کو ان کا عمل ایسا پسند آیا کہ اس نے قیامت تک آنے والے لوگوں کو ان ہدایت یافتہ متقدمین کی پیروی کی حکم دیدیا ؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

'' اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۹۰)

'' یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔''

<u>پانچویں وجہ:</u>

'' اور لوگوں کو ایسی چیز کے بارے میں امتحان میں ڈال دیا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یا آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔''

لوگوں کو ان کے دین کے بارے میں حرج میں ڈال دیا اور کفر میں لے جانے والی باتیں کرنے لگے اور اس چیز میں لوگوں کا امتحان لینے لگے جس کا تعلق لوگوں کی مصلحتوں سے ہے۔ کسی قاضی کا فیصلہ اس وقت تک نہ مانتے جب تک وہ کفریہ عقیدہ نہ اختیار کر لیتا۔ اور نہ ہی کسی امیر- گورنر- یا حکمران کی بات مانتے۔ اور نہ ہی جمعہ کا خطبہ سنتے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات ؛ قرآن اور ان امور کے بارے میں لوگوں سے سوال و جواب اور ان کا امتحان لے کر انہیں حرج میں ڈالنا شروع کر دیا جن امور کے متعلق خود صاحبِ شریعت اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کوئی بات تک نہیں کی تھی۔ اس سے مقصود لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر کے اللہ کے دین سے دور کرنا اور اس کے خلاف نفرتیں پھیلانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو بہت سخت عذاب کی وعید سنائی ہے، فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝﴾ (البروج: ١٠)

''جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا (اور) عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا عذاب بھی ہوگا۔''

چھٹی وجہ:

''انہوں نے (عام) مساجد اور جامع (مساجد) کو بند کرنے کا ارادہ کیا۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے ان افعال کی وجہ سے لوگوں میں دین سے بیزاری پیدا ہوگئی، اور وہ دین سے دور ہونے لگے اور مسجدیں ویران ہونے لگیں اور دوسرا یہ کہ: جب کوئی انسان ان لوگوں کی مسجدوں میں چلا جاتا تو وہ اس سے، ان کفریہ عقائد کا اقرار کروائے بغیر باہر نہ آنے دیتے؛ جس کی وجہ سے لوگوں نے مسجدوں میں جانا ترک کر دیا۔ جمعہ اور با جماعت نماز کو بھی انہوں نے ساقط قرار دیا تھا- جس کی تفصیل پہلے گزر چکی -۔ حالانکہ مساجد اسلام کے قلعے ہیں، جب تک اللہ کے یہ گھر آباد ہیں؛ اسلام زندہ رہے گا؛ اور مسلمانوں کی عظمت و شوکت بحال رہے گی۔ ان گھروں کو آباد کرنا اور وہاں پر اللہ تعالیٰ کی یاد کو قائم رکھنے سچے مؤمنین کی نشانیوں میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝﴾ (التوبہ: ١٨)

''اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یہی لوگ امید ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں میں (داخل) ہوں۔''

ساتویں وجہ:

''اسلام کو کمزور کیا۔''

یعنی عقیدہ، اعمال اور دیگر وجوہات سے اسلام کو کمزور کیا؛ زندیقیت اور جہمیت کو پھیلانا شروع کیا۔ اپنے مخالف

کے کفر کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے مسلمان حکمرانوں سے جنگیں لڑیں، اورانہیں داخلی طور پر کمزور کیا۔اوران پر حملہ کرنے میں غیروں کا ساتھ دیتے رہے۔ مناظروں اور جدال کے ذریعہ سے لوگوں میں دین سے نفرت پیدا کی جو دین کے کمزور ہونے کا سبب بنی۔ لوگوں کو آپس میں لڑا کر جہاد سے موڑ لیا؛ جس کی وجہ سے اسلامی سرحدوں کی حفاظت میں کمزوری آنے لگی۔ زمین میں خوب فساد پھیلایا، لوگوں کو ناحق قتل کیا۔خصوصاً اہل سنت والجماعت کے علمائے کرام کا قتل عام کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ناحق خون بہانے اور زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا ہے۔

آٹھویں وجہ:

''جہاد کو معطل کیا۔''

اسلام جو کہ اسلام کی کوہان ہے، اور اسی سے اسلامی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کی حفاظت ممکن ہے۔ جہاد سنت انبیاء اور سلفِ صالحین کا شیوہ ہے؛ مگر ان لوگوں نے جہاد کا یا تو سرے سے انکار کردیا، یا پھر اس میں باطل تأویلیں کرنے لگے۔ اس لیے کہ یہ لوگ کافروں کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھتے، اسی بنا پر ان کے خلاف جہاد بھی نہیں کرتے، بلکہ آیاتِ جہاد کو مجادلہ و مناظرہ میں تأویل کرنے لگے۔ دشمن کے بجائے مسلمانوں سے لڑنے لگے۔قتل و غارت گری مچائی۔ اس لیے پوری اسلامی تاریخ میں دنیا بھر میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی کہ رافضیوں یا خوارج نے کبھی بھی کفار یا مشرکین سے ایک معرکہ بھی لڑا ہو۔ بلکہ انہوں نے اپنے خبیث عقیدہ کو چھپا کر اہل سنت والجماعت کی صفوں میں گھس کر ہمیشہ اسلامی حکومتوں کو نقصان پہنچایا؛ اور بڑی بڑی اسلامی حکومتیں ان کی وجہ سے ختم ہوئیں۔

نویں وجہ:

''اور (امت میں) تفریق پیدا کی۔''

قرآن وسنت سے ثابت صحیح نصوص اور دلائل کی مخالفت کرنے لگے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے گروہ بندی پیدا کرنے اور تفرقہ بازی مچانے سے منع کیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْہُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُہُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَo﴾ (الانعام: ۱۵۹)

''(قیامت ہی میں ہمارا تمھارا فیصلہ ہوجائے گا) جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور کئی فرقے بن گئے تجھ کو ان سے کچھ غرض نہیں ان کا کام اللہ کے حوالے ہے بس وہی ان کو جتائے گا جو وہ (دنیا میں کرتے رہے)۔''

دسویں وجہ:

''احادیث کی مخالفت کرنے لگے۔'' حالانکہ حدیث بھی اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ اس میں اور قرآن کے الفاظ میں اتنا فرق ہے کہ قرآن کے الفاظ پڑھنے پر جو اجر ملتا ہے، احادیث کے الفاظ پڑھنے پر وہ اجر نہیں ملتا۔ مگر اتباع

کے لحاظ سے حدیث کی بھی وہی اہمیت ہے جو قرآن کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًاo اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًاo﴾ (النساء: ۱۵۰-۱۵۱)

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کو نہیں مانتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں میں جدائی ڈالنا چاہتے ہیں (مثلاً خدا کو مانتے ہیں اور پیغمبروں کو نہیں مانتے) اور کہتے ہیں ہم بعضے پیغمبروں کو مانیں گے بعضوں کو نہیں مانیں گے اور (کفر و ایمان کے) بیچ میں ایک رستہ بنایا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ کٹے (پکے) کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

گیارھویں وجہ:

''منسوخ چیزوں کو پیش کرنے لگے۔''

ان لوگوں نے اپنی گمراہیوں کو ہوا دینے کے لیے یا تو قرآنی آیات میں تاویلات کی ہیں، یا پھر احادیث صحیحہ کا انکار کیا، یا ان کے مقابلہ میں منسوخ آیات و احادیث پیش کر کے اپنے دل کو تسلی دیتے رہے اور ان احکام سے روگردانی کی جن پر تمام امت کے علماء کا اتفاق و اجماع تھا۔ یہ لوگ انانیت کی شکار ہونے کی وجہ سے حق بات واضح ہونے کے باوجود بھی اپنے مؤقف سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے؛ چونکہ ان کا اصل مقصد ہدایت کی تلاش نہیں، بلکہ گمراہی پھیلانا اور عوام کو تشویش میں مبتلا کرنا ہے۔ لہٰذا انہیں دلیل کی حقیقت اور طریقہء استدلال سے کوئی سروکار نہیں۔

بارھویں وجہ:

''متشابہ سے حجت پیش کرنے لگے''۔

کھلے ہوئے احکام چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے چل پڑے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے ہی ایسا کرنے کو کجی اور گمراہی سے تعبیر کیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِo﴾ (آل عمران: ۷)

''اسی نے تجھ پر یہ کتاب اتاری (یعنی قرآن شریف) اس میں سے بعض آیتیں کھلی صاف مضمون کی ہیں وہ تو قرآن شریف کی جڑ ہیں (جن کو محکم کہتے ہیں) اور بعض آیتیں متشابہ مضمون کی ہیں (کئی پہلو رکھتی ہیں) پھر جن کے دل پھرے ہوئے ہیں (یعنی کج ہیں باطل کی طرف جھکے ہوئے) وہ لوگوں کو گمراہ کرنے اور اصلی

حقیقت دریافت کرنے کی نیت سے متشابہ آیتوں نے پیچھے پڑ جاتے ہیں حالانکہ اصلی حقیقت ان کی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو پکے عالم ہیں ؛ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ان پر یہ سب آیتیں (محکم ہوں یا متشابہ) ہمارے پروردگار کی طرف سے (اتری) ہیں اور جن کو عقل ہے وہی سمجھائے سمجھتے ہیں۔"

تیرھویں وجہ:

"لوگوں کو ان کی آراء اور دین میں شک میں ڈالنے لگے۔"

حالانکہ اللہ تعالیٰ اس دین کے شکوک وشبہات سے بری ہونے کا اعلان کر دیا ہے، فرمایا:

﴿قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ٥﴾ (یونس : ۱۰۴)

"(اے پیغمبر) کہہ دے لوگو اگر تم کو میرے دین می کچھ شک ہے (کہ شاید اسلام سچا دین نہ ہو) تو میں تو (کسی حال میں تم شک ہو یا یقین ہو) اللہ تعالیٰ کے سوا تم جن کو پوجتے ہوان کو پوجنے والا نہیں البتہ میں اللہ کو پوجتا ہوں جو (ایک دن) تمھاری جان لے گا (تم کو مارے گا اسی کے پاس جاؤ گے) اور مجھ کو اسی کی طرف سے) یہ حکم ہوا ہے ایمان داروں میں رہو۔"

چودھویں وجہ:

"اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کرنے لگے۔" حالانکہ فرمان الٰہی ہے:

﴿مَا يُجَادِلُ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ٥﴾ (الغافر : ٤)

"خدا کی آیتوں میں اور کوئی نہیں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں تو (اے پیغمبر) ان کافروں کا (سوا گری کے لیے) ایک شہر سے دوسرے شہر پڑے پھرنا تجھ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔"

پندرھویں وجہ:

"اور کہنے لگے: "عذاب قبر نہیں ہے؛ اور نہ ہی کوئی حوض اور کوثر ہے، نہ ہی شفاعت۔"

جب صحیح نصوص کی روشنی میں قبر کی نعمتوں اور اس کے عذاب پر ایمان، نبی کریم ﷺ کو عطاء کیے جانے والے حوض اور کوثر پر ایمان اور قیامت والے دن شفاعت پر اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مسلمہ اصولوں میں سے ہے، اور محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکا انکار کرنا کفر ہے۔ اس پر تفصیلی بحث، اور منکریں پر رد عذاب قبر اور شفاعت کے مسئلہ میں گزر چکا ہے۔

سولہویں وجہ:

"جنت اور جہنم پیدا نہیں کیے گئے"۔

اس بارے میں ان کو شبہ یہ تھا کہ اگر جنت اور جہنم پیدا کر دیے گئے ہیں تو انہیں کہاں رکھا گیا ہے۔ یہ محض عقل

پرستی تھی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور احادیث نبویہ میں جنت وجہنم کے پیداہ شدہ (مخلوق) ہونے کے بارے دلائل کا اتنا ذخیرہ ہے جس کا انکار کسی بھی عاقل کے لیے ممکن ہی نہیں ہے اور پر تفصیلی گفتگو جنت اور جہنم کی تخلیق اور موجود ہونے کے مسئلہ میں موجود ہے۔

سترھویں وجہ:

''رسول اللہ ﷺ کے بہت سے فرامین کا انکار کرنے لگے۔''

فرامین رسول ﷺ کے بارے میں جمالی طور پر کہا گیا ہے جو وحی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی ایک آیت کا انکار کیا، گویا کہ اس نے ساری کتاب کا انکار کیا۔ جس نے ایک حدیث کا انکار کیا، گویا کہ اس نے سب احادیثوں کا انکار کیا۔ ان کے قرآن وحدیث اور آثار سلف صالحین کو ترک کرنے کی وجہ سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر گمراہی کے گڑھوں میں گر گئے، اور اپنے مخالفین کی تکفیر کے ساتھ ان کا خون حلال سمجھنے لگے۔ اس وجہ سے علماء نے ان کا خون حلال سمجھا۔

یہاں سے ایک مسئلہ یہ بھی نکلتا ہے کہ جب امت کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے، یا کوئی اخلاقی، عملی، اور عقیدی بدعت پھیلنے لگے، اور اہل بدعت اس کو ہوا دے رہے ہوں تو علماء اور طلبا کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ لوگوں کو سمجھانے اور ان کے ایمان وعمل کی حفاظت کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر دیں۔ مثال کے طور پر ''عید محبت؛ عید پیدائش (برتھ ڈے)؛ اور ایمانی بدعات جیسے: ناجائز اور ممنوعہ وسائل، غیر اللہ کے لیے ذبح وغیرہ۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (ان گمراہی کی رسوم اور اعلام.....):

شر اور برائی کی کوئی انتہائی نہیں ہوتی۔ بلکہ خیر وہ شر دونوں آزمائش وامتحان کے لیے باقی رہیں گے۔ مگر کبھی حق کی مدد ہوتی ہے، اور خیر غالب آجاتی ہے، اور کبھی باطل یعنی شر غالب آجاتا ہے۔ مگر باطل کے اس غلبہ کو دوام اور بقاء نہیں، بلکہ جلدی ہی زائل ہو جاتا ہے۔

رسوم سے مؤلف رحمہ اللہ کی مراد صوفیاء کی ایک اصطلاح کا بیان کرنا ہے۔ اس رسم کی دو قسمیں ہیں: ناقص اور تام۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سابق علم میں جو چیز ازل میں جاری ہے وہی ابد تک جاری رہے گا۔ [1]

زندیقیت کہاں سے آتی ہے؟

۱۰۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أنه لم تجيء الزندقة قط إلا من همج الرعاع اتباع كل ناعق ؛ يميلون مع كل ريح ؛ فمن كان هكذا فلا دين له ـ قال الله تبارك وتعالى:﴿ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ

[1] مزید دیکھیں: "التعريفات" للجرجاني (۱۱۰-۱۱۱)؛ اور "التوقيف على مهمات التعريف" (ص ۳٦٤)، اور "معجم الفاظ الصوفية" (۱۵۱-۱۵۲)۔

بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْياً بَيْنَهُم﴾۔[جاثیه ۱۷]

و هم علماء السوء و أصحاب الطمع و البدع۔))

اور جان لیجیے کہ: ہرگز کوئی زندیقیت نہیں آتی، مگر گنوار چرواہے قسم کے لوگوں سے جو ہر آواز کے پیچھے چلنے والے ہیں۔ ہر ہوا کے ساتھ جھونکے کھانے والے۔ جس کا یہ عالم ہو، اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْياً بَيْنَهُم﴾

"تو انہوں نے جو اختلاف کیا تو علم آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے کیا۔"

اور فرمایا:" (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے۔" یہی علماء سوء ہیں۔ اور اصحاب بدعت وطمع۔

شرح: ...... زندیقیت منافقت ہے۔ اس سے مراد ہے ایمان ظاہر کر کے کفر کو پوشیدہ رکھنا۔ شروع اسلام میں زندیقوں کو ہی منافقین کہا جاتا تھا۔ یہ عام لوگوں کے درمیان رہتے تھے۔ مگر جب کبھی بھی ان کو موقع ملتا تو اپنے ناخن ظاہر کرتے، اور اہل حق کو تکلیف پہنچاتے۔

علم کا خاتمہ کیسے ہوگا؟

گنوار چرواہے سے مصنف کی مراد ایسے لوگ جو نہ ہی دین کا علم رکھتے ہیں اور نہ ہی سمجھ۔ ہر دور کے مبتدعین کا یہی حال رہا ہے۔ یہ لوگ علماء راسخین اور فقہاء مجتہدین کے ذریعہ سے اپنی بدعات کو تو داخل نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے عوام اور جاہل طبقہ کے لوگوں کو اپنی خواہشات کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ اصلاح اور خیر کے نام پر سادہ عوام کو اپنے ساتھ ملالیا۔ یہی علماء سوء کا ہر دور میں کردار رہا ہے۔ اس کی بشارت پہلے سے رسول اللہ ﷺ نے دے رکھی تھی؛ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إن اللـه لا يقبض العلم إنتزاعاً ينتزعه من العباد ، ولٰكن يقبض العلم بقبض العلماء ؛حتى إذا لم يبق عالماً اتخذوا الناس رؤوساً جهالًا ؛فَسُئِلوا ، فأَفتوا بغير علم ؛ فضلوا و أضلوا۔)) ❶

"بیشک اللہ تعالیٰ علم ایسے نہیں اٹھائیں گے کہ لوگوں کے دلوں سے چھین لیں۔ لیکن اس طرح اٹھائیں گے کہ علماء کو اٹھالیں گے۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ اپنے سردار جاہلوں کو بنالیں گے۔ ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

❶ رواه البخاري؛ باب: كيف يقبض العلم؛ ح: ١٠٠ ۔ومسلم ،باب: رفع العلم وقبضه و ظهور الجهل؛ ٦٩٧١۔

ایسے لوگ ہی طمع دار اور لالچی ہیں جو دنیاوی لالچ میں اپنی جاہ و دبدبہ کے لیے دین کو بدل دیں گے اور ایسا اکثر ہوتا ہے۔ مگر گمراہ فرقوں کی اکثریت، یا ان کی تعداد کی وجہ سے کوئی دھوکہ کھا کر ان کا ساتھ نہ دے، بلکہ حق کا ساتھ دے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَo﴾ (الانعام: ١١٦)

''اور (اے پیغمبر) اگر آپ ان لوگوں کے کہنے پر چلے جو دنیا میں (یا مکہ میں) زیادہ ہیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے یہ لوگ صرف اپنے خیال پر چلتے ہیں اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔''

اعتبار حق بات کا ہے، خواہ اس کے کہنے اور ماننے والے کتنے تھوڑے ہی کیوں نہ رہ جائیں آخر کار غلبہ ان ہی کا ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَo﴾ (البقرہ: ٢٤٩)

''ایسا بہت ہوا ہے کہ تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب ہوگئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جس کا یہ عالم ہو، اس کا کوئی دین نہیں ہے......): یعنی متذبذب (ڈگمگائے ہوئے) انسان کا کوئی دین نہیں' یہ منافقوں کی نشانی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًاo﴾ (النساء: ١٤٣)

''کفر اور ایمان کے بیچ میں ادھڑ (ڈانوں ڈول ہیں) نہ (پورے) ادھر (مسلمان) نہ (پورے) ادھر (کافر) اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کرے اس کے لیے تو کوئی راہ نہیں نکال سکتا (جس سے وہ حق پر پہنچ جاوے)۔''

یہ ہر ہوا کے جھونکے کے ساتھ لڑھک جانے والے لوگ ہیں، ان کا کوئی دین و ایمان نہیں ہے اور خود یہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔ اس کی اصل بنیادی وجہ حق اور اہل حق سے ان کا اختلاف کرنا ہے۔ اگر یہ حق کی اتباع کرتے تو کبھی بھی گروہ بندی یا تفرقہ بازی کا شکار نہ ہوتے۔

آج بھی گروہ بندی اور تفرقہ بازی کو ختم کرنے کا واحد اور کامیاب حل یہ ہے کہ لوگ قرآن وسنت کو اپنا رہبر و امام تسلیم کرلیں اور نصوص شریعت کو صحابہ کرام کے فہم اور طریق کار کے مطابق سمجھیں، اور اگر کوئی چیز عقل سے بالاتر دکھائی دیتی ہو، تو اپنی عقل کو چھوڑ کر کتاب وسنت کے سامنے سر تسلیم خم کرلیں، دنیا اور آخرت میں کامیابی کا بھید اسی میں ہے۔

حق کو ہی بقاء اور دوام ہے

۱۰۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أنه لا يزال الناس في عصابة من أهل الحق والسنة ؛ يهديهم[الله] إلى الحق؛ ويهدي بهم غيرهم ؛ ويحي بهم السنن ؛ فهم الذين وصفهم الله تعالىٰ مع قلتهم عند الاختلاف [فقال] : ﴿ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْياً بَيْنَهُمْ﴾۔فاستثناهم ؛ فقال:﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾۔ وقال رسول الله ﷺ: "لا تزال عصابة من أمتي ظاهرين على الحق ولا يضرهم من خذلهم ؛ حتّى يأتي أمر الله [وهم ظاهرون] ۔"))

جان لیجیے کہ لوگوں میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر رہے گا؛ جن کو اللہ تعالیٰ حق پر قائم رکھے گا اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دے گا؛ اور ان کے ساتھ سنتوں کو زندہ کرے گا؟ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قلت کے باوجود اختلاف کے وقت ان اوصاف سے موصوف کیا ہے[فرمایا]:

﴿ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْياً بَيْنَهُمْ﴾(البقرہ: ۲۱۳)

''اور اُس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ اُن کے پاس کھلے ہوئے احکام آ چکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انہیں مستثنیٰ قرار دیا ہے، فرمایا:

﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (البقرہ: ۲۱۳)

''وہ جس امرِ حق میں وہ اختلاف کرتے تھے اللہ نے اپنی مہربانی سے جس کے لیے چاہا اس کو اُس کی راہ دکھا دی ؛ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی ؛ اور جو انہیں رسوا کرنا چاہے گا، وہ انہیں کوئی نقصان نہیں دے سکے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے اور وہ حق پر قائم ہوں۔'' [1]

شرح: ...... مسلمان کو یہ علم اور یقین ہونا چاہیے کہ حق ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے گا وہ حق پر قائم رہیں گے؛ خواہ فتنہ اور شر جس قدر بھی بڑھ جائے؛ اور دشمن حق کو مٹانے کی جس قدر بھی کوشش کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وہ اس دین کی حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[1] رواہ مسلم(۱۹۲٤) کتاب الإمارة؛- باب قوله : لا تزال طائفة من أمتي......۔"

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ٩)

''بے شک قرآن کو ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

اور ارشادِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (الغافر: ٥١)

''اور بیشک ہم اس دنیا کی زندگی میں (بھی) اپنے پیغمبروں اور ایمانداروں کی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ (گواہی کے لیے) کھڑے ہونگے (اس دن ان کی مدد کریں گے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت بھی اسی پیرائے کے آخر میں گزر چکی ہے کہ اہل حق کا ایک گروہ ہمیشہ راہِ راست پر قائم رہے گا، اور انہیں کسی کی مخالفت کوئی نقصان نہیں دے سکے گی؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔ جو کہ ایک بہت ہی عظیم بشارت ہے۔ جب حق نے قائم رہنا ہے تو اہل حق کو چاہیے کہ وہ مشکل اوقات میں صبر کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اس دین کو مددگار عطا کرے گا؛ خواہ وہ زمین کے کسی کونے میں ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم﴾ (محمد: ٣٨)

''اور اگر تم (پیغمبر کا کہنا نہ مانو گے تو اللہ تعالیٰ تمھارے سوا دوسرے لوگوں کو بدل کر (تمھارے جگہ) لے آئے گا پھر وہ تمھاری طرح (نافرمان) نہ ہوں گے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (المائدہ: ٥٤)

''مسلمانو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے (یعنی مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جائے) تو آگے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جن سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے مسلمانوں پر مہربان کافروں پر کڑے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت اور گارنٹی ہے کہ یہ دین حق باقی رہے گا؛ اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو سامنے لائے گا جو اس دین کی مدد کریں گے۔ خطرہ دین کے ضائع ہونے کا نہیں ہے۔ بلکہ خطرہ اس بات کا ہے کہ اگر ہم نے س دین کو مضبوطی سے نہ تھاما؛ اور اس کی خاطر صبر و تحمل کا مظاہرہ نہ کیا؛ تو یہ ہم سے چھین کر دوسرے لوگوں کو دیدیا جائے گا۔

ہمیشہ علماء اہل سنت والجماعت کا کردار اور شعار رہا ہے کہ فتنوں کے دور میں بھی ان کی امیدیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نہیں ٹوٹیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین اور امید بڑھتی رہی ہے۔ اہل حق داعیان دین کو چاہیے کہ جب بھی وہ

ایسے حالات میں لوگوں کو دعوت حق دیں تو بدعات اور خرافیات اور اہل بدعت کو ایسے بڑھا کر نہ پیش کریں جس سے ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں ۔ بلکہ چاہیے کہ حقیقت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین اور امید دلائیں کہ آخر کار حق ہی غالب آکر رہے گا ،اور اللہ تعالیٰ نے حق کی نصرت و مدد کا وعدہ کر رکھا ہے اور اہل حق کبھی بھی ذلیل و رسوا نہیں ہوں گے ۔ رسوائی بدعت اہل بدعت کا ہی مقدر بنے گی ۔اگر حق و سنت کی نشر و اشاعت میں اگر ان کی موت بھی آگئی تو ان شاء اللہ اللہ کی راہ میں شہید ہوں گے اور قیامت میں اس عظیم ہستی کی ہمراہی میں ہوں گے جس کی سنت کی نشر و اشاعت اور سنت کی حفاظت میں اپنی جان بھی دے دی۔ لہٰذا اہل بدعت کے غلبہ اور زور سے انسان کو کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے ،آخر کار فتح حق کی ہی ہوگی۔

اور لوگوں کا بھی ایک ایسا گروہ موجود رہے گا جن سے اللہ تعالیٰ اس دین کی خدمت کا کام لے گا، وہ خود بھی ہدایت پر ہوں گے، اور اللہ ان کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت دے گا۔ یہی اللہ والے علماء راسخین کی صفت ہے ۔ وہ ہمیشہ لوگوں کے لیے خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہیں، اور لوگوں کو خیر و بھلائی کی دعوت دیتے ہیں ، اور برائی سے منع کرتے ہیں، اور ان پر حق بات کو واضح کرتے ہیں ۔سنت کو زندہ رکھتے ہیں اور بدعات کا قلع قمع کرتے ہیں ۔

اس کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ آج تک اہل اسلام پر کتنے مشکل ترین دور آئے مگر پھر بھی یہ دین قائم ہے ،اور ہمیشہ ہمیشہ ایسے رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں سے بنادے جو حق پر قائم اور اس کی دعوت دینے والے ہیں ۔

حقیقی علم کیا ہے؟

۱۰۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله-: أن العلم ليس بكثرة الرواية [والكتب] ؛ إنما العالم من اتبع العلم والسنن۔ وإن كان قليل العلم [والكتب]؛ ومن خالف الكتاب والسنة ؛ فهو صاحب بدعة ؛ و إن كان كثير العلم [و الكتب]۔))

''اور اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے ! جان لیجیے کہ: ''علم کتب اور روایات کی کثرت کا نام نہیں ہے۔ بیشک عالم وہ ہے جو علم اور سنت کی پیروی کرے۔ اگر چہ اس کے پاس کم علم اور کم کتب ہی کیوں نہ ہوں اور جس نے کتاب وسنت کی مخالفت کی وہ بدعتی ہے۔ اگر چہ اس کے پاس بہت سارا اور ڈھیر ساری کتابیں ہی کیوں نہ ہوں۔''

شرح: ...... علم کثرتِ روایت یا مطالعہ کا نام نہیں ، نہ ہی بہت زیادہ کتابیں ہونے سے علم آجاتا ہے۔ بلکہ علم دین کو سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کا نام ہے۔ بھلے علم کم ہی کیوں نہ ہو۔ علم بہت ہو، مگر عمل نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ۔ بلکہ ایسا علم انسان پر حجت ہے ،شاعر کہتا ہے :

علم را گر دل زنی یارے بود
علم را گر تن زنی مارے بود

''اگر علم دل سے حاصل کیا ہے (یعنی عمل کے لیے) تو یہ تمہارا مددگار ہوگا اور اگر علم صرف نمائش کے لیے ہے تو یہ سانپ ہوگا۔''

عمل کی وجہ سے علم بڑھتا بھی ہے، اس میں برکت بھی آتی ہے، اور اس کا تزکیہ بھی ہوتا ہے۔ جب کہ عمل کے بغیر علم برکت سے خالی ہوتا ہے اور اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا؛ کسی بھی تیز جھونکے کے ساتھ وہ پانسا پلٹ سکتا ہے۔ اور وہی علم انسان کے لیے وبال جان بن سکتا ہے۔

یہودی ان کے پاس بہت زیادہ علم تھا، مگر وہ عمل نہیں کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور عیسائی بغیرِ علم کے جھوٹی عبادت و پارسائی کے پیچھے لگ گئے تھے، اس وجہ سے گمراہ ہوئے ؛ ہمیں ان دونوں گروہوں سے اجتناب کرتے ہوئے حق بات کی تعلیم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ٥ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ٥﴾ (الفاتحة : ٦ـ٧)

''ان کا رستہ جن پر تو نے کرم کیا نہ ان کا جن پر غصہ ہوا اور نہ ان کا جو بہک گئے۔''

سو یہودی اہل علم تو تھے، مگر عمل نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ان کا علم انہیں کوئی کام نہ آیا۔

یہاں سے مصنف رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: ''سنت پر عمل پیرا ہونے کے لیے عالم ہونا کوئی شرط نہیں ہے، مگر بقدر ضرورت و عمل اس کا علم ضرور ہونا چاہیے۔'' لیکن سنت پر علم کے بغیر عمل ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ بدعت وہی ہوتی ہے جو کتاب و سنت کی دلیل کے بغیر دین میں کوئی چیز شامل کر لی جائے۔

علماءِ اہل سنت ہی اصل میں علماءِ راسخین ہیں جو ہر دور میں کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں علم و عمل اور دعوت کے میدان میں سرگرم رہتے ہیں۔ لیکن یہ اہل سنت ہونے کے لیے شرط نہیں ہے کہ وہ عالم ہی ہو۔ ایسا عام ان پڑھ انسان جو حق و صداقت کا ساتھ دیتا ہو، اور علماء اہل سنت کی راہ پر چلتا ہو، اور اپنے پیش آمدہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتا ہو، وہ بھی اہل سنت ہے، اگرچہ اس نے کتابیں نہیں پڑھیں اور علم نہیں حاصل کیا۔ ایسے ہی عالم ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ کتابوں کا مصنف ہو، اس کی بہت ساری تالیفات ہوں، اور کثرت سے روایات حدیث اس کے پاس ہوں۔ بلکہ اہل سنت کی تین اصناف ہیں :

پہلی قسم: علماء راسخین ؛ آئمہ ہُدیٰ ؛ جن کے ذریعہ حجت قائم ہوتی ہے۔ جو کہ اہل حل و عقد ہیں اور جن کی طرف (دینی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے) رجوع کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم: طالب علم طبقہ کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ان علماء کے منہج اور طریق کار پر پابند رہتے ہیں۔ ان کے لیے یہ لازم نہیں ہیں کہ متبحر عالم ہوں۔ جب تک یہ حق پر قائم ہیں، اہل سنت ہی رہیں گے۔

تیسری قسم: وہ عام طبقہ کے لوگ ہیں جو باجماعت نمازیں پڑھتے اور فرائض ادا کرتے ہیں اور علماء کی بات مان کر چلتے ہیں اور ان کی قدر و منزلت اور بڑائی کو مانتے ہیں اور انہیں اپنا مرجع تصور کرتے ہیں۔ جو لوگ اس ڈھنگ پر

ہوں بھلے وہ عوام ہی کیوں نہ ہوں ؛ ان کا شمار اہل سنت میں ہی ہوگا۔

اصولِ دین میں قیاس

اصول دین سے مراد عقیدہ کے مسائل ہیں ؛ جن میں قیاس نہیں کیا جاسکتا ؛ اس لیے کہ عقیدہ کے امور وحی سے براہ راست نازل ہوتے ہیں ؛ اور ان میں قرآن وسنت کی نصوص پر ہی توقف کیا جائے گا۔

۱۰۵ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

((واعلم -رحمك الله-: أن من قال في دين الله برأيه وقياسه؛ و تأويله من غير حجة من السنة والجماعة ؛ فقد قال على الله ما لا يعلم۔ومن قال على الله ما لا يعلم ؛ فهو من المتكلفين۔))

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے : جان لیجیے کہ جس نے اللہ کے دین میں اپنی رائے اور تاویل سے یا قیاس سے کہا ؛ بغیر سنت و جماعت سے دلیل لیے بغیر کوئی بات کہی ؛ یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کہی۔اور جس نے اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کہی وہ متکلفین میں سے ہے۔''

شرح : ......دین رائے زنی کا نام نہیں بلکہ اتباع کتاب وسنت دین ہے۔یہاں پر مصنف رحمہ اللہ اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کے منہج کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہ دین میں اپنی من مانی کرتے ہیں ۔اور اپنی رائے اور قیاس سے مسائل گھڑنے لگے ۔ یہاں مراد عقیدہ میں قیاس کرنا ہے جو کہ توقیفی امر ہے ، اور غیب سے تعلق رکھتا ہے ؛ جس میں قیاس شرعاً ممنوع ہے ۔ یہی اہل ھواء کا منہج ہے ۔ کہ وہ عقیدہ کے امور کو عقلی اوہام وخرافات پر قیاس کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں ، اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِباً أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ﴾ (الاعراف : ۳۷)

''اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے۔''

جب کہ شرعی مسائل میں حق بات معلوم کرنے اور دین کو سمجھنے کے لیے علماء سے رجوع کرنا ، اور ان علمائے کرام کا قرآن وسنت کی نصوص اور اجماع امت سے مسائل کا استنباط کرنا ؛ اور پیش آمدہ مسائل کو سابقہ مسائل کی علت پر قیاس کرنا نہ صرف محمود اور ماجور بہ ہے ، بلکہ اس کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے ؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (النساء : ۸۳)

''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اُس کو پیغمبر اور

اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اُس کی تحقیق کر لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی مہربانی نہ ہوتی تو چند اشخاص کے سوا سب شیطان کے پیرو ہو جاتے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ۴۳)

"اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔"

رسول اللہ ﷺ نے اہل علم کی اہمیت اور ان کا منصب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((المجتهد إذا أخطأ فله أجر، وإن أصاب فله أجران))

"مجتہد سے جب اجتہاد میں غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر، اور جب وہ صحیح نتیجہ اخذ کر لے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔" متفق علیہ۔

سنت ہی حق ہے

۱۰۶ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والحق ما جاء من عند الله [عزو جل]؛ والسنة: سنة رسول الله ﷺ؛ والجماعة: ما اجتمع عليه أصحاب رسول الله ﷺ في خلافة أبي بكر و عمر [وعثمان -رضي الله عنهم-]۔))

"اور حق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہو، یا سنت ہو، یعنی: رسول اللہ ﷺ کی سنت؛ اور جماعت: یعنی جس پر اصحابِ رسول اللہ ﷺ کا اتفاق ہو؛ حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں۔"

شـــــرح: ......حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی ہے اور پھر رسول ﷺ کی سنت۔ جو کہ آپ ﷺ اقوال، اعمال وافعال اور تقاریر پر مشتمل ہے۔ سنت نبوی بھی وحی ہوتی ہے، مگر اس کی تلاوت نہیں کی جاتی، عمل وعقیدہ میں ان دونوں (یعنی قرآن وحدیث) میں کوئی فرق نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی مرضی سے (امورِ شریعت میں) بات تک نہیں کرتے، آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ (النجم: ۳۔ ۴)

"اور نہ (اپنے دل کی) خواہش سے وہ (کوئی) بات کرتا ہے۔ اس کی جو بات ہے وہ وحی ہے جو (اس پر) بھیجی جاتی ہے۔

قرآن کو پہلی وحی کہا جاتا ہے اور سنت کو دوسری وحی؛ اور یہی دوسری وحی قرآن کی تفسیر اور بیان پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ (النحل : ٤٤)

''ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تا کہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو اور تا کہ وہ غور کریں۔'' (وضاحت کے لیے دیکھو: پیرا یہ ۱۷)

اور پھر اس کے بعد خلفاء راشدین کی سنت۔ انہیں جماعت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر زمانے کے لوگ جب حق پر جمع ہو جائیں تو وہ جماعت کہلاتے ہیں اور پھر ان کے بعد آنے والے جو لوگ ان کی راہ پر چلتے رہے وہ بھی جماعت کہلاتے ہیں۔

منہج صحابہ راہِ نجات ہے

۱۰۷ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومن اقتصر على سنة رسول الله ﷺ وما كان عليه [أصحابه و] و الجماعة ؛ فلج أهـل البدع كلها ؛ واستراح بدنه وسلم له دينه ؛ -إن شاء الله- ؛ لأن رسول الله ﷺ قال:" ستفترق أمتي۔"

وبيّـن لنا رسول الله ﷺ النـاجـي منها ، فقال: ""ما كنت أنا عليه اليوم وأصحابي ۔"فهذا هو الشفاء والبيان ؛ والأمر الواضح؛ والمنار المستنير ؛ وقال رسول الله ﷺ : إيّاكم و التعمق ، وإيّاكم و التنطع ، وعليكم بدينكم العتيق ۔"))

''جس نے خود کو سنت رسول اللہ ﷺ تک اور اس چیز تک محدود رکھا جس پر آپ ﷺ کے صحابہ کا اجماع واتفاق ہو، وہ تمام اہل بدعت پر کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنے بدن کو آرام دیا؛ اور اپنے دین کو محفوظ کر لیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:"ستفترق أمتي۔"

''عنقریب میری امت گروہ بندی کا شکار ہو جائے گی۔'' ❶

آپ ﷺ نے یہ بھی وضاحت کر دیا ہے کہ ان میں سے نجات پانے والا فرقہ کون سا ہو گا؛ سو آپ ﷺ نے فرمایا ہے:"ما كنت أنا عليه اليوم وأصحابي ۔"

''اس راہ پر چلنے والے ہوں گے، جس پر آج کے دن میں اور میرے صحابہ ہیں۔''

یہی شفاء اور بیان ہے، اور واضح امر اور روشن منارہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اپنے آپ کو تعمق (گہرائی میں جانے) سے بچاؤ، اور اپنے آپ کو تشدد سے بچاؤ، اپنے آپ پر اس پرانے

❶ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ پیرا یہ نمبر ۹۵۔

دین کو لازم کرلو۔'' ❶

شرح: ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ اہل سنت کی ایک خاص امتیازی بات کی تعلیم دے رہے ہیں؛ کہ جو کوئی علم و عمل (اور مناظرہ وہ مجادلہ) میں اپنے آپ کو کتاب و سنت تک ہی محدود رکھے اور متقدمین اہل ایمان صحابہ کرام کے منہج اور فہم کو اپنے اوپر لازم کرلے، (اجماع امت کی مخالفت نہ کرے)؛ یعنی قرآن و سنت کے دلائل ہی پیش کرے، تو اس کی حجت (دلیل) خوب مضبوط ہے، اور ایسا انسان اپنے فریق مخالف پر کامیابی پالے گا؛ اور حق اسی کے ساتھ ہو گا۔ اگرچہ اس کے مخالفت تعداد میں بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی سلف صالحین کا طریق کار تھا کہ اپنے فریق مخالف پر قرآن و سنت سے حجت قائم کردیتے تھے، اور اس سے زیادہ آگے نہیں بڑھتے تھے - کہ فلسفہ، کلام اور منطق کی باتیں پیش کریں - یہی سلامتی کا منہج ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اس نے اپنے بدن کو آرام دیا؛ اور اپنے دین کو محفوظ کرلیا):

مراد یہ ہے کہ خواہ مخواہ کی بدعات کی وجہ سے اپنے آپ کو تکلیف نہیں دی اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ سنت پر عمل کرکے اپنے بدن کو آخرت کے عذاب سے بچالیا، اور اسے آرام پہنچایا اور اپنے دین کو محفوظ کرلیا؛ اور اس میں بدعات اور شرک کو داخل نہیں کیا۔

یہ حدیث: ستفترق أمتي: اس میں پھوٹ پڑنے کی خبر تحذیر اور ڈراوے کے طور پر دی گئی ہے اور مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ ان اسباب سے بچ کر رہیں، جن سے اختلاف پیدا ہو اور اگر اختلاف پیدا ہوجائے تو پھر مخالفین کی کثرت اور ان کے جاہ وجلال سے مرعوب نہ ہوں، بلکہ حق کا ساتھ دیں اور قرآن و سنت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (یہی شفاء اور بیان ہے واضح امر اور روشن منارہ ہے......):

رسول اللہ ﷺ نے کسی چیز کو بیان اور تفصیل کا محتاج نہیں چھوڑا؛ دین کے تمام امور کو واضح کردیا؛ اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی خبر بھی دے دی۔ اس امت کی خیر خواہی کا پورا پورا حق ادا کردیا۔ اب ہم پر لازم ہے کہ ہم کتاب و سنت کو ہی اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھتے ہوئے ان پر عمل کریں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اپنے آپ کو تعمق (گہرائی میں جانے) سے بچاؤ......):

یہاں تعمق سے مراد غلو اور تشدد ہے۔ جیسا کہ جاہل صوفیاء کا طریقہ کار ہے، سارا سارا سال روزے رکھتے ہیں، پوری پوری رات عبادت کرتے ہیں۔ شادی نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ سب سنت کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور سب سے زیادہ عبادت کرنے والے تھے۔ مگر آپ روزہ بھی رکھتے، اور افطار بھی

---

❶ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، مرفوع حدیث نہیں ہے۔ اسے امام عبدالرزاق صنعانی نے اپنی ''مصنف'' (۲۵۲/۱۰) میں روایت کیا ہے؛ اور دارمی (۵۰/۱)؛ ابن نصر المروزی "السنة" (۸۵) طبرانی نے الکبیر میں (۱۸۹/۹) اور لالکائی نے "السنة" (۱۰۸) میں؛ اور بیہقی نے "المدخل" (۳۸۷-۳۸۸) میں، اور ابن عبدالبر نے "جامع بيان العلم" میں (۱۵۲/۱) میں، اور خطیب نے "الفقه و المتفقه" میں (۴۳/۱) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ☆ الشريعة ص ٤٨؛ ح: ٦٩؛ ٧٢؛ ص: ٥١: مقدمة؛ ح: ٧٥۔

کرتے ۔ راتوں کو تہجد بھی پڑھتے اور سوتے بھی تھے ۔ آپ نے شادیاں بھی کیں ، اور اولاد بھی ہوئی ۔ جس کسی نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو چھوڑ اس میں اپنی طرف سے ملاوٹ کی ، وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا ، اور نہ ہی اس کا یہ عمل اللہ کی راہ میں قبول ہوگا اس لیے کہ یہ اس کے نبی کی سنت کے خلاف ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے ۔

اور دین میں زیادہ گہرائی میں جانے سے اس لیے منع کیا کہ اس سے سنت کے تقاضے ختم ہوتے ہیں ۔ سنت کا تقاضا یہ ۔ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم آجائے تو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرلیا جائے ؛ بھلے اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور مسائل کو کریدنے سے شکوک وشبہات اور اوہام پیدا ہوتے ہیں ، جن سے ایمان کو سلامتی کو خطرات لاحق ہوتے ہیں ۔ اس لیے حکم دیا کہ گہرائی میں جانے کے بجائے سر تسلیم خم کرتے ہوئے سنت پر عمل کیا جائے ۔

دین عتیق سے مراد صحابہ کرام کے وقت کا طریق کار ہے ۔ وہ لوگ بدعات سے بچے ہوئے تھے ۔ انہوں نے دین کو پاکیزہ دلوں کے ساتھ ایسے ہی قبول کیا جیسے انہیں حکم ملا تھا ؛ اور اپنی مرضی سے اس میں قیل وقال کرکے بات کا بتنگڑ نہیں بنایا ، اور نہ ہی کسی چیز کو حقیر سمجھ کر ترک کیا ؛ بلکہ پورے کے پورے دین پر سنت کے تقاضوں کے مطابق عمل پیرا رہے ۔ اور دین کو ویسے ہی محفوظ و مامون ہم تک پہنچایا جیسے اللہ کے نبی ﷺ سے انہیں ملا تھا ۔

آج بھی کامیابی اسی میں ہے کی اسی عقیدہ وعمل کو اپنے لیے حرز جان بنایا جائے ۔

دین عتیق کیا ہے؟

۱۰۸ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أنَّ [الدين] العتيق : ما كان من وفاة رسول الله ﷺ إلى قتل عثمان بن عفان رضي الله عنه ۔ وكان قتله أول الفرقة ؛ وأول الاختلاف ؛فتحاربت الأمة ؛ وتفرقت ؛واتبعت الطمع والأهوء ۔ والميل إلى الدنيا ؛ فليس لأحد رخصة في شيءٍ أحدثه مما لم يكن عليه أصحاب رسول الله ﷺ ؛أو يكون [رجل] يدعوا إلى شيءٍ أحدثه من قبله من أهل البدع ؛ فهو كمن أحدثه ؛ فمن زعم ذلك أو قال به ؛فقد رد السنة وخالف [الحق و] الجماعة ؛ وأباح البدع ؛ وهو أضر على هذه الأمة من إبليس ۔))

"جان لیجیے کہ دین عتیق (پرانا دین) وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت تک تھا ۔ آپ کا قتل ہونا پہلی فرقہ بندی اور پہلا اختلاف تھا ۔ اس کے بعد امت آپس میں لڑ پڑی ؛ اور گروہوں میں بٹ گئی اور خواہشات اور طمع کی پیروی کرنے لگے ۔ اور دنیا کی طرف مائل ہوگئے ۔ کسی ایک کے لیے اس کی ایجاد کردہ بدعت کی رخصت نہیں ہو ، جس پر رسول اللہ ﷺ کے

ساتھی-صحابہ کرام- نہ تھے۔ یا کوئی انسان اپنے سے پہلے کی ایجاد کردہ بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو، وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ خود بدعت ایجاد کرنے والا ہو۔ جس نے [بدعت کے متعلق] ایسے گمان رکھا (کہ یہ پہلے سے چلے آنے والی سنت ہے) یا ایسے کہا؛ حقیقت میں اس نے سنت کو رد کیا؛ اور اس نے حق اور جماعت کے خلاف کیا؛ اور بدعت کو مباح جانا؛ ایسا انسان اس امت کے لیے ابلیس سے زیادہ مضر ہے۔''

شرح: ......اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ نے بعض اصول ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے:

پہلا اصول: دین وہ ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اسے عتیق- پرانا- اصلی اور اول کے معنی میں کہا گیا ہے۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر گئے ہیں۔

دوسرا اصول: امت ساری ایک ہی دین پر متفق اور قائم تھی؛ اور ان کا اجماع معتبر تھا؛ ان کا اصول ایک ہی تھا، اور ان کی جماعت ایک ہی تھی؛ یہاں تک کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں حالات سازگار نہ رہے، اور امت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکی۔ خصوصی طور پر خوارج اور شیعہ کے ظہور سے امت بٹ گئی۔ اس لحاظ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل امت میں افتراق کے لیے پہلی اینٹ ثابت ہوا۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس پیرائے کے آخر میں فرمایا ہے: ''کوئی انسان اپنے سے پہلے کی ایجاد کردہ بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو، وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ خود بدعت ایجاد کرنے والا ہو۔'' اس سے مقصود اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من سنّ في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء؛ ومن سنّ في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزره ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء)) (مسلم)

''جس نے اسلام میں کسی اچھے کام کی ابتداء کی، اس کے لیے اسکا اور ان تمام کا اجر ہے جو اس پر اس کے بعد عمل کرینگے، اور ان میں سے کسی کے اجر میں کچھ کمی نہیں ہوگی، اور جس نے اسلام میں کسی بری راہ کی بنیاد رکھی اس پر اس کا بوجھ ہے، اور ان کا بوجھ ہے جو اسکے بعد اس پر عمل کرینگے، اور ان میں کسی کے بوجھ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔''

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس انسان کو مبارک ہو جس کے مرنے کے ساتھ ہی اس کے گناہ بھی مر گئے؛ اور اس انسان کے لیے تباہی ہو جو خود تو مر جاتا ہے، مگر اس کے گناہ سو سال، اور دو سو سال اس کے بعد رہتے ہیں؛ اسے ان کی وجہ سے قبر میں عذاب ہوتا ہے، اور اس کی بابت سوال ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ گناہ روئے زمیں سے ختم نہ ہو جائے۔''

اس حدیث سے استدلال کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اندھی تقلید، کتاب وسنت کا رد اور بدعات کا ارتکاب اس حجت سے کرنا کہ ''ہمارے آباء ایسے کرتے آئے ہیں۔'' ان [بدعات کے موجدین] کے بداعمال میں اضافہ کا سبب بھی ہے،

اور خود اپنے اعمال کی بھی تباہی۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔

التزامِ جماعت کا وجوب

۰۹ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومن عرف ما ترك أصحاب البدع من السنة ؛ وما فارقوا فيه ، فتمسك به؛ فهو صاحب سنة وصاحب جماعة؛ وحقيق أن يتّبع وأن يعان وأن يحفظ۔ وهو ممن أوصى به النبي ﷺ ۔))

''اور جس نے یہ پہچان لیا کہ مبتدعین نے کونسی سنتیں ترک کی ہیں، اور ان سے علیحدہ ہوئے ہیں، اس نے ان سنتوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا؛ وہی صاحبِ سنت اور جماعت ہے اور اس بات کے قابل ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور اس کی مدد اور حفاظت کی جائے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی ہے۔''

شرح: ...... یہ بھی اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے ایک ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے ترک کردیا تھا؛ اس کے کرنے میں کوئی خیر اور بہتری نہیں ہے۔ اس لیے ہر حال میں بہتر یہ ہے کہ انسان ایسے عمل کو فوراً ترک ہی کردے۔ اس لیے کہ اہل بدعت کی بعض حرکات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی ظاہر ہوگئی تھیں، جن کا انہوں نے انکار کیا، اور ایسی حرکات کرنے والوں کو اپنی مساجد اور شہروں سے نکال دیا اور ایسے لوگوں کو سزائیں بھی دیں۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کے دور میں قدر کے بارے میں کلام کیا جانے لگا؛ جس کا انہوں نے بہت ہی سختی سے رد کیا۔

دین میں تشدد اور جھوٹا زہد اور صوفی پن بھی پیش آیا جس کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کھل کر سختی سے انکار اور رد کیا۔ ایسے ہی خوارج کے ظہور پر ان کا انکار کیا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں غلو کرنے والے ظاہر ہوئے؛ جیسے شیعہ اور روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کرتے ہیں، تو صحابہ کرام نے رضی اللہ عنہم اجمعین نہ صرف ان کا سختی سے رد کیا بلکہ انہیں سزائیں بھی دیں۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شان میں غلو کرنے والوں کو آگ میں جلایا۔

یعنی بدعت کے اصول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں بھی ظاہر ہوئے جن کا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے سختی سے رد کیا اور تقریباً ان ہی اصولوں پر ہر دور کے اہل بدعت نے اپنے عقائد کی عمارتیں کھڑی کی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جماعت (حق) کا ساتھ دینے کی وصیت کی ہے۔ جماعت وہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام تھے۔ اس وصیت پر دو باتوں سے عمل کرنا ممکن ہوسکتا ہے:

پہلی بات، علم: ...... ہم اس چیز کی تعلیم حاصل کریں جس پر آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔ جاہل

انسان جس کو سنت کا پتہ ہی نہ ہو، وہ تو اپنے مخالف کے ظاہری تقوی کے لبادے یا اس کی چکنی چپڑی باتوں کا شکار ہوسکتا ہے۔

دوسری بات، صبر:...... دین پر صبر کے ساتھ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔اس لیے کہ جوکوئی سنت پر عمل کرے گا اسے لوگ حقارت کی نظروں سے بھی دیکھیں گے، اس کا مذاق بھی اڑائیں گے، اس پر پھبتیاں بھی کسیں گے، اور اسے مختلف قسم کے گمراہ لوگوں کی طرف سے دھمکیاں بھی ملیں گی، جانی و مالی خطرات کا اندیشہ بھی ہوگا؛

ہے شہادت گاہِ الفت میں قدم رکھنا
لوگ سمجھتے ہیں آسان مسلمان ہونا

ان سارے مراحل میں کامیاب وہی انسان ہوگا جو اللہ کے دین کے لیے صبر واستقامت کا کڑوا بھونٹ بھرے گا۔

بدعت کے اصول

۱۱۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلموا- رحمكم الله -: أن أصول البدع أربعة۔ انشعب من هذه الأربعة اثنان [سبعون] هوى۔ ثم يصير كل واحد من البدع [يتشعب]؛ حتى تصير كلها الفين و ثمان مائة قالة۔ وكلها ضلالة وكلها في النار إلا الواحدة: وهو من آمن بما في هذا الكتاب؛ واعتقده من غير ريبة في قلبه؛ ولا شكوك؛ فهو صاحب۔ وهو الناجي -إن شاء الله تعالى-۔))

''اور جان لیجیے- اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے-: بدعت کے چار اصول ہیں: ان چار سے بہتر خواہشات نفس پھوٹ پڑی ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک خواہش تفریق ہوتی رہی؛ یہاں تک کہ اٹھائیس سو گروہ بن گئے۔ یہ سب کی سب گمراہی ہیں، اور سب کی سب جہنم میں ہیں۔سوائے ایک کے۔یعنی وہ لوگ جو اس کتاب کی تعلیمات پر ایمان لائے؛ اور اپنے دل میں کسی شک و شبہ کے بغیر اس کا اعتقاد رکھے؛ یہی اہل سنت ہے؛ اور ناجی فرقہ ہے؛ إن شاء اللہ۔''

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ نے اس پیرائے میں بیان کیا ہے کہ: اہل سنت والجماعت کا امتیازی وصف یہ رہا ہے کہ وہ بدعت اور اہل بدعت دونوں سے دور رہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اہل بدعت کے چار اصولوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن پر ان کی بنیاد قائم ہے۔

۱۔ اشخاص میں غلو اور ان کی تقدیس۔ جیسے کہ شیعہ اور روافض کا شیوہ ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد سب سے پہلے اسی فرقے کا ظہور ہوا۔ جنہوں نے نعرہ بلند کیا کہ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کر کے ان سے خلافت چھین لی تھی۔ اس وقت سے شیعیت کی بنیادیں پڑیں، اور پھر ان سے آگے مزید فرقے نکلتے گئے۔ جن کی کچھ شاخیں یہ ہیں:

شیعہ کا پہلا فرقہ

افضلیتی (مفضلہ) شیعہ: وہ لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں، حتی کہ حضرت ابو بکر و عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر بھی۔ انہیں مفضلہ کہا جاتا ہے (اردو میں انہیں افضلیتی کہتے ہیں)۔

لیکن یہ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تنقید نہیں کرتے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں۔ یہ بھی ان کی غلطی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ باقی تین خلفاء سے افضل نہیں ہیں، بلکہ افضلیت میں بھی ان کا وہی نمبر ہے جو خلافت میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ان لوگوں کو سزا دینے کی دھمکی دی تھی جو انہیں حضرات شیخین جناب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل شمار کرتے تھے۔

دوسرا فرقہ

ان کا کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور آپ کے وصی ہیں۔ آپ ہی باقی لوگوں سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ظلم اور غصب تھا۔ صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کر کے ان کا حق چھینا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی گمراہ قسم کے عقائد و اقوال اس گمراہ فرقہ کی نشانی ہیں۔

تیسرا فرقہ

انہیں غالی شیعہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا ایمان ہے کہ نبوت و رسالت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھی؛ مگر جبریل امین نے خیانت کی؛ اور اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی ہوتے۔

چوتھا فرقہ

یہ فرقہ گزشتہ تمام فرقوں سے بڑھ کر گمراہ ہے۔ ان کا کہنا ہے: ''بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہی خدا (اللہ) ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں آگ میں جلایا تو کہنے لگے: ''اب ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ آگ سے عذاب آگ کے رب کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔''

۲۔ **عبادت میں غلو:** جیسا کہ خارجیوں کے مذہب ہے، اور وہیں سے ریاء کار صوفیوں نے لیا ہے۔ خوارج یا خارجی وہ لوگ ہیں جو مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور شرک سے کم درجہ کے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کا خون بہانا جائز اور حلال سمجھتے ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث پیرایہ نمبر ۳۱ اور دوسرے کئی پیراؤوں میں گزر چکی ہے۔ اور آگے بھی آرہی ہے۔

۳۔ **تقدیر میں کلام:** جو کہ قدریہ کا مذہب ہے۔ اسلام سے الگ ہونے والے فرقوں میں سے ایک فرقہ قدریہ کا ہے۔ یہ لوگ تقدیر کے منکر ہیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں:

قدریہ جبریہ

جو انسان کو مجبور محض کہتے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے جو کچھ انسان کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، وہ ہر صورت میں ہو کر رہے گا، انسان کو عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

قدریہ نفاۃ (منکر)

نفاۃ کا معنی ہے: نفی کرنے والے۔ ان میں معتزلہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا کہنا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے کوئی عمل نہیں پیدا کیا، انسان خود اپنے عمل پیدا کرتا ہے۔ جب کہ قدریہ جبریہ کہتے ہیں کہ انسان کا فعل اصل میں اللہ تعالیٰ کا فعل ہے؛ اور انسان اپنے قول و فعل میں مجبور ہے، اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں۔

چونکہ دونوں گروہ تقدیر میں کلام کرتے تھے، اس لیے دونوں کو قدریہ کہا گیا۔ پھر ان دونوں گروہوں سے بہت سی شاخیں نکلی ہیں۔ جن کی تفصیل کا موقع یہاں پر نہیں۔

۴۔ **ایمان میں خلل اور کلام:** جیسا کہ پرانے مرجئیہ کا مذہب ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک سے کئی ایک فرقے نکلے، اور ان کی اتنی تعداد ہوگئی کہ آسانی سے ان کا شمار ممکن نہ رہا۔ ان لوگوں کو مرجئہ کہا گیا۔ ان کی بھی کئی اقسام ہیں:

المرجئه

مرجئہ وہ لوگ ہیں جو اعمال کے ایمان میں داخل ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ ان کے اس قول کے مطابق انسان اگر نیکی کا کوئی ایک عمل بھی نہ کرے تب بھی وہ مؤمن ہے۔ انہیں مرجئہ کہا گیا، جو کہ ارجاء سے ماخوذ ہے؛ جس کا معنی ہے: تاخیر۔ چونکہ ان لوگوں نے عمل کو ایمان سے مؤخر کر دیا تھا؛ اس لیے انہیں مرجئہ کہا گیا۔ ان کی بھی کئی اقسام ہیں:

الجهميه

ان کا کہنا ہے کہ ایمان صرف دل کی معرفت کا نام ہے، زبان سے اقرار کرنا یا عمل کرنا کوئی ضروری نہیں۔ ان کے اس قول کے مطابق فرعون بھی مؤمن ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کو دل سے جانتا تھا مگر تکبر، نخوت اور حکومت کی وجہ سے زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتا تھا۔

اشاعرہ

ان کا کہنا ہے ایمان دل سے پختہ اعتقاد رکھنے کا نام ہے، اگرچہ زبان سے اقرار نہ کرے، اور نہ ہی اپنے اعضاء سے کوئی عمل کرے۔ ایمان کے لیے دل میں یقین رکھ لینا کافی ہے۔

کرامیہ

ان کا کہنا ہے ایمان زبان سے اقرار کا نام ہے، بھلے وہ دل سے یقین رکھے یا نہ رکھے۔ بس کسی طرح بھی زبان سے، اقرار کرلیا تو وہ مؤمن ہوگیا۔ ان کے اس قول کے مطابق بڑے بڑے منافق عبداللہ بن ابی وغیرہ سب مؤمن تھے، اس لیے کہ وہ زبان سے اقرار کرتے تھے، اگر چہ ان کے دل شک وشبہ میں گرفتار تھے، یا کفر چھپائے ہوئے تھے۔

مرجئہ فقہاء

ان کا کہنا ہے کہ ایمان دل سے پختہ یقین اور زبان سے اقرار کا نام ہے، اگر چہ وہ کوئی بھی عمل نہ کرے۔

ان سب کا اتفاق ہے کہ عمل ایمان میں داخل نہیں ہے۔ لیکن ان کے مختلف گروہ کا زبان سے اقرار اور دل سے یقین کے بارے میں اختلاف رہا ہے۔

جب کہ اہل سنت والجماعت جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے چن لیا ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝﴾ (البقرہ: ۲۱۳)

"(پہلے) لوگ ایک ہی طریق (دین) پر تھے (پھر لگے اختلاف کرنے) تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا (مومنوں کو) خوشخبری سناتے ہوئے اور (کافروں اور بدکاروں کو) ڈراتے ہوئے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری اس لیے کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ کر دے اور صاف صاف حکم پہنچنے کے بعد آپس کی ضد سے انھی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو یہ کتاب (اختلاف مٹانے اور دور کرنے کے لیے) دی گئی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کر رہے تھے سچی بات کی راہ بتلا دی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سچی راہ بتلاتا ہے۔"

اہل سنت والجماعت کا ایمان ہے کہ: "ایمان دل سے یقین، زبان سے اقرار، اور اعضاء (جوارح) سے عمل کا نام ہے۔ نیک عمل کرنے سے ایمان بڑھتا ہے، اور نافرمانی کے کاموں سے گھٹتا ہے۔"

اس پیرائے کے آخر میں مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: "اور اپنے دل میں کسی شک وشبہ کے بغیر اس کا اعتقاد رکھے۔"

مذکورہ عبارت دین کا ایک اہم ترین اصول ہے کہ اپنے دین اور عبادت کے برحق ہونے اور دوسرے ادیان کی عبادت اور دین کے باطل ہونے پر پختہ یقین ہو، ورنہ انسان کی عبادت اسے ہرگز کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾ (الحجرات: ١٥)

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور پھر شک وشبہ نہ کریں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سچے ایمان کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ مومن کا ایمان ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہو۔ کیونکہ شک کرنا منافقین کی صفت ہے نہ کہ مومنین کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله ، لا يلقي الله بهما عبد غير شاكٍ فيهما دخل الجنة۔)) (مسلم)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ؛ اور میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں ؛ یہ دو گواہیاں ایسی ہیں کہ جو انسان ان دو گواہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملتا ہے کہ اسے ان کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا، تو وہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا۔''

بدعات کا سدِ باب کیسے ممکن تھا؟

۱۱۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله -: لو أن الناس وقفوا عند محدثات الأمور ؛ ولم يتجاوزوها بشيءٍ [و] لم يولدوا كلاماً مما لم يجيء فيه أثر عن رسول الله ﷺ و لا عن أصحابه ؛ لم تكن البدعة۔))

''اور جان لیجیے - اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے -: ''اگر لوگ نئے ایجاد کردہ کاموں سے رک جائیں ؛ اور اس سے آگے ذرا بھر بھی نہ بڑھیں ، اور ایسا کلام نہ ایجاد کریں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں ہے، اور نہ ہی صحابہ کرام سے، تو بدعت نہ پھیلے۔''

شرح: ......یعنی لوگ اگر قرآن وسنت اور منہج سلفِ صالحین پر اکتفا کرلیں ، اور اس سے آگے نہ بڑھیں ، اور اہل بدعت اور ان کی بدعات کو ترک کردیں ، نہ ہی ان کی تصدیق کریں اور نہ ہی ان لوگوں کی پیروی کریں تو بدعت نہ پھیلے ؛ وہ خود بھی نجات پالیں اور سنت بھی محفوظ ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله)) (مسلم)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ، جب تک ان پر مضبوطی سے کاربند رہو گے گمراہ نہیں ہو گے ، وہ ہے ، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔''

اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان سنت کا علم حاصل کرے اور پھر اس پر عمل بھی کرے اور بدعت اور اہل بدعت سے بچ کر رہے اور علم شرعی کے سلیم اصولوں پر چلتا رہے۔

کفر اور اسلام کے درمیان فاصلہ

۱۱۴ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله -: أنه ليس بين العبد وبين أن يكون مؤمنا حتى يصير كافراً؛ إلا أن يجحد شيئاً مما أنزله الله تعالىٰ؛ أو يزيد في كلام الله أو ينقص، أو ينكر شيئاً مما قال الله [عزو جل]، أوشيئاً مما تكلم به رسول الله ﷺ۔فاتق الله -رحمك الله-وانظر لنفسك، وإياك والغلو في الدين؛ فإنه ليس من طريق الحق في شيء۔))

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے- جان لیجیے کہ: ''بندہ کے درمیان اور اس کے مومن ہونے کے درمیان یہاں تک کہ وہ کافر ہو جائے، کوئی چیز نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کسی چیز کا انکار کرے۔ یا اللہ تعالیٰ کے کلام میں کچھ زیادہ کرے؛ یا کم کرے، یا اللہ تعالیٰ کے فرامین میں سے کسی چیز کا انکار کرے؛ یا کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ سے ڈریے- اللہ آپ پر رحم کرے- اپنے نفس پر غور و فکر کیجیے؛ اور اپنے آپ کو دین میں غلو سے بچائیے۔ کیونکہ غلو میں راہِ حق میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔''

شرح: ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ نواقض اسلام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔اور اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان چند باتوں کا فرق ہے۔ یہ باتیں قلبی بھی ہوسکتی ہیں، اور لسانی بھی، یا ظاہری اعمال میں بھی۔

کفر کی مثالیں

قلبی کفر یعنی زبان سے اقرار تو کرتا ہے، مگر دل میں اس کا یقین نہیں ہے، جیسا کہ منافقین کا رویہ اور عمل تھا؛ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ﴾ (الفتح: ۱۱)

''اپنی زبانوں سے وہ باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔''

اور قولی کفر کی مثال: دین کا ٹھٹھہ اڑانا اور شکوک و شبہات پھیلانا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ

تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ﴾ (التوبہ: ٦٥)

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو وہ ضرور کہیں گے: ہم تو آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ آپ فرمادیں: کیا اللہ، اس کی آیات، اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے۔''

کفریہ کلام: جیسے غیر اللہ کو اپنا حاجت رواء اور مشکل کشا سمجھ کر پکارنا، ان کے نام کی دھائی دینا، اور ان ما فوق الاسباب امداد طلب کرنا۔ یہ سب شرک اور کفریہ کلام ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَ كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ﴾ (التوبة: ٧٤)

''حالانکہ بلاشک وہ کفر کی بات کہہ چکے اور اسلام لانے کے بعد (یعنی اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد) پھر وہ کافر بن گئے۔''

کفریہ افعال

جیسے کہ کوئی غیر اللہ کے لیے ذبح کرے، یا غیر اللہ کے نام کی نذر نیاز مانے، یا غیر اللہ کے لیے سجدہ کرے۔ یہ سارے کفریہ اور شرکیہ امور ہیں جن سے نیک اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔

شکوک وشبہات

جیسے کہ کوئی انسان پورے قرآن کے صحیح ہونے کے بارے میں شک کرے، یا قرآن کی کسی ایک آیت کے بارے میں شک کرے۔

مذکورہ بالا امور ارتداد (مرتد ہو جانے) کے اصول ہیں۔ جن کی اصل چار چیزیں ہیں:

قول فعل

اعتقاد شک

ان کے علاوہ بھی بہت سارے امور ہیں جن کے کرنے سے کفر لازم آتا ہے۔ فقہاء کرام نے اس بارے میں فقہی کتابوں میں پورے پورے ابواب لکھے ہیں۔ بعض علمائے کرام نے ان پر مستقل تصانیف لکھی ہیں؛ جیسے محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ کی کتاب: ''نواقض الاسلام'' اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی کتاب ''اکفار الملحدین۔''

اس سے ظاہر ہوا کہ کفر کے لیے کوئی لمبے پاپڑ نہیں بیلنے پڑتے، اور نہ ہی اس کی راہ میں کوئی بڑی رکاوٹیں ہیں۔ بیشتر اوقات چند لحظات میں کفر صادر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ کبھی انسان بغیر عمد کے بھی کفریہ حرکت کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اس لیے مسلمان کو ہر دم بچ کر رہنا چاہیے؛ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے جو دعا نبی کریم ﷺ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے:

((یا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك و طاعتك))

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دن اور اطاعت پر ثابت رکھ۔''

ایسے فعل کفر کی وجہ سے انسان پر کفر کا فتوی لگانے میں جلدی نہیں کی جائے گی۔ جب تک اس کی جہالت کو ختم نہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد بھی اگر اپنے فعل پر مصر رہے تو اس کے کفر کا فتوی لگایا جائے گا۔

کفریہ امور/ اسلام کو توڑنے والے امور میں سے سارے قرآن یا قرآن کی کسی ایک آیت اک انکار کرتا ہے۔ یا کسی معلوم اور ثابت شدہ حدیث کا انکار کرتا ہے، یا کسی حدیث یا آیت کے بارے میں شک کرتا ہے، اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

اپنے دین و ایمان کو سلامت رکھنے اور نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان پورے کے پورے دین پر بغیر کسی شک وشبہ اور تردد کے ایمان لائے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ لا إلہ إلا اللہ کی شہادت نہ دیں؛ اور '' مجھ پر اور جو دین میں لے کر آیا ہوں، اس پر ایمان نہ لے آئیں'' جب وہ اس کو اختیار کر لیں گے، تو ان کو (مسلمانوں کی طرح) احکام شریعت کے مطابق جان و مال کی امان حاصل ہوگی، بجز اسلامی حقوق کے؛ باقی ان کے دلوں کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے (کہ وہ دل سے ایمان لائے ہیں، یا کسی خوف اور طمع سے)۔'' ❶

مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت کا جو بھی شخص خواہ یہودی ہو یا عیسائی، میری بعثت کی خبر سن کر میری نبوت اور اس دین پر، جو میں لے کر آیا ہوں؛ ایمان لائے بغیر مر جائے گا، وہ جہنمی ہوگا'' ❷

ان احادیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح باقی لوگوں کے لیے ضروری ہے، کہ وہ کامیابی کے لیے رسالت محمد پر ایمان لائیں، ایسے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ پورے دین پر ایمان رکھیں۔

نصیحت مصنف

۱۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وجميع ما وصفت لك في هذا الكتاب فهو عن الله [تعالى]؛ و عن رسول الله ﷺ وأصحابه وعن التابعين ، و[عن] القرن الثالث إلى القرن الرابع.))

❶ مسلم ؛ باب: أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله ، ح: ١٣٥۔

❷ مسلم ، باب: وجوب ايمان برسالة نبينا محمد ﷺ ح: ٤٠٣۔

''وہ تمام باتیں جو آپ کے لیے میں نے اس کتاب میں بیان کی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ کی طرف یا آپ ﷺ کے صحابہ اور تابعین کی طرف سے ہیں، اور ان کے بعد تیسری اور چوتھی صدی کے لوگوں سے۔''

شرح: ......یعنی اس کتاب میں جو کچھ عقیدہ کے امور میں بیان ہوا ہے، وہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ ہے، اس میں کوئی بھی چیز مصنف نے اپنی طرف سے داخل نہیں کی۔ بلکہ وہی کچھ ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کاربند تھے۔ اور ان کے بعد تابعین کے ہاں اسی پر عمل رہا۔ یہی وہ تین زمانے ایسے ہیں جن کے بہترین ہونے کی ضمانت زبان رسالت مآب سے ملی ہے اور پھر جو لوگ ان کے بعد آئے اور احسان (بھلے طریقہ) کے ساتھ ان متقدمین کی اتباع کرتے رہے، اور اپنی طرف سے کوئی چیز اللہ کے دین میں داخل نہیں کی۔

کتنے ہی لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین /سلف صالحین کی راہ پر چل رہے ہیں، حالانکہ ایسا ہوتا نہیں، اور نہ ہی وہ لوگ قرآن و حدیث کو صحیح طرح سے سمجھ سکے ہوتے ہیں۔ جب کہ اہل سنت والجماعت کا مسلمہ اصول ہے کہ قرآن و حدیث کو فہم صحابہ کے مطابق ہی سمجھا جائے گا اور اس کی مخالفت نہیں کی جائے گی۔

عقیدہ کی دعوت

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فاتق الله ياعبد الله ! وعليك بالتصديق و التسليم و التفويض؛ [والرضى] لما في هذا الكتاب ؛ ولا تكتم هذا الكتاب أحداً من أهل القبلة ، فعسى يرد الله [حيرانا] عن حيرته ؛ أو صاحب بدعة من بدعته ؛ أو ضالا عن ضلالته؛ فينجو به۔ فاتق الله و عليك بالأمر الأول العتيق۔ وهو ما وصفت لك في هذا الكتاب۔ -فرحم الله عبداً ، ورحم والديه - قرأ هذا الكتاب ، وبثه و عمل به؛ ودعا إليه و احتج به ؛ فإنه دين الله و دين رسوله ﷺ .))

''اے اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ سے ڈریے؛ آپ پر ان کی تصدیق کرنا، اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اور باقی معاملات کو اللہ کے سپرد کر دینا؛ اور جو کچھ اس کتاب میں ہے، اس پر راضی رہنا واجب ہے۔ بس اس کتاب کو اہل قبلہ میں سے کسی سے مت چھپاؤ، شاید کہ اللہ کسی حیران کو اس کی حیرانی سے نجات دے؛ یا بدعتی کو اس کی بدعت سے نجات دے؛ یا گمراہ کو اس کی گمراہی سے بچا لے اور اس طرح وہ کامیاب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو! آپ پر وہی پرانا اسلام واجب ہے۔ جس کے بارے میں اس کتاب میں آپ کے لیے بیان کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس انسان پر اور اس کے والدین پر رحم کرے، جس نے یہ کتاب

پڑھی ؛ اور اسے آگے پھیلایا، اور اس پر عمل کیا ؛ اور اس کی طرف دعوت دی اور اس سے حجت پکڑی ۔سو بیشک یہ اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا دین ہے۔''

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ فرمارہے ہیں کہ: اے اللہ کے بندے ! اس کتاب میں ذکر کردہ کسی چیز کو جھٹلانا نہیں، بلکہ اس کی تصدیق کرنا اور اس پر راضی رہنا۔ اس لیے کہ اس کے تمام مسائل کتاب وسنت سے لیے گئے ہیں۔ خود بھی اس کتاب کے کسی مسئلہ کے بارے میں تردد نہ کرنا اور نہ ہی یہ کتاب کسی مسلمان سے چھپانا۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے کسی کو ہدایت دیدے۔ یہی علم نافع اور کتاب نشر کرنے کا فائدہ ہے کہ حق کے متلاشی کو حق مل جائے۔

یا کسی بدعتی اور گمراہ کے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت لکھ دی ہو، اور اس کتاب کا اس تک پہنچنا راہِ حق پر آنے کا سبب بن جائے ،اور اسے اس کی بدعت اور گمراہی سے نجات مل جائے ۔ اس لیے واجب ہوتا ہے کہ تمام فائدہ مند کتابیں خصوصاً عقیدہ کی کتابیں لوگوں میں تقسیم کی جائیں اس لیے کہ بہت سارے لوگ جہالت کا شکار ہوتے ہیں ، اگر ان کے لیے حق بات واضح کردی جائے تو وہ اسے قبول کرنے میں تأمل کا شکار نہیں ہوتے ؛ بلکہ وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈریے ؛ اور اپنے آپ پر اسی پرانے دین کو لازم کرلیں ، وہ پرانا دین جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں تھا۔ جب آپ کے سامنے کسی اختلافی مسئلہ میں بہت سارے اقوال پیش کیے جائیں تو دیکھیں کہ سلفِ صالحین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کس چیز پر تھے؛ آپ بھی اسی کو اپنائیں، کامیابی اسی میں ہے۔

اس کتاب میں اہلِ سنت والجماعت کے جو اصول اعتقاد ذکر کیے گئے ہیں ؛ جو انسان ان کو پھیلائے ، اور ان کی طرف دعوت دے ، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت اور برکات نازل کرے، اور اس کتاب کے مصنف ، شارح ؛ مترجم ؛ ناشر اور قاری سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فإنه من استحل شيئاً بخلاف ما في هذا الكتاب ؛ فإنه ليس يدينه الله بدين۔ وقد ردّه كله ، كما لو أن عبداً آمن بجميع ما قال الله تبارك و تعالى؛ إلا أنه شك في حرف ؛ فقد رد جميع ماقال الله تعالىٰ؛ وهو كافر۔ كما أن شهادة " أن لا إله إلا الله " لاتقبل من صاحبه؛ إلا بصدق النية وإخلاص وتصديق۔ ومن ترك من السنة شيئا؛ فقد ترك السنة كلها۔ فعليك بالقبول؛ ودع عنك المحك واللجاجة ؛ فإنه ليس من دين الله في شيءٍ۔ وزمانك خاصة زمان سوء فاتق الله۔))

''جس نے اس کتاب کے خلاف کسی چیز کو حلال سمجھا ، سو بیشک وہ آدمی اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے دین کی فرمانبرداری نہیں کررہا۔ حقیقت میں اس نے اس سب کو رد کردیا ہے ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی انسان اللہ

تعالیٰ کے تمام فرامین پر ایمان لائے ؛ سوائے ایک حرف کے ؛ اس میں وہ شک کرے ۔تو اس نے تمام کتاب اللہ کو رد کیا؛ وہ کافر ہے۔ جیسا کہ ''لا إلہ إلا اللہ'' کی شہادت ،صدق نیت ؛ اخلاص ؛ اور یقین سے ہی قبول ہوتی ہے ۔ ایسے ہی سنت کے بعض امور ترک کر کے بعض سنت قبول نہیں ہوتی ۔ جس نے سنت میں سے کچھ بھی چیز ترک کی ، اس نے ساری سنت ترک کی ۔ آپ پر واجب ہے کہ اس کو قبول کریں ۔ بس جھگڑا وجدال ترک کردیجیے ۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے دین میں سے کوئی چیز نہیں ہے اور خاص کر آپ کا زمانہ برائی کا زمانہ ہے، بس اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہیے۔''

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جس نے اس کتاب کے خلاف کسی چیز کو حلال سمجھا......):

وہ اہل سنت والجماعت کے منہج سے خارج ہوگیا۔ اس کا شمار گمراہ فرقوں کے ساتھ ہوگا۔ حق وہی ہے جس پر صحابہ کرام تھے، جیسا کہ اس کتاب میں بار بار واضح کیا جاچکا ہے اور جب مختلف امور آپس میں گھل مل جائیں ، اور حق کی تمیز کرنی مشکل ہوجائے، اور ہر ایک فرقہ اپنی اپنی طرف بلانے لگے تو واجب ہوجاتا ہے کہ انسان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرے، اور دیکھے کہ صحابہ کرام کس چیز پر قائم تھے۔ اس لیے کہ حق واضح ہے، اور ہدایت کی راہیں روشن ہیں ؛ اب گمراہی ان ہی لوگوں کا مقدر ہوسکتی ہے جو اخلاص قلب کے ساتھ اس کے طلب گار نہ ہوں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؛

﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰى ٥ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ٥﴾ (طٰہٰ: ١٢٣-١٢٤)

''پھر اگر میری طرف سے تم پر ہدایت آئے (میرا پیغمبر آئے یا میرا کلام) تو جو کوئی میری ہدایت پر چلنے وہ (دنیا میں) بھٹکے گا اور وہ (آخرت میں) بدنصیب ہوگا۔ اور جس نے میری کتاب (قرآن) سے منہ موڑ لیا (دنیا میں) اس کی زندگی تنگ (گزرے گی) اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔''

کلمہ پر ایمان کی شرائط

مذکورہ پیرائے کے آخر میں مصنف رحمہ اللہ نے کلمہ (شھادتین: أشھد أن لا إلہ إلا اللہ و أشھد أن محمداً رسول اللہ) کی شرائط کی طرف اشارہ کیا ہے، جن کے بغیر نہ ہی ایمان کامل ہوسکتا ہے، اور نہ ہی یہ کلمہ اس وقت تک انسان کو فائدہ دے گا جب تک اس میں یہ آٹھ شرطیں نہ پائی جائیں ۔

پہلی شرط: علم نافع:......اس کے معانی کا علم جو جہالت کے منافی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (محمد: ١٩) .

''اور آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ۔''

دوسری شرط: یقین کامل:......یقین شک کی ضد ہے؛یعنی ایسا یقین ہوجسکے ساتھ کوئی شک باقی نہ رہے۔ اپنے دین وعبادت کے برحق اور دوسرے ادیان کی عبادت ودین کے باطل ہونے پر پختہ یقین ہو، ورنہ انسان کی عبادت اسے ہرگز کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾ (الحجرات: ۱۵)

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور پھر شک وشبہ نہ کریں۔''

تیسری شرط: اخلاص:......یعنی ایسا ایمان وعمل جس میں شرک کی آمیزشت بلکہ شائبہ تک نہ ہو۔ یہی حقیقی معنی اور روح ہے ''لا إله إلا الله'' کے اقرار کی۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّينَo أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾

(الزمر: ۲-۳)

''(اے پیغمبر!) ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو اللہ کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے۔ دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا ہے)۔''

چوتھی شرط: صداقت:......یعنی ایسی سچائی جس میں جھوٹ سے عملاً برأت کا اظہار ہو۔یعنی کلمہ گو صرف زبانی اقرار پر اکتفانہ کرے بلکہ صدق دل سے اس کا اقرار بھی کرے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَo وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَo﴾ (العنكبوت: ۲-۳)

''کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا؛ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور پہچانے گا جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹے ہیں۔''

پانچویں شرط: سچی محبت:......اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت کہ دل میں بغض کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کلمہ کے معنی اور مطالبہ کی محبت دل میں پیوستہ ہو۔ محبت اور نفرت، دوستی اور دشمنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے معیار پر قائم کی جائے۔ چھوٹے بڑے کاموں میں اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے۔ اس کلمہ کی سچی محبت دو امور سے حاصل ہوتی ہے:

۱۔ تمام عبادات کو صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے خاص کرنا۔

۲۔ ہر قسم کے شرک سے مکمل اجتناب۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِّلَّهِ﴾ (البقرة: ۱۶۵)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے تو اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔''

چھٹی شرط: سر تسلیم خم کر لینا:...... اس سے مراد یہ ہے کہ لا إلہ إلا اللہ کے تقاضوں کا ظاہری اور باطنی طور پر اس طرح تابع ہو جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ترک کرنے کا خیال بھی نہ آئے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان اللہ کے عائد کردہ فرائض پر عمل پیرا ہو؛ اور محرمات کو بالکل ترک کر دے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِيناً مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لله وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً﴾

(النساء: ۱۲۵)

''اور اُس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکمِ الٰہی کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے۔''

حدیث میں ہے:

((والله لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من ولده و والده والناس أجمعين۔"متفق عليه۔))

''اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی ایک اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اسے اپنی اولاد، اپنے والدین اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

ساتویں شرط: قبولیت:...... یعنی اس کے مطالبہ کو دل کی خوشی سے مان لینا؛ اسے اپنے آپ پر جبر یا سختی نہ سمجھنا۔ مراد یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کے تقاضوں کو بسر و چشم قبول کر لے، ان پر دل سے یقین رکھے اور زبان سے اقرار کرے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ (البقرۃ: ۱۳۶)

''تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے، اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی ہے۔'' (یعنی قرآن)۔

آٹھویں شرط: غیر اللہ کا انکار:...... اللہ کے علاوہ جن کی پوجا کی جاتی ہو، (اور وہ اس پوجا پر راضی ہوں)؛ ان سب کا انکار کرنا، اور ان سے بغض و نفرت رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے سینے میں دو دل کبھی نہیں پیدا کیے؛ ایسا نہیں ہو سکتا کہ غیر اللہ کی بھی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی بھی۔ غیر اللہ کی عبادت کے ساتھ جتنی بھی اللہ کی عبادت ہوگی وہ سب کی سب ضائع اور بے فائدہ ہے۔ اس شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان تمام اعمال کو اکارت کر دیں گے، فرمان الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ: ۲۵۶)

''سو جو کوئی طاغوت کا انکار کرے، اور اللہ پر ایمان لائے، تحقیق اس نے ایک مضبوط رسی کو تھام لیا جو ٹوٹنے والی نہیں، اور اللہ سننے والے اور جاننے والے ہیں،،۔

فتنوں کے دور میں مؤمن کا کردار

۱۱۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا وقعت الفتنة ؛ فالزم جوف بيتك ؛ وفر من [جوار] الفتنة؛ وإياك والعصبية ؛ وكل ما كان من قتال بين المسلمين على الدنيا ، فهو فتنة ـ فاتق الله وحده لا شريك له؛ ولا تخرج فيها؛ ولا تقاتل فيها ؛ ولا تهوى ولا تشايع ولا تمايل؛ ولا تحب شيئاً من أمورهم؛ فإنه يقال: " من أحب فعال قوم - خيراً كان أو شراً - كان كمن عمله۔"وفقنا الله وإياكم لمرضاته ، وجنبنا و إيّاكم معصية۔))

''جب فتنہ پیدا ہو جائے، تو اپنے گھر کے درمیان میں دبک کر رہ جائیے۔ اور فتنہ کے پڑوس سے دور رہیے اور اپنے آپ کو عصبیت سے بچا کر رکھیں۔ مسلمانوں کے درمیان جو بھی جنگ دنیا کے بارے میں ہو؛ وہ فتنہ ہے۔ اللہ وحدہ لاشریک سے ڈر کر رہیں اور اس فتنہ میں نہ نکلیں اور نہ ہی فتنہ میں جنگ کریں۔ نہ ہی خواہشات نفس کا شکار ہوں، اور نہ ہی ان کی نشر و اشاعت کریں اور نہ ہی ان کی طرف میلان رکھیں اور نہ ہی فتنہ کے کاموں میں سے کسی ایک کو اچھا سمجھیں۔ اس لیے کہ یہ کہا گیا ہے: ''جس نے کسی قوم کے کام پسند کیے- خواہ وہ خیر کے ہوں یا شر کے- وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے خود وہ عمل کیا ہو۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی رضا مندی کے کام کرنے کی توفیق دے، اور ہمیں اور آپ کو اپنی نافرمانی سے بچا کر رکھے۔'' آمین۔

شرح: ...... یہ بھی ان اہم ترین اصولوں میں سے ہے جن کے بارے میں کئی نصوص شریعت وارد ہوئی ہیں؛ اور سلف صالحین نے بھی ان کی تاکید کی ہے۔ یہ معاملہ فتنہ کے وقت مؤمن کے مؤقف سے تعلق رکھتا ہے۔ فتنہ و فساد کے وقت اہل سنت والجماعت کے چند اصول مصنف رحمہ اللہ نے یہاں بیان کیے ہیں۔

ہر وہ معاملہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دینی یا دنیاوی امور میں تفریق پیدا ہو، فتنہ کہلاتا ہے۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ بات جنگ اور قتال تک پہنچے۔ سو جس چیز سے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا ہو، وہ بھی فتنہ ہے؛ اور جس سے مسلمانوں کے دین میں مشکلات پیدا ہوں وہ معاملہ بھی فتنہ ہے اور مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت اور قتل و غارت گری فتنہ ہے۔ جس چیز سے مسلمانوں کی مصلحتیں پامال ہوتی ہوں، جیسے امن و امان؛ لوگوں پر رزق میں تنگی؛ لوگوں میں آپس میں ایک دوسرے پر ظلم وغیرہ؛ یہ بھی فتنہ ہے۔ جب ایسے حالات ہوں تو اس وقت مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ گھر میں بیٹھ جائیں۔ اس لیے کہ انسان کے نہ چاہتے ہوئے بھی غیر شعوری طور پر اس کا شکار ہو جاتا ہے اور ہلاکت

کے گھڑے میں گر جاتا ہے۔

اس لیے کہ فتنوں کی پوری تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی قیادت کرنے والے بیوقوف قسم کے سنگ دل ؛ اور خواہش پرست لوگ ہوا کرتے ہیں، جن کا کوئی ایمان و مذہب نہیں ہوتا۔ بس صرف جاہ پسندی، شہرت یا دوسرے خفیہ امور کے لیے ایسی حرکات کرتے ہیں، جس میں وہ اپنے ساتھ کئی سادہ لوح لوگوں حتی کہ کئی سادہ مزاج بڑے علماء کو بھی ملا لیتے ہیں۔ جن کو خود یہ پتہ نہیں ہوتا وہ کیوں اور کس مقصد کے لیے فتنہ گری کرر ہے ہیں۔ اس صورت میں علماء، فقہاء، قبائل کے بڑے؛ اہل حل و عقد اور حکمرانوں -- جن کا حکم چلتا ہے، اور عوام میں ان کی بات سنی جاتی ہے- پر واجب ہوتا ہے کہ وہ فتنہ کی سرکوبی کے لیے میدان میں آئیں اور اپنا کردار ادا کریں۔

چونکہ یہ فتنہ کا دور ہے، جس میں ہر طرف سے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے داغے جار ہے ہیں اور بے گناہ عوام کا قتل ہو رہا ہے۔ مقتول کو پتہ نہیں وہ کس بات پر قتل ہو رہا ہے اور قاتل نہیں جانتا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ فتنہ سے بچنے کی ترغیب میں وارد نصوص ذکر کی جائیں۔ جب فتنہ بپا ہوتا ہے، تو سب کو لپیٹ لیتا ہے کسی کو نہیں چھوڑتا؛ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝﴾

(الانفال : ۲۵)

''اور تم ایسے فتنہ وبال سے بچو کہ جو خاص کر ان ہی لوگوں پر واقع نہیں ہو گا، جو ان میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔''

مفسرین کرام اس آیت کے معنی و تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' فتنے سے ڈرو، اگر یہ رونما ہوا تو اسکا شکار صرف ظالم لوگ ہی نہیں ہونگے، بلکہ یہ تم سب کو اپنے گھیرے میں لے لے گا، اور ہر نیک و بد کو مبتلا کرے گا۔''

بدکاروں اور ظالموں کے لیے تو یہ ان کے گناہوں کی سزا ہو گا اور نیک لوگوں کو یہ اس لیے دھرے گا کہ وہ گناہ ہوتے دیکھتے تھے مگر خاموش تماشائی بنے رہے، انھوں نے ظالم کے ظلم کا سد باب نہ کیا، نہ اس کے خلاف آواز لگا کر اس کی نکیر کی۔ جو شخص فتنوں سے نہیں بچتا اور احتیاط سے کام نہیں لیتا، فتنے اسے اپنے ساتھ یوں بہا کر لے جاتے ہیں جیسے سیلاب خس و خاشاک کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((سَتَكُوْنُ فِتَنٌ، الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِيْ، وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِيْ، وَمَنْ يُشْرِفْ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ)) ❶

'' فتنے نمودار ہوں گے، ان میں بیٹھا ہوا آدمی کھڑے سے بہتر اور کھڑا آدمی چلتے سے بہتر اور محض چلتا ہوا

---

❶ رواه البخاري؛ كتاب المناقب؛ باب علامات النبوة في الإسلام؛ ح: ٣٤٢٦۔ صحيح مسلم؛ كتاب الفتن وأشراط الساعة؛ باب نزول الفتن مواقع القطر؛ ح ٥٢٤٤۔

کچھ کرنے والے سے بہتر ہوگا، اور جو شخص ان فتنوں کی طرف جھانک کر دیکھے گا، وہ اسے بھی دھر لیں گے۔''

یعنی اگر کوئی شخص ان فتنوں کی طرف جھانکے گا، یا ان کے سامنے آئے گا، تو وہ فتنے اسے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَناً كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَ يُمْسِيْ كَافِرًا ، وَ يُمْسِيْ مُؤْمِنًا ، وَيُصْبِحُ كَافِرًا ، يَبِيْعُ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ)) ❶

''اعمال بجالانے میں جلدی کرو؛ (عنقریب) سیاہ کالی رات جیسے فتنے (آنے والے) ہیں کہ جن میں آدمی صبح کو مومن ہوگا تو رات کو کافر ہو جائے گا، اور رات کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہو جائے گا، بندہ اپنے دین کو دنیا کی معمولی چیز کے عوض بیچ دے گا۔''

نبی اکرم ﷺ کی مثال آپ کے سامنے ہے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس کی مدد طلب کرنے کا گہرا شعور رکھتے تھے، اور آپ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے:

((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبُ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ)) ❷

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت وقائم رکھ۔''

نبی اکرم ﷺ خود بھی فتنوں اور آزمائشوں سے اللہ تعالیٰ کی بکثرت پناہ مانگا کرتے تھے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس بات کی تاکید کیا کرتے تھے:

((تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ ، مَاظَهَرَ وَمَا بَطَنَ)) ❸

''ظاہری و باطنی ہر قسم کے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمہارے سامنے ایسے فتنے رونما ہونگے جیسے اندھیری رات کا تاریک ٹکڑا ہوتا ہے، (جن میں حق و باطل کی تمیز دشوار ہو جاتی ہے، ان میں ایک آدمی دن کے وقت مومن ہوگا تو رات تک کافر ہو جائے گا، اور رات کو ایک شخص کافر ہوگا تو دن چڑھنے تک مومن ہو جائے گا، ایسے حالات میں بیٹھا ہوا آدمی کھڑے شخص سے بہتر ہوگا اور کھڑا شخص چلتے آدمی سے بہتر ہوگا اور چلتا آدمی کوشش کرنے والے سے بہتر ہوگا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا: ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں

❶ مسند احمد۔صحیح مسلم؛ کتاب الإیمان؛ باب الحث علی المبادرة بالأعمال قبل تظاهر الفتن حدیث : ۱۹۴۔صحیح ابن حبان؛ کتاب الحظر و الإباحة؛ کتاب الرهن؛ ذکر البیان بأن علی المرء عند الفتن أن یکون مقتولا لا...... حدیث : ۶۰۴۷۔

❷ صحیح ابن حبان؛ کتاب الرقائق؛ باب الأدعیة؛ ذکر الأخبار عما یجب عل المرء من التملق إلی الباری فی......ح : ۹۴۶۔ المستدرك علی الصحیحین للحاکم؛ کتاب التفسیر؛ و من سورة آل عمران؛ ح : ۳۰۷۲۔ سنن الترمذی الجامع الصحیح؛ کتاب الذبائح؛ أبواب الدعوات عن رسول الله ﷺ؛ باب منه...... ح : ۳۵۲۸۔

❸ صحیح مسلم؛ کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها؛ باب عرض مقعد المیت من الجنة و النار علیه؛ حدیث : ۵۲۲۰۔

میں بیٹھے رہنا۔'' ❶

فتنہ بردوش مجلسوں اور مقامات پر جانے سے بچیں، اللہ سے دین پر ثابت قدمی کی دعائیں مانگیں اور اللہ سے موت وحیات کے فتنہ سے پناہ طلب کریں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ دعا اتنے اہتمام سے سکھلاتے تھے جیسے قرآن کی کوئی سورت سکھلا رہے ہوں:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ)) ❷

''اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں موت وحیات کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

علم نجوم کا حکم اور اس کی کیفیت

۱۱۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وأقل [من] النظر في النجوم إلا ما تستعين به على مواقيت الصلاة واله عما سوى ذلك ؛ فإنه يدعوا إلى الزندقة۔))

''اور ستاروں میں دیکھنا کم کیجیے۔ سوائے اس کے کہ نمازوں کے اوقات جاننے کے لیے ان سے مدد حاصل کریں اور اس کے علاوہ باقی سب کچھ چھوڑ دیجیے۔ اس لیے کہ یہ فعل زندیقیت کی طرف بلاتا ہے۔''

شرح: ...... علم نجوم دو طرح کا ہے:

پہلی قسم: ...... جس سے زمین میں پیش آنے والے حادثات پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اسے ''علم التأثیر'' بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے ہواؤں کا اٹھنا، بارش کا برسنا؛ بیماری یا صحت، اور موت یا حیات وغیرہ پر استدلال کرنا۔ یا جیسے نمرود کی قوم کر رہی تھی؛ انہوں نے ستاروں کی مورتیاں بنا رکھی تھیں، اور ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس قسم کا علم نجوم اور زمین کے احوال وحادثات میں ستاروں کی تاثیر ماننا شرک اور حرام ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''(اس قسم کے علم نجوم سے مراد) فلکی احوال سے زمین کے حادثات پر استدلال کرنا ہے۔''

جیسا کہ آج کل مختلف اخباروں میں اور ٹی وی چینلز پر ہو رہا ہے اور مختلف جگہ پر جھوٹے کذاب نام نہاد علم نجوم کے ماہر لوگوں کا ایمان وعقیدہ خراب کرنے کے لیے اپنی دکانیں سجائے بیٹھے ہیں۔'' یہاں پر ممانعت سے مراد اہل بدعت و ھواء، فلاسفہ؛ فلکی؛ متکلمین اور نجومیوں کی طرح ان کے متعلق بدعتی اور شرکیہ عقائد ونظریات قائم کر لینا ہے۔ کیونکہ بہت سارے لوگ ستاروں کی تقدیس کرتے ہیں، اور ان میں فرشتوں کی روحوں کا کارفرما ہونا مانتے ہیں اور ستاروں کو اس

---

❶ ابو داؤد و حاکم- و صحیحه۔ ❷ مسلم: ۵۹۰۔

کائنات کے امور میں مدبر و متصرف مانتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل بھی شیطان صفت لوگ عوام کو گمراہ کرنے کے لیے کہتے ہیں: فلاں برج میں پیدا ہونے والا انسان خوش بخت ہوگا، اور فلاں برج میں پیدا ہونے والا بد بخت ہوگا اور اس طرح ان برجوں کو انسانی نصیب اور امور کائنات میں متصرف مانتے ہیں۔

اگر یہ عقائد شامل نہ ہوں تو مصلحت امت کے لیے ستاروں میں دیکھنا، مثال کے طور پر رات کو سمت معلوم کرنے کے لیے ستاروں کو دیکھنا؛ سمندری سفر کے لیے اور ہواؤں اور موسموں کے لیے ستاروں کو دیکھنا جو تجربات سے ظاہر ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھار امت کی مصلحت میں ایسا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

دوسری قسم: ...... ستاروں میں دیکھنے سے مراد ان کی حرکت اور منزلوں کا علم ہے۔ کہ آپ چاند اور سورج کی حرکات و منازل کو جانیں تا کہ آپ مہینے اور سال کے دنوں کا حساب رکھ سکیں۔ نماز کے اوقات، حج اور رمضان کے مہینوں کا علم حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ (یونس: ٥)

''وہی اللہ ہے جس نے سورج کو (خود) چمکتا) بنایا اور چاند کو (سورج سے) روشن (کیا) اور چاند کی منزلیں مقرر کیں اس لیے کہ تم (چاند اور سورج سے) سالوں کا شمار اور دنوں اور مہینوں کا) حساب کرلو اللہ نے یہ سب حکمت ہی کے ساتھ بنایا ہے وہ سمجھنے والوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانیاں بیان کرتا ہے۔''

علم نجوم کی حقیقت اور فوائد

مذکورہ بالا پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ کی ان ستاروں میں دیکھنے سے مراد آنکھوں سے دیکھنا نہیں؛ رات کو جب تارے چمک رہے ہوں، انسان انہیں دیکھے اور ان میں اس لحاظ سے غور و فکر کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی نشانیوں میں سے ہے؛ تو ایسا کرنا مطلوبِ شرعی ہے۔ اس میں کوئی حرج والی بات نہیں، بلکہ اس کے کچھ فوائد بھی ہیں:

پہلا فائدہ: ...... یہ ستارے آسمان کی زینت ہیں انہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احساس و شعور پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ﴾ (الصافات: ٦)

''ہم نے نزدیک والے (پہلے) آسمان کو آراستہ کیا تاروں سے جو بن دی۔''

دوسرا فائدہ: ......ستاروں سے آسمانی دنیا کی حفاظت کا کام لیا جاتا ہے، شیطانوں کو دھتکارنے کے کام آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ﴾ (الملك: ٥)

''اور ہم نے نزدیک والے (یعنی پہلے) آسمان کو چراغوں سے (ستاروں سے) جو بن (سجایا) اوران چراغوں کو شیطانوں کے لیے مار بھی بنایا اور آخرت میں ان شیطانوں کے لیے ہم نے دوزخ کا عذاب تیار رکر رکھا ہے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (الحجر: ١٦۔١٨)

''اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا۔اور ہم نے آسمان کو ہر ایک شیطان مردود (کے وہاں جانے) سے بچار کھا ہے۔(فرشتے چوکیداری کرتے ہیں) مگر جو کوئی چوری چھپے کوئی بات سن بھاگے تو اس کے پیچھے کھلا (چمکتا ہوا) شعلہ لگتا ہے۔''

تیسرا فائدہ: ......ستارے نشانیاں ہیں جنہیں دیکھ کر زمین میں اور سمندروں میں راہیں معلوم کی جاتی ہیں؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الانعام: ٩٧)

''اوراُسی (اللہ) نے تمھارے لیے تارے بنائے کہ جنگل اوردریا کے اندھیروں میں (رات کو) اُن سے راہ کا پتہ لگالو جولوگ علم رکھتے ہیں اُن کے لیے ہم نے کھول کرنشانیاں بیان کر دی ہیں۔''

چوتھا فائدہ: ......ان کی حرکت کا حساب رکھنے سے ماہ وسال کا حساب رکھنا آسان ہو جاتا ہے،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝﴾ (الانعام: ٩٦)

''صبح کی روشنی (پو) پھوڑنے والا اور رات کواس نے آرام کے لیے اورسورج اور چاند کوحساب کے لیے بنایا یہ زبردست علم والے اللہ کا باندھا ہوا اندازہ ہے۔''

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝﴾

(الاسراء: ١٢)

''اور ہم نے رات اور دن کے دونمونے بنائے پھر رات کانمونہ تاریک رکھا اوردن کا نمونہ روشن رکھا۔اس لیے کہ تم (دن میں) اپنے مالک کافضل چاہو (یعنی کمائی کرو) اوراس لیے کہ تم برسوں کی گنتی اورحساب جان

لو اور ہر چیز کو ہم نے کھول کر بیان کر دیا ہے''۔

علم نجوم کی یہ حقیقت اور اس کے فوائد ہیں۔ رہا ستاروں کو دیکھ کر کسی کے خوش بخت یا بد بخت ہونے کا حساب لگانا، اور یہ کہنا کہ فلاں ستارے کے طلوع کا وقت سعادت کا ہے، اور فلاں ستارہ نحوست کی علامت ہے، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی بنائی ہوئی تقدیر کے ساتھ کفر اور علم غیب میں دخل اندازی ہے۔ جس سے شریعت مطہرہ نے منع کیا ہے۔

آج کل کے میڈیا کے اس دور میں آپ دیکھتے ہوں گے کہ تقریباً ہر دوسرے تیسرے اخبار میں ستاروں کے حساب سے لوگوں کے آنے والے حالات کا بیان ہوتا ہے، اور انہیں مشورے دیے جاتے ہیں، ٹی وی پر ایسے پروگرام چلتے ہیں جن میں ستاروں کے حساب سے لوگوں کے مسائل کا حل بتایا جاتا ہے۔ ان میں ایسے بھی ہوتا ہے کہ کبھی کوئی بات صحیح ثابت ہو جائے، اور اکثر اوقات غلط ہی ہوتی ہیں۔ اصل میں شیطان آسمانی دنیا کی خبریں چرا کر اپنے اس نجومی ساتھی کو بتا دیتے ہیں اور پھر یہ نجومی چند ایک سچی باتوں میں سینکڑوں جھوٹ ملا کر لوگوں کا ایمان و عقیدہ خراب کرتے ہیں۔ کاہن، نجومی، اور فال نکلوانا اور اس کی تصدیق کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من أتى عرافاً أو كاهناً فصدقه بما يقول ، فقد كفر بما أنزل على محمد)) ❶

''جو نجومی، کاہن اور فال گر کے پاس آیا اور اس کی بات کی تصدیق کی، تحقیق اس نے قرآن کا کفر کیا۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من أتى عرافاً فسأله عن شيئ لم تقبل صلاته أربعين يوماً)) ❷

''جو فال نکالنے والے کے پاس آیا اور اس سے کوئی چیز پوچھی، اس کی چالیس دن تک کی نماز قبول نہیں ہوگی۔''

اہل بدعت کی ہم نشینی کا حکم

۱۱۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإياك والنظر في الكلام ؛ والجلوس إلى أصحاب الكلام۔))

''اپنے آپ کو علم کلام پڑھنے اور اہل کلام کے ساتھ بیٹھنے سے بچا کر رکھیں۔''

شرح: ...... کتاب و سنت کے علوم سیکھنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ کامیابی کی راہ وہی ہے جس عقیدہ و عمل، علم اور منہج پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے؛ ان کے علم و عمل کا مصدر وحی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی علم و عمل؛ عقیدہ اور ایمان پر کامیابی کی اور جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔

علم کلام اور فلسفہ بہت بعد کے علوم ہیں۔ (اگرچہ یہ علوم پچھلی امتوں میں بھی پائے جاتے تھے؛ مگر اسلام میں بہت بعد میں یونانی کتب کے ترجمہ کے ذریعہ سے داخل ہوئے)۔ نیز یہ ایسے علوم ہیں جن کے پڑھنے سے ہدایت کم اور گمراہی

❶ ابو داؤد، ترمذی، احمد / صحیح۔ ❷ مسلم۔

زیادہ آتی ہے۔ بلکہ کوئی بھی گمراہی علم کلام آنے سے پہلے فروغ نہیں پائی۔اسی لیے قدیم اور جدید ہر دور کے مخلص علماء ان علوم کے پڑھنے اور حاصل کرنے سے منع کرتے رہے ہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علم کلام اور فلسفہ پڑھنے والوں کے متعلق میرا حکم یہ ہے کہ انہیں لاٹھیوں اور جوتوں سے مارا جائے، اورانہیں گاؤں گاؤں گھمایا جائے؛ اورساتھ ہی یہ اعلان کیا جائے کہ: کتاب اللہ اورسنت رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑنے والوں کا یہی بدلہ ہے۔''

اس لیے کہ متکلمین نے اللہ تعالیٰ کی ذات، اسماء وصفات کے بارے میں اپنے عقل سے غور فکر کرنا شروع کیا، اور عقلی بنیادوں پر غیبی امور میں فیصلے کرنے لگے؛ اور اس بارے میں وارد ہونے والی قرآن وسنت کی نصوص کا یا تو سرے سے انکا کردیا؛ یا پھر ان میں باطل تاویلیں کرنے لگے۔ان کے بعد جتنے بھی لوگوں نے قدر میں کلام کیا؛ یا دین کے کسی دوسرے معاملہ میں؛ ان سب کی جڑیں اہل کلام سے ملتی ہیں۔اس وجہ سے سلف صالحین نے باتفاق اس علم کی مذمت کی ہے۔اور کسی بھی خالص اہلِ سنت سے اس علم کے سیکھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اہل اثر کی ہمراہی

۱۱۷۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وعليك بالآثار وأهل الآثار ؛ وإياهم فاسأل ؛ ومعهم فاجلس؛ ومنهم فاقتبس۔))

''آپ پر واجب ہے کہ حدیث اور اہل حدیث کی ہمراہی واجب ہے۔انہی سے سوال کرو، اور ان کے ساتھ ہی بیٹھو۔اوران کے کلام سے فائدہ حاصل کرو۔''

شرح: ......اس پیرائے میں مصنف نے اہل بدعت کی ہم نشینی سے اجتناب کرنے اوراہل سنت کی ہمراہی اختیار کرنے کو کہا ہے۔اصل میں یہ حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝﴾ (الانعام: ٦٨)

''اور (اے پیغمبر) جب تک ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں کو کریدتے ہیں تو ان کے پاس سے سرک جا یہاں تک وہ (اس کو چھوڑ کر) دوسری بات میں لگ جائیں اور اگر (کبھی) شیطان (یہ نصیحت) تجھ کو بھلا دے تو یاد آئے پیچھے (ایسے) ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔''

اس لیے کہ جب اہل بدعت، علم کلام اور فلسفہ والوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو تو انسان کا ایمان خطرے میں رہتا ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر انسان کو اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ ہر اس چیز سے آزمائے جس سے اس نے منع کیا ہے، یہ اس کے

لیے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ علم کلام پڑھے۔''❶

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علم کلام پڑھنے والا کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ علماء کلام زندیق ہیں۔'' نیز فرماتے ہیں: ''اہل علم کلام کی مجلس میں نہ بیٹھیں، اگر چہ وہ سنت کی حفاظت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔''❷

مسلمان: بالخصوص طالب علم پر واجب ہوتا ہے کہ وہ آثار -قرآن و سنت اور اُقوال صحابہ- کی پیروی کا اہتمام کرے۔ یہی قرآن و سنت کے علوم اسلام کے ابتدائی مصادر ہیں، اور پھر اس کے بعد مؤمنین کی راہ ہے اور سلف صالحین کا منہج آثار میں پہلے درجہ میں داخل ہے اور یہ بھی واجب ہوتا ہے کہ جب مسلمان کسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کرنا چاہے تو علماء اہلِ سنت والجماعت سے دریافت کرے اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھے؛ یہی ایسے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے والا بد بخت اور شقی نہیں رہے گا؛ اور ان سے علم حاصل کرنے والا ان شاء اللہ روشن راہ پر قائم رہے گا۔

عبادت میں خوفِ الٰہی اور حیاء

۱۱۸۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أنه ما عبد الله [بشيء] بمثل خوف من الله، وطريق الخوف والحزن والشفقات والحياء من الله تبارك و تعالىٰ۔))

''اور جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کی گئی اس کے خوف کے مثل اور خوف کی راہ، اور حزن، اور شفقت، اللہ تبارک وتعالیٰ سے حیاء۔''

شرح: ...... یہ ان چند قلبی احوال کا بیان ہے جن سے عبادت مکمل ہوتی ہے۔ عبادت میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

اللہ تعالیٰ کا خوف۔ اس سے اچھی امید۔

اور اس کی محبت۔

جب تک ان میں سے کوئی ایک شرط ناقص رہے گی عبادت درست طور پر ادا نہ ہوگی۔ یعنی عبادت اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اس کی قبولیت کی امید پر شروع کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہوتا ہے۔ یہ اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے۔

جو صرف خوف کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرے، وہ خارجی ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے صرف اچھی امید لگا کر اس کی عبادت کرے، وہ مرجئی ہے۔ مرجئی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں رکھتے بلکہ صرف امید پر عبادت کرتے

❶ ابن ابی حاتم "مناقب الشافعی" ص ۱۸۲؛ ابو نعیم "الحلیة" (۹/۱۱۱)؛ ابن عبد البر "الانتقاء" ص ۷۸۔

❷ أخرجه ابن بطة فی "الابانة الکبری" (۳/۴۲۱)؛ وابن جوزي فی "المناقب" ص ۲۰۴) و أورده ابن ابي يعلى في طبقات الحنابلة (۱/۳۳۴)۔

ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (الاعراف: ۹۹)

''کیا اللہ تعالیٰ کے داؤں سے (اس کی تدبیر اور اس کے انتظام سے) نہیں ڈرتے اللہ کے داؤں سے وہی لوگ نہیں ڈرتے جو تباہ ہونے والے ہیں۔''

اور جو کوئی اللہ کی عبادت صرف محبت میں کرے، وہ صوفی ہے۔ اس لیے کہ صوفی کہتے ہیں؛ نہ ہم جنت کی لالچ میں عبادت کرتے ہیں، اور نہ ہی جہنم کا خوف ہے، بس ہم تو صرف اس کی محبت میں عبادت کرتے ہیں۔ یہ گمراہی ہے۔

اور ان جاہل صوفیاء ہی کی دوسری قسم ہے جو اللہ تعالیٰ سے اچھی امید کے بارے میں شرعی قواعد و ضوابط کو پامال کرتے ہوئے ہر حد سے باہر ہوگئے، اور انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مکر اور اس کی پکڑ سے محفوظ سمجھ لیا۔

تیسری قسم ان جہلاء کی ہے جو حد سے زیادہ خوف کا شکار ہوئے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ساری امیدیں توڑ دیں، اور ناامید و مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔

یہ سارے امور دین میں جہالت کے ساتھ غلو اور افراط و تفریط کی پیداوار ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی راہِ حق نصیب نہ ہو سکے، اور سبھی گمراہ ہوگئے۔

راہِ حق اعتدال کی راہ ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ ان تینوں چیزوں کو جمع کرے۔ اللہ کا خوف، اس سے امید اور اس کی محبت۔ ان میں سے کبھی کوئی عنصر اگر وقتی طور پر غالب آجائے تو کوئی حرج نہیں؛ مگر ان تینوں کو ساتھ ساتھ چلنا چاہیے، اور دین میں تفریق کر کے کچھ کو لے لینے اور باقی چھوڑ دینے کی روش نہیں اپنانی چاہیے۔

بدعتی کی صحبت

۱۱۹۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واحذر أن تجلس مع من يدعو إلى الشوق والمحبة؛ ومن يخلو مع النساء وطريق المذهب؛ فإن هؤلآء كلهم على الضلالة۔))

''خبردار ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں جو عشق اور محبت کی دعوت دیتے ہوں اور جو عورتوں کے ساتھ خلوت کرتے ہوں یا کسی خاص طریقت (صوفیانہ طریقہ) کا التزام کرتے ہوں۔ بیشک یہ سارے گمراہی پر ہیں۔''

شرح: ......اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ صوفی گروہوں اور ان کے طریق کار - مناہج - کے بارے میں بیان فرما رہے ہیں۔ اور ان کی ایجاد کردہ بعض اصطلاحی باتیں ذکر کر رہے ہیں جن کی وجہ سے یہ لوگ گمراہ ہوئے۔ صوفیاء نے کچھ نئی اصطلاحیں ایجاد کیں، جیسے شوق، محبت، عشق مجازی وغیرہ۔ محبت سے مقصود وہ محبت نہیں ہے جو مقصودِ شریعت ہے، اور جس پر کتاب و سنت کے دلائل موجود ہیں۔

شوق سے صوفیاء کی مراد جوش محبت میں بغیر خوف وامید کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے؛ جس میں اللہ تعالیٰ سے جنت کی امید اور نہ ہی جہنم کا خوف ذہن میں رہتا ہے اور اس شوق میں اتنا مبالغہ کیا کہ عبادت کو اس کے اصلی اوصاف اور صراطِ مستقیم سے ہی خارج کر دیا۔ اس شوق کی دوسری بڑی خامی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کو اہل دنیا کو دو پریمیوں کی محبت پر قیاس کرنے لگے- اور اسے عشق مجازی کہہ کر عشق حقیقی تک پہنچنے کے لیے پہلی منزل اور ضروری قرار دینے لگے۔ تا کہ دل کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جائے ، اور پارسائی کا بھرم بھی باقی رہ جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کو کسی دوسری محبت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

تیسری خامی یہ تھی کہ اس طرح کی عبادت میں وہ عورتوں کے ساتھ خلوت کو بھی جائز سمجھنے لگے- چونکہ وہ معشوق مجازی ہے اور محبوب حقیقی کو پانے کے لیے معشوق مجازی سے عشق لڑانا اور یہ تمام مراحل طے کرنا ان جہلاء کے ہاں لازمی ہیں۔ اس لیے انہوں نے یہ دروازہ کھول دیا۔ یہ خصلت آج تک جاہل اور گمراہ؛ زندیقیت سے متأثر صوفیوں میں موجود ہے اور جب وہ اپنے تئیں سالک سے واصل کے مرتبہ کو پہنچ جاتے ہیں، تو عورتوں کے ساتھ- خواہ وہ کوئی بھی ہو- اٹھنا بیٹھنا حرام سمجھنے لگتے ہیں۔ غرض اس کے علاوہ بھی ان کے ہاں کئی ایسے امور ہیں جو سراسر گمراہی کا مرقع ہیں۔ جو اصل میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے احکام سے باہر نکلنے، اور قربت الٰہی اختیار کرنے کے لیے اپنی طرف سے من گھڑت طریقے یعنی بدعات کے دین میں داخل کرنے کا نتیجہ ہے۔ جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے ہی فرما دیا تھا:

((إياكم و محدثات الأمور ، فإن كل محدثة بدعة؛ و كل بدعة ضلالة)) [1]

''اپنے آپ کو (دین میں) نئی ایجاد سے بچاؤ؛ بیشک ہر نئی ایجاد کردہ شے بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

عبادت کی دعوت

۱۲۰۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله -: أن الله تبارك و تعالىٰ دعا الخلق كلهم إلى عبادته ؛ ومَنَّ [مِنْ] بعد ذلك على من يشاء بالإسلام وتفضلًا منه۔))

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں- جان لیجیے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام خلق کو اپنی عبادت کی دعوت دی ہے اور اس کے بعد جس پر چاہا اسلام کی طرف ہدایت دیکر فضل فرما دیا۔''

شرح: ...... اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ﴾ (الذاريات : ٥٦)

''ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے۔''

[1] ابو داؤد ٤٦٠٧؛ الترمذی ٢٦٧٦۔ صحیح۔

پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی توحید و عبادت بجالانے کا حکم دیا ہے؛ اور اپنی توحید اور بندوں کے لیے عبادت کی ضرورت اور ان کے محتاج ہونے پر دلائل دیے ہیں؛ فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ○﴾ (البقرة: ۲۰-۲۱)

''اے لوگو اپنے مالک کی بندگی کرو جس نے بنایا تم کو اور تم سے پہلے (اگلے) لوگوں کو تم پرہیز گار ہو جاؤ گے۔ امید رکھو جس نے زمین کو تمھارا بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی برسا کر میوے نکالے تمھارے کھانے کو تو جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے برابر کسی کو مت بناؤ۔''

یہ خطاب تمام انسانیت سے ہے جس میں مؤمن اور کافر جنات اور انسان سب شامل ہیں؛ کہ سب صرف ایک اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کریں، اور اس کی بندگی کریں، اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس لیے کہ اس کے بغیر کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے لیے اتمام حجت کر دی، اور ان پر گمراہی اور ہدایت کی راہیں واضح کر دیں، اور ان کے پاس رسول بھیجے جو انہیں اللہ کی توحید پر لائیں، اور اس کی بندگی کا نعرہ بلند کریں۔ پھر جس کو چاہا ہدایت سے نواز دیا، اور جسے چاہا گمراہ کر دیا۔ جسے ہدایت سے نوازا یہ اس کا فضل تھا، اور جنہیں گمراہ کیا، وہ اس کا عدل تھا۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (...... اسلام کی طرف ہدایت دیکر فضل فرمادیا):

اسلام و ایمان کی نعمت اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے اور عظیم الشان انعامات میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (الحجرات: ۱۷)

''بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا رستہ دکھایا بشرطیکہ تم سچے (مسلمان) ہو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كل ميسر لما خلق له)) [1]

''ہر انسان کے لیے وہی کچھ آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔''

مشاجرات صحابہ کا حکم

۱۲۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والكف عن حرب على رضی اللہ عنہ و معاوية رضی اللہ عنہ؛ وعائشة رضی اللہ عنہا وطلحة رضی اللہ عنہ

---

[1] بخاری، باب: تفسیر سورة اللیل؛ ح: ۷۱۱۲۔

والزبير رضی اللہ عنہ -رحمهم الله أجمعين -ومن كان معهم- ولا تخاصم فيهم ؛ وكِلْ أمرهم إلى الله تبارك و تعالىٰ ؛ فإن رسول الله ﷺ قال: ((إيّاكم و ذكر أصحابي و أصهاري و أختاني)) ❶- وقوله ﷺ:((إن الله تبارك و تعالىٰ نظر إلى أهل بدر ؛ فقال : اعملوا ما شئتم ، فإني قد غفرت لكم)) ❷

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان؛ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ؛ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے؛ ان کے درمیان جنگ کے بارے میں بات چیت کرنے سے اپنی زبانوں کو روک کر رکھیں؛ ان کے بارے میں جھگڑا نہ کریں۔ ان کا معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سپرد کردیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اور اپنے آپ کو میرے صحابہ، میرے سسرال اور دامادوں کا (برائی کے ساتھ) ذکر کرنے سے بچا کر رکھو' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

'' بیشک اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف دیکھا، اور فرمایا:'' تم جو چاہو، کرو؛ بیشک میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔''

مقام صحابہ کے متعلق موقف

شرح: ......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین ہونے والی جنگوں کے تفصیل میں جانے سے گریز کرنا چاہیے۔

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا حق پہچانے ۔ جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی ہمراہی کی ، آپ کا ساتھ دیا، آپ پر اپنی جانیں اور مال نچھاور کیے، گھر بار سب کچھ قربان کیا۔ اس فضیلت میں کوئی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی لغزشوں کی معافی کا اور ان کی توبہ قبول کرنے کا اعلان کرتے ہوئے انہیں پکے، سچے اور مخلص مسلمان قرار دیا ہے، اور آنے والے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ صدیقین (سچے لوگوں) کی اس جماعت کا ساتھ دیں، فرمایا:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا

❶ یہ حدیث ان الفاظ میں تو نہیں ملی۔ لیکن اس طرح کی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان کے مطالعہ کے لیے دیکھیں: ''کنز العمال'' (۱/۱۰۵۲۹-۳۱-۵۳۲ - ۱۰۵۳۷)؛ بس یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ جیسا کہ امام البانی نے ضعیف الجامع میں لکھا ہے (۱۵۳۵- ۱۵۳۶- ۱۵۳۷)۔ اس کے لیے وہ حدیث کافی ہے جو پہلے گزر چکی ہے:''جب میرے صحابہ کا......''۔

❷ خرجه البخاري كتاب المغازي -باب غزوة الفتح - ومسلم(٢٤٩٤) فضائل الصحابة باب فضائل أهل البدر؛ من حديث علي بن ابي طالب رضي الله عنه۔

اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُo يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَo﴾ (التوبۃ: ۱۱۷۔۱۱۹)

''بے شک اللہ نے پیغمبر نے معاف کردیا اور مہاجرین اور انصار کو جنھوں نے سخت وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا (اور ساتھ بھی دیا تو ایسے وقت میں) جب کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا گئے تھے پھر اللہ نے ان کو (دوبارہ) معاف کیا کیونکہ وہ ان پر بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔اور (اللہ تعالیٰ نے) ان تین شخصوں کو (بھی معاف کردیا) جو ڈھیل میں ڈال دیئے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین (اتنی) کشادہ ہوتے ساتھے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جان ان پر دوبھر ہوگئی اور وہ سمجھ گئے کہ (اللہ تعالیٰ (کے عذاب یا غصے سے) کہیں پناہ نہیں مگر اسی کے پاس تب اللہ نے ان پر کرم کیا (یا ان کو توبہ کی توفیق دی) تاکہ وہ توبہ کریں بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔مسلمانو اللہ سے ڈرو (اس کے پیغمبر کے خلاف نہ کرو) اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر کرتے ہوئے انہیں سچی قوم کردیا ہے، ان کی سخاوت اور دریادلی کی تعریف کی اور انہیں کامیابی کی ضمانت دی ہے اور ان کے بعد آنے والے سچے مسلمانوں کی یہ نشانی بیان کی ہے کہ وہ ان صحابہ کرام کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے ہیں، اور ان کے متعلق اپنی زبانیں نہیں کھولتے اور نہ ہی اپنے دلوں میں ان کے خلاف کوئی بغض وحسد رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَo وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo﴾ (الحشر: ۸۔۱۰)

''اور ان مہاجرین محتاجوں کا بھی (حق) ہے جو اپنے گھربار مال دولت سے نکال دیئے وہ خدا کے فضل اور اس رضامندی کی تلاش میں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ تو سچے (ایماندار) ہیں۔اور ان (انصار) کا بھی (حق) ہے جنھوں نے مہاجرین سے پہلے مدنیہ میں اپنا ٹھکانہ مقرر کیا اور ایمان لائے جو کوئی (مسلمانوں میں سے) ان کے پاس ہجرت کرکے آتا تو اس سے محبت کرتے اور مہاجرین کو (لوٹ کے مال میں سے) جو دیا جائے اس سے ان کے دلوں میں حسد نہیں ہوتا اور (مہاجرین کو آرام پہنچانا) اپنے آرام پر مقدم رکھتے ہیں گو ان کو تنگی ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص اپنے نفس کی بخیلی اور لالچ

سے بچایا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچی گے۔ اور ان لوگوں کا (بھی حق) ہے جو مہاجرین اور انصار کے بعد (مسلمان ہوکر) آئے وہ یہ دعا کرتے ہیں مالک ہمارے ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دل میں مسلمانوں کی طرف سے میل (کینہ) مت آنے دے مالک ہمارے بے شک تو بڑی شفقت والا مہربان ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

((لا تسبوا أصحابي ؛ فوالذي نفس محمد بيده لو أنفق أحدكم مثل أحدٍ ذَهباً ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه)) ❶

''میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو برا بھلا نہ کہو: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا وہ ان کی ایک مٹھی یا آدھی مٹھی کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

مشاجرات صحابہ میں گہرائیوں میں جانے اور لے دے کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والی کشمکش اجتہادی غلطی کا نتیجہ تھی؛ کوئی با ارادہ اور جان بوجھ کر کیا ہوا کام نہیں تھا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے پاس کوئی دلیل تھی جس کی وجہ سے وہ خود کو حق پر سمجھتے تھے۔ اس اجتہاد میں بعض حق پر تھے، جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ؛ اور بعض اس سے عدول کر گئے تھے۔ لیکن جہاں تک قتال کا تعلق ہے تو ان میں سے کسی بھی فریق کے لیے مناسب نہیں تھا، اور نہ ہی ان لوگوں کی خواہش جنگ کرنا تھا، بلکہ ان لوگوں نے جنگ کو ختم کرنے کے لیے بھرپور کوششیں کیں، مگر جو شریر لوگ خوارج وغیرہ ان کی صفوں میں گھس گئے تھے ان کی وجہ سے جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مزید فضائل جاننے کے لیے اسی کتاب کا پیرایہ نمبر ۲۹، اور ۹۷ ملاحظہ کریں۔

مال کی ضمانت

۱۲۲۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم -رحمك الله-: أنه لا يحل مال امريء مسلم إلا بطيبة من نفسه ؛ وإن كان مع رجل [مال]، حرامٌ فقد ضمنه ؛ لا يحل لأحد أن يأخذ منه شيئاً ؛ إلا بإذنه ؛ فإنه عسى [أن] يتوب هذا فيريد أن يرده على أربابه ، فأخذت حراماً.))

''اور جان لیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔: کسی مسلمان کا مال حلال نہیں ہے، سوائے اس کے نفس کی خوشی کے۔ اگر ایک انسان کے پاس حرام مال ہو، تو یقیناً اس پر تاوان ہے۔ کسی کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس میں سے کچھ بھی لے۔ سوائے اس کی اجازت کے۔ بیشک یہ قریب ہے کہ وہ توبہ کر لے۔ اور لوگوں کا مال انہیں لوٹا دینا چاہتا ہو، اور آپ اس سے حرام لے لیں۔''

❶ ابو داؤد ح: ٤٦٦٠۔ صحیح۔

شرح: ...... یہ بھی ایک اہم فقہی مسئلہ ہے کہ اگر کسی کے پاس چوری یا غصب شدہ کا مال ہو تو اسے جائز نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اسے کوئی دوسرا ہتھیانے کی کوشش کرے۔ جو بات لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے کہ چور کی چوری کرنا حلال ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کسی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ دوسرے کے ہاتھ سے مال کو مشروع طریقہ سے ہٹ کر لے۔ بھلے دوسرے کے ہاتھ میں حرام کا مال ہو، شاید یہ انسان کسی بھی وقت توبہ کرے، اور حق داروں کو ان کا حق لوٹا دینا چاہتا ہو، اور آپ اس کا مال چھین کر ہضم کر چکے ہوں، اس طرح سارا گناہ آپ کے سر جائے۔ ویسے بھی کسی کے پاس خواہ مال حلال کا ہو یا حرام کا مسلمان کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اس سے بغیر کسی وجہ کے یہ مال چھین لے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((کل مسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه)) ❶

''ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہیں۔''

دوسری روایت میں ہے:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله ، فإذا قالوها عصموا منى أموالهم ودمائهم إلا بحق الإسلام)) ❷

''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کو اس وقت تک قتل کروں جب تک وہ اللہ کے اکیلا معبود برحق ہونے کا اقرار نہ کرلیں۔ جب وہ کلمہ توحید کا اقرار کرلیں تو وہ مجھ سے اپنے مال اور جانیں محفوظ کرلیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ۔''

پس جو مال لوگوں سے زبردستی چھینا جاتا ہے، یا ان کی رضامندی کے بغیر لے لیا جاتا ہے، یا چوری یا خیانت سے حاصل کرلیا جاتا ہے، وہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (النساء: ۲۹)

''مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور سے مت کھاؤ مگر سوداگری کر کے آپس کی خوشی سے اور نہ خون کروا اپنا بے شک اللہ تم پر مہربان ہے (تمھاری ہلاکت وہ نہیں چاہتا)۔''

جو کوئی کسی مالک کسی بھی ناجائز طریقہ سے حاصل کرلے؛ اس پر اس کا تاوان ہوگا؛ یہاں تک کہ وہ مال اس کے مالک کو ادا کردے۔ اگر وہ اس دنیا میں حق دار کو اس کا حق نہیں ادا کرے گا تو آخرت میں اس سے حق دلوایا جائے گا، اور وہ بہت ہی سخت مرحلہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے حقوق کے بارے میں فرمایا:

((من كانت له مظلمة من أخيه من عرضه فليتحلله منه اليوم قبل أن لايكون دينار

❶ مسلم کتاب البر والصلة ۱۵۔ ❷ مسلم۔

ولا درهم إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته ، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه))

''جس نے اپنے بھائی کو تکلیف پہنچائی ہو، یا اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہو، پس اسے وہ اس دنیا میں ہی ختم کردے، اس سے قبل کہ وہ دن آئے جب اس کے پاس نہ دینار ہوا اور نہ ہی درہم، اور اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس سے اس ظلم کی قدر اعمال لے کر مظلوم کو دیے جائیں گے، اور اگر اس کی کوئی نیکی نہ ہوگی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر ڈالی جائیں گی۔'' (بخاری)

دنیا میں کسی کا حق ادا کردینا آخرت کی نسبت بہت ہی آسان بھی اور ممکن بھی۔

کسی انسان کا مال اس حجت سے لینا کہ اس کے پاس حرام کا مال ہے، لینا ہرگز جائز نہیں؛ اس کی تین وجوہات ہیں:

۱۔ جب کوئی جانتا ہے کہ وہ مال حرام کا ہے، تو پھر اس کو اپنے لیے کیسے حلال سمجھ لیا۔

۲۔ اگر یہ ظالم توبہ کرلے، اور مال واپس کرنا چاہے تو اس دوسرے آدمی کے مال لینے کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکے گا، تو گناہ کا یہ بوجھ بعد والے کے سر ہوگا۔

۳۔ دوسرا انسان بھی ہر لحاظ سے اس جرم میں اس کے شریک ہوگیا۔ بلکہ یہ جرم پہلے سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ پہلا انسان اسے گناہ سمجھ کر اس کا ارتکاب کرتا ہوگا، مگر دوسرے نے اللہ کی شریعت کی کو بدل دیا؛ اور حرام کو اپنے لیے حلال سمجھ کرلیا۔

کسبِ معیشت کا بیان

۱۲۳۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والمكاسب [مطلقة] ما بان لك صحته ؛ فهو مطلق؛ إلا ما ظهر فساده؛ وإن كان فاسداً يأخذ من الفساد مسيكة نفسه ؛ [و] لا تقول: " أترك المكاسب و آخذ ما أعطوني-"لم يفعل هذا الصحابة ولا العلماء إلى زماننا هذا۔ وقال عمر [ابن خطاب] رضی اللہ عنہ: [وكسب فيه بعض الدنية خير من الحاجة إلى الناس])) [1]

ہر قسم کے کسب جس کا صحیح ہونا آپ کے لیے ظاہر ہو، وہ مطلق ہے۔ سوائے اس کے جس کا فساد ظاہر ہو۔ اگر وہ فاسد ہو تو، اسے فاسد پر محمول کرتے ہوئے اس سے رک جانا ہوگا۔

یہ نہ کہو کہ میں کسب ترک کرتا ہوں، اور وہی لے لوں گا جو مجھے دیا جائے گا۔ یہ نہ ہی تو صحابہ ایسے کیا ہے،

[1] اخرجه ابن ابی الدنیا فی اصلاح المال(رقم: ۳۲۱)؛ و وکیع بن الجراح کما فی کنز العمال (۱۲۲/۴)؛ و أورده ابن الجوزی فی مناقب عمر رضی اللہ عنہ ص (۱۹۴) وإسناده لا بأس به۔"

اور نہ ہی آج تک کے علماء نے ایسے کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایسا کسب جس میں تھوڑی بہت حقارت ہو، اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کا محتاج بن کر بیٹھا جائے۔''

شرح: ......رزق حلال کمانا انبیاء وصالحین کا طریقہ کار اور ان کی سنت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی فضیلت اور کرامتیں مخفی رکھی ہوئی ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام گھر بار چھوڑ کر چلے گئے تو اس پردیس اور بے چارگی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے ایک اچھا ٹھکانہ اور اچھا جیون ساتھی اپنے فضل سے اس مزدوری کے بدلہ میں دیا۔ اللہ تعالیٰ شعیب ں کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿قَالَ إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِيْ ثَمَانِيَ حِجَجٍ﴾

(القصص: ۲۷)

''میں چاہتا ہوں کہ تمہارا نکاح ان دو بیٹیوں میں سے کسی ایک سے اس بات پر کر دوں کہ تم میری خدمت کرو آٹھ سال۔''

اور ایسے ہی وہ کام جو انسان اپنے ہاتھ سے کرتا ہے، محنت مزدوری؛ اور دیگر ذرائع معاش جن کی حرمت شریعت میں نہ ہو، سب جائز ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنفِقُوْا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾

(البقرة: ۲۶۷)

''مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں اُن میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔''

تمام تر ذرائع کسب، ملازمتیں اور فنون، تنخواہیں اور دیگر الاؤنسز؛ طلب رزق حلال، کسبِ معیشت اور تجارت وغیرہ کی اصلیت اباحت – حلال اور جائز – ہے۔ جب تک ان میں کسی حرام یا مشتبہ چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الحلال بين وإن الحرام بين ، وبينهما أمور مشتبهات ؛ فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ؛ ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام))[1]

''بیشک حلال بھی واضح ہے اور بیشک حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان چند متشابہ امور ہیں۔ جو ان متشابہات سے بچا سو اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کر لی؛ اور شبہات میں واقع ہوا سو وہ حرام میں جا گرا۔''

[1] متفق علیہ بخاری ۱۹٤٦؛ ۱۵۹۹، من حديث نعمان بن بشير۔

متشابہ وہ ہے جس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہوسکے کہ وہ حلال ہے یا حرام ۔ اس صورت میں توقف کیا جائے گا؛ یہاں تک کہ اس کی حقیقت و اصلیت ظاہر ہو جائے۔

پاکیزہ رزق کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ جس کو انسان نے اپنے ہاتھ سے کمایا ہو، اور اس کے کمانے کے لیے اپنی تمام تر جدو جہد صرف کی ہو۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے بہترین رزق قرار دیتے ہوئے فرمایا:

((ما أكل أحد طعاماً قط خيراً من أن يأكل من عمل يده ؛ وإن نبي الله داؤد كان يأكل من عمل يده))

''کسی ایک نے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کھانا کبھی نہیں کھایا؛ اور بیشک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔'' بخاری ۲۰۷۲۔

رزق حلال کی تلاش میں خود کو تھکا دینا، اور خوب محنت کرنا اللہ کے ہاں معافی اور نجات کا ذریعہ ہے؛ ایک حدیث میں ہے:

((من بات كالاً من عمله بات مغفوراً له۔)) (فتح الباری)

''جس انسان نے اپنے کام سے تھک کر رات گزاری، اس نے گناہوں سے بخشش میں رات گزاری۔''

اگر ان میں سے کوئی چیز فاسد یا حرام ہے، اور کسی انسان کو مجبوری کی حالت میں کچھ اور نہیں ملتا اور اپنی جان ضائع ہونے کا اندیشہ ہے؛ تو اپنی ضرورت کی قدر اس میں سے لینا جائز ہے۔ مثال کے طور پر مردار حرام ہے، مگر جب انسان کے پاس کوئی اور چارہ کار نہ ہو، اور اس کی موت واقع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس میں سے بقدر ضرورت حد سے تجاوز کیے بغیر لے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَ مَآ أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (البقرہ: ۱۷۳)

''اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون (جو بہتا ہو) اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر (کاٹتے وقت) اللہ کے سوا اور کسی کا نام پکارا جائے حرام کیا ہے پھر جو کوئی لاچار ہو جائے لیکن نافرمانی اور سرکشی نہ کرتا ہو اور حد سے زیادہ نہ بڑھے تو اس پر (ان چیزوں کے بھی کھا لینے کا)۔''

ایسے ہی باقی ذرائع کسب کے بارے میں ہے۔ اگر کوئی کسب ناجائز ہو؛ تو بوقت ضرورت اسے اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے اختیار کرنا بقدر ضرورت جائز ہے۔ مگر کوئی یہ نہ کہے کہ میں اللہ پر توکل کیے ہوئے ہوں، اور میں عبادت کے لیے یا حصول علم کے لیے بیٹھ جاؤں گا، اور لوگ مجھے کچھ نہ کچھ دیں گے، یا کوئی اور سبب پیدا ہو جائے گا۔ ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ ایسا آج تک کے علماء و صالحین نے نہیں کیا۔ بلکہ خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی تاجر تھا تو کوئی مزدور؛ کسی کے پاس کوئی فن تھا تو کوئی دوسرا کسی کے ہاں

ملازم اور خادم۔ حالانکہ یہ سب سے زیادہ متقی، اللہ سے ڈرنے والے اور اس پر توکل کرنے والے تھے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایسا کسب جس میں کچھ حقارت ہو، لوگوں کا محتاج بن کر بیٹھ جانے سے بہتر ہے۔''

اہل بدعت کا بیان

۱۲۴۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والصلوات الخمس جائزة خلف من صليت خلفه ؛ إلا أن يكون [جهمياً]؛ فإنه معطل ؛ فإن صليت خلفه فأعد صلاتك ؛ وإن كان امامك يوم جمعة جهمياً وهو سلطان فصلِّ خلفه ؛ وأعد صلاتك ؛ وإن كان إمامك من سلطان؛ وغيره صاحب سنة ، فصلِّ خلفه ولا تعد صلاتك۔))

''اور پانچوں نمازیں جس کے پیچھے بھی ادا کی جائیں جائز ہیں، سوائے جہمیہ کے۔ اس لیے کہ وہ معطلہ فرقہ سے ہے۔ اگر آپ نے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی ہے، تو اس نماز کو دوبارہ پڑھا جائے۔ اگر جمعہ پڑھنے کے لیے امام جہمی ہو، اور وہ حاکم بھی ہو؛ تو اس کے پیچھے جمعہ پڑھ لو؛ اور پھر اپنی نماز کا اعادہ کردو اور اگر امام یا سلطان یا کوئی دوسرا اہل سنت ہو، تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لو، اور اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ❶

شرح: ...... (مصنف رحمہ اللہ کا فرمان):[...... وہ معطلہ فرقہ سے ہے]۔معطلہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر ہیں۔ صفات الٰہیہ کے منکرین اور مؤولین پر اجمالی رد گزر چکا ہے۔ یہ بدعت بھی علم کلام اور علم فلسفہ کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئی۔ ورنہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین تعطیل سے بالکل ان جان تھے۔ ان کے دور میں یہ بدعت نہیں تھی۔

اس بدعت کا ایک اور محرک غیبی شرعی امور میں عقل کی بے جا دخل اندازی ہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صفات مانیں گے تو اس سے تشبیہ لازم آئے گی اور اللہ تعالیٰ تشبیہ سے منزہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جو ان سے بڑھ کر اپنی ذات کے متعلق جانتا ہے، اس نے خود ہی اپنی صفات بیان کی ہیں۔ پھر کسی کے لیے انکار کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

بدعتی کی امامت

(مصنف رحمہ اللہ کا فرمان):[اگر امام یا سلطان یا کوئی دوسرا اہل سنت ہو، تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لو]: یہ مسئلہ امام اکبر-حکمران- سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر وہ نماز پڑھا رہا ہو تو فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے۔

❶ دیکھیں: المغنی لابن قدامه (۲/۱۸۵-۱۸٦) و "مجموع الفتاوى" (۲۳/۳۵٤-۳۵)۔

اگر ایسا نہیں ہے، عام امام مسجد یا خطیب ہے، اور وہ خالص بدعتی عقیدہ پر تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں، اور ان کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز دوبارہ پڑھی جائے گی۔ ایسے رافضی کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز بھی دوبارہ پڑھی جائے گی۔

اگر یہ عام امام بدعتی نہیں فاسق ہے، تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اس کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

اوّل: ...... امام ہونے کے لیے عادل ہونا شرط ہے اور فاسق انسان (کبیرہ گناہ کا مرتکب) عادل نہیں ہوتا؛ لہٰذا نہ ہی اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے، اور نہ ہی اسے امام بنایا جائے۔

دوم: ...... جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے، اور نماز بھی پڑھتا ہے، اگر اس کی یہ نماز خود اس کے حق میں درست ہے، تو دوسرے کو نماز پڑھانا بھی درست ہے، اسکے پیچھے نماز ہو جائے گی۔

دراوی کہتا ہے: (نماز فاسق کے پیچھے تو ہو جائے گی اگر یہ اتفاقیہ معاملہ ہو؛ جیسا کہ دوران سفر راستوں کی مساجد میں نماز پڑھنے کا موقع آجائے)۔ ورنہ مسجد کے مستقل امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو۔ فاسق انسان کو مستقل امام بنالینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، چاروں مذاہبِ اہل سنت کا امامت کی شروط میں سے ایک شرط عادل ہونے پر اتفاق ہے۔ تو پھر اس کو نافذ کرنا بھی لازمی ہے۔ فاسق انسان جیسے: داڑھی منڈھا، سگریٹ نوش؛ وغیرہ نہ ہی اس کی امامت درست ہے نہ ہی اقامت، اور نہ ہی آذان؛ مگر لوگوں میں یہ مرض اس قدر پھیل چکا ہے کہ وہ اس کی شروط سے بالکل لاعلم ہوتے جارہے ہیں، واللہ المستعان)۔

اہل علم کو چاہیے کہ وہ اتفاقیہ طور پر بھی بدعتی اور فسق و فجور میں مبتلا آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کیونکہ اس سے اس کی حوصلہ افزائی ہوگی، اور اسے لوگوں میں یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ فلاں عالم نے میرے پیچھے نماز پڑھی ہے، اور اس طرح لوگوں کو دھوکہ دے گا۔ یہ عالم کے جاننے والے شریک سفر اسے جواز سمجھ کر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دیں گے۔ نماز جتنی ہی اہم ترین عبادت ہے اس کی حفاظت کے لیے اتنا ہی ضروری ہے کہ انسانی باقی شرطوں (جیسے کہ طہارت، استقبال قبلہ وغیرہ) کے ساتھ ساتھ امامت کے درست ہونے کی شرائط پر بھی توجہ دے۔ خصوصاً اس دور میں جب بدعات اور فسق و فجور پھیل رہے ہیں، اہل علم علمائے کرام اور طلبہ، دین دار طبقہ مساجد کے نگران حضرات اور باقی لوگوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ امامت کی شروط لوگوں کو سمجھائیں، اور صرف ایسے انسان کو امام بنائیں جو سنت کا پابند ہو، بھلے اس کے پاس تھوڑا ہی علم ہو، مگر وہ بدعات اور کھلے ہوئے فسق و فجور سے بچ کر رہنے والا ہو۔ کیونکہ ایک فاسق امام کی وجہ سے پورے کے پورے دین دار طبقہ کی بدنامی بھی ہوتی ہے، اور انہیں خواہ مخواہ کی ذہنی اذیت بھی اس وقت پہنچتی ہے جب یہ سنا جاتا ہے کہ فلاں امام نے ایسے کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی سمجھ دے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

روضہ ءاطہر کی زیارت اور درود وسلام

۱۲۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والإيـمان بأنَّ أبا بكر وعمر [رضي الله عنهما]؛ في حجرة عائشة(رضي الله عنها) مع رسول الله ﷺ قد دفنا هناك معه ؛ فإذا أتيت القبر فالتسليم عليهما بعد رسول الله ﷺ واجب۔))

''اور اس بات پر ایمان کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کیے گئے ہیں۔ جب آپ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر جائیں تو آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے بعد ان دونوں حضرات پر سلام کرنا واجب ہے۔''

شــرح: ...... جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ؛ تو لوگوں میں اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ تو حضرت أبو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((سـمعت النبي ﷺ يـقـول :إن النبي لا يحول عن مكانه؛ يـدفن حيث يموت ؛ فنحوا فراشه فحفروا له موضع فراشه)) ❶

میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: ''بیشک نبی کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جاتا؛ اسے وہیں پر دفن کیا جاتا ہے، جہاں اس کی وفات ہوئی ہو۔ پھر انہوں نے آپ کا بستر ایک طرف کیا، اور بستر کی جگہ پر قبر کھودی گئی۔''

یہ جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تھی۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی۔ اگر آپ ﷺ کی قبر مبارک بقیع میں یا کسی دوسری جگہ پر ہوتی تو وہاں پر لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی قبر مبارک کو بدعتی اور مشرک لوگوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ایسے ہی کروایا۔ یہ چیز اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتی ہے، آپ فرماتی ہیں:

((قـال النبي صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي لم يقم منه :((لعن الله اليهود اتـخـذوا قبـور أنبيـائهم مساجد))۔ قالت عائشة : لو لا ذلك لأبرز قبره ؛خشي أن يتخذ مسجداً)) ❷

''نبی کریم ﷺ نے اپنی اس مرض میں جس سے آپ ﷺ اٹھ نہیں سکے، فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر مبارک ظاہر کردی جاتی۔''

❶ مصنف ابن أبي شيبة ؛كتاب المغازي؛ ما جا في وفاة النبي ﷺ؛ حديث ٣٦٣٤٢۔

❷ صحيح البخاري ؛كتاب المغازي؛ باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته ؛حديث : ٤١٨٦۔ مصنف ابن أبي شيبة ؛كتاب صلاة التطوع والإمام وأبواب متفرقة؛ في الصلاة عند قبر النبي ﷺ وأتيانه ؛ حديث : ٧٤٣٥۔

آپ ﷺ کے بعد آپ کے صاحبین جناب حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا تو ان کو بھی یہیں پر اپنے سچے یار کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

جب یہ قبریں بنائی گئیں تو اس وقت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد شریف سے باہر تھا۔ یہاں تک کہ جب ولید بن عبد الملک رحمہ اللہ کا دور آیا اور مسجد نبوی میں وسعت کرنا چاہی؛ تو اس حجرے کو بھی جیسے کا ویسا ہی مسجد شریف میں داخل کر دیا گیا؛ اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی اور بعد میں آنے والے لوگوں نے بھی مختلف ادوار میں مسجد میں توسیع کی، مگر ان قبروں کے ساتھ بالکل نہیں چھیڑا۔ اس پر ایمان رکھنا واجب ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے یاروں کی قبور کی معرفت حاصل ہو جائے اور جب آپ وہاں جائیں تو قبروں پر سلام کرنے کے لیے جائیں تاکہ اس زیارت اور سلام کا اجر و ثواب آپ کو مل سکے۔

اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ روافض و شیعہ پر رد کر رہے ہیں۔ جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر تبرا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ شراب خور خلفاء تھے، انہوں نے کتاب اللہ میں تحریف کی ہے، اور امام مہدی آکر ان کو قبروں سے نکال کر کوڑے لگائیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ﴾ (طٰه: ٥٥)

''اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے۔''

جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی مٹی سے پیدا کیا ہے، اور ایک ہی مٹی میں آرام فرما رہے ہیں، اور قیامت والے دن یہ تینوں دوست اللہ کی بارگاہ میں اسی مٹی سے اکٹھے اٹھ کر تشریف لائیں گے۔ اس سے بڑھ کر شرف والی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جب آپ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر...... دونوں حضرات پر سلام کرنا واجب ہے): یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی قبور شریفہ کی معرفت کا فائدہ ہے کہ جب آپ مسجد نبوی کی زیارت کریں تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی قبور کی زیارت بھی کریں اور وہاں پر صلاۃ و سلام پڑھیں۔ قبر اطہر پر سلام پڑھنے کی وہی الفاظ ہیں جو التحیات میں پڑھے جاتے ہیں (السلام عليك ايها النبي و رحمة الله و بركاته)؛ اس کے بعد درود ابراہیمی پڑھا جائے، پھر دائیں طرف ہو کر حضرت ابو بکر کی قبر پر ان الفاظ میں سلام کیا جائے: (السلام عليك يا أبو بكر الصديق و رحمة الله وبركاته) اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر پر بھی ان ہی الفاظ میں آ(السلام عليك يا عمر ابن خطاب و رحمة الله وبركاته) سلام کیا جائے۔ ان قبروں پر سلام کرنے کے بعد ایک طرف ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ تاکہ آپ کو یہاں آنے اور درود و سلام پڑھنے کا اجر بھی مل جائے۔ کہیں بھی قبروں پر جانے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہونا چاہیے کہ قبروں پر مکاشفہ یا چلہ کشی کی جائے، یا اہل قبور سے مدد مانگی جائے، انہیں اپنی مشکلات حل کرنے کے لیے پکارا جائے۔

امر بالمعروف کی ذمہ داری

۱۲۶۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والأمر باالمعروف ، والنهي عن المنكر واجب إلا من خفت سيفه و عصاه۔))

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔سوائے اس انسان کے جس کی لاٹھی یا تلوار کا خوف محسوس ہو رہا ہو۔''

شرح: ......امر بالمعروف اسلامی شعائر میں سے ایک شعیرہ (نشانی) اور فرائض میں سے ایک فریضہ ہے۔ کتاب وسنت میں اس کام کی بڑی اہمیت بیان ہوئی ہے اور اس فریضہ کی انجام دہی کو ایمان کی نشانی بتایا گیا ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من رأى منكم منكراً فليغيّره بيده، وإن لم يستطع فبلسانه ، وإن لم يستطع فبقلبه ، وذالك أضعف الإيمان)) ❶

''جو کوئی تم میں سے برائی کی بات دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے اپنی زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے دل میں برا جانے، اور یہ ایمان کا کم ترین درجہ ہے۔''

قرآن مجید میں اس امت کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی وجہ سے بہترین امت کہا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

''لوگوں کے (فائدے اور صلاح) کے لیے جتنی امتیں پیدا ہوئیں ان سب میں تم بہتر ہو تم اچھا کام کرنے کا حکم دیتے ہو اور برے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ ایمان لاتے ہو۔''

اسلام نے انسان کو یہ حق ہی نہیں دیا کہ وہ شریعت کی خلاف ورزی کرنے والے کو منع کرے بلکہ اس کام کو ایک اہم دینی فریضہ کا درجہ دیا ہے۔اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

(آل عمران : ۱۰۳)

''تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶ مسلم: باب بیان کون النهي عن المنكر من الايمان وأن الإيمان يزيد وينقص وأن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجبان : ۱۸۶۔

﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝﴾ (التوبة: ۷۱)

''اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اچھی بات سکھلاتے ہیں اور بُری بات سے منع کرتے ہیں اور نماز کو درستی کے ساتھ (وقت پر جماعت سے) ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہا مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا۔''

امر بالمروف ترک کرنے کی سزا

جب کہ اس کے برعکس برائی پر خاموش رہنا ،اور نیکی کا حکم نہ دینا منافقین کی صفت بیان کی گئی ہے ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾ (التوبة: ٦٧)

''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کو بُری بات (کفر اور گناہ) کرنے کا حکم دیتے ہیں ،اور اچھے کام کرنے سے منع کرتے ہیں ؛اور (خرچ کرنے کا وقت آئے تو) مٹھیاں بند کر لیتے ہیں (ایک پیسہ اللہ کی راہ میں نہیں خرچتے)۔''

یعنی خرچ کرنا ان پر بہت گراں گزرتا ہے،اور مال ان کے ہاں ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہے، جب کہ مؤمنین اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اپنے مال سے زکواۃ اور صدقات دیتے ہیں۔لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں۔یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں تاکہ معاشرہ سے برائیوں کا خاتمہ ہو، اور اللہ کا دین غالب اور قائم رہے۔

کسی انسان کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو، اور پھر کہے کہ میں تو صرف اپنے نفس کا ذمہ دار ہوں۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی یہ صفت بیان کی ہے:

﴿وَالْعَصْرِ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۝﴾ (العصر: ۱۔۳)

''عصر کے وقت کی (یا نماز کی یا زمانے کی) قسم۔ بے شک سب آدمی گھاٹے ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق پر چلنے کی نصیحت کرتے رہے اور (مصیبت میں) صبر کرنے کے لیے کہتے رہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن أول ما دخل النقص على بني سرائيل كان الرجل يلقى الرجل فيقول يا هذا اتق الله ودع ما تصنع فإنه لا يحل لك؛ ثم يلقاه من الغد فلا يمنعه ذلك أن يكون أكيله و شريبه وقعيده فلما فعلوا ذلك ضرب الله قلوب بعضهم ببعض- ثم قال: ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِن بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوْا يَعْتَدُونَo كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُونَo﴾ (المائدہ: ٧٨- ٧٩) ثم قال: كلا والله لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر ولتأخذن على يدى الظالم ولتأطرنه على الحق أطرا ولتقصرنه على الحق قصراً-)) ❶

''بیشک بنی اسرائیل میں سب سے پہلا نقص یہاں سے آیا کہ ان کا کوئی آدمی جب اپنے کسی بھائی کو گناہ میں مبتلا دیکھتا، تو (رسماً) اسے منع کرتا، اور کہتا: اے انسان! اللہ تعالیٰ سے ڈرو؛ اور جو کچھ کر رہے ہو، اسے چھوڑ دو یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے اور جب کل کے دن اس سے ملتا، تو جس چیز پر اسے دیکھتا، اسے منع نہ کرتا، تاکہ وہ اس کے ساتھ کھانے پینے والا اور اس کا شریک کار بن جائے۔ جب اللہ نے ان میں یہ چیز دیکھی تو ان کے بعض کے دلوں کو بعض کے دلوں پر دے مارا؛ پھر آپ نے یہ آیات مبارکہ تلاوت کی:

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِن بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوْا يَعْتَدُونَo كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُونَo﴾

(المائدہ: ٧٨- ٧٩) ''بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد علیہ السلام اور عیسی بن مریم علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے منع نہ کرتے تھے، اور جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً بہت ہی برا تھا۔''

پھر آپ نے فرمایا، ہرگز نہیں (ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے)! تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے، اور غلط کار کو اس کے بازو سے پکڑ لو گے، اور اسے حق پر لے کر آؤ گے، یا اللہ تمہارے دلوں کو ایسے بعض کے دل پر دے مارے گا یہ تم پر ایسے لعنت کریں گے جیسے ان پر لعنت کی۔''

حضرت حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((والذی نفسی بیده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن

❶ ابوداؤد: باب الأمر و النهي ٤٣٣٨-سنن الترمذي، باب: ماجاء في الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر؛ برقم ٢١٦٩؛ السنن الكبرى للبيهقي؛ برقم ٢٠٦٩١-

يبعث عليم عقابا منه ثم تدعونه فلا يستجاب لكم)) ❶

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور بالضرور بھلائی کا حکم دو گے، اور برائی سے منع کروگے، یا پھر قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب مسلط کردے، تم اسے پکارو، اور وہ تمہاری دعا کو نہ سنے۔''

سو یہ تو حتمی بات ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا مسلمان پر واجب ہے۔ اس کا سب سے پہلا مرحلہ خود اپنے ہاتھ سے برائی کو روک دینے کا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ یعنی جو کوئی حاکم ہو، یا کسی علاقے کا بڑا ہو، انتظامی ذمہ دار ہو، یا وہ اسلامی حکومت کے وہ محکمہ جات جن کی ذمہ داری اس بات کی لگائی گئی ہو، انہیں چاہیے کہ وہ اس میں بالکل سستی کا مظاہرہ نہ کریں، اور نہ ہی اللہ کے دین کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف آڑے آئے۔ گھر کا بڑا انسان یا گھرانے کا ذمہ دار اپنے گھر کے اندر برائی سے اپنے ہاتھ سے روکے اور جو کوئی اس کا اہل نہ ہو؛ اسے چاہیے کہ نصیحت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی زبان سے منع کرے اور حلال وحرام واضح کرے۔ ایسا کرنا واعظین، مبلغین، مدرسین اساتذہ؛ خطباء اڑوس پڑوس کے لوگوں کا حق ہے۔ انہیں چاہیے کہ اللہ کی نافرمانی پر خاموش نہ رہیں، بلکہ لوگوں کو سمجھائیں۔ اس میں تحریری، تقریری اور سمعی و بصری وسائل (میڈیا) وغیرہ بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں، اور میڈیا کے ذمہ داران کو چاہیے کہ وہ اللہ کے جوابدہی کے لیے تیاری کرلیں، اور برائیوں روکنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

اور جب اس کی بھی طاقت نہ ہو، تو انسان برائی پر راضی نہ ہو جائے، بلکہ اسے برائی سمجھ کر اس سے ناراضگی کا اظہار کرے بھلے وہ اپنے دل کے اندر ہی ایسا کیوں نہ سوچ رہا ہو۔ یہ سب سے ادنی حد ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيعُوْا﴾ (التغابن: ١٦)

''تو (مسلمانو) جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور (اسکا حکم) سنو اور مانو''۔

جب انسان نہ ہی ہاتھ سے برائی کو روک سکے، نہ ہی زبان سے منع کرے، اور نہ ہی دل میں اسے برا جانے؛ تو یہ اسکے ایمان سے خالی ہونے کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وليس وراء ذلك من الإيمان مثقال حبة من خردل)) ❷

''اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔''

اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ ہاتھ سے روکنے کی صورت میں قتل کردیا جائے گا، یا مار پیٹ ہوگی؛ تو پھر زبان سے منع

---

❶ الجامع الترمذي ؛ ح: ٢١٦٩ باب ؛ ما جاء في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر۔قال أبو عيسىٰ هذا حديث حسن؛ قال الشيخ الألباني : حسن۔

❷ المعجم الكبير ١٣/١٠؛ح: ٩٧٨٣۔شعب الإيمان للبيهقي ٨٦/٦، ح: ٧٥٦٠۔ صحيح ابن حبان ٧٣/١٤؛ ح: ٦١٩٣، قال شعيب أرناؤوط: أسناده قوي۔

کیا جائے، مثال کے طور پر: والی یا حاکم کا خوف ہو، تو اس صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حسب مصلحت ہی واجب ہوں گے۔ ایسے موقع پر خوش اسلوبی اور نرم مزاجی اور حکمت کے ساتھ نصیحت کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس پر بھی خوف اور اندیشہ لاحق ہو تو دل سے برا سمجھا جائے۔ اس سے کم تر ایمان کا درجہ کوئی نہیں ہے۔

سلام کرنے کا حکم

۱۲۷ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والتسليم على عباد الله أجمعين.))

''اور اللہ کے تمام بندوں کو سلام کرنا واجب ہے۔''

شرح: ......مصنف کا قصد مسلمانوں پر سلام کرنا ہے۔ اسلامی شعائر میں سے ایک آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا ہے اور قیامت کے نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ سلام آپس میں جاننے والوں کے درمیان محدود ہو جائے گا۔ جب کہ حکم یہ ہے کہ ہر مسلمان کو سلام کیا جائے۔ یعنی جب بھی دو مسلمان آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کو بات کرنے سے پہلے سلام کریں، یعنی "السلام عليكم ورحمة الله وبركاته" کہیں، اور اس سے ہاتھ ملائے، اور سننے والا جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾ (النساء: ٨٦)

''جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے اچھا جواب دو، یا اس جیسا ہی جواب دو۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر سلام کرنے والے نے "السلام عليكم ورحمة الله" کہا ہے تو آپ جواب میں وبرکاتہ کا اضافہ کر دیں اور اگر اس نے "السلام عليكم ورحمة الله وبركاته" کہا ہے تو آپ اس کے لیے ساتھ میں مزید اضافہ کرتے ہوئے اس کی خیر و عافیت دریافت کر لیں۔

ایسے ہی اگر انسان اپنے گھر میں بھی داخل ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر والوں پر سلام کرے، اور ان سے خیر و عافیت دریافت کرے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (النور: ٦١)

''پھر جب تم گھروں میں (کھانے کے لیے) گھسنے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو۔ یہ ایک اچھی دعا ہے اللہ کی طرف سے (یعنی اللہ نے اس کا حکم دیا ہے) برکت والی پاکیزہ اللہ یونہی (اپنے) حکم تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اس لیے کہ تم عقل آئے (یا تم سمجھو)۔''

جب بھی مسلمان آپس میں ملیں تو انہیں چاہیے کہ ایک دوسرے کو سلام کریں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کے پاس سے گزرتا ہے اور اسے سلام نہیں کرتا تو فرشتے اس پر تعجب کرتے ہیں ۔ حدیث میں آتا ہے: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا اسلام کا کون سا کام سب سے افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إطعام الطعام تقرأُ السلام على من عرفت ومن لم تعرف)) ❶

"کھانا کھلانا اور خواہ آپ کسی کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں سب کو سلام کرنا۔"

مصافحہ کرنے کا فائدہ

سلام کے آداب میں سے مصافحہ کرنا ہے ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلّم عليه وأخذ بيده فصافحه تناثرت خطاياهما كما يتناثر ورق الشجر)) ❷

"جب مومن کسی مومن سے ملتا اور اس کو سلام کرتا ہے، اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرتا ہے، ان کے گناہ ایسے گر جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے گرتے ہیں"۔

ایک دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ فرمایا:

((ما من مسلمين يلتقيان فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يتفرقا)) ❸

"جب کوئی دو مومن آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں، ان کے جدا ہونے سے قبل ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((والذي نفسي بيده، لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم)) ❹

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے، جب تک ایمان نہ لے آؤ، اور اس وقت تک ایمان نہیں لا سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگ جاؤ؛ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تم آپس میں محبت کرنے لگ جاؤ گے؟ آپس میں سلام کو عام کرو۔"

---

❶ متفق علیہ۔البخاری، باب: إطعام الطعام من الإسلام، ح: ۱۲۔ وباب: السلام للمعرفة و غير المعرفة برقم ۶۲۳۶۔ أخرجه مسلم في الإيمان باب بيان تفاضل الإسلام وأي أموره أفضل رقم: ۳۹۔

❷ المعجم الأوسط ۱/ ۸٤ برقم ۲٤۵؛ سلسلہ صحیحہ ۵۲۶۔

❸ احمد/ حسنہ البانی ابوداؤد ح نمبر ۱۵٤۔

❹ مسلم؛ باب: استحباب القاتل سلب القتيل؛ ح: ۱۷۵۳۔ صحيح ابن حبان برقم: ۲۳۶۔ سنن الترمذي، باب: ما جاء في إفشاء السلام، ح: ۲۶۸۸۔ سنن ابن ماجة، باب: افشاء السلام، ح: ۳۶۹۲۔

عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يا أيها الناس! أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلوا بالليل والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام)) ❶

''اے لوگو! سلام کو عام کرو، اور کھانا کھلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں اس وقت نماز پڑھو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

نماز جمعہ کی اہمیت

۱۲۸ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومن ترك [صلاة الجمعة] والجماعة في المسجد من غير عذر؛ فهو مبتدعٌ۔ والعذر: كمرض لا طاقة له بالخروج إلى المسجد؛ أو خوف من سلطان ظالم؛ وما سوى ذلك فلا عذر له۔))

''جس نے جمعہ کی نماز چھوڑ دی؛ اور بغیر کسی عذر کے مسجد میں باجماعت نماز ترک کر دی؛ وہ مبتدع ہے اور عذر یہ ہے کہ: ایسا مرض ہو جس کی وجہ سے مسجد کی طرف نکلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو؛ یا کسی ظالم حکمران کا خوف ہو اور اسکے علاوہ کوئی عذر نہیں ہے۔''

شرح: ...... مقصود یہ ہے کہ جو کوئی جان بوجھ کر جمعہ اور جماعت چھوڑ دے؛ سستی اور تساہل سے نہیں۔ یا کسی خاص امام (مذہب یا سلسلہ) کا پیروکار ہونے کی وجہ سے دوسرے مسلمان کے پیچھے نماز ترک کر دے۔ یہاں پر شیخ کے کلام سے مقصود اہل بدعت کے کچھ گروہ ہیں جو آئمہ اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان لوگوں کا باجماعت نماز ترک کرنا ان کے بدعتی ہونے کی نشانی ہے۔

نماز کا باجماعت ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جب کہ جمعہ کی تاکید تو بہت ہی زیادہ ہے۔ مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ حاضر ہو کر جمعہ کی نماز ادا کرے۔ باجماعت نماز کا پڑھنا انتہائی ضروری ہے؛ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (الجمعه: ۹)

''مسلمانو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد (نماز) کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو۔''

---

❶ الترمذي، بدون ذكر الباب ،برقم ٢٤٨٥؛ حاكم في المستدرك ،برقم ٤٢٨٣، ابن ماجة؛ باب: ماجاء في قيام الليل ،برقم ١٣٣٤؛ وباب: إطعام الطعام برقم ٣٢٥١۔ / صحيح ۔شعب الإيمان برقم: ٣٣٦١۔وقال الألباني: صحيح۔

جمعہ مسلمانوں کی اجتماعیت کا مظہر ہے۔ جمعہ عبادت کا اجتماع ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے نہ صرف کئی معاشرتی مسائل کے حل کرنے میں مدد ملتی ہے، بلکہ اس سے مسلمانوں کی شان و شوکت بڑھتی ہے، اور دشمن پر ان کی دھاک بیٹھتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جمعہ کی روح فوت ہو چکی ہے۔ خطباء نے اسے اپنے جوشِ خطابت کے اظہار کا ذریعہ بنالیا ہے۔ ورنہ حکم یہ ہے کہ لوگ جمع کے دن پہلے وقت میں جمع ہو جائیں۔ خطیب صاحب خطبہ مختصر رکھیں اور نماز لمبی کریں اور خطبہ میں لوگوں کو قصے کہانیاں سنانے کے بجائے شرعی مسائل اور پیش آمدہ ضروریات و واقعات اور مسائل سے آگاہ کریں۔

نماز با جماعت کا مسئلہ

پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنے کے لیے آزاد؛ عاقل ؛ بالغ، اور تندرست مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پانچ وقت با جماعت نماز مسجد میں ادا کرے۔ آذان کی آواز سن کر گھر میں یا اکیلے (دکان وغیرہ پر) نماز پڑھنے والے کی نماز درست نہیں ہوتی؛ اور مسجد سے کچھ فاصلے پر اپنی جماعت کھڑی کر لینا بھی درست نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من سمع النداء فلم يجب فلا صلاة له إلا من عذر)) ۔قيل : وما العذر يا رسول الله ! قال: ((خوف أو مرض)) ❶

"جس نے آذان کی آواز سنی اور اسے قبول نہ کیا (مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے نہ گیا) اس کوئی نماز نہیں ہوتی؛ سوائے عذر کے۔" آپ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! عذر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "خوف یا بیماری۔"

یعنی بغیر عذر کے جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کی نماز صحیح نہیں ہے۔ یہ حدیث با جماعت نماز کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((من سره أن يأتي الله تعالى آمنا فليأت هذه الصلوات الخمس حيث يؤذن لها ، فإنهن من سنن الهدى ، ومما سنه لكم نبيكم ﷺ ، ولا يقل :إن لي مصلي في بيتي ، فأصلي فيه ، فإنكم إن فعلتم ذلك تركتم سنة نبيكم ﷺ ، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم، والذي نفسي بيده ، لقد رأيتنا في زمن النبي ﷺ وما يتخلف عنها إلا منافق بين النفاق ، حتى كان الرجل المريض يهادى بين الرجلين ، حتى يقام في الصف)) ❷

❶ سنن الترمذي،باب : ماجاء فيمن يسمع النداء فلا يجيب ؛ برقم ٢١٧ـ و ابن ماجة ،باب : التغليظ في التخلف عن الجماعة ، برقم ٧٩٠؛ والحاكم في المستدرك ،باب : التأمين؛ برقم ٨٩٥ـ و صحح ابن حبان و الألباني۔

❷ صحيح مسلم ؛كتاب المساجد ومواضع الصلاة؛باب صلاة الجماعة من سنن الهدى حديث : ١٠٨١ـ المطالب العالية للحافظ ابن حجر العسقلاني؛ كتاب الصلاة؛ باب صلاة الجماعة؛حديث : ٤٢٣ـ ومستخرج أبي عوانة ؛مبتدأ أبواب مواقيت الصلاة؛ ابتدأا بواب الصلوات وما فيها ؛ بيان إيجاب إتيان الجماعة و الفريضة إذا نودى بها بسكينة ووقار وحظر؛ حديث : ٩٨٦ـ وفيه: ((وما كان رجل يتطهر فيحسن الطهور ، ثم يعمد إلى مسجد من هذه المساجد! لاكتب الله له بكل خطوة يخطوها حسنة ويرفعه بها درجة ويحط عنه بها سيئة))۔
"کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جو طہارت حاصل کرتا ہو، اور اچھی طرح سے طہارت حاصل کرتا ہو، پھر ان میں مساجد میں سے کسی ایک مسجد کا قصد کرے، مگر اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہر قدم چلنے کے بدلے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں؛ اور اس کا ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے، اور ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔"

''جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس امن کی حالت میں آئے، اسے چاہیے کہ ان پانچ نمازوں کو ادا کرنے کے لیے آئے جہاں سے بھی ان کے لیے ندا لگائی جائے۔ بیشک یہ ہدایت کی سنت ہیں، اور ان سنتوں میں سے ہیں جو تمہارے نبی نے تمہارے لیے مقرر کی ہیں اور یہ نہ کہے کہ میرے گھر میں مصلی ہے، میں وہ پر نماز پڑھ لیتا ہوں، بیشک اگر تم ایسا کروگے تو اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے، اور اگر اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس ذات کے قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ہم نے خود کو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دیکھا ہے؛ اس نماز سے سوائے کھلے ہوئے منافق کے کوئی بھی پیچھے نہیں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کسی بیمار آدمی کو دو آدمیوں کے درمیان سہارا دیکر لایا جاتا، یہاں تک کہ اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا نماز کے بارہ میں یہ عقیدہ اور عمل تھا۔ جو کوئی چل نہ سکتا، اسے گھسیٹ کر لایا جاتا مگر وہ جماعت کے ساتھ نماز نہ چھوڑتا۔ ایسے ہی نمازِ جمعہ کا چھوڑنا غفلت، اور دل پر مہر لگ جانے اور اس کی سختی کا سبب ہے؛ جس کے بعد انسان کا ہدایت پر آنا مشکل ہوتا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لینتهين أقوام عن ودعهم الجمعات، أو ليختمن الله على قلوبهم، ثم ليكونن من الغافلين)) ❶

''لوگوں کو جمعہ چھوڑنے سے باز آجانا چاہیے، نہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے، اور وہ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔''

پہلی حدیث کے آخر میں خوف اور عذر کی حالت میں باجماعت نماز سے پیچھے رہ جانے کی اجازت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یا تو ایسا مرض ہو جس کی وجہ سے انسان بالکل کسی طرح بھی چلنے کے قابل ہی نہ ہو۔ یا چلنے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو۔ یا ایسے حالات ہوں کہ مسجد کے لیے نکلتے ہوئے دشمن کا خوف ہو کہ جان ہی چلی جائے گی۔ یا ایسا علاقہ ہو جہاں درندوں وغیرہ کا خوف ہو، تو اس صورت میں گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

امام کی اقتداء

۱۲۹ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومن صلى خلف إمام فلم يقتد به فلا صلاة له۔))

''جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی، اور اس کی اقتداء نہیں کی، اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔''

❶ مسلم؛ باب: التغليظ في ترك الجمعة برقم ۲۰۳۹۔ صحيح ابن حبان، باب: صلاة الجمعة، برقم ۲۷۸۵۔ السنن الصغرى، باب فرض الجمعة: برقم ۶۰۱۔ سنن النسائي، باب: التشديد في التخلف عن الجمعة برقم ۱۳۷۰۔

شرح: ......یعنی جس امام کے پیچھے کھڑا ہو،اس کی اقتداء کی نیت کرنا بھی لازمی ہے۔کیونکہ اعمال کا دارو مدار تو نیت پر ہے۔اگر امام کے پیچھے صف میں کھڑا تو ہوگیا مگر اس کی اقتداء کی نیت نہیں کی ؛ توایسی نماز درست نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

((إنما جعل الإمام ليؤتم به ......)) ❶

''بیشک امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے......۔''

یہ اصل میں ان گمراہ لوگوں پر رد ہے جو مسلمانوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ، بلکہ ان پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں ، اور اگر کہیں مجبوری سے پھنس بھی جائیں تو ان کے پیچھے صف میں تو کھڑے ہو جاتے ہیں مگر باجماعت نماز کی نیت نہیں کرتے ، بلکہ اپنی انفرادی نماز پڑھتے ہیں،اور ریاکاری کرتے ہوئے صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

امر بالمعروف کون کرے؟

۱۲۰ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر باليد واللسان والقلب بلا سيف۔))

''اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہاتھ سے ہے،اور زبان سے ہے اور دل سے ہے۔بغیر تلوار کے۔''

شرح: ......یہی بات حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ثابت ہے،وہ فرماتے ہیں: میں نے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے:

((من رأى منكم منكراً فليغيره بيده ، فإن لم يستطع فبلسانه ، فإن لم يستطع فبقلبه ، وذالك أضعف الإيمان)) ❷

''تم میں سے جو کوئی برائی کی بات دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے ، اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے ، اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے ؛ یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''

''بغیر تلوار کے'': اس سے مراد یہ ہے تلوار کے ذریعہ تأدیب کرنا اور سزا دینا حاکم کا حق ہے، ہر ایک کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ جس بھی خطا کار کو دیکھے اس پر تلوار سونت کر کھڑا ہو جائے۔اگر اسے کسی قدر اختیار حاصل ہے تو لاٹھی یا ہاتھ سے سزا دے سکتا ہے، ورنہ صرف زبان سے ہی منع کیا جائے۔عام آدمی کے لیے امر بالمعروف میں تلوار استعمال کرنا خوارج اور غالب بدعتی فرقوں کا طریق کار ہے۔اور ان ہی پر مصنف رحمہ اللہ اس پیرائے میں رد کر رہے ہیں۔

❶ أبو داؤد ، باب : الإمام يصلي من قعود ؛ ح: ٦٠٣۔بخاري ؛ باب: إنما جعل الإمام ليؤتم به، ح: ٦٨٨۔

❷ أخرجه مسلم(٤٩) في كتاب الإيمان باب كون النهي عن المنكر من الإيمان۔

خوارج اور معتزلہ کے اُصول

اسلام میں سب سے پہلے رونما ہونے والے فرقے خوارج اور پھر معتزلہ نے جن امور میں ابتدائی طور پر اختلاف کیا تھا ان میں سے ایک امر بالمعروف کا معاملہ بھی ہے۔ ان لوگوں کا اعتراض تھا کہ مسلمان حکمران اب امر بالمعروف کا فریضہ انجام نہیں دے رہے۔ پھر چلتے چلتے اس چیز نے ان کے مذہب کی مبادیات اور اصول کی شکل اختیار کر لی اور وہ ان امور کی من پسند تاویل کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام سے بالکل دور ہو گئے۔

خوارج اور معتزلہ کے پانچ اُصول ہیں:

اوّل: امر بالمعروف و نہی عن المنکر:...... اس سے ان کی مراد مسلمان حکمران کے خلاف (کسی بھی گناہ کی وجہ سے) بغاوت کرنا (اور جنگ و جدال کا بازار گرم کرنا) ہے۔ اسے وہ امر بالمعروف کا نام دیتے ہیں۔

دوم: التوحید:...... اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی نفی کرنا۔ اس لیے کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء و صفات کا اثبات شرک سمجھا جاتا ہے۔

سوم: عدل:...... اس کا معنی ہے تقدیر کی نفی کرنا۔ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے، اور اس نے ان کی تقدیر میں گناہ بھی لکھ دیا ہو، تو یہ ان پر ظلم ہوگا۔

چہارم: منزلة بين المنزلتين:...... (دو منزلوں کی درمیانی منزل)۔ یعنی ان کا کہنا ہے کہ کبیرہ گناہ مرتکب (جیسے زانی، شرابی) نہ ہی اسے کافر کہا جائے گا، اور نہ مسلمان۔ بلکہ اس کا ٹھکانہ کفر و اسلام کی دو منزلوں کے درمیان ہے۔

پنجم: انفاذ الوعید:...... اس سے مراد شرک سے کم درجہ کے کبیرہ گناہ کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ لگانا ہے۔

مستور الحال

۱۳۱ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والمستور من المسلمين من لم تظهر له ريبة۔))

''مسلمانوں میں مستور الحال وہ ہے جس کے بارے میں کوئی شک نہ ظاہر ہوا ہو۔''

شرح:...... اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ ایک اہم قاعدہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں اصل۔ عقیدہ و ایمان کی۔ سلامتی ہے اور یہ کہ ان کے بارے میں اچھا گمان رکھا جائے۔ یعنی جب تک وہ اسلامی شعائر ادا کر رہا ہے، اس کے مسلمان ہونے کا حکم ہی لگایا جائے گا۔ اور ظاہر سے ہٹ کر بغیر اسباب کے کسی شخص کے بارے میں خواہ مخواہ چھان بین کرنا اور اس کے بھید کریدنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا﴾

(الحجرات: ۴۹۔ ۱۲)

''اے ایمان والو! بیشتر مواقع پر بدگمانی سے بچو، کیونکہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور بھید نہ ٹٹولا کرو۔''

ایک حدیث شریف میں ہے:

((إيّاكم والظن فإن الظن أكذب الحديث)) ❶

''خود کو بدگمانی سے بچاؤ، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔''

اس حدیث کی روشنی میں مسلمان کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ بھی گمان نہ کرنا چاہیے جب تک کہ اس سے استقامت کے خلاف کوئی کام نہ ظاہر ہو۔ اگر پھر بھی اس سے کوئی عملی کوتاہی یا گناہ ہو جاتا ہے، تو اسے نصیحت کرنے ساتھ اس کے عیب اور برائی کا پردہ رکھنا چاہیے؛ حدیث شریف میں آتا ہے:

((ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة)) ❷

''اور جو کوئی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کا پردہ رکھیں گے۔''

ہاں اگر کسی شخص سے بدعت یا کھلا ہوا فسق اور فجور ظاہر ہو تو ایسی صورت میں جو انسان اس کی حرکات دیکھے، یا اسے ان حرکتوں کا علم ہو؛ تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس انسان کے بارے میں تحقیق و دریافت کرے اور پھر جو معاملہ اس سے ظاہر ہوا ہے، اس کے مطابق اس سے برتاؤ کیا جائے گا۔

علم باطن

علوم کا اصل منبع و مصدر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور ان کو بھی اس طرح سمجھنا چاہیے جیسا کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان نصوص کو سمجھا اور اس پر عمل کیا ہے۔ ان کے منہج سے ہٹ کر جتنی بھی خود ساختہ راہیں اختیار کر لی جائیں، ساری کی ساری خالص گمراہی اور نرا فتنہ ہی فتنہ ہیں۔ ان ہی گمراہیوں میں سے ایک علمِ باطن کا دعویٰ بھی ہے۔

اگر کوئی عقل مند گہری نظر سے دیکھے تو علم باطن کا دعویٰ جناب رسالت مآب ﷺ کی ہستی پر طعن اور الزام ہے۔ اس لیے کہ علم باطن کا دعویٰ کرنے سے لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باطنی علوم تو صرف ایک یا دو صحابیوں کو سکھائے؛ اور باقی ظاہری علوم بقیہ صحابہ کرام کو تعلیم کیے۔ جب کہ باطنی علم کی موجودگی میں ظاہری علم کی مثال پھل اور چھلکے کی ہے۔

ایسا کہنا اس وقت شروع ہوا جب لوگوں نے قرآن و حدیث میں اپنی دلچسپی کم کر دی تو مختلف قسم کے گمراہ فرقوں نے سر اٹھایا، اور مختلف قسم کے دعوے کرنے لگے۔ ان دعووں میں سے ایک علم باطن کا دعویٰ بھی ہے۔ آغا خانی، اسماعیلی،

---

❶ البخاري؛ باب: ما يُنهى من التحاسد و التدابر؛ برقم: ٦٠٦٤۔ وفي أدب المفرد، باب: الشحناء، برقم ٤١٠۔ موطأ امام مالك، باب: ما يكره من الكذب و سوء الظن والتجسس و النميمة، برقم: ٨٩٤۔

❷ سنن ابن ماجة، باب: الستر على المومن ودفع الحدود بالشبهات، برقم ٢٥٤٤۔ و ابو داؤد، باب المواخاة، برقم ٤٨٩٥۔ والترمذي، باب الستر على المسلم برقم ١٤٢٦/ صححه الباني۔

ذکری، باطنی اور جاہل صوفیوں کے علاوہ کئی دوسرے گمراہ فرقوں نے علم باطن کا دعوی کیا۔ اس سے مقصود اپنے لیے علی الاعلان گناہوں کی راہ ہموار کرنا ہے۔ جس کے تفصیل اگلے پیرائے میں آرہی ہے۔ [دراوی]۔

۱۳۲ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وكل علم ادّعاه العباد من علم الباطن لم يوجد في الكتاب و السنة ؛ فهو بدعة و ضلالة ؛ ولا ينبغي لأحد [أن] يعمل به ، ولا يدعوا إليه۔))

''اور ہر وہ علم جس کا لوگ دعوی کرتے ہیں کہ علم باطن ہے، جس کی کوئی اصل کتاب وسنت میں نہیں ہے وہ بدعت اور گمراہی ہے اور کسی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس پر عمل کرے، یا لوگوں کو اس کی طرف بلائے۔''

علم باطن کی حقیقت اور اس پر ردّ

شرح: ......اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ شرعی مصادر اور منہج کی وضاحت کررہے ہیں۔ ہر وہ علم جس کا کوئی انسان دعوی کرے، اور قرآن وسنت میں اس کی کوئی اصل نہ ہو؛ وہ باطل ہے۔ اس لیے کہ دین میں علم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر نہیں لیا جاسکتا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ کوئی انسان دعوی کرے کہ اس کے پاس باطن کا علم ہے ؛ ایسا انسان بہت بڑا بدعتی اور کذاب ہے۔ اس میں صوفی، باطنی، جہمی، رافضی اور سارے گمراہ فرقے شامل ہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کا دعوی ہے کہ اس کے پاس قرآن وحدیث سے ہٹ کر کوئی علم ہے۔ اور اس طرح لوگوں پر معاملات دین کو خلط ملط کردیتے ہیں۔ جیسا کہ بعض صوفیوں کا دعوی ہے کہ ان کے پاس علم لدنی ہے۔ یا ان سے ہٹ کر وہ امور جن کو وہ کشف، ذوق، الہام؛ وجد اور فنا کا نام دیتے ہیں۔ جن کے بارے میں ان کا گمان ہے کہ وہ سب کچھ قرآن وسنت سے لے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ سب باطل، اور قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں ہے؛ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام علوم اور ان کے ماننے والوں سے بری ہیں۔ بلکہ یہ شیطانی وحی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے کانوں میں ڈالی جاتی ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ۝﴾ (الانعام: ۱۲۱)

''اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ اُن کے کہے پر چلے تو بیشک تم بھی مشرک ہوئے۔''

جب کہ باطنیہ فرقہ کے عقائد تو ظاہر ہیں جو کہتے ہیں قرآن وسنت کی نصوص اور اسلامی احکام کا ظاہر اور باطن ہے۔ ماہر اور ذہین انسان وہ لوگ ہیں جو اس کے باطن کو لیتے ہیں۔

غبی اور غافل قسم کے لوگ وہ ہیں جو الفاظ کے ظواہر کو لیتے ہیں۔ پھر انہوں نے شریعت کے ارکان میں سے ہر

ایک رکن؛ اور قرآن وحدیث میں وارد ہونے والے لفظ کی تأویل کی؛ جس کے نتیجہ میں ان کے نصیب میں ہمیشہ گمراہی ہی رہی۔

ان کا گمان یہ ہے کہ نماز کا معنی ہے: ''امام سے محبت رکھنا؛ اور حج سے مراد امام کی زیارت کرنا ہے، اور روزہ سے مراد: امام کے راز افشاں کرنے سے باز رہنا ہے، نہ کہ کھانا کھانے سے رکنا۔ اس کے علاوہ اور اس طرح کی فاسد تأویلات کرتے ہیں۔''

کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسے جھوٹے دعووں کا شکار ہو، بھلے ایسا دعوی کرنے والا ظاہری طور پر کتنا ہی پاکباز و پارسا کیوں نہ ہو، اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے میں کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو۔ مگر چونکہ یہ انسان بذات خود بدعات کا شکار ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بھی شکار کرنا چاہتا ہے، لہٰذا جتنا بھی ممکن ہو سکے، اس کے شر سے بچ کر رہنا چاہیے۔ اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے ملنے جلنے اور بات چیت کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اور لوگوں کو بھی اس کے فتنہ سے خبردار کرتے رہنا چاہیے تا کہ کوئی بھولا بھالا یا سادہ مسلمان اس کے داؤ میں نہ آ جائے۔

ھبہ کے نکاح کا بیان

شریعت اسلامیہ میں کچھ شرطیں ہیں جن کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے:

پہلی شرط: ولی کا ہونا ہے۔ جو اس کا نکاح کرے گا۔ ولی قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی ہوسکتا ہے۔ اس کی اجازت ومرضی کے بغیر نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا نکاح إلا بولي و شاهدي عدل)) ❶

''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا۔''

اور نہ ہی عورت کہ اس بات کی اجازت حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کہیں بھی شادی کر لے، اگر وہ ایسا کرے گی تو اس کا نکاح فاسد ہوگا؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أیما امرأة نکحت بغیر إذن ولیها فنکاحها باطل ، باطل ، باطل)) ❷

''جو کوئی عورت اپنے والی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔''

یہ جمہور علمائے کرام (شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کا مسلک ہے۔ اس لیے کہ عورت کمزور ہوتی ہے، اور بہت جلد دھوکہ کھانے والی ہوتی ہے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ایسے انسان سے نکاح کر لے جو اس عورت اور اس کے خاندان کے لیے بہتر نہ ہو۔

ولی عورت کے لیے ایک مضبوط حفاظتی قلعہ ہوتا ہے۔ جو اسے لوگوں کے ہاتھ میں کھیل تماشا بننے سے اور کسی تکلیف کا شکار ہونے سے بچاتا ہے۔ اسی لیے شریعت نے مردوں کو خطاب کیا ہے کہ اپنی زیر ولایت خواتین کی شادیاں

❶ سبق تخریجہ۔ ❷ سبق تخریجہ۔

تم کراؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ﴾ (النور: ۳۲)

''اورتم اپنے میں سے بے خاوندعورتوں کا نکاح کر دو اور تمھاری لونڈیوں اور غلاموں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں ان کا (بھی نکاح کردو) اگر یہ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو مال دار کردے گا اور اللہ تعالیٰ گنجائش والا (سب) جانتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا جاء كم ممن ترضون دينه وخلقه فزوجوه ؛ إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض)) [1]

''جب تمہارے پاس (رشتہ کی طلب میں) کوئی ایسا آدمی آئے جس کے دین اور اخلاق پر تم راضی ہو؛ تو اس کی شادی کردو؛ اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں ایک بہت بڑا فتنہ اور شر وفساد بپا ہو جائے گا۔''

آیت اور حدیث میں دونوں جگہ ولی سے خطاب ہے کہ وہ اپنی زیر ولایت کی شادی کرائے۔ اس پیرائے میں مصنف یہی مضمون بیان کررہے ہیں۔

---

۱۳۳ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وأيما امرأة وهبت نفسها لرجل؛ فإنها لا تحل له؛ يعاقبان إن نال منها شيئاً ؛ إلا بولي وشاهدي [عدل] وصداق۔))

''اور جو بھی عورت کسی مرد کو اپنا نفس ہبہ کردے، وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوجاتی۔ اگر وہ اس کے ساتھ کچھ کر گزرا ہے تو ان دونوں کو سزا دی جائے گی۔ سوائے اس کے کہ ولی کی رضا مندی اور دو عادل گواہوں کی موجودگی، اور مہر مقرر ہو۔''

شرح: ......ایسا معاملہ ان معاشروں میں پایا جاتا ہے جہاں پر رافضی فرقوں کا زور ہے، اور ان لوگوں میں جہالت منتشر ہے۔ اور لوگ دینی علوم کے حصول میں انتہائی سستی کا شکار ہیں۔ کہ لڑکی اور لڑکا آپس میں بغیر گواہوں کے عقد کر لیتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں، حالانکہ شرعی شروط کے پورے ہوئے بغیر نکاح حرام ہے۔

مصنف کا فرمان: (عورت کسی مرد کو اپنا نفس ہبہ کردے......): اس سے ان لوگوں پر رد ہے جو اسے رسول اللہ ﷺ

---

[1] الترمذي ١١٠٧ - سنن ابن ماجه، كتاب النكاح ،باب : الأكفاء؛ ح: ١٩٦٣- وصححه الألباني في صحيح المشكاة (٣٠٩٠).

کی سنت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، لوگوں کے لیے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الاحزاب: ۵۰)

''اور کوئی سی مسلمان عورت اگر وہ اپنا نفس شادی کے لیے آپ کو ہبہ کردے (مفت بے مہر کے) بشرطیکہ پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہے یہ حکم خاص تیرے لیے ہے مسلمانوں کے لیے نہیں ہم کو معلوم ہے جو ہم نے مسلمانوں پر ان کی بی بیوں اور لونڈیوں کے بات میں ٹھیرا دیا غرض یہ ہے کہ تجھ کو کوئی تکلیف نہ ہو (اس وجہ سے تیرے لیے ایک خاص حکم (رکھا) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہ حکم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے' اس لیے کہ آپ اپنی امت کے ولی ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اس کے ساتھ کچھ کر گزرا ہے تو ان دونوں کو سزا دی جائے گی)۔ اس لیے کہ ان کا نکاح فاسد ہے، جو انہوں نے بغیر ولی کی رضامندی کے کیا ہے۔

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

گمراہ فرقوں اور منافقین کی نشانی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ ان سے بغض رکھتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مقامات پر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی نشانی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و نفرت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بغض و نفرت کی نشانی قرار دیا ہے۔

حضرت انس نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

((آية الإيمان حب الأنصارِ وآية النِفاقِ بغض الأنصارِ)) ❶

''ایمان کی نشانی انصار سے محبت رکھنا ہے، اور منافقت کی نشانی انصار سے بغض و نفرت رکھنا ہے۔''

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قال النبی ﷺ: الأنصار لا يحبهم إلا مؤمن، ولا يبغضهم إلا منافق، فمن أحبهم أحبه الله، ومن أبغضهم أبغضه الله)) ❷

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انصار سے کوئی محبت نہیں کرسکتا سوائے مؤمن، اور کوئی ان سے نفرت نہیں رکھ

❶ صحیح البخاری ؛باب علامة الإيمان حب الأنصارِ؛ ح: ۱۷۔
❷ صحیح البخاری کتاب المناقب؛ باب حب الأنصار ؛حدیث : ۳۵۹۵۔

سکتا سوائے منافق کے، سو جس نے ان سے محبت کی، اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں، اور جس نے ان سے بغض رکھا اللہ تعالیٰ ان سے بغض رکھتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سابقہ دونوں احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت انصار کے متعلق تھیں۔ جب کہ اللہ کی کتاب میں مہاجر صحابہ انصار صحابہ سے افضل ہیں؛ تو پھر ان کا کیا مقام ہوگا؟

ایسی بھی صحیح روایات موجود ہیں جن میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنے، ان کی تعظیم کرنے اور ان کے بارے میں بول چال میں محتاط رہنے کا حکم آیا ہے۔ معلم انسانیت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ادب سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

((قال رسول الله ﷺ: ((الله الله فی أصحابی، لا تتخذوهم غرضا بعدی، فمن أحبهم فبحبی أحبهم، ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی الله، ومن آذ الله فيوشك أن يأخذه)) [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اللہ! میرے صحابہ کے بارے میں ڈرتے رہنا؛ اور میرے بعد ان کو اپنی ملامت کا نشانہ نہ بنانا؛ پس جو کوئی ان سے محبت کرتا ہے، وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے، اور جو کوئی ان سے بغض رکھتا ہے، وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے؛ اور جس نے انہیں تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی؛ اور جس نے مجھے تکلیف دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی؛ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی، بہت ہی قریب ہے کہ اسے پکڑ لیا جائے۔"

آنے والے پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا مؤقف بیان کر رہے ہیں۔

---

۱۳۴ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا رأيت الرجل يطعن على أحد من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه صاحب قول سوءٍ و هوى؛ لقول رسول الله ﷺ: "إذا ذكر أصحابي فأمسكوا"۔ و قد علم النبي ﷺ ما يكون منهم من الزلل بعد موته؛ فلم يقل فيهم إلا خيراً؛

[1] سنن الترمذی الجامع الصحیح -الذبائح؛ أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ باب فيمن سب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم؛ حديث: ۳۸۷۹۔ وقال الترمذي: هذا حديث غريب لا نعرفه لا من هذا الوجه۔ جامع معمر بن راشد-باب في فضائل الأنصار؛ حديث: ۵۰۹۔ مسند أحمد بن حنبل؛ مسند المدنيين؛ حديث: ۱۶۴۸۲۔ الاعتقاد للبيهقي۔ باب القول في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ حديث: ۲۹۴۔

وقوله: " ذروا أصحابي ، لا تقولوا فيهم إلا خيراً۔"و لا تحدث بشيءٍ من زللهم ولا حربهم ولا ما غاب عنك علمه ؛ ولا [تسمعه] من أحد يحدث به؛ فإنه لا يسلم قلبك إن سمعت۔))

''جب آپ کسی کو دیکھیں کہ کوئی شخص اصحاب رسول اللہ ﷺ پر طعن کررہا ہو؛ تو جان لیجیے کہ وہ انتہائی بری بات کہنے والا خواہش نفس کا پجاری ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو اپنی زبانوں کو روک لو۔'' ❶ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا پتہ تھا کہ آپ ﷺ کی موت کے بعد کیا لغزشیں پیدا ہوں گی۔ پھر بھی آپ ﷺ نے ان صحابہ کے بارے میں خیر اور بھلائی ہی کی بات کہی ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''میرے صحابہ کو چھوڑ دو؛ اور ان کے بارے میں خیر کے علاوہ کچھ نہ کہو۔'' ❷

ان کی لغزشوں اور جنگوں کے بارے میں آپ کچھ بھی نہ کہیں اور نہ ہی ان کا جو علم آپ سے غائب رہا اور کوئی ان کی برائی بیان کررہا ہو تو اسے سنیں بھی نہیں، کیونکہ اگر آپ نے ایسی باتیں سن لیں، تو آپ کا دل سلامت نہیں رہے گا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلسنت والجماعت

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (خواہش نفس کا پجاری ہے......): یعنی جو کوئی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہے، وہ خواہشات کا پجاری ہے، راہ حق سے ہٹا ہوا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ أَهْوَآءَ هُمْ وَ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰيهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (القصص : ٥٠)

''پھر اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو سمجھ لے کہ وہ اپنی خواہش پر چلنا چاہتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے بن بتلائے اپنی خواہش پر چلے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ (اسے) بے انصاف لوگوں کو راہ نہیں لگاتا۔''

---

❶ مذکورہ اثر کی تخریج کے لیے دیکھو: أخرجه الطبراني في الكبير (١٠/ ٢٤٣- ٢٤٤)؛ و أبو نعيم في الحلية (٤/ ١٠٨)، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ اس حدیث کے کئی صحابہ سے شواہد ہیں، امام البانی رحمہ اللہ نے " السلسلة الصحيحة "(٣٤) میں ان کا احاطہ کرتے ہوئے پوری طرح نقل کیا ہے۔

❷ ''یہ اصل میں حدیث کے دو ٹکڑے دو علیحدہ علیحدہ حدیثوں میں ہیں؛ اس کا پہلا جزء:

" ذروا أصحابي ......" اسے بزاز نے نقل کیا ہے؛ دیکھیں: کشف الاستار (٣/ ٢٩٠)۔ اس کی سند حسن ہے۔ یہاں پر یہ لفظ ہیں:"دعوا لی أصحابی۔" ''میرے صحابہ کو چھوڑ دو، اور حدیث کا دوسرا حصہ:

" لا تقولوا فيهم إلا خيراً)) ''ان کے بارے میں خیر کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ اسے خیثمہ بن سلیمان نے "فضائل الصحابہ " میں نقل کیا ہے۔ یہ جز دوسرے الفاظ میں "لا تسبوا أصحابی" ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے، اس کی سند ضعیف ہے۔"جزء طرق الحديث ...... لا تسبوا أصحابی" ص ٧٠۔

ایسا انسان ہی حقیقت میں بدعتی اور منافق ہے جس میں ہر قسم کی برائی پائی جاتی ہے۔

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ان ظالموں کی باتوں اور خرافات کے برعکس ہیں؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "إذا ذکر أصحابي فأمسکوا۔" "جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو اپنی زبانوں کو روک لو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق رائے زنی کرنے کی ممانعت اور خاموشی اختیار کرنے کے واجب ہونے سے متعلق یہ حدیث ایک روشن منارہ ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا، جو کچھ ان سے ہونے والا ہے، مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق خیر کے کلمات خود بھی کہے، اور لوگوں کو بھی خیر کے کلمات کہنے کی ہی تعلیم دی۔ چونکہ عصمت (گناہوں سے پاک ہونا) صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی خاصیت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معصوم تو نہیں ہیں۔ ہاں اگر وہ کسی ایک بات پر جمع ہو جائیں تو ان کا یہ اجماع معصوم مانا جائے گا؛ اور قطعی حجت تصور ہوگا اور جب ان کا آپس میں اختلاف ہو تو دیکھا جائے گا کہ قرآن و سنت سے دلیل کس کے پاس ہے؟ اسی کی بات مانی جائے گی۔ اس لیے کہ ان میں سے بعض سے کچھ غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ مگر ان کی غلطیوں کو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی معاف کر دیا ہے، ہمیں ان کا ذکر نہیں کرنا چاہیے، اور نہ ہی انہیں کرید کر شیطان کو موقع دینا چاہیے کہ وہ ہمارے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف نفرت، بغض اور حسد کا بیج بو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق اہل سنت والجماعت کا سیدھا اور سچا منہج ہے؛ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کا ایمان وعقیدہ وہ بنیادی امتیازی قاعدہ اور وصف ہے جس کی وجہ سے وہ باقی تمام گمراہ اور باطل پرست فرقوں سے جداگانہ اور امتیازی حیثیت رکھتے ہیں (اور حق پر قائم ہیں)۔ حتی کہ بعض وہ بہکے ہوئے فرقے جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں، مگر وہ بھی ان معاملات میں بے جا دخل اندازی اور صحابہ کرام کے آپس میں تنازعات کو اچھال کر صراط مستقیم سے ہٹ گئے؛ اور کئی وجوہات کی بنا پر غلطیوں کا شکار ہو گئے۔ ان میں سے بعض امور کو سلف صالحین نے ذکر کیا ہے:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تنازعات میں سے بہت سارے حقائق ہم تک نہیں پہنچ پائے اور جو باتیں ہم تک پہنچی ان میں بہت ساری غلط اور خود ساختہ باتیں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔

۲۔ جو واقعات پیش آئے، ان کے بارے میں یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نیت ہی ایسا کرنے کی تھی وہ یہی چاہتے تھے۔ اس طرح ان پر وہ تہمت لگائی جاتی ہے جس کا ان کے ذہن میں تصور بھی نہیں آیا ہوگا۔

۳۔ یہ معاملات جتنے بھی بڑھے تھے، آخر میں ان کا خاتمہ اس لحاظ سے خیر پر ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان تنازعات کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہے، اور آخر کار صلح کے مرحلہ میں داخل ہو گئے۔ اگرچہ بعض اہل باطل اور ہوا

پرست ایسا نہیں ہونے دینا چاہتے تھے اور وہ ہر دم انار کی پھیلانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔

۴۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو کچھ ہوا، وہ ان کی اجتہادی لغزش تھی۔ جس پر وہ اللہ کے ہاں بخشے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عام معافی کا اعلان کر رکھا ہے، فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ﴾ (آل عمران: ۱۵۵)

''جس دن دو فوجیں لڑ گئیں اس دن جو تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) بھاگ نکلے ان کو شیطان نے کچھ ان کے کیے کی شامت میں بہکا دیا اور البتہ اللہ نے ان کو معاف کر دیا بے شک اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے۔''

۵۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں نہ صرف اپنی زبانوں کو قابو میں رکھنا چاہیے؛ بلکہ اپنی سماعت و بصارت کو اور دل کو بھی ضبط میں رکھے۔ نہ ہی ان کے خلاف کوئی بات سنے، نہ ہی پڑھے، اور دیکھے، اور نہ ہی ان کے خلاف سوچے یا دل میں کوئی ایسا خیال لائے۔ اگر ایسا خیال آ بھی جائے تو انسان کو چاہیے کہ اپنے لیے بھی توبہ و استغفار کرے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی؛ یہی حکم الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

''اور وہ لوگ جو ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد (مسلمان ہوکر) آئے وہ یہ دعا کرتے ہیں مالک ہمارے ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دل میں مسلمانوں کی طرف سے میل (کینہ) مت آنے دے مالک ہمارے بے شک تو بڑی شفقت والا مہربان ہے۔''

منہج سلفِ صالحین

۱۳۵ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا سمعت الرجل يطعن على الآثار؛ [أو يردُّ الآثار]؛ أو يريد غير الآثار؛ فاتهمه على الإسلام؛ ولا [تشك] أنه صاحب هوى مبتدع.))

''جب آپ کسی آدمی کو سنیں کہ وہ آثار میں طعن کر رہا ہو، یا آثار کو رد کر رہا ہو۔ یا احادیث چھوڑ کر کسی اور راہ کو اختیار کر رہا ہو؛ تو اس کے اسلام پر تہمت رکھیں اور اس میں کوئی شک نہ کریں کہ وہ خواہشات کا پجاری مبتدع ہے۔''

شرح: ......آثار سے مراد یہاں پر قرآن وسنت کی نصوص اور سلفِ صالحین کے اقوال ہیں جو کہ مناہج دین اور اصول اعتقاد کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔ اور جو کوئی آثار پر طعن کرتا ہے، وہ حقیقت میں اہل آثار پر طعن کرتا ہے۔

اہل آثار ہی حقیقی اہل سنت والجماعت ہیں جو قرآن وسنت کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ سو آثار پر طعن وتنقید کرنا اصل میں دین میں ہی طعن وتنقید ہے، جو کہ بہت بڑی بدبختی اور محرومی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا تو اس کے لیے عادل؛ ثقہ، صاحب ایمان اور اہل علم اور امین لوگ بھی پیدا کیے جو اس دین کو ہم تک پہنچائیں اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا جب تک دین باقی ہے۔

اور جو شخص قرآن وسنت کی نصوص اور سبیل المؤمنین - آثار - سے ہٹ کر دین لینے کی کوشش کرتا ہے، اس کے دین میں شبہ ہے۔ اور وہ خواہشات کا پجاری اور مبتدع ہے۔ خواہ وہ اس بات کا شعور رکھے یا نہ رکھے، قصد کرے یا نہ کرے۔

سیاست وشریعت

۱۳۶ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن جور السلطان لا ينقص فريضة من فرائض الله عزّ و جل التي افترضها على لسان نبيه ﷺ؛ جوره على نفسه: وتطوعك وبرك معه تام لك -إن شاء الله [تعالىٰ]- يعني [الجماعة] والجمعة معهم؛ والجهاد معهم؛ وكل شيء من الطاعات فشاركه فيه فلك نيتك۔))

''یہ بھی جان لیجیے کہ حاکم کا ظلم اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض میں کچھ کمی نہیں کرتا، جو اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبان سے فرض کیے ہیں۔ اس کا ظلم اس کے اپنے نفس پر ہے اور آپ کی اس کے ساتھ بھلائی، اور نیکی تیرے لیے پوری ہے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ یعنی ان کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی جائے، اور جمعہ پڑھا جائے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے اور ہر اطاعت کے کام میں ان کے ساتھ شرکت کریں۔ آپ کے لیے آپ کی نیت ہے۔''

شرح: ...... یعنی حکمران اگر جتنا بھی ظالم ہو، اور لوگوں کے حقوق غصب کرتا ہو، اور ان پر ستم ڈھاتا ہو، ان کے حقوق ضائع کرتا ہو، لیکن وہ کلمہ گو مسلمان اور نمازی ہو، تو اس کے خلاف بغاوت کرنا، اور اس کی حکومت ڈھانے کی کوشش کرنا کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ بلکہ چاہیے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے اور مشکل حالات میں اس کی مدد کی جائے، اس لیے کہ اس میں عموم امت کے لیے مصلحت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموع الفتاوی (۶۱/۲۲) میں فرماتے ہیں: ''حکمرانوں سے مجرد فسق کی وجہ سے قتال نہیں کیا جائے گا؛ اگر کوئی ایک قدرت رکھتا ہو تو بعض انواع فسق، جیسے کہ زنا؛ کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ ایسے نہیں ہے، کہ ہر وہ چیز جس میں قتل کرنا جائز ہو، اس فعل کے ارتکاب پر آئمہ سے قتال کیا جائے۔ کیونکہ حکمرانوں سے لڑنے کا فساد اس سے بڑھ کر ہے کہ کوئی حاکم کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے۔

حکمران اور اہل سنت والجماعت

۱۳۷ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا رأيت الرجل يدعوا على السلطان فاعلم أنه صاحب هوى؛ و إذا رأيت الرجل يدعو للسلطان بالصلاح فاعلم أنه صاحب سنة -إن شاء الله-.لقول فضيل [بن عياض (رحمہ اللہ)]: "لو كانت لي دعوة ما جعلتها إلاّ في سلطان." [أنا أحمد بن كامل ؛ قال: حدثنا الحسين بن محمد الطبري ، نا مردويه الصائغ [1] ؛ قال: سمعت فضيلًا يقول:" لو كانت لي دعوة ما جعلتها إلاّ في سلطان ."قيل له: يا أبا علي ! فسر لنا هذا؟ قال :" إذا جعلتها في نفسي لم تعدني ؛ وإذا جعلتها في سلطان صلح ؛ فصلح بصلاحه العباد والبلاد ."فأُمرنا أن ندعو لهم [بالصلاح] [2]؛ ولم نؤمر أن ندعو عليهم ؛ وإن ظلموا و إن جاروا؛ لأن ظلمهم وجورهم على أنفسهم وصلاحه لأنفسهم و للمسلمين.))

''جب آپ دیکھیں کہ کوئی آدمی حکمران پر بد دعا کر رہا ہو،تو جان لے کہ یہ خواہشات کا پجاری ہے اور جب کسی آدمی کو دیکھیں کہ وہ حکمرانوں کی اصلاح کی دعاء کر رہا ہے تو جان لیجیے کہ یہ اہل سنت ہے؛ إن شاء اللہ تعالیٰ۔ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:'' اگر میرے لیے مستجاب دعاء ہو تو میں حکمران کی اصلاح کے لیے دعاء کروں۔''ہمیں احمد بن کامل رحمہ اللہ نے خبر دی ہے؛ وہ کہتے ہیں: ہم سے حسین بن محمد الطبری نے کہا: کہ ہمیں مردویہ زرگر نے بیان کیا؛ وہ کہتے ہیں: میں نے فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اگر میرے لیے مستجاب دعاء ہوتی تو میں حکمران کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ دعا نہ کرتا۔'' ان سے کہا گیا: اے ابوعلی !ہمارے سامنے اس بات کی وضاحت کریں۔'' انہوں نے کہا:'' اگر میں وہ دعاء اپنے لیے کروں گا تو اس کا فائدہ میرے علاوہ کسی اور کو نہیں ہوگا ؛ اور اگر میں وہ دعاء حکمران کے لیے کروں گا اور اس کی اصلاح ہو جائے تو اس کی اصلاح میں لوگوں کی اور شہروں کی اصلاح ہے۔

---

1. عبد الصمد بن زید فضیل بن عیاض کے ساتھی ہیں صدوق ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے اہل ورع لوگوں میں سے ہیں۔ ۲۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ لسان المیزان(٤/٢٣-٢٤)۔

2. اسے ابونعیم نے الحلیۃ (۹۱/۸) میں مردویہ زرگر کی سند سے نقل کیا ہے۔اور یہ صحیح سند ہے اور الخلال نے "السنۃ"(۹) میں نقل کیا ہے، اس کی سند بھی صحیح ہے۔ اس پیرائے کی بنیاد اس حدیث پر ہے:

((لدين النصيحة، الدين النصيحة، الدين النصيحة))۔

''دین خیر خواہی ہے، دین خیر خواہی ہے، دین خیر خواہی ہے۔''

اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے خیر اور توفیق؛ اور نیک ساتھیوں کا سوال کرے۔اور جس چیز کو انسان بہتر سمجھتا ہو،اس کے بارے میں دوسرے کو رہنمائی کردے، اور جس چیز کو برا سمجھتا ہو اس سے منع کردے۔ اس طرح وہ اپنا اخلاقی اور دینی فریضہ ادا کردے گا۔

سو ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کی اصلاح کے لیے دعاء کرتے رہیں اور ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ ہم ان پر بد دعاء کریں۔ اگر چہ وہ ظلم اور زیادتی ہی کیوں نہ کریں۔ اس لیے کہ ان کا ظلم اور زیادتی ان کی اپنی جانوں پر ہے اور ان کی اصلاح ان کے اپنے نفوس کی اصلاح بھی ہے اور عام مسلمان لوگوں کی بھی۔"

شرح: ......سلفِ صالحین سے ایسے ہی نقل کیا گیا ہے کہ: (......کوئی آدمی حکمران پر بد دعا کر رہا ہو، تو جان لے کہ یہ خواہشات کا پجاری ہے......)۔ حکمران پر بد دعا کرنا خوارج اور معتزلہ کا شیوہ ہے۔ جب کہ اہل سنت والجماعت کی نشانیوں اور بنیادی مسائل عقدی میں سے ہے کہ مسلمان حاکم کی مدد اور اس کے لیے دعا کی جائے۔ کیونکہ جب حاکم راہِ راست پر آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ ملکوں کی اور عوام کی اصلاح و درستگی کر دیتے ہیں۔

امہات المؤمنین

۱۳۸ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا تذكر أحداً من أمهات المؤمنين إلا بخير۔))

"امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سے کسی ایک صرف خیر اور بھلائی کے ساتھ ہی یاد کریں۔"

شرح: ......امہات المؤمنین پر طعن وتنقید کرنا گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرنا اور آپ کی شان میں گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا تزکیہ وطہارت اپنی مقدس کتاب میں بیان کیا ہے، فرمایا:

﴿الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (النور: ٢٦)

"ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے یہ (پاک لوگ) ان (بدگویوں) کی باتوں سے بَری ہیں (اور) ان کے لیے بخشش اور نیک روزی ہے"

یہ آیت اس بات کی صاف اور واضح دلیل ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ عورتوں کا انتخاب کیا تھا جو کہ کائنات کی افضل ترین خواتین تھیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے کائنات بھر کے مؤمنین کی مائیں کہا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (الاحزاب: ٦)

"پیغمبر تو مسلمانوں پر خود ان سے زیادہ مہربان ہے اور پیغمبر کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔"

مؤمنین کی مائیں ہونے سے مراد قدر و احترام میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے نکاح کی حرمت ہے۔ نہ کہ نسبی مائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہونے کی وجہ سے امہات المؤمنین کے خاص حقوق ہیں۔جن میں ان کا احترام کرنا ،ان سے محبت کرنا ، اوران کی شان میں گستاخی کرنے سے بچ کر رہنا ،اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا شامل ہے ۔جب کہ گمراہ لوگوں (شیعہ اور رافضہ) کا مسلک اس کے بالکل الٹ ہے۔ وہ امہات المؤمنین کو نہ ہی مائیں مانتے ہیں ،اور نہ ہی ان سے محبت کرتے ہیں، بلکہ انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں پہلے ہی فیصلہ کردیا ہے کہ وہ مؤمنین کی مائیں ہیں،جن انہیں ماں نہ مانے ،اور ماں سے بڑھ ان کا احترام وتکریم اور قدر نہ کرے تو وہ مؤمن نہیں اسے چاہیے کہ اپنے ایمان کا شجرہ نسب تلاش کرے ؛ کن لوگوں سے ملتا ہے۔اسلام میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

کسی بھی صراط مستقیم پر چلنے والے انسان سے ان کی خلاف ورزی کی امید نہیں کی جاسکتی ۔اس لیے کہ امہات المؤمنین پر تنقید کرنا رافضہ،شیعہ اور خوارج جیسے گمراہ فرقوں کا کام ہے۔اوراہل سنت والجماعت ان سے دل و جان سے محبت کرتے ہیں،اوران کی قدر کرتے ہیں،اوران کے مناقب اور فضائل بیان کرنے کوایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔

اپنوں ہی کے قدموں میں مرنا ہو یا جینا یر حم اللہ عبداً قال: آمینا۔

علامات اہل سنت

۱۳۹ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا رأيت الرجل يتعاهد الفرائض في جماعة مع سلطان وغيره ؛ فاعلم أنه صاحب سنة - إن شاء الله تعالىٰ -.وإذا رأيت الرجل يتهاون بالفرائض في جماعة وإن كان مع السلطان فاعلم أنه صاحب هوى.))

”جب آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ سلطان کے ساتھ اوراس کے علاوہ فرائض کو باقاعدگی سے ادا کررہا ہے،تو جان لیجیے کہ یہ اہل سنت ہے- إن شاء اللہ تعالیٰ -۔اور جب دیکھیں کہ کوئی انسان فرائض کی باجماعت ادائیگی میں سستی اور کمزوری کا شکار ہے ؛ اگر چہ حاکم کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔تو جان لو کہ یہ خواہشات کا پجاری ہے۔“

شرح: ......اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کے امتیازی ظاہری اوصاف میں سے کچھ بیان کررہیں ۔ اہل سنت والجماعت ہونے کی ایک بڑی نشانی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنا ہے اور اس کا اظہار باجماعت نماز ادا کرتے وقت ہوتا ہے ۔ خواہ یہ جماعت حکمران کے پیچھے نماز ادا کررہی ہو؛ یا اس کے مقرر کردہ امام کے پیچھے۔اس لیے کہ آئمہ مساجد کا تقرر حکمران کی مرضی سے یا مقامی جماعت کے رضامندی سے ہوتا تھا۔سو ہر لحاظ سے باجماعت نماز ادا کرنا اہل سنت والجماعت اہلِ ایمان کی نشانی رہی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ

یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَo﴾ (التوبة : ۱۸)

''اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی انہی لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہیں اور نماز کو درستی سے ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسیسے نہیں ڈرتے تو ایسے لوگوں کو راہ پانے کی امید ہوسکتی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی مسجد کی آباد کاری کو ایمان کی نشانی بتایا ہے، اور پانچ وقت کے باجماعت نماز کی کو ان سات آدمیوں میں شمار کیا ہے جنہیں روزِ قیامت اللہ اپنے سائے میں جگہ دے گا) ارشاد فرمایا:

((ورجل قلبه معلق بالمسجد)) ❶

''......اور وہ انسان جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق ہے......''

جو انسان مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز نہ پڑھتا ہو، اور یہ سمجھتا ہو کہ مسلمان حق پر نہیں ہیں، اور ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ ایسے شخص کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہونے اور جماعت سے خارج ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں۔

اگر آپ ملاحظہ کریں تو دیکھیں گے کہ ایسے گمراہ نظریات و افکار رکھنے والے لوگ مسجدوں کے قریب بھی نہیں جاتے؛ اور نہ ہی مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھتے ہیں۔ بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کی نماز باطل ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ یہ سب بیماریاں عقیدہ میں خلل کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے محفوظ رکھے۔

وضاحت:

شروع اسلام میں مسلمانوں کے مرکز میں باجماعت نماز پڑھانا مسلمان حکمران کی ہی ذمہ داری ہوتی تھی اور ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا انسان ان کی اجازت کے بغیر امام نہیں بن سکتا تھا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابوبکر و عمر؛ اور عثمان و علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے بعد کے دور میں تھا۔ مرکز سے ہٹ کر باقی علاقوں میں نماز پڑھانے کے لیے حکمران اپنے نمائندے مقرر کرتے تھے۔ گویا کہ نماز کو دینی اور سیاسی امور میں ہر لحاظ سے اولیت حاصل تھی۔ پھر بہت بعد کے حکمران سست روی کا شکار ہوئے، اور نماز ادا کرنے میں غفلت برتنے لگے۔ حتی کہ ہمارا زمانہ ایسا آگیا کہ حکمران کے امام ہونے کا تصور تو دور کی بات اس کا نمازی ہونا بھی سیاست میں عیب اور کمزوری سمجھا جانے لگا۔ بلکہ اب تو کسی نماز کے حاکم ہونے یا حکمران طبقہ میں سے ہونے کا تصور بھی بائد و شائد۔ زہے حرمان نصیبی۔

اسلام کا دعویٰ کرنے والے بے نماز حکمرانوں کو سوچنا چاہیے کہ منافقین کی سب سے بڑی بری صفت جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کی ہے، وہ جماعت کے ساتھ نماز سے سستی کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

---

❶ متفق علیہ۔

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (النسآء: ١٤٢)

''بیشک منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں، اور وہ ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں۔''

حضرت عبداللہ ابن رضی اللہ عنہ مسعود فرماتے ہیں:

''تحقیق ہم نے اس چیز کو دیکھا ہے کہ باجماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہتا تھا جو کھلم کھلا منافق ہو۔''

باجماعت نماز سے پیچھے رہ جانا کمزور ایمان، اور دل کے اللہ تعالیٰ کی محبت، احترام اور توقیر سے خالی ہونے کی دلیل ہے۔ جو کہ ہمارے حاکم طبقہ اور عوام الناس کے لیے لمحہ فکر ہے۔

حلال وحرام کی پہچان

۱۴۰ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والحلال ما شهدت عليه و حلفت عليه أنه حلال۔ وكذلك الحرام؛ وما حاك في صدرك؛ فهو شبهة۔))

''حلال وہ ہے جس پر آپ گواہی دیں، اور اسکے بارے میں قسم اٹھا سکیں کہ یہ حلال ہے اور ایسے ہی حرام بھی اور جس کے متعلق آپکے دل میں کھٹک ہو، وہ شبہ ہے۔''

شرح: ......اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ حلال وحرام کے فطری امور بیان کررہے ہیں نہ کہ شرعی امور۔ اس لیے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو، اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حلال وحرام کردہ اشیاء کے بارے میں نصوص وارد ہو چکی ہیں۔ تمام چیزوں میں اصل ان کا حلال ہونا ہے اور حرام وہ ہے جس پر یا تو نص وارد ہو، یا حرام کے قواعد میں شمار ہو۔

شرعی نصوص کے بعد حلال وحرام میں تمیز کرنے کا ایک معیار فطرت اور عقل سلیم بھی ہے۔ فطرت اور عقل سلیم کی ترکیب اللہ تعالیٰ نے ایسی تیار کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کی موافقت اور ان کا اقرار کرتی ہے اور حرام کردہ چیزوں سے نفرت و بیزاری رکھتی ہے۔ یہاں پر اشارہ ان مسلمانوں کی فطرت کی طرف ہے جو استقامت پر ہیں؛ جن پر شہوات اور شبہات کا غلبہ نہیں ہوا۔ رہے وہ لوگ جو شہوات کا شکار ہیں، اور شبہات کو دل میں لیے ہوئے ہیں، ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے، اور عقول فاسد ہیں اور وہ خواہشات کا تابع و پجاری بن چکے ہیں۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق خواہشات کے تحت حلال کو حرام اور حرام کو حلال کچھ بھی کہہ سکتے ہیں اور جو چیز دل میں کھٹکے، اس کی بنیاد اس حدیث پر ہے:

((البر حسن الخلق و الاثم ما حاك في صدرك و كرهت أن يطلع عليه الناس)) ❶

''نیکی اچھا اخلاق ہے، اور گناہ وہ ہے جو آپ کے دل میں کھٹکے، اور آپ یہ بات ناپسند کرتے ہوں کہ لوگوں کو اس کا علم ہو جائے۔''

لیکن یہ اس وقت ہے جب انسان کا نفس فطرت پر قائم ہو۔ اگر گناہوں یا بدعات کی وجہ فطرت مسخ ہو جائے تو پھر انسان ہر چیز کو حلال اور جائز سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اگر کہیں کوئی ایسا موقع آ جائے جہاں انسان حلال وحرام میں فیصلہ نہ کر پائے تو اس چیز کے چھوڑ دینے میں ہی خیر ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن الحلال بين وإن الحرام بين ، وبينهما أمور مشتبهات ؛ فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ؛ ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام)) ❷

''بیشک حلال بھی واضح ہے اور بیشک حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان چند متشابہ امور ہیں۔ جو ان متشابہات سے بچا سو اس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کر لی؛ اور شبہات میں واقع ہوا سو وہ حرام میں جا گرا۔''

سو باقی امور کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اگر انسان پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے تو اس کے چھوڑنے کے بغیر حرام سے بچنا ممکن نہیں رہتا۔

مستور الحال

۱۴۱ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والمستور من بان ستره ؛ و المهتوك من بان هتكه۔))

''مستور وہ ہے جس کا ستر واضح ہو، اور مہتوک وہ ہے جس کی ہتک واضح ہو۔''

شرح: ...... اس پیرائے کی اصل یہ قاعدہ ہے کہ: ''حکم ظاہر کے مطابق لگایا جائے گا۔''

مستور وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا ہو، اور یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ لوگوں پر گمان کے مطابق حکم لگایا جائے؛ اور نہ ہی ان شبہات کے مطابق جن کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ مسلمان کے متعلق اصلی حکم استقامت کا ہے جب تک اس سے کوئی بدعت ظاہر نہ ہو، یا کھلم کھلا گناہ اور فسق و فجور کے کام نہ کر لے۔ اس وقت ہم اس کے ظاہر کے مطابق حکم لگائیں۔ کیونکہ اس نے اپنے نفس سے اللہ تعالیٰ کے پردہ کو چاک کیا ہے۔ اس کی وضاحت پیرایہ نمبر ۱۴۱ میں گزر چکی ہے۔

---

❶ رواه مسلم في صحيحه ،باب: تفسير البر و الإثم ، برقم ٦٦٨٠؛ و الحاكم في المستدرك ،كتاب البيوع ، برقم ١٢٧٢۔

❷ رواه البخاري ، باب : الحلال بين و الحرام بين وبينهما أمور مشتبهات ،برقم ١٩٤٦۔ ومسلم ،باب : أخذ الحلال و ترك الشبهات ،برقم ٤١٧٨۔

فرقوں کی پہچان وعلامات

۱۴۲ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإن سمعت الرجل يقول: [فلان] مشبِّه ؛ وفلان يتكلم في التشبيه ؛ فاتهمه ، واعلم أنه جهمي-وإذا سمعت الرجل يقول: فلان ناصبي فاعلم أنه رافضي؛ سمعت الرجل يقول: تكلم بالتوحيد ؛ واشرح لي التوحيد ؛ فاعلم أنه خارجي؛ معتزلي- أو يقول: فلان [مجْبِرٌ] ، أو يتكلم بالإجبار؛ أو يتكلم بالعدل ؛ فاعلم أنه قدري؛ لأن هذه الأسماء محدثة أحدثها أهل الأهواء-))

''جب آپ کسی آدمی سے سنیں وہ کہہ رہا ہو کہ:''فلاں آدمی مشبہ ہے''اور فلاں انسان تشبیہ میں کلام کرتا ہے۔تو اس پر تہمت رکھیں ؛ اور جان لیں کہ وہ جہمی ہے۔

اور جب کسی آدمی سے سنیں وہ کہہ رہا ہو کہ:''فلاں آدمی ناصبی'' ہے ؛ تو جان لیں کہ (یہ بات کہنے والا) رافضی ہے اور جب کسی آدمی سے سنیں وہ کہہ رہا ہو کہ:'' کہ توحید میں کلام کرو، یا میرے سامنے توحید کی شرح کرو۔''تو جان لیں کہ (یہ بات کہنے والا) معتزلی ہے۔ یا کوئی کہہ رہا ہو کہ فلاں مجبور ہے، یا جبر میں کلام کرتا ہے، یا عدل میں کلام کرتا ہے ؛ تو جان لیں کہ وہ ''فرقہ قدریہ'' -یا جہمیہ- سے ہے۔اس لیے کہ یہ نام نئے ہیں جنہیں ان خواہشات کے پجاریوں نے ایجاد کرلیا ہے۔''

شرح: ...... ''فلاں مشبہ'' اس مراد یہ ہے کہ یہ انسان استقامت پر ہو،مگر کوئی دوسرا اسے یہ الزام دے رہا ہو۔ مشبہ تشبیہ دینے والے کو کہتے ہیں۔یہ ایک فرقہ تھا جو اللہ تعالیٰ کو صفات کو مخلوق سے تشبیہ دیا کرتا تھا۔الحمد للہ ان لوگوں کے آثار بھی ختم ہو چکے۔مگر جہمی فرقہ کے لوگ عوام الناس میں علماء اہل سنت والجماعت کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے ان پر یہ الزام لگایا کرتے تھے۔بہر حال ایسے ہوسکتا ہے کہ کوئی انسان واقعتاً مشبہ ہو ؛ مگر علی الاطلاق بغیر کسی تحقیق کے کسی انسان کو یہ الزام نہیں دیا جاسکتا ؛ اس لیے کہ یہ فرقہ ختم ہو چکا۔لوگ اس فرقہ کے نام و کام سے اور اصول و عقائد سے انجان ہو چکے ہیں، اب ان کے وجود کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔سوائے اس کے کہ کوئی بدعتی نیم ملا کتابوں سے چار حرف پڑھ کر پھر سے اہل سنت والجماعت پر یہ الزام لگانا شروع کردے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (...... کہہ رہا ہو کہ:''فلاں آدمی ناصبی'' ہے):

ناصبی اصل میں وہ لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے بغض رکھتے اور کو برا بھلا کہا کرتے تھے۔اس اطلاق کا اصل مصداق خود رافضہ اور پھر ان کے لے پالک خوارج ہیں۔مگر رافضی حسد وبغض میں جل کر یہ الزام اہلِ سنت والجماعت کو دیتے ہیں، جس سے اہل سنت ایسے ہی بری ہیں جیسے بھیڑیا حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بری تھا۔

رافضیوں نے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تک کو ناصبی کہا ہے۔ چونکہ ان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھی جسے باقی صحابہ نے غصب کرلیا۔ پس جو کوئی یہ کہے کہ اہل سنت ناصبی ہیں؛ یہ اس انسان کے رافضی ہونے کی دلیل ہے۔ مگر اہل سنت کسی بھی اہل بیت سے نہ ہی بغض وحسد رکھتے ہیں، اور نہ ہی ان کے بارے میں زبان کھولتے ہیں۔ بلکہ ان کی محبت وعقیدت اور عزت واحترام کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں، ؛ اور ان کے بارے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو بالکل نہیں بھولے، اور اس پر حقیقی معنوں میں عمل پیرا ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہیں رب نہیں بناتے اور نہ ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی کے معصوم عن الخطأ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......توحید میں کلام کرو، یا میرے سامنے توحید کی شرح کرو):

اس سے مؤلف رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ معتزلہ کے ہاں جو توحید کی تعریف ہے، اسے بیان کیا جائے۔ اس لیے کہ معتزلہ کے پانچ اصولوں میں سے ایک توحید ہے۔ جس سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرنا ہے۔ ❶ (اس کی تفصیل گزر چکی ہے)۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......جان لیں کہ وہ ''فرقہ قدریہ'' - یا جہمیہ - سے ہے):

اس لیے کہ عام مسلمان جو اہل سنت والجماعت کے مذہب پر ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جن لوگوں نے اس معاملے میں مبالغہ کیا، اور کہا کہ: ''فلاں انسان مجبور ہے۔'' حالانکہ اہل سنت والجماعت میں کوئی بھی انسان تقدیر کے بارے میں مجبورِ محض ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ تو ایسا الزام لگانے والا انسان ''قدریہ فرقہ'' سے ہے۔ اس لیے کہ یہی لوگ اپنے مخالفین کو جبریہ ہونے کا الزام دیتے ہیں۔

ایسے ہی جو انسان اہل سنت والجماعت کے علماء اور عوام کو تکفیری ہونے کا طعنہ دیں تو وہ مرجۂ فرقہ سے ہے۔ اس لیے کہ یہی لوگ اپنے مخالفین کو ایسا طعنہ دیتے ہیں۔

حدیث اور اہل حدیث پر تنقید

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہل بدعت کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہل حدیث پر تنقید کرتے ہیں اور زندیقوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کو ''حشویہ'' کہتے ہیں؛ اور اس طرح احادیث وآثار کو باطل ٹھہرانا چاہتے ہیں اور جہمیہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ''مشبہہ'' کہتے ہیں اور قدریہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ''مجبرہ'' کہتے ہیں اور مرجئہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ''مخالفہ اور نقصانیہ'' کہتے ہیں اور رافضہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ''ناصبہ'' کہتے ہیں۔ لیکن اہل سنت پر ان میں سے کوئی بھی نام موافق نہیں آتا، سوائے ایک نام کے، یعنی اہل سنت والجماعت اور یہ بات محال ہے کہ اتنے سارے نام ایک ہی جماعت میں جمع ہوں۔ اسے امام لالکائی نے ''السنۃ'' میں نقل کیا ہے (۱/۱۷۹) اس کی سند صحیح ہے۔

---

❶ اہل بدعت کے ہاں توحید کا مفہوم جاننے کے لیے دیکھیں: ''الصواعق المرسلة'' لا بن القیم رحمہ اللہ (۳/۹۳۹)؛ و در التعارض'' لابن تیمیہ رحمہ اللہ (۱/۲۲٤)۔

کچھ بدعات اوران کے مراکز

۱۴۳ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقال عبد الله بن مبارك: ((لا تأخذوا عن أهل الكوفة في الرفض [شيئاً]؛ ولا عن أهل الشام في السيف [شيئاً]؛ ولا عن أهل البصرة في القدر [شيئاً]؛ ولا عن أهل الخراسان في الإرجاء [شيئاً]؛ ولا عن أهل مكة في الصرف [شيئاً]؛ ولا عن أهل المدينة في الغناء؛ ولا تأخذوا عنهم في هذه الأشياء شيئاً))۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہل کوفہ سے ''رفض'' کے بارے میں کچھ بھی نہ لو اور نہ ہی اہل شام سے ''سیف'' (قتل) کے متعلق کچھ لو؛ اور نہ ہی اہل بصرہ سے ''قدر'' کے بارے میں کچھ لیں؛ اور نہ ہی اہل خراسان سے ''ارجاء'' کے بارے میں کچھ لو؛ اور نہ ہی اہل مکہ سے ''صرف'' کے بارے میں، اور نہ ہی اہل مدینہ سے ''گانے'' کے بارے میں کچھ قبول کریں؛ ان لوگوں سے ان امور کے بارے میں کچھ بھی قبول نہ کریں۔''

شرح: ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ چند بدعات کے مراکز کا بیان کر رہے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں پر بدعت پیدا ہوتی ہے اور نشو نما پاتی ہے، وہاں کے لوگ اس کا شکار زیادہ ہوتے ہیں۔ مگر مصنف رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہ حکم کلی نہیں ہے۔ بلکہ بطور خاصیت اور نشانی کے ہے۔ اس لیے کہ آج تک جتنی بھی بدعات ظہور پذیر ہوئی ہیں، ان کا اپنے علاقائی ماحول؛ سماجی و معاشرتی احوال؛ سیاسی اتار چڑھاؤ، اور وقتی حادثات سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رہا ہے۔ ایسے بھی ہوتا رہا ہے کہ کبھی کسی زمانہ اور کسی جگہ کے خاص حالات بھی نئے فرقہ کے پیدا ہونے میں مددگار ثابت ہوئے۔ لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ یہ احکام قطعی طور پر ان ہی علاقوں سے متعلق ہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ اس جگہ کے لوگ ایک ہی جیسے ہوں گے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب تک کسی بدعت کا وہاں پر غلبہ رہے تو اس بدعت کی تائید میں وہاں کے [بدعت میں مبتلا] لوگوں کی بات نہیں مانی جائے گی۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا فرمان کہ: (اہل کوفہ سے ''رفض'' کے بارے میں کچھ بھی نہ لو):

اس لیے کہ اکثر شیعہ کوفہ سے ہی نکلے، وہیں پروان چڑھے، اور وہیں سے ان کا مذہب پھیلا؛ جو کہ صحابہ کرام کی دشمنی اور اہل بیت کی محبت کا جھوٹا دعوی لے کر اٹھے۔ اور اس کی آڑ میں لوگوں کو گمراہ کرتے رہے ہیں۔

امام صاحب کا فرمان کہ: (اہل شام سے سیف (قتل)......):

اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے قتل کے لیے تلوار چلانا حلال جاننے والے یعنی خوارج ہیں۔ یہاں پر مصنف سے چوک ہوگئی ہے کہ انہوں نے شام کو خوارج کا مقر یا جائے خروج ظاہر کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، خوارج عراق سے ہی نکلے تھے، اور وہیں پر انہوں نے زور پکڑا؛ اور پھر آہستہ آہستہ پھیلتے چلے گئے۔ عمان میں آج کل بھی ان کی

حکومت ہے۔ مگر انہوں نے اپنا پرانا عقیدہ ترک کر دیا ہے، اس لیے کہ اس عقیدہ کی موجودگی میں دنیا کے ساتھ تعلقات قائم رکھ کر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔

ایسے ہی وہ باقی علاقے بھی معروف ہیں جن کی بدعات کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......نہ ہی اہل مکہ سے ''صرف'' کے بارے میں......):

''صرف'' کا معنی یہ ہے کہ (عملات/کرنسی اور سکہ) سونے کو چاندی سے اور چاندی کو سونے سے بیچا جائے اور اس کا نام ''صرف'' رکھنے میں دو قول ہیں: اس لیے کہ یہ بیع کے مقتضیات سے موڑ دیتی ہے۔ اس لیے کہ قبضہ میں لینے سے پہلے فائدہ بڑھا کر بیچنا اور اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ ❶

دوسرا قول یہ ہے کہ: اس لیے کہ مکہ میں تمام عالم سے لوگ آتے ہیں، اور ان کے پاس اپنے اپنے ملک کا سکہ ہوتا ہے، جس کو مکہ میں خرید و فروخت کرنے کے لیے تبدیل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سو اس ضرورت کے تحت اہل مکہ کرنسی تبدیل کرنے میں شرعی قواعد کا خیال رکھنے میں سستی برتا کرتے تھے۔ ❷

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......نہ ہی اہل مدینہ سے ''گانے'' کے بارے میں......):

اس لیے کہ مدینہ طیبہ میں ایسے غالی اور جاہل صوفیوں نے ڈیرے لگا لیے تھے جنہوں نے گانے بجانے کو سماع کے نام پر حلال قرار دیا تھا اور لوگ ان کے ظاہری زہد و تقوی کے فریب میں آ گئے تھے۔ حالانکہ جس چیز کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حرام قرار دیدیں پھر کسی کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اسے حلال قرار دے۔

ان بستیوں کے رہنے والے اپنی ان بدعات کی تائید میں اگر کوئی دلیل پیش کریں، یا کوئی روایت لائیں تو سمجھ لیجیے کہ یہ ان لوگوں کی خودساختہ بات ہے، جسے انہوں نے اپنے مسلک کی تائید کے لیے گھڑ لیا ہے، لہٰذا اسے قبول نہ کیا جائے۔

اہل سنت کی علامات

۱۴۴ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا رأيت الرجل يحب أبا هريرة رضي الله عنه ؛ وأنس بن مالك رضي الله عنه و أسيد بن حضير رضي الله عنه ؛ فاعلم أنه صاحب سنة - إن شاء الله -؛ وإذا رأيت الرجل يحب أيوب ، و ابن عون؛ ويونس بن عبيد ؛ و عبد الله بن أدريس الأودي ؛ و الشعبي ؛

❶ (المطلع على أبواب المقنع "(ص ۲۳۹)۔

❷ ابن مبارک رحمہ اللہ کے بیان کردہ معنی میں سلف صالحین سے کئی آثار وارد ہوئے ہیں۔ ایسے اقوال معمر بن راشد اور محمد بن یحی القطان، اور ابراہیم بن ابی علبہ رحمہم اللہ سے منقول ہیں۔ جیسا کہ "مسائل امام احمد" (۱۶۳۲) میں؛ ان کے بیٹے عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے اور امام خلال رحمہ اللہ نے اسے "الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر" میں (ص ۸۷- ۸۸) پر، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے "السیر" میں (۳/ ۳۹۱؛ اور ۶/ ۳۲۴) نقل کیا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نفیس اور عمدہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''انہوں نے اسے رخصتیں تلاش کرنے سے ملتا جلتا قرار دیا ہے۔" مدارج السالكين (۲/ ۵۷-۵۸)۔

ومالك بن مغول ؛ ويزيد بن زريع ؛ ومعاذ بن معاذ ؛ و وهب بن جرير ؛ وحماد بن سلمة ؛ وحماد بن زيد ؛ [ومالك بن أنس ، والأوزاعي وزائدة بن قدامة ؛ فاعلم أنه صاحب سنة ـ إذا رأيت الرجل يحب أحمد بن حنبل ، والحجاج بن مهنال ؛ و أحمد بن نصر ، وذكرهم بخير ؛ وقال بقولهم ؛ فاعلم أنه صاحب سنة]۔))

''جب آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے تو جان لیجیے کہ یہ اہل سنت ہے- ان شاء اللہ تعالیٰ -۔اور جب آپ دیکھیں کہ کوئی آدمی حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ ❶ ؛ حضرت ابن عون رحمۃ اللہ علیہ ❷ ؛ حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ ❸ ؛ حضرت عبد اللہ بن اُدریس الأودی رحمۃ اللہ علیہ ❹ ؛ حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ ❺ ؛ حضرت مالک بن مغول رحمۃ اللہ علیہ ❻ ؛ حضرت یزید بن زریع رحمۃ اللہ علیہ ❼ ؛ حضرت معاذ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ ❽ ؛ حضرت وہب بن جریر رحمۃ اللہ علیہ ❾ ؛ حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ❿ ؛ حضرت حماد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ ⓫، حضرت مالک بن اُنس رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ⓬ ؛ حضرت زائدہ بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ ⓭

---

❶ ایوب بن کیسان السختیانی ابو بکر البصری ، امام، قدوۃ، حجت ۔ بڑے زہاد اور فقہاء میں سے ہیں ۔سن ۱۳۱ ہجری میں انتقال ہوا؛ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۱۵/٦) ، اوران کے حالات زندگی کے باقی مصادر۔

❷ عبد اللہ بن عون البصری ؛ امام ، ثقہ اور فاضل متقی تھے ، ۔۱۳۹ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۲۸۸/٦) ، اوران کے حالات زندگی کے باقی مصادر۔

❸ یونس بن عبید العبدی البصری : امام قدوہ ، ثبت ، حجت کے خطاب سے نوازا گیا تھا، ۱۳۹ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۴۲/۹) ، اوران کے حالات زندگی کے باقی مصادر۔

❹ عبد اللہ بن ادریس اُودی رحمہ اللہ ؛ امام اور قدوہ تھے ۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں : وہ اپنی مثال آپ تھے، اور ان میں کوئی عیب نہیں تھا۔ اہل سنت میں صبر و استقامت کی چٹان تھے ۔دیکھیں: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۴۲/۹) ۔

❺ عامر بن شراحیل شعبی ؛ ابو عمر ہمدانی ؛ امام اور رہنما، سنت کے علم بردار تھے ۔۱۹۲ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۲۹٤/٤)، اوران کے حالات زندگی کے باقی مصادر۔

❻ ابو عبد اللہ البجلی الکوفی رحمہ اللہ ؛ امام، ثقہ اور حافظ ہیں۔ ۱۵۹ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۱۷٤/۷)، اوران کے حالات زندگی کے باقی مصادر۔

❼ ابو معاویہ العیشی البصری ؛ امام ثقہ اور قدوہ ہیں ۔۱۸۲ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۱۹٦/۸) ، اوران کے حالات زندگی کے باقی مصادر۔

❽ ابو المثنی معاویۃ العنبری ؛ قاضی ؛ حافظ ثابت اور امام کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں ۔۱۹٦ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (٥٤/۹) ، اوران کے حالات زندگی کے باقی مصادر۔

❾ ابو العباس الأزدی البصری ؛ حافظ صدوق اور امام کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں ؛ ۲۰٦ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (٤٤۲/۹) ، اوران کے حالات زندگی کے باقی مصادر۔

❿ ابن دینار ؛ ابو سلمہ البصری ؛ امام ؛ قدوہ اور شیخ الا سلام کے القابات سے نوازا گیا ہے ۔ ۱٦۷ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (٤٤٤/۷) ،۔

⓫ ابن درہم ابو اسماعیل الأزدی البصری ؛ ۱۷۹ ہجری میں انتقال ہوا۔ "سیر اعلام النبلاء " (٤٥٦/۷)

⓬ عبد الرحمن بن عمرو ؛ ابو عمرو الشامی ؛ امام ؛ قدوہ اور شیخ الاسلام کے القابات سے نوازا گیا تھا۔ اہل شام کے بڑے عالم تھے ۔ ۱۵۷ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۱۰۷/۷) ۔

⓭ ابو صلت الثقفی الکوفی ؛ ثقہ، امام، ثبت حافظ کے القابات سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ۱٦۰ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء " (۳٥۷/۷) ۔

سے محبت کرتا ہے، تو جان لیجیے کہ یہ اہل سنت ہے اور جب آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ ❶؛ حضرت حجاج بن منہل رحمہ اللہ ❷؛ حضرت احمد بن نصر رحمہ اللہ ❸ سے محبت کرتا ہے، اور ان کا ذکر خیر کرتا ہے تو جان لیجیے کہ یہ اہل سنت ہے۔

شرح: ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کی چند دیگر نشانیاں بیان کرر ہے ہیں۔ اہل سنت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ سنت کو جانتے ہیں، اور سنت ان کے عمل سے ٹپکتی نظر آتی ہے اور سنت آپس میں محبت کرنا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((والذي نفسي بيده، لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أو لا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم۔)) (تقدم تخريجه)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے، جب تک ایمان نہ لے آؤ، اور اس وقت تک ایمان نہیں لاسکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگ جاؤ؛ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تم آپس میں محبت کرنے لگ جاؤ گے؟ آپس میں سلام کو عام کرو۔'' .

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه)) ❹

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز نہ پسند کرے جسے وہ اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أحب لله، وأبغض لله، وأعطى لله ومنع لله، فقد استكمل الإيمان)) ❺

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے نفرت کی؛ اور اللہ کے لیے دیا، اور اللہ کے لیے ہی روک لیا، اس انسان نے ایمان مکمل کرلیا۔''

اور ائمہ اہل سنت والجماعت سے محبت کرنا سنت سے محبت کی دلیل ہے، اور سنت سے محبت کرنا رسول اللہ ﷺ سے محبت کی دلیل ہے۔ اس محبت پر انعام یہ ملے گا کہ روزِ محشر رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی اور رفاقت نصیب ہوگی:

❶ دیکھو: امام ذہبی کی ''سیر اعلام النبلاء'' ۔

❷ ابو محمد الأنماطی البصری؛ جلیل القدر عالم؛ امام؛ عابد اور زاہد تھے۔ ۲۱۷ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: امام ذہبی کی ''سیر اعلام النبلاء'' (۱۰/۳۵۲)۔

❸ ابن مالك الخزاعي؛ الإمام الكبير، الشهيد ۔ ۲۳۰ ہجری میں انتقال ہوا؛ دیکھو: امام ذہبی کی ''سیر اعلام النبلاء، (۱۱ / ۱۶۶)۔

❹ رواه البخاري؛ باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، برقم: ۱۳۔

❺ أبو داؤد؛ باب الدليل على زيادة الإيمان و نقصانه، برقم ۴۶۸۳، /المعجم الكبير، برقم ۷۶۱۳۔ صحيح۔

جیسا کہ حدیث میں ہے:

((أنت مع من أحببت)) ❶

''تم قیامت کو اسی کے ساتھ ہونگے جس سے تم محبت کرتے ہو۔''

یہی روایت بخاری شریف میں بھی ہے؛ اور اس کے آخر میں حضرت انس کے یہ الفاظ زیادہ ہیں، جو کہ اس باب میں انتہائی اہم ہیں۔حضرت اُنس فرماتے ہیں:

((فأنا أحِب النبي ﷺ وأبابکر وعمر وأرجو أن أکون معهم بِحبِي إِياهم وإِن لم أعمل بِمِثلِ أعمالِهِم)) ❷

اس محبت سے مقصود اتباع ہے۔ نہ کہ فقط دعوی۔ اس لیے کہ زبانی دعوی تو ہر کوئی کر سکتا ہے، مگر عمل کے بغیر اس کا دعوی ہر گز معتبر نہیں ہے؛

کـل یّـدعـي وصلًا بـلـیـلـی
والـلـیـلـی لا تـقـر لهـم بـذاك

''لیلیٰ سے وصال کا دعوی تو ہر کوئی کرتا ہے، مگر لیلیٰ کسی کے لیے بھی اس کا اقرار نہیں کرتی۔''

جو کوئی ائمہ اہل سنت سے محبت کرتا ہے وہ ان کی اتباع بھی کرتا ہے۔مصنف رحمہ اللہ نے مذکورہ علماء کے نام بطور مثال کے لیے ہیں نہ کہ گنتی اور شمار کے۔اس لیے کہ یہ لوگ اپنے دور میں اہل سنت ہونے میں مشہور اور معروف ہیں۔

اہل ہواء اور مبتدعین کی ہم نشینی کی ممانعت

انسان جیسی صحبت میں بیٹھتا ہے، اس کا اثر ضرور قبول کرتا ہے۔ جب دین سب سے اہم ترین چیز ہے؛ اور اس کی حفاظت بھی مطلوب ہے تو شریعت نے ان لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کر دیا جو بدعات میں گرفتار ہوں، یا پھر ان کی صحبت سے دین کو نقصان ہو سکتا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾ (النساء: ١٤٠)

''اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور اُن کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں اُن کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں، سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔''

---

❶ سنن أبي داؤد ،باب : إخبار الرجلِ الرجلَ بمحبته إياه؛ برقم ٥١٢٨؛ قال الألباني : صحيح۔

❷ البخاری ، باب : مناقب عمر ،ح: ٦١٦٦۔وباب : من شاق شق الله عليه ، برقم : ٧١٥٢۔

نیز حدیث شریف میں آتا ہے:

((المرء على دين خليله ، فلينظر أحدكم من يخالل)) ❶

''انسان اپنے ہم مجلس کے دین پر ہوتا ہے؛ پس چاہیے کہ تم میں سے کوئی ایک دیکھے کہ وہ کس کے ساتھ میل جول رکھ رہا ہے۔''

اس کی تفصیل احادیث اور فقہ اور اخلاقیات کی کتابوں میں ہے۔ یہاں پر اختصار کے ساتھ بیان ہورہا ہے۔[مترجم]۔

۱۴۵۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((إذا رأيت الرجل يجلس مع رجل من أهل الأهواء ؛ فاحذره وعرّفه ؛ فإن جلس معه بعد ما علم فاتقه ؛ فإنه صاحب هوى۔))

''جب آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ وہ (اہل ہوا) بدعتی کے ساتھ ہم نشین ہے؛ تو آپ اسے ڈرایئے؛ اور اسے ان کی بابت آگاہ کیجیے۔ اگر وہ علم ہوجانے کے بعد بھی ان کے ساتھ بیٹھے، تو اس سے بچ کر رہیں۔ کیونکہ یہ بھی (مبتدع) خواہشات کا پجاری ہے۔''

شرح: ......اهل الأهواء (خواہش پرست) فرقے وہ ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ جو ان کی طبیعت اور خواہش کے موافق ہو، اسے لے لیتے ہیں، اور جو مخالف ہو، اسے رد کردیتے ہیں۔ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔ یہودی جو چیز ان کے موافق ہو، اس میں تو رسول کی اطاعت کرتے تھے، مگر جو چیز ان کے خلاف ہو، اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوجاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ۝﴾

(المائدہ: ۷۰)

''ہر بار جب کوئی رسول ﷺ ان کے پاس ایسے حکم لے کر آیا جو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو بعضوں کو جھٹلایا بعضوں کو مار ڈالا۔''

اور اس امت کے منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ۝﴾ (النور: ۴۸۔ ۴۹)

''اور جب ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے مابین فیصلہ کردیا جائے تو ان کا ایک فرقہ گریز کرجاتا ہے۔ اور اگر کہیں وہ حق پر ہو (یا ان کسی سے کچھ لینا ہو) جب تو کان دبائے پیغمبر کے پاس چلے آتے ہیں۔''

---

❶ مستدرك حاكم، كتاب البر والصلة ، برقم ۷۳۱۹۔ سنن أبي داؤد باب : من يُؤمر أن يجالس ، برقم ۴۸۳۵۔

یہ اہل أهواء کا ہمیشہ سے طریقہءِ کار رہا ہے۔ ان کے ہاں حق ہونے کا معیار یہ ہے کہ کوئی چیز ان کی خواہشات سے مطابقت رکھتی ہو۔ ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا واجب ہو جاتا ہے۔

(مصنف رحمہ اللہ کا فرمان): (...... وہ (اہل ہوا) بدعتی کے ساتھ ہم نشین ہے......):

مقصود یہ ہے کہ بدعتی کی مجلس میں بیٹھنے والے سے خود بچ کر رہنا اور لوگوں کو خبردار کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے ساتھ بیٹھنا ان سے اور ان کی بدعت سے محبت کی دلیل ہے اور جو کوئی اہل خیر سے ہم نشینی کرتا ہے تو یہ اس کے خیر کی راہ پر ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان شر پسندوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کیا ہے تا کہ عام انسان کے ایمان وعقیدہ اور عمل پر آنچ نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ إِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الانعام: ٦٨)

''اور (اے پیغمبر) جب تک ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں کو کریدتے ہیں تو ان کے پاس سے سرک جا یہاں تک وہ (اس کو چھوڑ کر) دوسری بات میں لگ جائیں اور اگر (کبھی) شیطان (یہ نصیحت) تجھ کو بھلا دے تو یاد آئے پیچھے (ایسے) ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔''

جب کہ اس کے برعکس دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا صاف حکم ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا جائے جو فقراء اور مساکین تو ہیں مگر راہِ سنت پر قائم ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ (الكهف: ٢٨)

''جو لوگ صبح اور شام اپنے مالک کو پکارتے ہیں اسی کی رضامندی چاہتے ہیں (یعنی طالب مولیٰ ہیں نہ طالب دنیا) ان کے ساتھ اپنے تئیں روک رکھ اور دنیا کا ساز وسامان چاہنے کے لیے اپنی آنکھیں ان کو چھوڑ کر دوسروں کو طرف مت دوڑا اور ایسے شخص کا کہا مت مان جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے؛ اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے اس کو اللہ کا ڈر نہیں) اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے۔''

حدیث میں ہے:

((المرء على دين خليله ، فلينظر أحدكم من يخالل))

''انسان اپنے ہم مجلس کے دین پر ہوتا ہے؛ پس چاہیے کہ تم میں سے کوئی ایک دیکھے کہ وہ کس کے ساتھ میل جول رکھ رہا ہے۔'' (اس کی تخریج گزر چکی ہے۔)

اس حدیث سے کسی پر بدعتی ہونے کا حکم فی الفور علی الاطلاق نہیں لگایا جا سکتا۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ بدعتی کے ساتھ

بیٹھنے والے کو اس کے حالات کا علم نہ ہو۔ اس پر اس کا بدعتی ہونا عیاں نہ ہو۔ اس صورت میں پہلے ایسے انسان کو سمجھایا جائے گا، اور اس پر حجت پوری کی جائے گی۔ اگر اس کے بعد بھی وہ اس کی ہم نشینی پر مصر رہا تو اسے بھی بدعتی ہی شمار کیا جائے گا۔

حضرت ابو داؤد سجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا: ''کیا جب میں کسی اہل سنت کو اہل بدعت کے ساتھ دیکھوں تو کیا اس سے کلام کرنا ترک کر دوں؟ فرمایا: ''نہیں، پہلے اسے بتاؤ کہ فلاں اہل بدعت ہے، ، اگر وہ اس سے کلام کرنا چھوڑ دے تو پھر اس سے بات چیت رکھیں، اور اگر ایسا نہ کرے؛ تو اسے بھی اس کے ساتھ ہی شمار کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''انسان اس کے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔'' ❶

حضرت ابن عون رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''جو کوئی اہل بدعت سے ہم نشین ہوتا ہے، وہ ہم پر اہل بدعت سے بڑھ کر گراں گزرتا ہے۔'' ❷

ابن ابی یعلی نے علی بن ابو خالد رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''انہوں نے - یعنی علی بن ابو خالد - ❸ نے فرمایا ہے:

''میں نے احمد - بن حنبل رحمہ اللہ - سے کہا: ''بیشک یہ شیخ - جو شیخ ان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا تھا -؛ میرا پڑوسی ہے ۔ میں نے اسے ایک آدمی کے ساتھ مجلس کرنے سے منع کیا تھا؛ مگر یہ چاہتا ہے کہ اس - حارث القصیر ؛یعنی حارث المحاسبی - کے بارے میں آپ کا فرمان سن لے۔ میں نے اس کے ساتھ کئی سال سے ہم نشینی کی ۔تو پھر آپ نے مجھ سے کہا کہ: اس کے ساتھ نہ ہی بیٹھنا اور نہ ہی اس سے کلام کرنا۔ اس وقت سے لے کر اب تک میں نے اس سے بات نہیں کی ۔مگر یہ شیخ ابھی تک اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھتا ہے۔تو اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ پھر میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو دیکھا ان کے چہرہ کا رنگ سرخ پڑ گیا تھا اور آپ کی آنکھیں اور گردن کی رگیں پھول گئی تھیں۔ میں انہیں اس حال میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر آپ تھوک کر کہنے لگے: ''یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو اس کے ساتھ ہوا۔ یہ اس کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا جو اس کے حالات جانتا ہو۔ تباہی ہو، تباہی ہو؛ تباہی ہو؛ اس کے ساتھ مغازلی ؛ یعقوب اور فلاں انسان بیٹھا کرتے تھے؛ اس نے انہیں جہم - بن صفوان - کے مذہب پر لگا دیا اور وہ سب اس انسان کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔وہ بوڑھا - پڑوسی - کہنے لگا: اے ابو عبداللہ! وہ تو حدیث روایت

---

❶ اسے ابن ابی یعلی نے" طبقات حنابلہ "(۱/ ۶۰) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز دیکھیں:" الآداب الشرعية " لابن المفلح (۱/ ۲۶۳)۔

❷ اسے ابن بطہ "الإبانة الكبرى " (۴۸۶) میں روایت کیا ہے۔

❸ طبقات حنابلہ "(۱/ ۲۳۳- ۲۳۴)

کرتا ہے۔ بڑا پرسکون اور خشوع والا ہے ؛ اور اس کے فلاں فلاں قصے ہیں ؟اس پر ابو عبد اللہ - احمد بن حنبل -غضبناک ہوگئے ؛ اور فرمانے لگے: ''اس کا خشوع اور نرم مزاجی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔اور نہ ہی اس کے سر جھکائے رہنے سے دھوکہ میں رہیے۔ بیشک وہ بہت ہی برا آدمی ہے۔ یہ صرف وہی انسان جان سکتا ہے ؛ جسے اس کے بارے میں اچھی طرح معلومات ہوں ۔اس سے بات تک نہیں کرنا ؛ اور نہ ہی اس کی کوئی کرامت ہے ۔اگر ہر وہ انسان جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتا ہو،مگر بدعتی ہو،تو کیا اس کے ساتھ بیٹھا کروگے؟نہیں ،اور نہ ہی اس کی عزت کی جائے گی اور نہ ہی اسے آنکھ میں تنکے کے برابر جگہ دی جائے گی اور اس کے بعد یہ وہ بہت کچھ بیان کرنے لگے۔''

زندیقیت کیا ہے؟

۱۴۶ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا سمعت الرجل تأتيه بالأثر فلا يريده ؛ ويريد القرآن فلا يشك أنه رجل قد احتوى على الزندقة ؛ فقم من عنده [ودعه]۔))

''جب آپ کسی آدمی کے بارے میں سنیں کہ اسے حدیث پہنچائی جائے تو وہ اسے قبول نہیں کرتا ؛ اور صرف قرآن سے دلیل چاہتا ہے،تو اس بات میں اب بالکل شک نہ کریں کہ یہ ایسا آدمی ہے جس پر زندیقیت غالب آگئی ہے۔آپ اس کے پاس سے اٹھ کر چلے جائیے ،اور اسے چھوڑ دیجیے۔''

شرح: ...... یہ خواہشات کے پجاری فرقوں - رافضہ ؛ جہمیہ ،فلاسفہ ؛ متکلمین اور قدریہ - کا منہج اور طریق کار ہے۔ جو بھی حدیث یا قول صحابی ان کی خواہشات کے خلاف ہو اسے رد کر دیتے ہیں ۔خواہ یہ حرکت افراد کریں ، یہ فرقے ۔ اس لیے کہ بدعتی انسان کبھی بھی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اس کی خواہشات کے خلاف دلیل پیش کی جائے ؛ لہٰذا وہ دلیل کو رد کردیتا ہے ۔ چونکہ قرآن مجمل ہے ،اور کوئی بھی انسان اس کے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا؛ اور نہ ہی کوئی اس پر تنقید کرسکتا ہے ،اس لیے اہل ہوا نے ایک نیا طریقہ نکالا ؛ انہوں نے یہ دعوی کرنا شروع کردیا کہ وہ صرف قرآن سے ہی لیتے ہیں ۔اس طرح ان تک اگر کوئی ایسی حدیث پہنچی جو ان کو بھلی معلوم ہوئی تو اسے قبول کرلیا ، ورنہ رد کردیا۔

اس عقیدہ اور مذہب کا باطل ہونا صاف ظاہر ہے ؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی قرآن میں نازل کیا ہے ، احادیث میں اس کی تشریح اور تفسیر موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کے رسول ﷺ کی اور مومنین کی راہ کی اتباع کریں۔

زندیقیت سے مراد نفاق اور اللہ تعالیٰ کے دین سے خروج ہے۔

ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے۔ وہ اپنے تئیں قرآن کے علاوہ کسی چیز سے استدلال نہیں

کرتے اور سنت کا انکار کرتے ہیں۔یہی اصلی زندیق ہیں۔اس لیے کہ سنت پر عمل کرنا اصل میں قرآن پر عمل کرنا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (الحشر: ۷)

''جو کچھ تمہیں اللہ کے رسول دیدیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ،اور اللہ سے ڈرتے رہو۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ٦٣)

''جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔''

آپ ﷺ نے اہل قرآن فرقہ کے بارے میں ان الفاظ میں بشارت دی ہے،فرمایا:

((رُبَّ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ: بيننا و بينكم كتاب الله فَمَا كَانَ فِيهِ مِنَ حَلَالٍ أَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَما كان فِيهِ مِنْ حَرَامٍ أحرمناه؛ ألا و إني أوتيت القرآن و مثله معه)) [1]

''آگاہ ہو جاؤ کوئی آسودہ حال انسان اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے یہ نہ کہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرآن ہے،جو چیز ہم اس میں حلال پاتے ہیں،اس کو حلال قرار دیتے ہیں،اور اس میں جو چیز حرام پاتے ہیں اسے حرام جانتے ہیں؛ آگاہ ہو جاؤ مجھے کتاب اور اس کے ساتھ اس جیسی چیز دی گئی ہے۔''

پس یہ شخص جو اپنے گمان کے مطابق قرآن سے استدلال کرتا ہے،اور سنت سے استدلال نہیں کرتا،حقیقت میں یہ پکا زندیق ہے۔اس کے پاس نہ بیٹھنا چاہیے،نہ اس سے لین دین رکھنا چاہیے اور نہ ہی ان سے میل جول رکھنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔

بدعات کی مذمت

۱۴۷ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن الأهواء كلها ردية؛ تدعوا كلها إلى السيف ؛وأردؤها و أكفرها الروافض والمعتزلة و الجهمية ؛ فإنهم يردون [الناس] على التعطيل والزندقة۔))

[1] صحيح ؛ رواه المصنف ٩٧؛ أحمد ١٣٠/٤ - ١٣١ ـ أبو داؤد ٤٦٠٤ ـ والترمذی ٢٦٦٤ ـ مختصر الشريعه ص ٤٣ـ

''اور جان لیجیے کہ تمام کی تمام خواہشات (یعنی بدعات) مردود ہیں ۔ یہ تمام قتال کی طرف بلاتی ہیں۔اور ان میں سب سے بڑھ کر ردی؛ اور بڑے کافر روافض اور معتزلہ اور جہمیہ ہیں۔اس لیے کہ یہ فرقے لوگوں کو ذاتِ باری تعالیٰ کے بارہ میں تعطیل اور زندیقیت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔''

شرح: ......خواہش پرستی (کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت) خواہ وہ کسی بھی طرح سے ہو، انتہائی بری اور مذموم ہے ۔ پس جتنی بھی جماعتیں یا گروہ کتاب وسنت کی مخالفت میں کام کررہے ہیں؛ یا ان کا منہج اس کے خلاف ہے، وہ سارے خواہش کے پجاری ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ (القصص : ٥٠)

''پھر اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو سمجھ لے کہ (وہ حق کی پیروی نہیں چاہتے بلکہ) اپنی خواہش پر چلنا چاہتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے بن بتلائے اپنی خواہش پر چلے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ (اسے) بے انصاف (ہیکڑی) لوگوں کو راہ نہیں لگاتا۔

مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ جو کچھ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے مل جائے، اس پر عمل کرلے؛ اور ان چیزوں کے پیچھے نہ پڑے جن کی خواہش اس کا نفس کرتا ہے۔ یعنی جو کچھ کتاب وسنت سے اس کے موافق ہوا وہ لے لیا، (اور لوگوں کے سامنے اپنی پارسائی کا بھرم قائم کرلیا)؛ اور جو کچھ اس کے مخالف ہوا وہ چھوڑ دیا (اور اس کے لیے عذر تلاش کرنے شروع کردیے)۔ بلکہ حقیقی متقی اور پارسا راہِ حق پر چلنے والا وہ انسان ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق اپنی زندگی گزارے، بھلے اسے اپنے نفس کے خلاف کتنا بڑا اجہاد ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (تمام خواہشات قتال کی طرف بلاتی ہیں):

اس لیے کہ خواہش پرستی سے فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے۔ دور اول کے مسلمانوں کے درمیان بھی جو جنگیں پیش آئیں وہ سب ان ہی فرقوں کی وجہ سے تھیں ۔ چونکہ خوارج ، روافض اور معتزلہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس گئے تھے اور انہوں نے فتنہ کی آگ بھڑکانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ۔ انہی لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اور اس کے بعد کی اکثر جنگیں ان کی وجہ سے ہوئیں۔

ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب بھی کوئی قوم بدعت ایجاد کرتی ہے، تو پھر وہ تلوار چلانے کو حلال جاننے لگتے ہیں۔''

نیز فرماتے ہیں:''بیشک خواہشات کے پیچھے چلنے والے ہی گمراہ ہیں ۔اور میری نظر میں تو ان کا ٹھکانہ صرف جہنم ہے؛ آپ بھی تجربہ کرلیجیے۔ان میں سے کوئی کسی بات کو اختیار نہیں کرتا ، اور نہ ہی کوئی حدث بیان کرتا ہے؛ مگر اس کا معاملہ تلوار تک ہی پہنچتا ہے۔ بیشک یہ نفاق ہی کی اقسام میں سے ہے؛ پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾

(التوبہ: ۷۵)

''اور ان میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنی مہربانی سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکاروں میں ہو جائیں گے۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ﴾ (التوبة: ٥٨)

''اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ (تقسیم) صدقات میں تم پر طعنہ زنی کرتے ہیں اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ) مل جائے تو خوش رہیں اور اگر (اس قدر) نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(التوبة: ٦١)

''اور ان میں بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے (ان سے) کہہ دو کہ (وہ) کان (ہے تو) تمہاری بھلائی کے لیے وہ اللہ کا اور مومنوں (کی بات) کا یقین رکھتا ہے اور جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں ان کے لیے رحمت ہے اور جو لوگ رسول اللہ کو رنج پہنچاتے ہیں ان کے لیے عذابِ الیم تیار ہے۔''

پس جیسے اُن -منافقین- کے اقوال کا آپس میں اختلاف رہتا ہے۔مگر شک و تکذیب میں یہ سب ایک ہیں۔ایسے ہی یہ اہل بدعت اگر چہ ان کے اقوال کا آپس میں اختلاف ہے؛ مگر یہ قتل و غارت گری مچانے میں سب ایک ہیں اور میں تو ان کا ٹھکانہ صرف جہنم میں ہی دیکھتا ہوں۔ ❶

صحابہ پر زبان درازی کا جرم

۱۴۸ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أنه من تناول أحداً من أصحاب محمد ﷺ فاعلم أنه إنما أراد محمداً ﷺ ؛ وقد آذاه في قبره۔))

❶ سنن دارمی (۱/ ٤٤)، اس کی سند صحیح ہے۔

’’جان لیجیے کہ جو کوئی صحابہ میں سے کسی ایک پر زبان درازی کرے؛ تو سمجھ جائیے کہ اس کا ارادہ محمد ﷺ پر زبان درازی کا ہے اور اس نے محمد ﷺ کو قبر میں تکلیف دی ہے۔‘‘

شرح: ......شیخ ناصر العقل حفظہ اللہ اس پیرائے کی تشریح میں فرماتے ہیں: ’’انسان کا قیاس اس کے ساتھیوں سے کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((أن من أبر البر صلة الرجل مع أهل ود أبيه بعد أن يولي)) ❶

’’باپ کے - مرجانے کے بعد بیٹے کی طرف سے اس کے لیے - رہ جانے والی بھلائی اس کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک ہے؛ اس مقام پر فائز ہونے کے بعد۔‘‘

یہ بات طے شدہ ہے کہ اپنے باپ کے دوستوں کو تکلیف دینا ایسے ہی ہے جیسے اپنے مردہ والد کو قبر میں تکلیف دینا۔ تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو تکلیف دینا بالکل ایسے ہی ہے جیسے نبی کریم ﷺ کو ان کو قبر شریف میں تکلیف دینا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک منہج اور عقیدہ پر جمع کیا، ان کی تربیت کی؛ اپنی نگرانی میں ان سے مختلف ذمہ داریاں پوری کروائیں، ان کا تزکیہ کیا: اور پھر اس کے بعد ان کے جنتی ہونے کی ضمانت دی۔

جب کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کا تزکیہ بھی کیا ہو، اور ان کے بارے میں تکلیف دہ بات کرنے سے منع بھی کیا ہو۔ تو پھر کسی کے لیے کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ ان کی برائیاں بیان کرے اور وہ انسان رسول اللہ ﷺ سے محبت کے دعویٰ میں کیسے سچا ہوسکتا ہے جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے صحابہ کو تکلیف دیتا ہو۔ ایسا انسان نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی حقیقت کو نہیں جانتا:

((لا تسبوا أصحابی ؛ فوالذي نفس محمد بيده لو أنفق أحدكم مثل أحدٍ ذهباً ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه)) ❷

’’میرے صحابہ کرام کو برا بھلا نہ کہو: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا وہ ان کی ایک مٹھی یا آدھی مٹھی کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔‘‘

نبی کریم ﷺ ان لوگوں کی تعریف و مدح بیان کررہے ہیں؛ جب کہ یہودیوں کے خود کاشتہ پودے انہیں ظالم و جابر اور شراب خور کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس گمراہی سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین۔

صرف یہی نہیں بلکہ صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنا کتاب اللہ میں طعن کرنے اور نقص نکالنے کے مترادف ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶ مسلم باب: صلة أصدقاء الأب والأم، ح: ٦٦٧٩۔

❷ أخرجه ابو داؤد ح: ٤٦٦٠۔ صحيح۔ و الطبرانی فی الكبير (١٠/ ٢٤٣- ٢٤٤)؛ و أبو نعيم فی الحلية (٤/ ١٠٨)، قال: الإمام الألبانی "السلسلة الصحيحة" (٣٤) صحيح۔

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا﴾ (الفتح: ۱۷۔ ۱۸)

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لے تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں لے جائے گا جن تلے نہریں بہ رہی ہیں اور جو کوئی نہ مانے اس کو تکلیف کا عذاب دیگا۔ (اے پیغمبر) اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہو چکا ہے جب وہ (کیکر یا بیری کے) درخت کے تلے (حدیبیہ میں) تجھ سے بیعت کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو (اخلاص) ان کے دلوں میں تھا تو ان (کے دلوں) پر تسلی اتاری اور ایک نزدیک والی فتح ان کو انعام میں دی۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے اوّل ہجرت کی اور پہلے اسلام لائے اور جنھوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (اللہ ان سے خوش وہ اللہ سے خوش) اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔''

جب قرآن میں صحابہ کرام کی اتنی تعریف آئی ہے تو پھر کسی ایسے انسان سے جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہو یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ صحابہ کرام کو گالی دے۔

جو کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو برا بھلا کہتا ہے، یا گالی دیتا ہے گویا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قبر شریف میں گالی دے رہا ہے؛ اور آپ کو تکلیف پہنچا رہا ہے۔ اس لیے کہ طالب علم پر تنقید اس کے استاذ و مربی پر تنقید ہوتی ہے؛ چونکہ طالب علم اپنے استاذ کی صلاحیتوں اور کمالات کا مظہر ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مربی واستاذ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ہیں؛ اور آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو گالی دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی جائے۔

بدعت کا اظہار

۱۴۹ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا ظهر لك من الإنسان شيء من البدع ؛ فاحذره ، فإن الذي أخفى عنك أكثر

مما أظهر۔))

''جب آپ کے سامنے کسی انسان سے بدعت ظاہر ہو، تو اسے اس سے ڈرائیے۔ اس لیے کہ جو چیز اس نے آپ سے پوشیدہ رکھی ہے، وہ اس سے زیادہ ہے جو اس نے ظاہر کی ہے۔''

شرح: ...... بدعت بھی دین کو داغدار کرنے اور نقصان پہنچانے میں نفاق کی طرح ہے۔ جس طرح منافق اسلام کے لبادے میں قباء اسلام کو چاک کرنے کی سازشیں کرتا ہے، ایسی بدعتی زہد وتقوی کے لبادے میں سنت کو پامال کر رہا اور اہل سنت کو تکلیف اور نقصان پہنچا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝﴾ (آل عمران: ۱۱۸)

''تمھاری تکلیف سے ان کو خوشی ہوتی ہے ان کی باتوں سے دشمنی کھل گئی ہے اور جو دشمنی ان کے دلوں میں چھپی ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہم نے تم سے پتے کی باتیں کہہ دیں اگر تم سمجھ سکو۔''

یہی مصنف رحمہ اللہ نے اہل بدعت کی بیان کی ہے، کہ وہ جن بدعات کا اظہار کر رہے ہیں وہ ابھی بہت کم ہیں، ان کے دل میں عقیدہ کی بابت اس سے زیادہ میل اور گند بھرا ہے۔

صحبت اختیار کرنے کا اصول

۱۵۰ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا رأيت الرجل من أهل السنة رديء الطريق والمذهب؛ فاسقاً فاجراً؛ صاحب معاصي ضالًا؛ وهو على السنة؛ فاصحبه، واجلس معه؛ فإنه ليس تضرك معصيته۔ وإذا رأيت [الرجل]، مجتهداً في العبادة متقشفاً؛ محترقاً، بالعبادة صاحب هوى؛ فلا تجالسه، ولا تقعد معه، ولا تسمع كلامه؛ [ولا تمش] معه في الطريق۔ فإني لا آمن أن تستحلي طريقته، [فتهلك] معه۔))

''جب آپ اہل سنت میں سے کسی کو دیکھیں، گمراہ، اور مذہب سے دور ہو؛ فاسق فاجر ہو، گنہگار اور نافرمان ہو، لیکن وہ اہل سنت کے مذہب پر ہو؛ تو اس کے ساتھ صحبت رکھیں؛ اور اس کے ساتھ مجلس کریں؛ اس لیے کہ اس کی نافرمانی آپ کو نقصان نہیں دے گی۔ جب آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ عبادت میں بڑا مجتہد ہے، پراگندہ حال، اور عبادت میں بڑے مقام تک پہنچنے کا دعویدار ہو، لیکن وہ خواہشات نفس کا پجاری ہو۔ تو اس کے ساتھ نہیں بیٹھنا؛ اور نہ ہی اس کے ساتھ ہم نشینی کرنی ہے، اور نہ ہی اس کا کلام سننا؛ اور نہ ہی راستہ میں اس کے ساتھ چلنا؛ اس لیے کہ میں آپ کو اس کے رنگ میں رنگے جانے سے مأمون نہیں **سمجھتا ہوں** اور

آپ کا بھی اس کے ساتھ ہی ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے۔''

شرح: ...... گنہگار اہل سنت ظالم اور فاسق و فاجر تو ہو سکتا ہے مگر جب تک اس کا عقیدہ صحیح ہے اور وہ اہل سنت میں سے ہے تو اس کے ساتھ بیٹھنا تمہارے لیے اس سے بہتر کہ کسی عابد و زاہد بدعتی کی مجلس میں بیٹھو۔ اس لیے کہ اس اہل سنت سے آپ کے عقیدہ اور ایمان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں۔ اور اس کے بارے میں اللہ کے ہاں امید کی جا سکتی ہے کہ یہ انسان کسی وقت بھی ندامت کی وجہ سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے، اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں۔

مگر بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی؛ اس لیے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اسے حق سمجھ کر کر رہا ہے اور غالب طور پر بدعتی توبہ نہیں کرتے۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ بدعت ایسا شر ہے جو کہ شیطان کو کسی بھی دوسرے گناہ سے بڑھ کر محبوب ہے۔ پس اپنے آپ کو شیطانی پھندے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

جو کوئی اہل سنت والجماعت ہو، بھلے اس کے کتنے گناہ کیوں نہ ہوں۔ جب تک وہ ایسا گناہ نہ کرے جس کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے؛ اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

دراوی کہتا ہے کہ: ایسا فعل جس کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جانا لازم آتا ہو، اگر کسی اہلِ سنت سے سرزد ہو جائے تب بھی امید کی جا سکتی ہے کہ یہ انسان اپنے فعل کی برائی کو سمجھے اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر لے۔ لہٰذا اس صورت میں بھی اگر کسی کے ساتھ بیٹھنا ہی ضروری ہو تو اس انسان کے ساتھ بیٹھا جائے مگر بدعتی کے قریب بھی نہ جایا جائے۔ کیونکہ بدعتی کی عبادت و ریاضت کے باوجود اس کی بدعات سے ایمانی نقصان کا اندیشہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر انسان شرک کے علاوہ ہر قسم کے گناہ لے کر اللہ تعالیٰ سے ملے یہ اس سے بہتر ہے کہ کوئی بدعت لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس جائے۔'' [1]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''کبیرہ گناہوں کے مرتکب اہل سنت کی قبریں ایک باغ ہیں؛ اور اہل بدعت کے زہاد کی قبریں بھی جہنم کا گڑھا ہیں۔ اہل سنت کے فاسق بھی اولیاء اللہ ہیں؛ اور اہل بدعت کے زہاد بھی اللہ کے دشمن ہیں۔''

اس پیرائے کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان گنہگار کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھے گا تو اس کا اتنا نقصان نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا گناہ اور فسق اور فجور واضح ہے۔ جس سے طبیعت سلیم نفرت کرتی ہے۔ پھر یہ گنہگار اپنی گناہ کی تائید میں دلائل بھی نہیں پیش کرتا، بلکہ اسے گناہ ہی سمجھتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس بات کی بہت قوی امید ہے کہ وقتِ قریب یا بعید میں توبہ کر لے، اور اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیں۔ نیز یہ کہ گناہ کے کام کو جانتے ہوئے دوسرے انسان کی طرف اس کے منتقل ہونے کے اثرات و امکانات بدعت کی نسبت بہت ہی کم ہیں۔

[1] اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے "الاعتقاد "(ص ١٥٨) میں روایت کیا ہے۔"طبقات حنابلہ " (١/ ١٨٤)۔

جبکہ بدعتی انسان شیطانی چالیں چلتا ہے تو وہ اپنی غلط راہ کو حق سمجھتا ہے، اور اس کی طرف ورغلانے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کی تائید میں دلائل دیتا ہے اور اپنی اس بدعت کو حق ظاہر کر کے پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے اسے توبہ کی توفیق نصیب ہونے کے امکان بہت کم ہیں۔ نیز یہ کہ بدعت ایسے دوسرے افراد میں سرایت کر جاتی ہے کہ وہ اس کا شعور بھی نہیں رکھتے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ورأى يونس بن عبيد ابنه [وقد] خرج من عند صاحب هوى؛ فقال:" يا بني ! من أين جئت؟ قال : من عند فلان۔ قال: يا بني ! لأن أراك خرجت من بيت الخنثى ؛ أحب إلي من أن أراك تخرج من بيت فلان [و فلان] ؛ ولأن تلقى الله يا بني زانياً فاسقاً [سارقاً] خائناً ، أحب إلي من أن تلقاه بقول فلان و فلان ۔"ألا ترى أن يونس بن عبيد [قد] علم أن الخنثى لا يضل ابنه عن دينه؛ وأن صاحب البدعة يُضله حتى يكفر ؟))

''یونس بن عبید رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ وہ ایک بدعتی کے ہاں سے نکل رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا:'' اے بیٹے ! کہاں سے آرہے ہو؟'' اس نے کہا:'' میں فلاں آدمی کے پاس سے آرہا ہوں۔'' ❶ انہوں نے فرمایا:'' اگر میں تمہیں دیکھوں کہ تم ہیجڑوں کے گھر سے نکلے ہو تو یہ بات مجھے منظور ہے، بہ نسبت اس کے کہ تمہیں فلاں اور فلاں کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھوں۔'' اے میرے بیٹے ! اگر تم اللہ سے اس حال میں ملو کہ زانی، فاسق، چور؛ خائن ہو؛ یہ بات مجھے پسند ہے؛ بہ نسبت اس کے کہ تم فلاں اور فلاں ❷ کی باتیں لے کر اللہ کے پاس جاؤ۔'' کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ یونس بن عبید کو پتہ تھا کہ (خنثی) ہیجڑا اس کے بیٹے کو دین سے گمراہ نہیں کرے گا، جب کہ بدعتی اس وقت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا جب تک اس سے کفر کا ارتکاب نہ کروا دے۔''

اہل بدعت کی صحبت کا اثر

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......ایک بدعتی کے ہاں سے نکل رہا تھا......):

اس سے مقصود یہ نہیں کہ شیخ زانی اور فاسق وفاجر کے ساتھ صحبت کی ترغیب دے رہے ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے اگر انسان کو -اللہ نہ کرے- ایسی ضرورت پیش آئے تو زانی و فاسق و فاجر کی صحبت کا خطرہ بدعتی کی صحبت کے خطرہ سے بہت

---

❶ یہ بدعتی عمرو بن عبید بصری تھا۔ عابد و زاہد تھا؛ مگر عقیدہ اہل قدریہ کا تھا۔ کبار اولین معتزلہ میں شمار ہوتا ہے۔ ۱۴۳ ہجری میں ہلاک ہوا۔ دیکھو: "سیر اعلام النبلاء" (۶/۱۰۴)۔

❷ اسے ابو نعیم نے "الحلیة" (۳/۲۰-۲۱) میں روایت کیا ہے۔ خطیب نے "تاریخ بغداد" (۱۲/ ۱۷۲ - ۱۷۳) پر، ابن بطہ نے "الإبانة الكبرى" (٤٦٤) پر، اور آجری نے "الشريعة" (۲۰٦۱) میں صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ہی کم ہے۔ اس لیے کم نقصان والی چیز کو قبول کر لیا جائے۔ کیونکہ انسان کبیرہ گناہ کے جرم کو سمجھتا ہے، لہٰذا اس پر توبہ کی امید کی جاسکتی ہے۔ جب کہ بدعتی بدعت کو گناہ نہیں سمجھتا، بلکہ وہ اسے خیر سمجھ کر لوگوں کی اس کی طرف دعوت دیتا ہے، اس لیے اس کے بارے میں توبہ کی امید بہت کم ہوتی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جب تک اس سے کفر کا ارتکاب نہ کروادے):

اس قول سے بدعت اور اہل بدعت کی خطرناکی سمجھی جاسکتی ہے؛ نیز یہ کہ سلف اس بارے میں کتنے محتاط رہتے تھے۔

جب بھی کوئی انسان اہلِ بدعت سے صحبت رکھتا ہے تو اپنے دنیاوی معاملات چلانے کے لیے اسے بدعتی کے ساتھ مدارت کا رویہ رکھنا پڑتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اس کی بدعت کے بارے میں بھی زبان کو ضبط میں رکھنا لازمی ہوجاتا ہے اور اللہ کے دین میں پھیلائی جانے والی برائی پر خاموش رہنے، اور اس پر اپنے مصلحت کو ترجیح دینے کی سزا یہ ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کو بھی اسی بدعت میں مبتلا کردیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس شر سے محفوظ رکھے آمین۔

یہی وجہ تھی کہ سلفِ صالحین نہ صرف خود اس بارے میں بہت سخت تھے، بلکہ وہ کسی دوسرے کے لیے بھی برداشت نہیں کرتے تھے کہ ان کے دیکھتے ہوئے وہ بدعت میں مبتلا ہوجائے۔ اسی وہ بار بار اہل بدعت کی صحبت اختیار کرنے سے ڈراتے، اور لوگوں پر اس کے نقصانات واضح کرتے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حق بات اور سنت کی تبلیغ بھی کرتے۔ تاکہ لوگ کسی جہالت کی وجہ سے بدعت کا شکار نہ ہوجائیں۔

ضروری انتباہ

151 مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واحذر ثم احذر [أهل] زمانك خاصة؛ وانظر من تجالس؛ وممن تسمع ؛ ومن تصحب ؛ فإن الخلق كأنهم في ردة إلا من عصمه الله منهم۔))

''اور بچ کر رہیے، اور پھر بچ کر رہیے خاص کر اپنے زمانہ کے (اہل بدعت) لوگوں سے اور دیکھو کہ آپ کی مجلس کس کے ساتھ ہے، اور آپ کس کی بات سنتے ہیں، اور کس کو اپنا ساتھی بناتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلقت گویا کہ مرتد ہوئے جارہی ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔''

شرح: ...... چونکہ مصنف رحمہ اللہ کے زمانے میں بہت بڑا فتنہ پھیلا ہوا تھا؛ اس لیے آپ ہر ایک کو اپنے زمانے کے لوگوں سے ڈراتے تھے۔ یہی حق تمام زمانوں کا ہے جب بھی کہیں فتنہ پھیل جائے، بدعات زور پکڑلیں، گمراہیوں اور بد رسومات کو عام رواج دیا جانے لگے، تو اس وقت مسلمان پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ شر پسندوں کے شر سے بچ کر رہے۔ کیونکہ ایسے اوقات میں مخلوق کے مرتد ہونے کا خدشہ ہوتا ہے سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی امان میں رکھے اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا جارہا ہے، فتنوں کو عروج مل رہا ہے، اور سنت اور اہل سنت کمزور تر ہورہے ہیں۔ ان

حالات میں دین پر استقامت کے ساتھ رہنا اور مصائب پر صبر کرنا بہت بڑی جوانمردی اور بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔

اہل بدعت کے اکابرین

۱۵۲ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وانظر ! إذا سمعت الرجل يذكر ابن أبي داؤد ، وبشر المريسي؛ وثمامة ؛ أو أبا الهذيل ؛ أو هشام الفوطي ؛ أو واحداً من اتباعهم ، و أشياعهم ؛ فاحذره فإنه صاحب بدعة۔ فإن هؤلآء كانوا على الردة؛ واترك هذا الرجل الذي ذكرهم بخير ؛ ومن ذكر منهم۔))

''اور دیکھیں ! جب آپ سنیں کہ کوئی انسان ابن أبی دؤاد ❶؛اور بشر المریسی ❷ اور ثمامہ ❸ اور ابو ھذیل ❹؛یا ہشام الفوطی ❺؛ یا ان کے پیروکاروں یا ان کی جماعت کے لوگوں میں سے کسی ایک کا ذکر کر رہا ہو؛ تو جان لیجیے کہ یہ بدعتی؛ خواہش نفس کا پجاری ارتداد کے دھانے پر ہے۔ جو ان کا ذکر خیر کر رہا ہو، اس کو چھوڑ دیجیے اور جو ان لوگوں میں سے ذکر کیے گئے ہیں۔''

شرح: ......اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ اہل ھواء (بدعتی فرقوں) کے ساتھ برتاؤ کرنے کا قاعدہ بیان کر رہے ہیں۔ وہ بڑے بدعتی جو کہ مشہور ہیں؛ انسان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ کی دینی لحاظ سے ان سے تعلق رکھے، یا ان کی تعریف کرے۔

یہ ممکن ہے کہ ان اہل بدعت میں کچھ اچھی عادات اور خصلتیں ہوں؛ جیسے حلم، کرم، سخاوت، شجاعت؛ ذہانت اور مناظرہ وغیرہ پر دسترس وغیرہ؛ مگر ان صفات کا ہونا کسی انسان کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اور وہ انہیں حق نہ سمجھنے لگے جائے۔ کیونکہ انسان کو جب کوئی دوسرا انسان کسی خاص وصف کی بنا پر اچھا لگتا ہے، تو اس کے افکار اور خیالات بھی اسے اچھے لگتے ہیں، اور وہ انہیں اپنانے کی کوشش کرتا ہے؛ اور ایسے لوگوں کو اپنا رہنما تصور کرتا ہے، اور ان کا دفاع کرتا ہے۔ اس لیے ان لوگوں کی صحبت سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی تعریف کرنے سے لوگوں کے بھی متاثر ہو کر ان بدعات میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔

---

❶ احمد بن فرج جہمی۔ عقیدہ خلق قرآن کا داعی تھا۔ ۲۴۰ میں ہلاک ہوا۔ دیکھو: "سیر اعلام النبلاء" (۱۱/۱۶۹)۔

❷ بشر بن غیاث المریسی اپنے زمانہ میں جہمیہ کا بڑا عالم اور ان کا سردار تھا۔ اہل علم کے نشتروں کا شکار رہا۔ کئی ایک نے اس کے کفر کا فتوی دیا۔ ۲۱۸ ہجری میں ہلاک ہوا۔ دیکھو: "سیر اعلام النبلاء" (۱۰/۱۹۹)۔

❸ ثمامہ بن اشرس بصری معتزلہ اور خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والوں کا سردار تھا؛ اور گمراہوں کا قائد۔ دیکھو: "سیر اعلام النبلاء" (۱۰/ ۲۰۳)۔

❹ محمد بن ہذیل علاف بصری؛ اپنے زمانہ میں مبتدعین کا سردار اور ان کا داعی تھا۔ ۲۲۷ ہجری میں ہلاک ہوا۔ دیکھو: "سیر اعلام النبلاء" (۱۰/۵٤۲)۔

❺ ہشام ابن عمرو الفوطی؛ ھذیل کے ساتھیوں میں سے ایک معتزلی تھا، اور اعتزال کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ دیکھو: "لسان المیزان" (٦/٦٢)؛ اور فہرست ابن ندیم (ص ۲۱٤)؛ اور ''الفصل'' لابن حزم (٥/٦٢)۔

مذکورہ بالا بدعتی نہ صرف خود طرح طرح کی بدعات کا شکار تھے، بلکہ اپنے دور میں اہل بدعت کے امام و داعی اور ان کے سرغنے تھے۔ جنہوں نے بدعات کے پھیلانے اور عوام الناس کو گمراہ کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

ان لوگوں میں سے بعض مرتد ہو چکے تھے؛ اور کتاب و سنت کی مخالفت کی وجہ سے گمراہی کے اندھے کنوؤں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے جان بوجھ کر کتاب و سنت کی مخالفت کی؛ اس وجہ سے کافر ٹھہرے اور جو کوئی ان کی راہ پر چلے گا اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو ان لوگوں کا ہے۔ اس لیے اپنے عقیدہ و ایمان کی سلامتی چاہتے ہوئے ان کی راہ سے اجتناب کرنا اور ان کے افکار و خیال سے بچ کر رہنا ہی ہر حال میں بہتر ہے۔

لوگوں کے ایمان کے امتحان کا حکم

۱۵۳ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والمحنة في الإسلام بدعة۔ وأما اليوم فيمتحن بالسنة؛ لقوله :((وإن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم)) ❶۔ و((ولا تقبلوا الحديث إلا ممن تقبلون شهادته))۔ فتنظر: إن كان صاحب سنة؛ له معرفة؛ صدوق؛ كتبتَ عنه: وإلا تركته۔))

''اسلام کے بارے میں امتحان بدعت ہے۔ جب کہ آج کل سنت کے بارے میں امتحان لیا جائے گا۔ اس لیے کہ کہا گیا ہے کہ:

''یہ علم دین ہے۔ سو دیکھنا چاہیے کہ آپ اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔'' اور حدیث صرف اس آدمی سے قبول کی جائے جس کی گواہی آپ قبول کرتے ہیں''۔

سو آپ کو چاہیے کہ دیکھیں: ''اگر وہ اہل سنت ہو، اور اس کی معرفت ہو؛ سچا ہو، تو اس سے حدیث لکھ لینا۔ اگر ایسا نہ ہو تو چھوڑ دینا۔''

شرح: ...... اصل چیز لوگوں کے دین اور عقیدہ کی سلامتی؛ اور ان کے متعلق اچھا گمان ہے جب تک ان سے کسی بدعت یا گناہ کا ظہور نہ ہو؛ یا اس کے خلاف واضح قرآئن نہ ہوں۔ اس لیے بغیر کسی شرعی وجہ کے لوگوں سے ان کے دین اور عقیدہ کے متعلق سوال کرنا اور انہیں امتحان میں ڈالنا بدعت ہے۔ جو مسلمان اسلام کا اظہار اور خیر کے کام کر رہا ہو،

---

❶ ابن عدی نے ''الکامل'' (۱/ ۱۵۵) میں نقل کیا ہے؛ وہاں سے سہمی نے تاریخ جرجان'' (ص ۴۷۳) پر؛ ابن جوزی نے ''الواھیات'' (۱/ ۱۳۱) پر؛ حضرت انس سے مرفوعا روایت کیا ہے؛ اس کی سند بہت ہی کمزور ہے۔ اس میں خلید بن دعلج بہت ہی ضعیف ہے۔ جیسا کہ ''المیزان'' (۱/ ۶۶۳) پر ہے۔ نیز اس میں قتادہ السدوسی مدلس نے - لفظ - ''عن عن'' سے روایت کیا ہے۔ اسے امام جوزی نے ''الواھیات'' (۱/ ۱۳۱) ضعیف کہا ہے۔ امام مناوی رحمہ اللہ نے ''التیسر'' (۱/ ۳۵۲-۳۵۳) پر؛ اور البانی رحمہ اللہ نے ''ضعیف الجامع'' (۲۰۲۱) پر ضعیف کہا ہے۔ لیکن یہ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے قول سے صحیح ثابت ہے۔ اسے امام مسلم نے اپنی ''صحیح مسلم'' کے مقدمہ میں (۱/ ۴۱) میں؛ ابن عدی نے ''الکامل'' (۱/ ۱۵۵) میں؛ اور ابو نعیم نے ''الحلیہ'' (۲/ ۲۷۸) میں؛ اور خطیب بغدادی نے ''الکفایۃ'' (ص ۱۶۱) میں، اور رامہرمزی نے ''المحدث الفاصل'' (۴۱۴) میں نقل کیا ہے۔

تو اس کے ان اعمال کو درست مانا جائے گا، اس کے مسلمان ہونے کی گواہی دی جائے گی۔ اور اس سے ہٹ کر خواہ مخواہ تحقیق و تفتیش اور تجسس کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسا سبب موجود ہو، یا قرآئن نظر آئیں تو اس وقت اس سے سوال کرنا اور پوچھنا جائز ہوتا ہے۔ اگر انسان ایسے علاقہ میں ہو جہاں عقدی یا عملی بدعتی غالب ہو، وہاں اس قسم کا سوال پوچھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (آج کل سنت کے بارے میں امتحان لیا جائے گا): مصنف رحمہ اللہ اپنے زمانہ کی بات کر رہے ہیں؛ جب کہ فرقے بہت بڑھ گئے تھے، اور گمراہیوں نے چاروں جانب دامن پھیلائے ہوئے تھے اور ہر فرقہ اسلام کا دعویدار تھا۔ ان حالات میں ضروری ہو گیا تھا کہ معلوم کیا جائے کہ کون اہل سنت ہے، تاکہ فقط دعوی کی وجہ سے کوئی دھوکہ نہ کھا جائے۔

سو جو کوئی اہل سنت سے محبت رکھتا ہے، یہ دلیل ہے کہ وہ انسان خیر پر ہے۔ اور جو کوئی اہل بدعت سے محبت رکھتا ہے تو یہ دلیل ہے کہ وہ انسان شر (برائی) پر ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (......سو دیکھنا چاہیے کہ آپ اپنا دین کس سے لے رہے ہو):

اس سے مقصود یہ ہے کہ علم کا حصول اہل سنت والجماعت کے علماء ربانیین کے ہاتھوں ہونا چاہیے۔ نہ کہ اہل بدعت کے ہاتھوں پر؛ اور وہ لوگ ایمان وعقیدہ پر اثر انداز ہو جائیں۔

یہ حدیث بطور قاعدہ بالکل درست ہے؛ کہ انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے علم حاصل کر رہا ہے، اور کس چیز کی اشاعت کر رہا ہے۔ مگر لفظ حدیث اور عبارت ضعیف ہے۔ ❶

یہ بھی ایک قاعدہ ہے۔ یعنی حدیث کو صرف ان لوگوں سے روایت کیا جائے جن کی شہادت شرعی قاضی کے ہاں قابل قبول ہے۔ اس لیے کہ ضعفاء اور من گھڑت احادیث بیان کرنے والے دجال بڑھ گئے ہیں؛ اور انہوں نے اپنی طرف سے روایات کا جال پھیلایا ہوا ہے۔ لہٰذا حدیث کے قبول کرنے اور قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کو اللہ تعالیٰ علم حدیث کی معرفت سے نوازا ہو، باقی عوام الناس کو ان کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

---

❶ مذکورہ پیرایہ رامہرمزی رحمہ اللہ نے "المحدث الفاصل" (٤١١) میں؛ اور ابن عدی رحمہ اللہ نے "الکامل" (١٥٩/١)؛ (٧٩٨/٢)؛ (١٣٦٩/٤) پر اور ابو نعیم رحمہ اللہ نے "الحلیہ" (٢ / ٢٧٨) پر؛ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے "الکفایة" (ص ١٢٥ - ١٢٦) پر، اور (٩ / ٣٠١) پر اور ابن جوزی نے "الواهیات" (١٣١/١) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے۔ خطیب بغدادی نے "الکفایة" (ص ١٢٥) میں لکھا ہے:

((اور وہ حدیث جس کے بارے میں قاضی ابو عمر القاسم بن جعفر الهاشمی نے ہمیں خبر دی ہے......))

پھر انہوں نے پوری سند اور اس کے ساتھ سابقہ حدیث بیان کی؛ اور پھر فرمایا:

((بیشک صالح بن حسان اپنی روایت میں اکیلا ہے۔ اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے قلت ضبط اور سوئے حفظ کی وجہ سے ان کی حدیث کے ترک کرنے پر نقاد محدثین کا اجماع ہے۔ کبھی وہ اس حدیث کو محمد بن کعب سے متصل سند کے ساتھ روایت کرتا ہے، اور کبھی مرسل سند کے ساتھ اور کبھی اسے مرفوعاً روایت کرتا ہے اور کبھی موقوف))۔

پھر انہوں نے تمام روایات کو ان مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا، اور فرمایا:

"علامہ البانی رحمہ اللہ نے "ضعیف الجامع" (٦١٩٣) میں فرمایا ہے: "یہ حدیث من گھڑت ہے۔"

راہ حق پر استقامت

۱۵۴ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا أردت الاستقامة على الحق وطريق أهل السنة قبلك ؛ فاحذر الكلام ، وأصحاب الكلام والجدال والمراء و القياس والمناظرة في الدين ؛ فإن [استماعك] منهم -وإن لم تقبل منهم- يقدح الشك في القلب ؛ و كفى به قبولًا ؛ [فتهلك]؛ وماكانت الزندقة قط ، ولا بدعة ؛ ولا هوى ؛ ولا ضلالة ؛ إلا من الكلام و الجدال والمراء والقياس ؛ [وهي] أبواب البدعة والشكوك و الزندقة۔))

''اگر آپ دین حق پر استقامت سے رہنا چاہیں، اور اپنے سے پہلے اہل سنت والجماعت کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں، تو علم کلام، اور اہل کلام، جھگڑالو، شک کرنے والوں؛ اور دین میں قیاس اور مناظرہ کرنے والوں سے بچ کر رہیں۔ آپ کا صرف ان کی بات سننا ہی -اگر چہ آپ ان کی بات نہ بھی مانیں- آپ کے دل میں شک ڈالے گا۔ یہی ان کی بات کے ماننے کے لیے کافی ہے۔ اس سے آپ ہلاک ہو جائیں گے۔ زندیقیت، بدعت، خواہش پرستی اور گمراہی ہرگز کچھ بھی نہ تھی؛ یہ سب علم کلام؛ ناحق جھگڑے، شکوک وشبہات اور قیاس ومناظرہ کی پیداوار ہیں۔ یہ چیزیں بدعت، شکوک وشبہات اور زندیقیت کے دروازے ہیں۔''

شرح: ......گمراہ فرقوں کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت علم کلام ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے کافی وشافی دلائل اور اطمینان بخش طریقہ کار کو چھوڑ کر علم کلام، منطق اور فلسفہ سے استدلال کرنا شروع کر دیا اور اس پر بڑی مصیبت یہ کہ ان جدید اور اجنبی علوم کے دلائل کو تو علم الیقین کہتے رہے، جب کہ صحیح احادیث سے ثابت مسائل کو ظنی اور غیر یقینی قرار دیتے رہے۔ یہاں سے شر اور برائی کا ایسا دروازہ کھلا جو آج تک بند نہیں ہوا، بلکہ اس کے کواڑ بڑھتے ہی گئے۔ جس کی وجہ سے مناظرہ بازی؛ لغو قیاس آرائی، کٹ حجتی اور انانیت نے اچھی خاصی جگہ پالی۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس پیرائے میں مناظرہ کی بھی مذمت کی ہے۔ اس سے مراد وہ مناظرہ ہے جو صرف اپنی برتری ثابت کرنے، یا لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ہو۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور سے لے کر آج تک اہل سنت والجماعت کا یہی قاعدہ رہا ہے کہ وہ حق کی نصرت کے لیے مناظرہ ومجادلہ کرنے کو حسب ضرورت اس کی شروط کے ساتھ جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ مناظر اپنے مذہب کا اور فریق مخالف کے مذہب کا عالم ہو؛ دلیل اور وجہ استدلال کا جاننے والا ہو اور حاضر دماغ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شخص مناظرہ کرنے میں تو مخلص ہو اور حق کی نصرت کرنا چاہتا ہو؛ مگر بر وقت اور مناسب دلیل نہ پیش کر سکنے کی وجہ سے حق کو رسوائی اٹھانی پڑے۔

آگے چل کر مصنف رحمہ اللہ نے ان بدعتی فرقوں کی بات تک سننے سے منع کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب ایسے لغو اور بے فائدہ مناظرے سنیں گے، اگر چہ آپ بدعتی کی بات نہ بھی مانیں، تب بھی وہ آپ کے دل میں شکوک وشبہات

ڈال دے گا، جس کہ اس کی بات ماننے کے لیے راہ ہموار کردے گا۔

اتباع سنت کی اہمیت

۱۵۵ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فالله الله ! في نفسك ؛ وعليك بالأثر وأصحاب الأثر والتقليد ؛ فإن الدين إنما هـو بـالتقليد ؛ [يعني : للنبي ﷺ وأصـحـابه رضوان الله عليهم أجمعين]، ومن قبلنا لم يدعونا من لبس ؛ فقلدهم واسترح ولا تجاوز الأثر و أهل الأثر۔))

''اپنے دل میں اللہ کا خوف رکھو! اور آپ پر واجب ہے کہ حدیث اور محدثین کی راہ کی پیروی کرو۔ بیشک دین پیروی کرنے میں ہے [یعنی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی] اور جو لوگ ہم سے پہلے [اہل سنت والجماعت کے منہج پر] تھے انہوں نے ہمیں شکوک و اشتباہ میں نہیں چھوڑا۔ ان کی پیروی کرو؛ اور آرام سے رہو اور حدیث اور محدثین سے آگے نہ بڑھو۔''

شرح: ...... تقلید سے مراد اتباع ہے۔ اندھی اور بے بصیرت تقلید نہیں۔ جیسا کہ متأخرین کے ہاں معروف ہے۔ بلکہ اس سے مراد اہل علم و اصلاح کی اتباع ہے۔ جن کی طرف مسائل شرعیہ جاننے کے لیے رجوع کیا جائے۔ اس لیے کہ ہر انسان اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ شرعی نصوص سے مسائل کا استنباط کرے، اس کے لیے ضروری ہے کہ علماء راسخین کی طرف رجوع کیا جائے؛ تاکہ حق بات کا علم اور اس پر عمل آسان ہو جائے۔ مسائل کا استنباط مجتہدین کا کام ہے جو اس کے اہل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مسلمانوں کا اصل مرجع و مصدر کتاب وسنت ہیں۔ کتاب وسنت کو سمجھنا ان کے قواعد وضوابط اور اصول معلوم کیے بغیر ممکن نہیں۔ ان اصولوں اور قواعد کے صحیح معنوں میں جاننے والے علماء راسخین ہیں۔

اگر ہر انسان کے لیے بغیر قواعد وضوابط جاننے کے استنباط کے دروازے کھول دیے جائیں تو ایسے ہی افراتفری اور بدنظمی پھیل جائے جیسے کہ خوارج اور رافضہ میں ہے؛ جو بغیر کوئی اصول جانے جو جی میں آئے اپنی خواہشات کے تحت کہہ دیتے ہیں۔ دین میں ایسی بدحالی کی مثال صرف گمراہ فرقوں کے ہاں ملتی ہے۔

منہج اہل سنت والجماعت

نصوص کتاب وسنت کے تعامل کے لیے اہل سنت والجماعت کا ایک خاص منہج اور طریق کار ہے۔ جو کہ افراط و تفریط اور بے جا عقلی دخل اندازی سے مبرا اور ایمان وتسلیم پر مبنی ہے۔ جسے یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ مترجم۔

۱۵۶ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقف عند متشابه القرآن و الحديث، و لا تقِس شيئاً۔))

''قرآن وحدیث کے متشابہات کے پاس توقف کریں اور کچھ بھی قیاس نہ کریں۔''

شرح: ......متشابہ آیات کے بارے میں قرآن نے کچھ یوں بیان فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ○ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ○﴾

(آل عمران: ۷۔۹)

''وہ ذات جس نے آپ پر یہ کتاب (قرآن شریف) اتاری؛ اس میں بعض آیتیں کھلی صاف مضمون کی ہیں وہ تو قرآن شریف کی اصل ہیں (جن کو محکم کہتے ہیں) اور بعض آیتیں متشابہ (مضمون) کی ہیں (جو کئی پہلو رکھتی ہیں) پھر جن کے دل پھرے ہوئے ہیں (یعنی باطل کی طرف جھکے ہوئے) وہ لوگوں کو گمراہ کرنے اور اصلی حقیقت دریافت کرنے کی نیت سے متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ اصلی حقیقت ان کی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو پکے عالم ہیں (نہ کٹھ ملا) وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ان پر یہ سب آیتیں (محکم ہوں یا متشابہ) ہمارے پروردگار کی طرف سے (اتری) ہیں اور جن کو عقل ہے وہی سمجھائے سمجھتے ہیں۔ (یہ دعا مانگتے ہیں) اے رب راہ پر لگانے کے بعد پھر ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول مت کر اور اپنی رحمت ہم کو عنایت فرما بے شک تو بڑا دینے والا ہے۔ اے رب ہمارے جس دن کے ہونے میں شک نہیں اس دن تو لوگوں کو اکٹھا کرے گا (یعنی قیامت کے دن) بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ میں خبر دی ہے کہ قرآن میں محکم اور واضح آیات بھی ہیں جن کے بیان و توضیح کی ضرورت نہیں۔ اور متشابہ آیات بھی ہیں جن کی وضاحت اور بیان کے لیے کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے تفسیر و وضاحت کی ضرورت ہے؛ جیسے کہ مطلق اور مقید آیات؛ مجمل اور مبین؛ ناسخ اور منسوخ؛ یہ تمام چیزیں اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں موجود ہیں۔

احکام شریعت آپس میں متصل ہیں۔ ان کا آپس میں گہرا تعلق اور رابطہ ہے۔ جو کوئی ان میں تفریق کرتا ہے، در اصل وہ اللہ کے ان احکام کو توڑتا ہے جنہیں ملانے کا حکم دیا گیا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ○﴾ (الرعد: ۲۵)

''اور جو لوگ اللہ سے پکا قول کر کے پھر اس کو توڑ ڈالتے ہیں اور اللہ نے جس کے جوڑنے کا حکم دیا (مثلاً

ناطہ جوڑنے کا) اس کو پھوڑ ڈالتے ہیں (ناطے والوں سے بدسلوکی کرتے ہیں) اور ملک میں (ناحق) دھند مچاتے ہیں (لوٹ مار۔ خرابی۔ ظلم۔ بدعت) انہی لوگوں پر لعنت پڑ یگی (اور رہنے کو) بُرا گھر ملے گا (یعنی دوزخ)۔''

جن لوگوں کے مقدر میں گمراہی ہے، وہ کھلی ہوئی صاف صاف محکم آیات احادیث کو چھوڑ متشابہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تا کہ وہ فتنہ بپا کریں اور لوگوں کو تشویش میں ڈالیں اور ان کا دعوی یہ ہوتا ہے کہ ہم اللہ کے قرآن اور اس کے نبی ﷺ کے فرمان سے استدلال کرر ہے ہیں۔ اس طرح وہ متشابہات کا ایک حصہ لے لیتے ہیں، اور اس دوسرے حصے کو ترک کردیتے ہیں جس سے اس پہلے حصہ کی وضاحت اور تفسیر ہوتی ہو۔ جب کہ پختہ علم والے خوف الٰہی رکھنے والے کہتے ہیں: یہ تمام آیات ہمارے رب کی طرف سے ہیں، اور ان کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں۔ وہ متشابہ کو محکم پر پیش کر کے اس سے حل تلاش کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن وہ سنت سب اللہ کی طرف سے ہے، اس میں کوئی تردد یا ٹکراؤ نہیں۔ قرآنی آیات آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ احادیث قرآن کی تفسیر کرتی ہیں، ایسے ہی احادیث آپس میں بھی ایک دوسرے کی وضاحت کرتی ہیں۔ یہ اہل علم کا طریقہ ہے۔ وہ متشابہات کے پیچھے نہیں پڑتے۔ جب کہ کج رو (ٹیڑھے پن والا) جانتا ہے کہ وہ خطا کار ہے، مگر پھر بھی ایسا کرنے سے مقصود لوگوں کو گمراہ کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ جاہل انسان نہ ہی دلیل جانتا ہے، اور نہ ہی طریقہء استدلال۔ نہ ہی نصوص شریعت کو صحیح طرح سمجھ سکتا ہے، اس لیے کا اس کا علم حاصلِ مطالعہ ہے، اس نے اہل علم سے علم نہیں سیکھا بلکہ کچھ ورق گردانی کر کے اپنے علم کی دھاک بٹھانا شروع کردی۔ جو کہ انتہائی خطرناک معاملہ ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں نہ صرف وہ خود ہلاک ہوتے ہیں بلکہ ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ہی ہلاک کرتے ہیں جو ان کی بات مان کر چلتے ہیں۔

یہاں پر متشابہ سے مراد یہ ہے کہ جو آپ پر مشتبہ ہو۔ یعنی آپ اس کا ادراک نہ کرسکیں یا سمجھ نہ سکیں۔ سب سے پہلا اشتباہ غیبی امور اوران کی کیفیات ہیں۔ یہ تمام لوگوں پر متشابہ ہیں۔ انسان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ان میں توقف کرے، اور اپنی مرضی سے کچھ بھی نہ کہے۔ اس لیے کہ غیبی امور کا سمجھنا ادراک سے باہر ہے، اور عقل کی دخل اندازی غیب کے امور میں ممنوع ہے۔ اس کے بعد متشابہات کا دوسرا درجہ آتا ہے۔ یعنی وہ امور جن کو آپ سمجھ نہ سکیں۔ یہ عام مسلمانوں کے لیے تو متشابہ ہیں، مگر پختہ اور گہرا علم رکھنے والے حضراتِ علمائے کرام انہیں جانتے ہیں۔ عام مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود ایسے امور کے بارے میں توقف کرے، اور علماء سے دریافت کرے۔ اگر اسے حل مل جائے؛ تو الحمد للہ۔ اگر مسئلہ تشنہء لب ہی رہے، تو پھر عقل کو ان امور میں دخل انداز نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ شریعت کا ہر ہر معاملہ عقل پر نہیں پرکھا جاسکتا۔

عقیدہ میں قیاس کی ممانعت

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور کچھ بھی قیاس نہ کریں):

اس سے مراد یہ ہے کہ اصول دین میں قیاس نہ کریں، اور نہ ہی غائب کو شاہد پر؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے اسماء و

صفات اور افعال کو مخلوق پر قیاس کیا جائے۔اس لیے کہ اصول دین اور امورِ عقیدہ میں اصل یہ ہے کہ انہیں قیاس نہ کیا جائے۔البتہ احکام شریعت میں جن کا تعلق اجتہاد سے ہے، قیاس مطلوب ہے؛ اور عصر صحابہ سے لے کر آج تک اس پر عمل چلا آرہا ہے۔اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (البقرة: ٢٣٤)

''جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ جائیں تو وہ (یعنی بی بیاں) چار مہینے دس دن تک اپنے تئیں روک رکھیں پھر جب اپنی عدت پوری کر لیں تو دستور کے موافق اپنے لیے کوئی کام کریں تو کچھ گناہ نہیں تم پر (اے مسلمانو یا عورت کے وارثو) اور اللہ تمھارے کاموں سے خبردار ہے۔''

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ﴾ (البقرة: ٢٤٠)

''اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ جائیں (یعنی مرنے لگیں) تو وہ اپنی بی بیوں کے لیے ایک سال تک ان کو نہ نکالنے کی اور خرچ دینے کی وصیت کر جائیں......۔''

پہلی آیت میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے؛ جب کہ دوسری آیت میں بیوہ کی عدت ایک سال بیان کی گئی ہے۔ان میں سے کس آیت کو لیں گے؟ ظاہری طور پر اگر نسخ کا احتمال بھی مان لیں تو دوسری آیت جس میں عدت ایک سال ہے، وہ ترتیب میں بعد میں ہے،اس سے چار ماہ کی عدت منسوخ ہے۔مگر علمائے کرام کا اجماع ہے کہ پہلے بیوہ کی عدت ایک سال تھی؛ پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف کی اور چار ماہ دس دن باقی رکھی۔اس کے بعد ان عورتوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ زیب و زینت اختیار کریں؛ گھروں سے باہر نکلیں یا شادی کریں۔چونکہ اب ان کی عدت ختم ہوچکی ہے۔

ایسے دوسری آیت میں ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا﴾ (المائدہ: ٣٨)

''چور مرد اور چور عورت دونوں کے (داہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو یہ سزا ہے ان کے کام کی۔''

اب دیکھنا ہے کہ ہاتھ کب کاٹا جائے گا؟ دونوں ہاتھوں میں سے کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور کس جگہ سے کاٹا جائے؛ اور کتنا کاٹا جائے گا؟ یہ تمام وضاحت قرآن میں نہیں ہے، مگر حدیث نے اس کو بیان کیا ہے؛ دائیاں ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا؛ اور تین درہم کی مقدار میں چوری ہوگی تو ہاتھ کاٹا جائے گا ورنہ نہیں؛ قرآنی اجمال کی تفصیل حدیث شریف میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، جس کے اوقات اور رکعات کی تفصیل احادیث نبویہ میں ملتی ہے۔ زکواۃ کا حکم قرآن میں ہے، مگر اس کی مقدار اور شروط احادیث میں ملتی ہیں۔

اس طرح دیگر کئی ایک مثالیں ہیں جو اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے تشفی بخش ہیں۔

بدعات پر رد کیسے؟

۱۵۷ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ولا تطلب من عندك حيلة ترد [بها] على أهل البدع فإنك أمرت بالسكوت عنهم ؛ ولا تمكنهم من نفسك ؛ أما علمت أن محمد بن سيرين - رحمہ اللہ -في فضله - لم يجب رجلًا من أهل البدع في مسألة واحدة ؛ ولا سمع منه آية من كتاب الله [عزوجل]؛ فقيل له : فقال: " أخاف أن يحرِّفها فيقع في قلبي شيء ۔))

''اہل بدعت پر رد کرنے کے لیے اپنی طرف سے حیلے نہ اختیار کریں۔ اس لیے کہ [اس کے بارے میں] آپ کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انہیں اپنے نفس پر غلبہ نہ حاصل ہونے دو۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے - اپنے علم و فضل کے باوجود- اہل بدعت کے ایک انسان کے ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس سے کتاب اللہ کی آیت سنی ؛ ان سے کہا گیا (کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا ؟تو)؛ فرمانے لگے :'' میں اس بات کا خدشہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس آیت میں تحریف کرے، اور وہ [تحریف] میرے دل میں جگہ پکڑ لے۔'' ❶

شرح: ......مقصود یہ ہے کہ جب انسان ایسی شبہات کی باتیں یا وہ کلام سنے جو دین میں مناسب نہیں ہے؛ تو ان پر رد کرنے میں تکلف نہ برتے؛ اور دینی غیرت اور حمیت کی وجہ سے نصرت دین کے لیے وہ ذریعہ نہ اپنائے جو اس کے بس میں نہیں، یا وہ جس کے اہل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ جب جہالت کا رد جہالت سے ہوگا، تو اس سے اور بڑے مصائب کھڑے ہوں گے؛ اور اصلاح کے بجائے فساد کا اندیشہ بڑھ جائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرا فریق چرب اللسان اور کلام کا ماہر ہو، جس کے سامنے مناظر دلیل کو صحیح طور پر نہ پیش کرسکیں اس وجہ سے حق اور اہل حق کو رسوائی اور خجالت کا سامنا کرنا پڑے، اور عوام الناس میں غلط تأثر قائم ہو۔

اور جب آپ جہالت میں کسی پر رد کریں گے تو وہ آپ پر رد کرے گا، اور آپ پر غالب آنے کے لیے آپ کی غلطیاں تلاش کرے گا، اس سے صورت میں آپ خطا کار ہوں گے۔ اس کے برعکس جب آپ علم کی روشنی میں رد کریں گے اور حجت قائم کریں گے تو وہ آپ کی بات رد کرنے کی جرأت نہیں کرسکیں گے۔

❶ اسے امام دارمی رحمہ اللہ نے "السنن" (۹۱/۱) میں روایت کیا ہے، اور ابن وضاح نے " البدع " (ص ۵۳) میں؛ اور آجری نے " الشريعة " (ص ۵۷) میں ؛ اور لالکائی نے " السنة" (۲٤۲) میں ؛ اور ابن بطہ نے " الإبانة الكبرى " (ص ۳۹۸- ۳۹۹) میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

لہٰذا یہ یاد رکھیں کہ جب علم نہ ہو تو ایسے موقع پر آپ کا خاموش رہنا ہی بہتر ہے ، اللہ اپنے دین کی حفاظت خود فرمائے گا۔ اپنے آپ کو اور عوام الناس کو خواہ مخواہ شہوات اور شبہات میں نہ ڈالیں اور نہ ہی ایسی مجلسوں میں بیٹھیں۔ چونکہ ان کی ہم نشینی خطرہ سے کسی طرح بھی خالی نہیں ہے۔

اہل بدعت کی پہچان

۱۵۸ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا سمعت الرجل يقول: إنا نحن نعظم الله -إذا سمع آثار رسول الله ﷺ -؛ فاعلم أنه جهمي ، يريد أن يرد أثر رسول الله ﷺ [و يدفعه بهذه الكلمة]، وهو يزعم أنه يعظِم الله وينزهه ؛ وإذا سمع حديث الرؤية وحديث النزول وغيره۔ أفليس قد ردّ أثر رسول الله ﷺ إذا قال : إنانحن نعظم الله أن ينزل من موضع إلى موضع ؛ فقد زعم أنه أعلم بالله من غيره ؛ فاحذر هؤلآء ، فإن جمهور الناس من السوقة وغيرهم على هذا [الحال، وحذِّر الناس منهم]۔))

''اور جب آپ کسی آدمی کو سنیں کہ وہ- جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنے تو کہے : ہم تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہیں ؛ تو جان لیجیے کہ یہ انسان جہمی ہے۔ وہ یہ بات کہہ کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کرنا چاہتا ہے۔ یا اس کلمہ سے حدیث کو ٹھکرانا چاہتا ہے اور [اس پر] وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس کر رہا ہے کہ جب حدیثِ رؤیت باری تعالیٰ اور حدیثِ نزول وغیرہ سنتا ہے [تو ایسے کلمات کہتا ہے]۔ تو کیا اس وقت یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد نہیں کر رہا ہوتا جب وہ کہتا ہے: ''ہم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہیں کہ وہ ایک جگہ [موضوع] سے دوسری [موضوع] جگہ نازل ہوتا ہو، تو اس کا گمان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دوسرے (علماء) سے بڑھ کر جانتا ہے۔ ایسے لوگوں سے بچ کر رہیں۔ کیونکہ اکثر عوام الناس اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اسی حال پر ہیں۔ سو ان سے لوگوں کو خبردار کرتے رہیں۔''

شرح : ......مصنف کا فرمان: (......وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس کر رہا ہے):

یہاں سے مصنف رحمہ اللہ جہمیہ ، معتزلہ ؛ اہل کلام ؛ رافضہ اور دوسرے گمراہ فرقوں کی خصلتوں اور علامات کی جانب اشارہ کر رہے ہیں۔ جب جہمی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور افعال کے اثبات سے متعلق کوئی حدیث یا نص (آیت) سنتے ہیں تو اس کا انکار کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں: ''ہم اللہ تعالیٰ کی تعظیم بیان کرتے ہیں۔'' یعنی وہ ان امور سے بلند و بالا ہے۔ یا پھر ان احادیث میں تأویل کرتے ہیں۔ ان کا شبہ یہ ہے کہ ان اسماء وصفات کے اثبات سے مخلوق کی تشبیہ لازم آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تشبیہ سے پاک ہے ؛ ہم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اس لیے ان میں سے کوئی چیز ثابت نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک احادیث رسول اللہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ کی شان میں کوتاہی (گستاخی) وارد ہوئی

ہے۔اس لیے کہ احادیث میں تشبیہ ہے، جس سے اللہ تعالیٰ بری ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تعظیم کا لفظ بول کر حقیقی تعظیم مراد نہیں لیتا، بلکہ اس کا ہدف اور مراد یہ ہے کہ وہ ان احادیث پر عمل وعقیدہ نہیں رکھتا۔ یوں احادیث صحیحہ کو رد کر کے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کے انکار کو انہوں نے تعطیل کے لیے وسیلہ بنا دیا اور یہ بات ان کی نشانی بن گئی کہ جب بھی ایسی آیت سنتے جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان ہوں، تو کہتے ''ہم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہیں۔'' اس سے ان کا مقصد صفاتِ الٰہیہ کا انکار ہوتا ہے۔ اور عوام الناس جب یہ سنتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تعظیم بیان کرتے ہیں، تو وہ ایسے گمراہ لوگوں (جہمیہ وغیرہ) کے کلمات سے ظاہر مراد لیتے ہیں، اور ان کی باتیں عوام کے دل کو بھا جاتی ہیں جب کہ ان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس لفظ کے بولنے سے وہ خود کیا مراد لیتے ہیں۔ (کیونکہ ان کا مقصود تو ایک دوسرا روپ ظاہر کر کے حدیث کو رد کرنا ہے)۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول: (......رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد......):

حدیثِ رسول اللہ ﷺ کو قرآن سے تعارض کا بہانا بنا کر رد کرنا مختلف بدعتی فرقوں کا معمول رہا ہے۔ عصر حاضر میں پرویزی، چکڑالوی، منکرین حدیث اور دوسرے لوگ اس میں پیش پیش ہیں جو خود کو اہل قرآن کہتے ہیں اور قرآن کے علاوہ احادیث کو رد کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث ہی اس لیے کیا تھا تاکہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے اور بار بار ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ (الحشر: ۷)

''جو کچھ تمہیں اللہ کے رسول دیدیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔''

اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برے انجام سے ڈرایا ہے جو مختلف حجتوں سے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(النور: ۶۳)

''جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔''

ایک دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور آپ کے فیصلوں پر رضامندی کو ایمان کے لیے بنیادی شرط قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا

مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيماً﴾ (النسآء: ٦٥)

''(اے محمد ﷺ)! آپکے رب کی قسم! یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس پر اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم وخم کرلیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظاً﴾ (النسآء: ٨٠)

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اُس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے اُن کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کی اصل زندگی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَاَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً، وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○﴾ (الانفال: ٢٤-٢٥)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو جبکہ رسول تمہیں زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور یہ بات ذہن نشین کرلو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اسکے دل کے مابین آڑ بن سکتا ہے، اور بلاشبہ تم سب کو اللہ کے پاس جمع ہونا ہے اور تم اس وبال سے بچو جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں سے ان گناہوں کے مرتکب ہوئے اور یہ بات ذہن میں رکھ لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ۳۲ سے زیادہ آیات میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض کی ہے۔ اس لیے کہ قرآن کے مجمل احکام جیسے نماز، زکواۃ، روزہ وغیرہ کی تفصیل اور بیان حدیثِ رسول اللہ ﷺ میں ہی ملتا ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئاً عَلَى أَرِيْكَتِهِ، يَأْتِيْهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي؛ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ؛ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُوْلُ: "لَا نَدْرِي؛ مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ تعالىٰ اتَّبَعْنَاهُ")) [1]

''ہرگز ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی ایک کو پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہو، اور اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے جس کا میں نے حکم دیا ہو، یا اس سے منع کیا ہو۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہم نہیں جانتے؛ ہم تو کتاب اللہ میں جو پائیں گے اسی پر عمل کریں گے۔''

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح: رواہ احمد ٦/ ٨؛ ١٠ ـ أبو داؤد ٤٦٠٥ ـ ترمذی ٢٦٦٣ ـ ابن ماجه ١٣ ـ مختصر الشریعه ٤٣

((أَلا وَإِنِّي أُوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ ، أَلَا وَ إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَهُ ؛ أَلَا وَ إِنِّي أُوتِيْتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَهُ ؛ أَلَا إِنَّهُ يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ : عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنَ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ)) ❶

''آگاہ ہو جاؤ مجھے کتاب اور اس کے ساتھ اس جیسی چیز دی گئی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ مجھے قرآن اور اس جیسی چیز دی گئی ہے؛ آگاہ ہو جاؤ مجھے قرآن اور اس جیسی چیز دی گئی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کوئی آسودہ حال انسان اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے یہ نہ کہے کہ تم اس قرآن کو اختیار کرلو، اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو، اور اس میں جو چیز حرام پاؤ اسے حرام جانو۔''

سائل کی اقسام

۱۵۹ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وإذا سألك أحد عن مسألة في هذا الكتاب؛ وهو [مسترشد] ، فكلمه وأرشده؛وإذا جاء ك يناظرك ؛ فاحذره ، فإن في المناظرة : المراء و الجدال والمغالبة والخصومة والغضب - وقد نُهِيت عن [جميع] هذا جداً -[وهو يزيل عن] طريق الحق ، و لم يبلغنا عند أحد من فقهائنا وعلمائنا أنه ناظر أو جادل أو خاصم ۔ قال الحسن البصري : " الحكيم لا يماري و لا يداري [في] حكمته [أن] ينشرها ، إن قبلت حمد الله ؛ وإن ردت حمد الله ۔وجاء رجل إلى الحسن فقال : أنا أناظرك في الدين۔ فقال الحسن : " أنا عرفت ديني ، فإن ضلّ دينك فاذهب فاطلبه۔"))

''جب آپ سے کوئی اس کتاب کے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھے اور وہ رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہو، تو اس سے بات کریں اور اس کی رہنمائی کریں اور جب وہ آپ سے مناظرہ کرنا چاہتا ہو، تو اس سے بچ کررہیں۔ اس لیے کہ مناظرہ میں تکبری؛ جدال اور ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش؛ ناحق جھگڑا، اور غصہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان تمام امور سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے انسان راہِ حق سے ہٹ جاتا ہے۔ ہمیں ہمارے علماء اور فقہاء میں سے کسی ایک کے متعلق یہ خبر نہیں ملی کہ: کسی نے مناظرہ، جدال یا جھگڑا کیا ہو۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:'' حکیم انسان نہ ہی جھگڑا کرتا ہے، اور نہ ہی اپنی حکمت کو نشر کرنے میں مدارت (اپنی طرف مائل کرنے کے لیے کسی چیز کے بیان کے ترک کرنے اور ان کے

❶ صحیح ؛ رواه المصنف ٩٧؛ أحمد ٤/ ١٣٠ - ١٣١ ۔ أبو داؤد ٤٦٠٤۔ والترمذی ٢٦٦٤۔ مختصر الشريعه ص ٤٣۔

سامنے جھک جانے) سے کام لے۔ اگر اس کی بات قبول کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے، اور اگر اس کی بات رد کر دی جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے [1]۔ ایک آدمی حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس آیا، اور کہنے لگا: ''میں آپ سے دین کے بارے میں مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔'' حسن بصری رحمہ اللہ فرمانے لگے: ''میں اپنے دین کی معرفت رکھتا ہوں، اور اگر تم اپنے دین سے گمراہ ہو گئے ہو تو جاؤ اور اسے تلاش کرو۔'' [2]

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ کا قول: (اس کتاب کے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھے):

اس سے مقصود اس کتاب میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان ہوا ہے، اگر اس کے متعلق کوئی سوال کرے، یا سمجھنا چاہے، یا کسی شبہ کا ازالہ کرنا چاہے؛ تو اس کی رہنمائی کی جائے۔ اس لیے کہ اس کتاب میں اجمالی طور پر اہل سنت والجماعت کے عقائد کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔

سائل دو قسم کے ہوتے ہیں:

اوّل: حق کا طالب: ......اس کا حق ہے کہ آپ اسے جواب دیں؛ اس کا حوصلہ بڑھائیں؛ اور مسئلہ بیان کریں تا کہ حق بات واضح ہو جائے، اور انسان گمراہی سے بچ جائے۔

دوم: سرکش اور باغی: ...... جو صرف کٹ حجتی کر کے لوگوں کو شکوک و شبہات میں ڈالنا چاہتا ہو، یا اس حرکت سے لوگوں کے سامنے اپنی علمیت ظاہر کر کے ان کی توجہ حاصل کرنا چاہتا ہو، مقصود دنیا کمانا ہو۔ یہ شیطان ہے؛ اس سے خود بھی بچ کر رہنا چاہیے، اور لوگوں کو بھی خبردار کرنا چاہیے۔ اور ایسا انسان جب مناظرہ کرنا چاہے تو اس سے کے ساتھ مناظرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ اپنے سوال و جواب اور حجت بازی سے لوگوں کو تشویش میں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہاں پر مناظرہ سے منع کرنے سے مقصود اصول دین (اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور دوسرے عقیدہ کے مسائل) میں مناظرہ سے منع کرنا ہے۔ اس لیے کہ ایسے موقع پر مناظرین کے لیے بھی اور ناظرین کے لیے بھی شبہات پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے؛ لہٰذا اسلوب اور حکمت کے ساتھ جواب دے دینا چاہیے۔ ہاں جب کوئی انسان اس فن پر دسترس رکھتا ہو، اور اسے مسائل اور ان کے دلائل کا علم ہو تو اس کے لیے دین حق کی نصرت کے لیے مناظرہ کرنے کی اجازت ہے۔

حسن بصری کا فرمان: (حکیم انسان نہ ہی جھگڑا کرتا ہے اور نہ ہی اپنی حکمت کو......):

مراد یہ ہے کہ ایسا انسان جس کو اللہ تعالیٰ دین کو سوجھ بوجھ سے نوازا ہو، اور وہ دعوتِ دین اور مناظرہ کی حکمت جانتا ہو، تو وہ ایسی باتوں میں کبھی مناظرہ نہیں کرتا جن سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ اور نہ ہی اہل بات کس سامنے صحیح دلیل ترک کر کے سر تسلیم خم کر لیتا ہے۔ مدارت عربی زبان میں کہتے ہیں: دنیا کے لیے دین کے کسی پہلو کے ترک کرنے کو۔ مقصود یہ ہے کہ حکیم و دانش مند انسان اپنی حکمت (علم اور فقہ) کے نشر کرنے میں مدارت سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ وہ

---

1. اسے نعیم بن حماد نے "زوائد علی الزهد لابن المبارك" (ص ۳۰) میں نقل کیا ہے۔ اور ابن بطہ "الإبانة الكبرى" (۶۱۱) میں نقل کیا ہے۔
2. اسے آجری نے "الشريعة" (ص ۵۷) میں نقل کیا ہے اور لالکائی نے "السنة" میں (۲۱۵)؛ اور ابن بطہ "الإبانة الكبرى" (۵۸۶) میں نقل کیا ہے۔

صحیح علم کو صاف وسلیم منہج پر نشر کرتا رہتا ہے؛ اگر لوگ اسے قبول کرلیں تو الحمد للہ؛ اگر نہ مانیں تو بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس لیے کہ اس نے اپنا فریضہ ادا کردیا، اور لوگ پر حجت پوری کردی۔ اب دلوں کو راہِ ہدایت پر لانا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔اسی وجہ سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے مناظرہ کرنے والے سے کہا: ''میں اپنا دین جانتا ہوں، یعنی میرے لیے کوئی چیز پوشیدہ اور مبہم نہیں ہے کہ اس کے واضح ہونے کے لیے میں تم سے مناظرہ کروں۔ جب کہ تمہیں اپنے دین کے بارے میں شک وابہام ہے تو جاکر اسے تلاش کرو، صحیح علم حاصل کرو۔

دین اتباع سنت میں ہے

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن الدين هو التقليد ، و التقليد لأصحاب رسول الله ﷺ۔ وسمع رسول الله ﷺ قوماً على باب حجرته يقول أحدهم :" ألم يقل الله كذا۔ وقال الآخر : ألم يقل [الله] كذا؟ فخرج مغضباً ؛ فقال: " أبهذا أمرتم ؟ أم بهذا بعثت إليكم ؛ أن تضربوا كتاب الله بعضه ببعض ۔"فنهاهم عن الجدال۔))

''اور جان لیجیے کہ دین تقلید کا نام ہے، اور تقلید رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ اپنے حجرہ کے دروازہ پر کچھ لوگوں کو سنا۔ ان میں سے ایک آدمی کہہ رہا تھا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے ایسے نہیں فرمایا۔اور دوسرے نے کہا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے ایسے نہیں فرمایا؟ رسول اللہ ﷺ انتہائی غضب ناک حالت میں باہر تشریف لائے، اور فرمایا:

((أبهذا أمرتم ؟أم بهذا بعثت إليكم ؛ أن تضربوا كتا ب الله بعضه ببعض)) [1]

''کیا تم اس بات کا حکم دیے گئے ہو؟ اور کیا میں یہی چیز دیکر تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو آپس میں ایک دوسری آیت سے رد کرو۔'' اس طرح رسول اللہ ﷺ نے جھگڑا کرنے سے منع کیا۔''

شرح: ......مناظرہ ان امور میں ہوتا جو کہ خفیہ ہوں؛ اور یہ پتہ نہ چل رہا ہو کہ حق کس کے ساتھ ہے۔تو اس صورت میں مناظرہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ جب حق بات واضح ہوجائے، تو الحمد للہ یہی مقصود ہے۔البتہ جو چیز واضح اور صاف ظاہر ہو، اس میں مناظرہ کی کوئی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ ایسا مناظر صرف لوگوں میں نام کمانا چاہتا ہے؛ اس سے مقصود حق کی تلاش نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: ((کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے......؟)): مناظرہ کے بارے میں ایک عظیم اصول ہے۔ جب آپ ﷺ نے سنا کہ کچھ لوگ قرآن میں مناظرہ کررہے ہیں، اور متشابہات سے استدلال کرتے

---

[1] احمد (۲/۱۹۵-۱۹۶؛صحیح)؛ وابن ماجة في المقدمة؛ باب في القدر ۸۵؛ واللالكائي في "السنة" (۱۱۱۸-۱۱۱۹)۔ وصححه البوصيري في زوائد ابن ماجة (۱/۱٤) ؛ والألباني في حاشية شرح الطحاوية(ص ۲۱۸)۔

ہوئے ایک دوسرے پر حجت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ہر ایک ایسی آیت سے استدلال کرتا ہے جو کہ بظاہر دوسری آیت سے ٹکراؤ رکھتی ہے؛ اور یہ کہتے ہیں کیا اللہ نے ایسے نہیں فرمایا؛ کیا اللہ نے ایسے نہیں فرمایا؟ تو یہی طریقہ گمراہ اور باطل پرست فرقوں کا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾

(آل عمران: ۷)

''وہ ذات جس نے آپ پر یہ کتاب (قرآن شریف) اتاری؛ اس میں بعض آیتیں کھلی صاف مضمون کی ہیں وہ تو قرآن شریف کی اصل ہیں (جن کو محکم کہتے ہیں) اور بعض آیتیں متشابہ (مضمون) کی ہیں (جو کئی پہلو رکھتی ہیں) پھر جن کے دل پھرے ہوئے ہیں (یعنی باطل کی طرف جھکے ہوئے) وہ لوگوں کو گمراہ کرنے اور اصلی حقیقت دریافت کرنے کی نیت سے متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔''

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس بات کا حکم دیے گئے ہو؟ (یعنی کیسی غلط حرکت کر کے اپنے اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہو)۔

رسول اللہ ﷺ ایسا کرنے سے منع فرما رہے ہیں کہ کتاب اللہ کو آپس میں ٹکرایا جائے، اور بعض آیات کا سہارا لے کر دوسری آیات کا رد کیا جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو توفیق دی ہوتی ہے کہ وہ ان آیت کے معانی اور آپس میں جمع وتطبیق کی وجوہات جانتا ہے، اور راہِ حق کو پالیتا ہے۔ رہے جہلاء اور ہٹ دھرم، جن کے پاس نہ صحیح علم ہے اور نہ ہی صحیح اصول تو وہ ایسے ہی گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

مناظرہ اور سلف صالحین

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وكان ابن عمر رضي الله عنهما يكره المناظرة و مالك بن أنس و من فوقه و من دونه [رحمهم الله] إلى يومنا هذا؛ وقول الله [عزوجل] أكبر من قول الخلق؛ قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿مَا يُجَادِلُ فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ إِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِيْ الْبِلَادِ﴾ (الغافر: ٤) وسأل رجل عمر [بن الخطاب] فقال: "ما الناشطات نشطاً؟ فقال: "لو كنت محلوقاً، لضربت عنقك۔" وقال النبي ﷺ: [المؤمن لا يماري، ولا أشفع للمماري يوم القيامة؛ فدعوا المراء لقلة خيره۔]))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مناظرہ کرنے کو مکروہ سمجھا کرتے تھے اور ایسے ہی حضرت مالک بن انس اور جو

لوگ علم میں ان سے بڑھ کر ہیں، اور جوان سے کم ہیں، ہمارے آج کے دن تک یہی بات کہتے چلے آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان مخلوق سے بڑا اور بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ [مناظرہ و جدال سے منع کرتے ہوئے] فرماتے ہیں: ﴿ مَا يُجَادِلُ فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ إِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ (الغافر: ٤) ''نہیں جھگڑتے اللہ کی آیتوں میں مگر وہی لوگ جنھوں نے کفر کیا؛ پس ان کا شہروں میں پھرنا آپ کو دھوکہ نہ دے۔'' اور ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے-قرآن کی آیت کے بارہ میں۔ پوچھا؛ کہنے لگا: ''ما الناشطات نشطاً'' ''بند توڑ کر پھیلا دینے والی کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''اگر تم سر منڈے ہوتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((المؤمن لا يماري ، ولا أشفع للمماري يوم القيامة؛ فدعوا المراء لقلة خيره)) ❶

''مؤمن جھگڑا نہیں کرتا؛ اور نہ ہی میں روزِ محشر جھگڑا کرنے والوں کی شفاعت کروں گا؛ بس جھگڑا کرنا اس وجہ سے چھوڑ دو کہ اس میں خیر بہت ہی کم ہے'' ❷

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مناظرہ کرنے کو مکروہ سمجھا کرتے تھے......):

اس سے مراد وہ مناظرہ ہے جس سے مقصود لوگوں کو تشویش میں مبتلا کرنا ہو۔ اور ہر ایک اپنی رائے یا سوچ و فکر کی تائید میں دلائل پیش کرتا ہو۔ ان میں سے کوئی ایک بھی حق تک پہنچنے کا خواہش مند نہیں ہوتا، بلکہ ان کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ کیسے وہ اپنے حریف پر غالب آجائے۔ ایسا مناظرہ کرنا انتہائی مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ یہ مناظرہ اللہ کی رضا کے لیے اور حق کی تلاش میں نہیں بلکہ اپنے آپ کو اونچا کرنے کے لیے ہے۔ ہاں اگر مناظرہ سے مقصود حق کی تلاش ہو، تو پھر اس میں کوئی حرج والی بات نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا مطلوب شریعت ہے۔ یہ ہمیشہ سے اہل حق یعنی اہل سنت والجماعت کا منہج اور طریقہ کار رہا ہے کہ بلاوجہ مناظرہ بازی نہیں کیا کرتے تھے؛ سوائے اہم ترین ضرورت کے۔ اہل حق و اہل باطل میں

---

❶ جس آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا؛ اس کا نام صبیغ ابن نصر التمیمی ہے، اور اس کا قصہ بڑا مشہور ہے۔ یہ عام شہروں اور میں اسلامی فوجی چھاؤنیوں میں شبہات پھیلاتا پھرتا تھا۔ اس کا معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا، تو آپ نے بطور سزا کوڑے لگائے؛ اور فرمایا: اگر تم سر منڈے ہوتے (اشارہ ہے خوارج کی طرف) تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا (اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے)۔ یہ قصہ ان ائمہ نے روایت کیا ہے: الدارمی (١/٥١) پر؛ ابن وضاح "البدع" پر (ص ٥٦)؛ امام آجری نے "الشریعہ" (ص ٧٣) پر؛ لالکائی نے "السنة" (٤/٦٣٤-٦٣٦) پر؛ اور ابن بطہ نے "الإبانة الكبرى، (١/٤١٤-٤١٥) پر۔

❷ ضعيف جداً۔ أخرجه الطبراني في "الكبير" (٨/١٧٨-١٧٩)؛ امام آجری نے "الشریعہ" پر (ص ٥٥-٥٦)؛ اور ابن بطہ نے "الإبانة الكبرى"(٢/٤٨٩-٤٩٠) میں؛ اور اسماعیل ہروی نے "ذم الكلام" میں ٧٥ نمبر پر روایت کیا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (١/١٥٦؛ ٧/٢٥٩) میں کہا ہے: ''اس میں کثیر بن مروان ہے، وہ بہت ہی ضعیف ہے'' اور (١/١٠٦) میں کہا ہے: ''اس میں مروان بن کثیر ہے، جس کو امام یحیٰ (بن معین) اور امام دار قطنی نے جھوٹا کہا ہے۔ دیکھیں: میزان الإعتدال؛ امام ذہبی رحمہ اللہ (٣/٤٠٩)۔

اگرچہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، تاہم دوسری روایات میں کٹ حجتی اور ناحق مجادلہ و مناظرہ کی ممانعت موجود ہے۔ جس سے نفس مضمون کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس سے ان لوگوں کے لیے بہت سخت وعید ثابت ہوتی ہے جو ناحق مناظروں کے چکر میں لگے رہتے ہیں۔

فرق یہ ہے کہ باطل پرست مناظرہ کرکے نام کمانا چاہتے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ وہ کیسے اپنے حریف پر غالب آجائیں۔ جب اہل حق ہمیشہ یہ سوچ رکھتے ہیں کہ وہ کیسے حق پالیں؛ بھلے وہ اس کے حریف کے پاس کیوں نہ ہو، اور وہ ان پر بازی وسبقت ہی کیوں نہ لے جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے آپ فرمایا کرتے تھے: ''میں نے کبھی بھی مناظرہ نہیں کیا مگر صرف اس نیت سے کہ ان کے ہاتھ پر حق ظاہر ہوجائے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر کسی کا ارادہ پہلے سے ہی خراب ہوتو پھر مناظرہ کرنا مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا يُجَادِلُ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ (الغافر: ٤)

''خدا کی آیتوں میں اور کوئی نہیں بس وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں تو (اے پیغمبر) ان کافروں کا ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔''

مناظرہ میں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک فریق بھی قرآن سے استدلال کرتا ہے، اور دوسرا فریق بھی؛ چنانچہ دونوں جب ایک دوسرے کے دلائل کا رد کرتے ہیں تو بعض آیات کا سہارا لے کر دوسری آیات کو رد کرتے ہیں اور ان کو آپس میں ٹکراتے ہیں۔ ایسا کرنا منافقین (کفار) کا فعل ہے (یعنی انسان بعض قرآن آیات کا انکار کرکے کفر اور نفاق کا مرتکب ہوجاتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

اہل سنت ہونے کی گواہی

١٦٠۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((و لا يحل لرجل مسلم أن يقول: فلان صاحب سنة؛ حتى يعلم منه أنه اجتمعت فيه خصال السنة و لا يقال له: صاحب سنة؛ حتى تجتمع فيه السنة كلها۔))

''کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی کے بارے میں کہے کہ وہ سنت کا بڑا پابند ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے بارے میں یقینی طور پر جان لے کہ اس میں خصائل سنت جمع ہیں۔ کسی کے لیے اس وقت تک ''پابند سنت'' ہونے کا نہیں کہا جاسکتا جب تک اس میں سنت کی خصلتیں جمع نہ ہو جائیں۔''

شرح: ......یعنی کسی انسان کا تزکیہ (کردار کی گواہی) اس وقت تک نہ دیں جب تک اس کے بارے میں آپ کو مکمل طور پر علم نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کے تعریف کرنے سے لوگ دھوکہ کھا جائیں اور وہ انسان ایسا نہ ہو۔ جب آپ کو اس کے طریقہ؛ علم اور استقامت کا علم ہوجائے تو پھر اس کی تصدیق کرنے (یعنی تزکیہ دینے) میں کوئی حرج نہیں۔

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ کا مقصود اجمالی طور پر منہج کے لحاظ سے کسی کی سیرت کے بارے میں گواہی دینا ہے۔ اس لیے کہ ایسا ہوسکتا ہے کوئی انسان اہل سنت والجماعت ہو؛ مگر اس سے کئی ایک گناہ ہو رہے ہوں؛ اور وہ انہیں گناہ تسلیم بھی کرتا ہو، یا چھوٹی چھوٹی ایسی بدعات کا مرتکب ہو جن سے انسان ملت سے خارج نہیں ہوتا؛ تو اس صورت میں محض گناہ کی وجہ سے اسے اہل سنت سے خارج نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ اس منہج پر قائم رہتا ہے۔ مگر ایسے پابندِ سنت بھی نہیں

کہا جاسکتا۔ اس لیے کہ سنت کی خصلتیں علم، عمل، عقیدہ اور اقتداء (سلفِ صالحین) میں ہوتی ہیں۔ پس اگر کسی انسان میں اگر کوئی خصلت پائی جاتے تو اس کے لیے یہ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ فلاں انسان اہل سنت ہے، جب تک کہ باقی امور کو جانچ پرکھ نہ لیا جائے۔ پھر اس انسان کے بارے میں کیسے پابند سنت ہونے کی تصدیق کر سکتے ہیں جس میں ان خصلتوں میں سے ایک بھی نہ پائی جائے۔

گمراہ فرقوں کی بنیادیں

اہل سنت کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ کسی پر اس وقت تک کوئی فتویٰ نہیں لگاتے، یا کسی کے متعلق اس وقت تک اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتے جب تک اس کے بارے میں صحیح اور صاف معلومات حاصل نہ ہوں۔ کیونکہ مسلمان کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ صحیح عقیدہ اور استقامت پر قائم ہے۔ جب تک کہ اس کا خلاف اس سے ظاہر نہ ہو جائے۔ ذیل میں پہچان کی کچھ باتیں تحریر کی جارہی ہیں۔ (مترجم)

۶۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقال عبد الله بن مبارك رحمه الله : أصل اثنين و سبعين هوى : أربعة أهواء فمن هذه الأربعة أهواء انشعبت هذه [الإثنان وسبعون] هوى : القدرية ، والمرجئة ، والشيعة ، والخوارج۔))

''عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بہتر گمراہیوں (خواہشات نفس) کی بنیاد چار گمراہیوں (خواہشات) پر ہے۔ ان چار میں سے ہی یہ بہتر گمراہیاں پھوٹتی ہیں: '' قدریہ؛ مرجئہ ، شیعہ ؛ خوارج ۔''

شرح: ......عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا یہ قول، اسے ابن بطہ نے "الإبانة الكبرى" (۲۷۸) میں نقل کیا ہے۔ یہ امام عبداللہ بنِ مبارک کا اجتہاد ہے، اور یوسف بن اسباط رحمہ اللہ سے بھی اس طرح کا کلام منقول ہے۔ فرقوں کی یہ بنیادیں امام رحمہ اللہ کے دور میں تھیں۔ ان کے بعد نئی بنیادوں پر کچھ اور فرقوں نے بھی جنم لیا ہے، جیسے صوفیہ، باطنیہ؛ فلاسفہ اور متکلمین وغیرہ۔

مصنف رحمہ اللہ مقصد یہ ہے کہ جس چیز نے انہیں اس فرقہ بندی پر مجبور کیا، وہ ان کی خواہش نفس ہے۔ اور ان میں سے، ہر ایک خواہش نفس کا پجاری ہے۔ اگر یہ لوگ حق بات کی پیروی کرتے تو تہتر فرقوں میں نہ بٹتے۔ جو کوئی حق کی پیروی کرتا ہے، اس کی خواہش نفس اسے گمراہی کی راہ پر نہیں لگا سکتی۔ کیونکہ اس پر اللہ کا فضل ہے، اس کی خواہشات ضبط نفس (کنٹرول) میں ہیں۔ جب کہ گمراہوں کی خواہشات ان پر غالب آچکی ہوتی ہیں، اور وہ ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کر جاتے ہیں اور پھر وہ اپنی اسی تقسیم اور گروہ بندی پر خوش ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَتَقَطَّعُوٓا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ﴾ (المؤمنون : ۵۳)

''پھر ان لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں پھوٹ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہر فرقہ جو اس کے پاس

ہے (یعنی جو دین اس کا ہے) اسی سے خوش ہے۔"

ان میں سے ہر ایک اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اور ان خواہشات کی کوئی حد نہیں جہاں ان کا خاتمہ ممکن ہو، جب کہ اس کے برعکس حق صرف ایک ہے، اس کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا حکم اپنے نبی کو دیا تھا کہ لوگوں کو بتا دیا جائے کہ راہ حق صرف محمدی راہ ہے؛ اسی کی پیروی کی جائے، اس کے علاوہ باقی تمام باتیں گروہ بندی کی ہیں، فرمایا:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

"اور (اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے) یہ میری سیدھی راہ ہے اس پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو وہ تم کو اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گی یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے اس لیے کہ تم (ان کا خلاف کرنے سے) بچے رہو پھر (ایک بات اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے پہلے)۔"

پس جو کوئی صراط مستقیم سے ہٹ جاتا ہے وہ ان متفرق راہوں میں جا پڑتا ہے جن کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے گمراہ فرقوں کے چار اصول بیان کیے ہیں: قدریہ؛ مرجئہ، شیعہ اور خوارج۔

قدریہ

وہ فرقہ ہے جو تقدیر کے منکر ہیں۔ انہیں قدریہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہمیشہ تقدیر کے بارے میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر انسان اپنے فعل کا خالق خود ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا ہوا، بس جو کچھ ہے، انسان خود ہی کرتا ہے۔ معتزلہ اور ان کے ہم نوا بھی یہی کہتے ہیں۔ بعد میں ان لوگوں سے قدریہ کی ہی ایک دوسری قسم پیدا ہوئی جنہیں قدریہ مجبرہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ قدر کو ثابت کرنے میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کا اپنا کوئی ارادہ اور اختیار نہیں ہے۔ بلکہ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہی فعل ہے۔ انسان کے مثال ایک مرے ہوئے بال کی ہے جسے ہوائیں جیسے چاہیں ایسے حرکت دیتی ہیں۔ یا پھر اس کی مثال ایک مردہ کی سی ہے جو غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرلے۔ ان لوگوں کو جبریہ اور مجبرہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان جو کوئی بھی نیکی یا برائی کام کرتا ہے، وہ اس میں مجبور محض ہے۔ وہ خود نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے زبردستی کرواتا ہے۔

مُرْجِئَہ

ان لوگوں کا اختلاف ایمان کے بارے میں ہے۔ اہل سنت والجماعت کا ایمان وعقیدہ ہے کہ ایمان زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء سے عمل کا نام ہے۔ ایمان کم ہوتا اور بڑھتا ہے۔ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ جب،

انسان نیک عمل کرتا ہے تو ان سے ایمان بڑھ جاتا ہے اور جب بُرے اعمال کرتا ہے تو ان سے ایمان کم ہو جاتا ہے۔

مُرْجِئَہ کے ہاں اعمال ایمان میں داخل نہیں ۔ جب کوئی انسان زبان سے اقرار کرلے، اور دل میں اس کی تصدیق بھی کرتا ہو، خواہ وہ ایک عمل بھی نہ کرے؛ نہ ہی نماز پڑھے نہ ہی روزہ رکھے، پھر بھی وہ کامل ایمان والا مومن ہوگا۔ان کے ہاں ایمان نہ کم ہوتا اور نہ ہی بڑھتا ہے۔

شیعہ

یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ وہ اہل بیتِ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں؛ اور ان کا تعلق شیعانِ علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اوران کے عوام الناس بھی اس غلط خوش فہمی کا شکار ہیں۔ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خلافت رسول اللہ ﷺ کے بعد جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھی مگر پہلے کے تین خلفاء جناب حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ جناب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور جناب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چھین لیا تھا۔ (پھر اس حسد کی آگ میں جل کر ان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو جو گالیاں دیتے ہیں، اوران جو الزامات کی بارش کرتے ہیں، اس کے بیان کا موقع یہ نہیں ؛ البتہ ان کو سمجھنے کے لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کتاب "منهاج السنة النبويه فی الرد علی الشيعة و القدرية" ایک لاجواب چیز ہے ؛ کائنات میں شیعہ کے رد پر اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی)۔

خوارج

وہ لوگ ہیں جو مسلمان حکمران کے خلاف؛ جب اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے (بھلے وہ درجۂ کفر تک نہیں پہنچی ہو)؛ تو بغاوت کرتے ہیں ۔اوراس کے خلاف اسلحہ اٹھا لیتے ہیں ۔ یہ لوگ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں اور کبیرہ گناہ کے مرتکب مسلمان کو کافر قرار دیتے ہیں۔ ان کے مذہب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے:

اوّل: مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت، اور مسلمانوں میں ٹوٹ پھوٹ پیدا کرنا۔

دوم: کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگوں پر کفر کا فتوی لگانا۔ان کے نزدیک چور کافر ہے، زانی کافر ہے؛ سود کھانے والا کافر ہے، رشوت کالین دین کفر ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف شمشیر زن رہتے ہیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں بہت پہلے ہی خبر دی تھی کہ:

((يقاتلون أهل الإيمان و يدعون أهل الأوثان)) ❶

"اہل ایمان سے قتال کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔"

---

❶ أبوداؤد، باب في قتل الخواج ، ح: ٤٥٦٦ ـ سنن النسائي باب من شهر سيفه : صحيح۔

بدعتی عقیدہ سے نجات کیسے؟

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فمن قدّم أبا بكر وعمر وعثمان [وعلياً(رضي الله عنهم)] على جميع أصحاب رسول الله ﷺ؛ ولم يتكلم في الباقين إلا بخير ؛ ودعا لهم؛ فقد خرج من التشيع أوله و آخره.))

''جس نے حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کو تمام اصحابِ رسول اللہ ﷺ پر مقدم جانا؛ اور باقی صحابہ کرام کی شان میں خیر کے علاوہ کوئی (گستاخانہ) بات نہ کی؛ اور ان کے لیے (رحمت ومغفرت کی) دعا کی؛ وہ شیعیت کے اول وآخر سے نکل گیا۔''

شرح: ...... یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جو کہ شیعہ اور روافض کے مذہب کے عکس ہے۔ اس لیے کہ اہل سنت والجماعت ابوبکر وعمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین کو اسی ترتیب کے ساتھ مقدم جانتے ہیں۔ جب کہ شیعہ کہتے ہیں: '' رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا؛ لہٰذا پہلے تین خلفاء (چونکہ انہوں نے ظلم کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حق چھینا ہے، اس لیے ان) کی خلافت باطل ہے۔ اور اسی بنا پر وہ خلفاء ثلاثہ پر کافر ہونے کا فتویٰ بھی لگاتے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (باقی صحابہ کی شان میں کوئی (گستاخانہ) بات نہ کی):

یعنی صرف ان کے لیے دعاء خیر ہی کی، اور انہیں اچھے لفظوں میں یاد کیا۔ اس پیرائے میں شیعہ اور روافض پر رد ہے جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سبّ وشتم اور لعن وطعن کرتے ہیں۔ یا جیسے بعض دوسرے گمراہ فرقے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخانہ رویہ رکھتے ہیں۔ جب کہ مسلمان پر واجب یہ ہوتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے، ان کی تعریف اور مدح بیان کرے، اور ان کی کسی ایسی بات میں خود کو داخل نہ کرے جس کا بیان کرنا مناسب نہیں، اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی جھگڑوں کے بارے میں اپنے قیاسات بیان کرے۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک مجتہد تھا، اور ہر ایک حق کی تلاش میں تھا۔ اس بنا پر ان کے مابین جو جھگڑا ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس میں معذور ہیں، اور نبی کریم ﷺ کے ساتھی ہونے کی وجہ سے ان کے گناہ مغفور ہیں۔ آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کتنے ہی مقامات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعریف اور مدح بیان کی ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کی ہے؛ اور ان کے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس موقع پر اہل سنت کی نشانی بیان کی ہے کہ جو کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فضائل میں اسی ترتیب سے جانے، اور ان کی خلافت میں بھی اسی ترتیب سے اعتقاد رکھے اور ان کی مدح وتعریف بیان کرے، اور ان کے خلاف اپنے دل میں کوئی حسد وبغض نہ رکھے، اور نہ ہی ان کے خلاف اپنی زبان کھولے، سو وہ انسان شروع سے لے کر آخر تک شیعیت سے نکل جاتا ہے، اور اس کا شمار اہل سنت والجماعت میں ہوتا ہے۔

اس لیے کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل جناب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، ان

کے بعد جناب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام ہے، اور ان کے بعد جناب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام آتا ہے۔

عقلی بات

داماد اور سسر کا تعلق باپ اور بیٹے کا ہوتا ہے۔ باپ بیٹے پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر آپ کے دامادوں پر مقدم ہیں (جب ان میں باقی فضائل بھی موجود ہیں) اور سسرال میں پہلا سسر پہلا درجہ رکھتا ہے؛ او ربعد والے کا دوسرا درجہ ہے۔ ایسے دامادوں میں سے دوہرا داماد تقدیم کا زیادہ حقدار ہے اور یہی ترتیب خلافت اور فضیلت میں ہے۔صرف اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ایمان کا گھٹنا اور بڑھنا

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ومن قال: الإیمان قول و عمل؛ یزید و ینقص؛ فقد خرج من الإرجاء کله أوله و آخره۔ومن قال: الصلاة خلف کل بر وفاجر؛ والجهاد مع کل خلیفة؛ ولم یر الخروج علی السلطان بالسیف؛ ودعا لهم بالصلاح؛ فقد خرج من قول الخوارج أوله و آخره ۔ ومن قال: المقادیر کلها [من] الله [عزو جل]، خیرها و شرها؛ یضل من یشاء و یهدی من یشاء؛ فقد خرج من قول القدریة أوله و آخره وهو صاحب سنة۔))

''اور جس نے کہا: ''ایمان قول اور عمل کا نام ہے، کم ہوتا اور بڑھتا ہے، تو وہ پورے ''ارجاء'' اس کے اول اور آخر سے نکل گیا اور جس نے کہا: ''ہر نیک و فاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، اور جہاد خلیفہ کے ساتھ رواں ہے، اور وہ حکمران کے خلاف بغاوت کو جائز نہ سمجھے۔ بلکہ ان کی اصلاح کے لیے دعاء کرے؛ یقیناً وہ خارجیوں کے اقوال سے شروع سے آخر تک نکل گیا اور جس نے کہا: ''تمام اچھی اور بری تقدیریں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔وہ جس کو چاہے ہدایت دے، اور جس کو چاہے گمراہ کردے''۔وہ شروع سے آخر تک فرقہ ءقدریہ کے اقوال سے بچ گیا؛ اور وہ اہلِ سنت والجماعت ہے۔''

شرح: ......اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ اس دور کے فرقوں کی اہم ترین اور کھلی ہوئی نشانیاں بیان کر رہے ہیں؛ جو کہ آج تک باقی ہیں۔ان میں ایک اصول کا زیادہ کیا جانا بھی ممکن ہے:

''جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کو بغیر کسی تمثیل کے ثابت مانا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے بیان کی ہیں، یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہیں؛ اور ان صفات کی بغیر کسی تاویل اور تعطیل کے نفی کی؛

جن کی اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ ﷺ نے نفی کی ہے؛ وہ انسان شروع سے لے کر آخر تک جہمیت سے بری ہو گیا۔"

مذکورہ پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ نے جب یہ بات ذکر کی کہ مُرجئہ گمراہ فرقوں کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے، تو پھر یہ بھی بیان کیا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ان کے برعکس ہے۔ اس لیے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ایمان قول وعمل اور تصدیق کا نام ہے، کم ہوتا اور بڑھتا ہے۔ نیکی کے کام کرنے سے بڑھتا ہے اور نافرمانی کے کام کرنے سے کم ہوتا ہے۔ جب کہ مرجئہ کے ہاں عمل ایمان میں داخل نہیں۔ اس وجہ سے نہ ہی ایمان کم ہوتا ہے اور نہ ہی بڑھتا ہے۔ ان کے ہاں ایمان بسیط ہے مرکب نہیں۔

(مصنف رحمہ اللہ کا فرمان): (ہر نیک و فاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے،......):

یعنی جس کا یہ ایمان ہو، ایسا انسان خارجی فرقہ کے معتقدات (عقائد) سے بری ہو جاتا ہے۔ یہاں مصنف رحمہ اللہ نے چار فرق بیان کیے ہیں:

۱۔ جو کوئی مسلمان حاکم کی (نیکی کے کاموں میں) اطاعت کرے، اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت نہ کرے، جو کہ کفر تک نہ پہنچتا ہو، یا کبیرہ گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ کہے۔ تو ایسا انسان خوارج کے اعتقاد سے بری ہو جاتا ہے۔

۲۔ یہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ مسلمان حاکم کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان کی امارت میں جہاد فی سبیل اللہ کرنا جائز ہے۔

۳۔ چونکہ جہاد خلیفہ کے ساتھ رواں ہے، (کوئی انسان حاکم کے کسی گناہ کی وجہ سے) حکمران کے خلاف بغاوت کو جائز نہ سمجھے۔ بلکہ ان کی اصلاح کے لیے دعاء کرے؛ اور جب مسلمان حاکم جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دے، تو ان کی بات مان کر اللہ کی راہ میں نکل پڑے۔ یقیناً وہ خارجیوں کے اقوال سے شروع سے آخر تک نکل گیا۔

۴۔ اور جس نے کہا: "تمام اچھی اور بری تقدیریں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ جو بھی اچھی یا بری چیز سامنے آتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ایمان اور کفر، گناہ اور نیکی؛ بھوک و افلاس اور مال و دولت؛ بیماری اور صحت اور باقی تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، جن کے بارے میں اللہ کے ہاں فیصلہ ہو چکا ہے، اور اب وہ اس فیصلے کے مطابق ظاہر ہو رہے ہیں۔ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر سے باہر نہیں ہوتی۔ یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

وہ جس کو چاہے ہدایت دے، اور جس کو چاہے گمراہ کر دے"۔ وہ شروع سے آخر تک فرقہ قدریہ کے اقوال سے بچ گیا؛ اور وہ اہلِ سنت والجماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ گمراہ اسی انسان کو کرتا ہے جو گمراہی کے اسباب کا ارتکاب کرے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (الصف: ۵)

''پھر جب وہ ٹیڑھی چال چلے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ بدکاروں کو راہ پر نہیں لگاتا۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں بھی کسی قوم کی ہلاکت یا گمراہی کا ذکر کیا ہے، ساتھ ہی اس کے اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں اسباب کی بنا پر ان کے لیے مذکورہ چیز مقدر کر دی تھی۔ اسی لیے اہل سنت والجماعت کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے عدل سے گمراہ کرتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے ہدایت دیتا ہے۔''

عقیدہ ءرجعت پر رد

۱۶۳۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وبدعة ظهرت هي كفر بالله العظيم ؛ ومن قال بها فهو كافر بالله لا شك فيه۔ ومن يؤمن بالرجعة ، ويقول : علي ابن أبي طالب حيٌّ ، و سيرجع قبل يوم القيامة؛ ومحمد بن علي وجعفر بن محمد وموسىٰ بن جعفر ؛ وتكلموا في الإمامة ، وأنهم يعلمون الغيب ؛ فاحذرهم ، فإنهم كفار بالله العظيم ، ومن قال بهذا القول۔))

''اور ایسی بدعت بھی ظاہر ہوئی جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اور جس نے اس بدعت کو صحیح کہا، اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا؛ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور جو کوئی عقیدہ ء ''رجعت'' پر ایمان رکھتا ہو، اور کہتا ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زندہ ہیں، اور قیامت سے پہلے ایک بار پھر اس دنیا میں آئیں گے اور محمد بن علی ❶ اور جعفر بن محمد ❷ اور موسیٰ بن جعفر ❸ اور وہ امامت میں کلام کرتے ہیں یہ (کہتے ہیں) کہ (آئمہ) علم غیب جانتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں سے بچ کر رہیے۔ بیشک یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں اور جس نے یہ بات کہی [وہ بھی کافر ہے]۔''

شـــرح: ...... یہاں سے مصنف رحمہ اللہ رافضیوں اور امامیہ فرقہ پر رد کر رہے ہیں۔ رافضی کئی امور کی بنا پر امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہیں۔ ان میں سے

۱۔ ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زندہ ہونے اور دوبارہ لوٹ کر آنے کا عقیدہ بھی ہے۔

۲۔ ایک سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھلا ہوا جھوٹ بولنا ہے؛ اور ایک سبب امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن پر بہتان تراشی ہے، جو کہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قدح اور آپ کی شان میں گستاخی ہے۔

❶ محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، یا جعفر الباقر امام اور ثقہ ہیں۔ ایک سو دس ہجری کے بعد انتقال ہوا۔ دیکھیں: ''سیر اعلام النبلاء'' (٤/ ٤٠١)۔

❷ جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب؛ صادق کے لقب سے معروف ہیں۔ امام؛ صدوق اور فقیہ ہیں، ۱۴۸ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھیں: ''سیر اعلام النبلاء'' (٦/ ٢٥٥)۔

❸ موسیٰ بن جعفر ابو الحسن الہاشمی؛ کاظم کے لقب سے مشہور ہیں۔ سچے اور عابد تھے۔ ۱۸۳ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھیں: ''سیر اعلام النبلاء'' (٦/ ٢٧٠)۔

۳۔ ایک سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دینا بھی ہے۔ان کا ایمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات بعد سلمان مقداد اور ابوذر رضی اللہ عنہم کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرتد ہوگئے تھے۔ (اس عقیدہ میں اہل بیت میں سے بھی کسی ایک کا استثناء نہیں)۔

۴۔ ایک سبب سنت رسول اللہ ﷺ کو مطلق طور پر رد کرنا ہے۔اوران کا یہ بھی کہنا ہے کہ محمد ﷺ کو رسالت حضرت جبریل امین کی غلطی کی وجہ سے مل گئی؛ ورنہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھی۔

۵۔ ایک سبب ائمہ کے بارے میں معصوم عن الخطاء ہونے کا عقیدہ بھی ہے؛ اور یہ کہ امام نبی سے اعلی اور افضل ہوتا ہے۔اس لیے کہ خطاء سے عصمت صرف انبیاء کا منصب ہے؛ اور نبی ورسول سے اعلی وافضل کوئی نہیں ہوسکتا۔

۶۔ مسلمانوں کے متعلق ان کے عقیدہ کی وجہ سے بھی کافر ہیں اس لیے کہ وہ باقی مسلمانوں کو ناصبی کہتے ہیں؛ ان کو قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں؛ اور انہیں زنا کی اولاد تصور کرتے ہیں۔

۷۔ ایسے ہی قرآن کے متعلق ان کا عقیدہ کہ یہ تحریف شدہ کتاب ہے، یہ بھی ان کے کافر ہونے کے اسباب میں سے ایک ہے۔

۸۔ ان اسباب میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے متعلق ''بداء'' کا عقیدہ ہے۔یعنی کسی کام کا اللہ تعالیٰ کو اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک وہ کام ظہور پذیر نہ ہوجائے۔ اس کا اصل مقصد امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تنقید کی گنجائش پیدا کرنا ہے۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے کیوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں دیا، اور یہ صحابہ کیسے مسلمان ہوگئے۔جن پر ان کو اعتراض ہے۔؛ ان سب کی تفسیر اور وضاحت وہ عقیدہ ء[[بداء]] کی روشنی میں کرتے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اور وہ امامت میں کلام کرتے ہیں......): یعنی امامیہ اور رافضی کہتے ہیں کہ: ان کے آئمہ علم غیب جانتے ہیں، وہ جس چیز کو چاہے شریعت بنادیں، اور شریعت کے جس حکم کو چاہیں منسوخ کردیں انہیں اختیار حاصل ہے؛ اس کام کے لیے اللہ نے ان کی ذمہ داری لگائی ہوئی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (سو ایسے لوگوں سے بچ کر رہیے......): جو کوئی علم غیب کا دعوی کرے، یا یہ کہے کہ فلاں انسان علم غیب جانتا ہے؛ ایسا انسان کافر ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (الجن: ۲۶۔۲۷)

''غیب کا علم اسی کو ہے وہ اپنے غیب کو کسی پر نہیں کھولتا مگر جس پیغمبر کو وہ چاہتا ہے (اس کو غیب کی کوئی بات بتادیتا ہے)۔''

یہ استثناء انبیاء ومرسلین کے ساتھ خاص ہے۔کیونکہ اس میں امت اور دعوت دین کی مصلحت ہے۔تاکہ ان غیبی باتوں کے اطلاع دینا انبیاء کرام کے لیے معجزہ ہوجائے، اور لوگوں پر اتمام حجت ہوجائے۔ جب کہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام

کے علاوہ کسی کو اللہ تعالیٰ اپنے غیب کے امور پر مطلع نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو غیب تک رسائی ہے۔

شیعہ اور رافضی میں فرق

شیعہ اور روافض میں بہت باریک فرق ہے ؛ جس سے عوام بہت کم آگاہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رافضی جب خود کو شیعہ ظاہر کرتے ہیں تو وہ ان کے دام فریب میں آجاتے ہیں۔ شیعہ کی پہچان یہ ہے کہ یہ لوگ کسی صحابی کو گالی نہیں دیتے اور نہیں ہی پہلے دو صحابہ کرام حضرات شیخین جناب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا اختلاف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہیں ؛ ان پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں۔ جب کہ رافضی نہ صرف ان تینوں خلفاء پر تبراء کرتے ہیں بلکہ ان کے انہیں کافر اور منافق گردانتے ہیں۔ شیعہ کتاب اللہ میں تحریف نہیں کرتے۔ جب کہ رفضی کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں، اور اسے شراب خور خلفاء کی کتاب کہتے ہیں۔

رافضی شیعہ سے بڑھ کر خبیث ہیں۔ ان کے عقائد و تعلیمات اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں۔ مگر اس دور میں ننانوے فیصد رافضی خود کو شیعہ کہتے اور کہلاتے ہیں اور اسی لباس میں ظاہر ہو کر عامۃ الناس کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں۔ اس پیرائے میں مصنف رحمہ اللہ اسی فرق کو بیان کر رہے ہیں:

۱۶۳۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((قال طعمة [بن عمرو ❶]وسفيان : ((من وقف عند عثمان وعلي رضي الله عنهما فهو شيعي ؛ لا يعدل ولا يكلم ولا يجالس۔ ومن قدّم علياً رضي الله عنه على عثمان رضي الله عنه ، فهو رافضي ، قد رفض أثر أصحاب رسول الله ﷺ ؛ ومن قدّم الثلاثة على جماعتهم ، وترحم على الباقين ؛ وكف عن زللهم ؛ فهو على طريق [الاستقامة و] الهدى في هذا [الباب]۔))

’’طعمہ بن عمرو رحمہ اللہ اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: ’’جو کوئی حضرت عثمان اور حضرت علی ۔ رضی اللہ عنہما ۔ کے بارے میں توقف اختیار کرے، وہ شیعہ ہے۔ اسے نہ ہی عادل کہا جائے گا، اور نہ ہی اس کے ساتھ بات چیت کی جائے گی، اور نہ ہی اس کے ساتھ مجلس کی جائے گی اور جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے، وہ رافضی ہے۔ اس نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے آثار کو چھوڑ دیا ہے۔ جو کوئی ان تینوں کو ان کی جماعت پر مقدم رکھے۔ اور باقی صحابہ کے لیے رحم کی دعاء کرے، اور ان کی لغزشیں بیان کرنے سے زبان کو روک کر رکھے، وہ اس باب میں ہدایت اور استقامت کی راہ پر ہے۔‘‘

---

❶ صعمه بن عمرو الجعفري العامري الكوفي ؛ صادق و عابد تھے۔ سنت کے بارے میں ان کا کلام ہے۔ ۱۶۹ ہجری میں انتقال ہوا۔ ’’التهذيب ‘‘(٥/ ١٣) ، اور ’’الجرح و التعديل ‘‘(٤/ ٤٩٦) میں ابن ابی حاتم نے ان کے حالات زندگی تحریر کیے ہیں۔

شرح: ...... یہ شیعہ کے بارے میں بیان کیا جارہا ہے۔ جس کسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں توقف کیا اور کہا کہ: ''بیشک خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا؛ حضرت عثمان کا حق نہیں تھا؛ وہ انسان شیعہ ہے (اس سے بچ کر رہنا چاہیے)۔

شیعہ سے برأت کا اظہار کرنا چاہیے۔ نہ ہی ان کے ثقہ ہونے کا حکم لگایا جائے، اور نہ ہی ان کے ساتھ (عزت و اکرام کے ساتھ) بات چیت کی جائے۔ اور نہ ہی ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھا جائے۔ اس لیے کہ ان کا ضرر اور برائی ان کے ہم نشینوں تک پھیلنے کا خوف ہے۔ کیونکہ ہمیشہ گمراہی کی دعوت دینے والے اپنے ہم مجلسوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے......):

یعنی خلافت میں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ اس مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں، اور بعض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں۔ جب کہ خلافت میں جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم سمجھے؛ تو وہ گمراہ ہے۔ اس لیے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے؛ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت میں مقدم کرنے پر اجماع ہے۔

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ سے ایک چوک ہوگئی ہے وہ یہ کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے والے کو رافضی قرار دیا ہے، جب کہ رافضی وہ ہے جو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کو گالی دیتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔

سب سے زیادہ نصوص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں، اور پھر ابوبکر اور عمر کی فضیلت میں اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی وہ روایات جن میں شیخین کا بھی ذکر ہے۔ پھر اس کے بعد ان چاروں خلفاء کا ذکر آتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کو چھوڑ دیا......): اسی وجہ سے انہیں رافضہ کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ جب انہوں نے حضرت زید بن علی سے پوچھا کہ آپ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا کہتے ہیں: تو آپ نے جواب دیا: ''میں ان سے محبت کرتا ہوں، اور ان سے دوستی رکھتا ہوں، اس لیے کہ یہ دونوں میرے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر ہیں۔ تو کہنے لگے: (اگر تم ایسے کہتے ہو) تو پھر ہم آپ کو چھوڑتے ہیں اور آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے، اس وجہ سے ان کا نام رافضہ پڑ گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زید بن علی نے سنا کہ ان کے لشکر کے کچھ لوگ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر لعن کررہے ہیں۔ انہوں نے اس کا انکار کیا، تو جن لوگوں نے آپ کی بیعت کی تھی آپ سے علیحدہ ہوگئے۔ تو آپ نے ان سے کہا: ''رفضتمونی۔'' ''تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔''

کہا گیا ہے کہ زید بن علی کے اس قول: ''رفضتمونی۔''

''تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔'' کی وجہ سے ان کا نام رافضہ پڑ گیا۔ ❶

امام رازی کہتے ہیں:

''بیشک ان کا نام رافضہ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ زید بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف خروج کیا؛ تو ان کے لشکر نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر طعن کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اس حرکت سے منع کیا، انہوں نے حضرت زید کا ساتھ چھوڑ دیا؛ آپ کے ساتھ دو سو سوار باقی رہ گئے۔ تو زید بن علی نے ان سے کیا: '' رفضتمونی۔'' ''تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔'' تو کہنے لگے: ''ہاں۔'' تو ان کا یہی نام پڑ گیا۔۔یعنی رافضی۔ ❷

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسلام میں سب سے پہلے رافضہ کا لفظ اس وقت معروف ہوا جب دوسری صدی ہجری کے شروع میں زید بن علی نے خروج کیا۔ تو آپ سے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے ان دونوں حضرات سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا، تو لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، یہیں سے ان کا نام رافضہ پڑ گیا۔'' ❸

اور فرماتے ہیں: '' زید کے خروج کے زمانہ میں شیعہ رافضہ اور زیدیہ میں تقسیم ہو گئے؛ اس لیے کہ جب آپ سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ان کے لیے رحم کی دعا کی۔ تو لوگ ان کا ساتھ چھوڑ گئے، آپ نے فرمایا: '' رفضتمونی۔'' ''تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔'' ان کے حضرت زید بن علی کا ساتھ چھوڑ دینے کی وجہ سے ان کا نام رافضی پڑ گیا۔ اور جن لوگوں نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا انہیں زیدیہ کہا جانے لگا۔'' ❹

مشہور شیعہ عالم نباطی کی کتاب ''الصراط المستقیم إلی مستحقي التقدیم '' میں ہے:

''بیشک ابو بصیر نے صادق علیہ السلام ❺ سے کہا: '' لوگ ہمیں رافضہ کا نام دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! لوگ تمہیں یہ نام نہیں دیتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ نام رکھا ہے۔ بیشک بنی اسرائیل کے ستر بہترین انسان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی پر ایمان لائے؛ تو ان کا نام رافضہ رکھا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی، یہ نام تورات میں ان کے لیے لکھ دے، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ذخیرہ کر رکھا

---

❶ مقالات الإسلامیین ۱/ ۱۳۷۔

❷ اعتقادات فرق المسلمین و المشرکین ص ۵۲۔

❸ مجموع الفتاوی ۱۳/ ۳۶۔

❹ منهاج السنة ۱/ ۸۔

❺ ابو عبداللہ جعفر الصادق بن محمد بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ امامیہ کے نزدیک بارہ اماموں میں سے ایک ہیں اور سادات اہل بیت میں سے تھے۔ اپنی گفتگو میں کھرے پن کی وجہ سے صادق کا لقب ملا۔ آپ کے فضائل تذکرہ کرنے سے زیادہ ہیں۔ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے، اور شوال ۱۴۸ ہجری میں وفات پائی۔ ابن خلکان : وفیات الأعیان ۱/ ۳۲۷۔

یہاں تک کہ تم لوگ اس راہ پر چلو۔'' ❶

جو کوئی ان تینوں (پہلے تین خلفاء) کو ان کی (باقی) جماعت پر مقدم رکھے۔اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے رحم کی دعاء کرے، اور ان کی لغزشیں بیان کرنے سے زبان کو روک کر رکھے، وہ اس باب میں ہدایت اور استقامت کی راہ پر ہے۔

خلفاء اربعہ کو باقی عشرہ مبشرہ پر اور عشرہ مبشرہ کو باقی اصحاب بدر پر اور انہیں اصحاب بیعت رضی اللہ عنہم اجمعین پر مقدم رکھنا اہل سنت کا طریق کار ہے۔

بحیثیت مجموعی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت رکھنا؛ ان کے لیے رحم اور مغفرت کی دعا کرنا اور ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے چشم پوشی کرنا اہل سنت والجماعت کے ایمان کا حصہ اور ان کے بنیادی عقیدہ کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے اور یہی راہِ استقامت ہے کہ انسان ان لوگوں کو مقدم رکھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فضیلت میں مقدم رکھا ہے۔اور باقی صحابہ کے لیے اللہ کی رضامندی کا سوال کرتا رہے۔یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

عشرہ مبشرہ اور اہل سنت

جب گمراہ اور بدعتی فرقوں نے صحابہ کرام پر طعن کیا، اور انہیں کافر اور مرتد کہا تو اس سے یہ بھی لازم آیا کہ وہ ان احادیث کا انکار کر دیں جنت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے جنتی ہونے کی گواہی ہے۔کیونکہ کافر اور مرتد تو جنت میں نہیں جا سکتا۔چنانچہ انہوں نے ان صاف واضح اور صریح نصوص کا انکار کرنے میں کسی تأمل سے کام نہیں لیا۔جب کہ اہل سنت والجماعت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت رکھنے والی جماعت ہے، ان احادیث پر نہ صرف ایمان رکھتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی بشارت ہے، بلکہ صحابہ کرام کا دفاع کرنا اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔مصنف رحمہ اللہ اس پیرائے میں اسی عقیدہ پر گفتگو کر رہے ہیں:

۱۶۴۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((والسنة أن تشهد أن العشرة الذين شهد لهم رسول الله ﷺ بالجنة أنهم في الجنة ، لاشك فيه۔))

''اور یہ بھی ایمان کا حصہ ہے کہ جن دس لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی گواہی [خوشخبری] دی ہے، وہ بغیر کسی شک و شبہ کے جنت میں ہیں۔''

شرح: ......سنت طریقہ کار یہ ہے کہ جن لوگوں کے جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے؛ ان کے لیے ہم بھی جنتی ہونے کی گواہی دیں؛ اور آپ ﷺ سے وارد احادیث پر بغیر کسی تاویل و تحریف اور انکار کے ایسے ہی ایمان رکھیں جیسے آپ سے منقول ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

❶ علی بن یونس العاملی : الصراط المستقیم إلی مستحقی التقدیم ۳/ ۷٦۔

((أبو بكر في الجنة ؛ وعمر في الجنة ، وعثمان في الجنة ، وعلي في الجنة ، وطلحة في الجنة ، والزبير في الجنة ، وعبد الرحمن في الجنة ، وسعد في الجنة ، وسعيد بن زيد في الجنة ، وابو عبيده بن جراح في الجنة)) ❶

" ابو بکر -الصدیق رضی اللہ عنہ- جنت میں ہے ؛اور عمر- بن خطاب رضی اللہ عنہ -جنت میں ہے ، اورعثمان -بن عفان رضی اللہ عنہ -جنت میں ہے۔اور علی بن- ابی طالب رضی اللہ عنہ -جنت میں ہے،اور طلحہ-رضی اللہ عنہ- جنت میں ہے۔ اورزبیر- جنت میں ہے،اور عبد الرحمٰن -بن عوف رضی اللہ عنہ -جنت میں ہے؛ اور سعد- بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے،اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ جنت میں ہے، اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنت میں ہے۔"

ان لوگوں کے لیے ہم بھی جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں جن کے جنتی ہونے کی گواہی جناب الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے دی ہے اور اس میں ذرا بھر بھی شک نہیں کرتے ؛ اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی تاویل کرتے ہیں۔ نہ ہی ان میں سے کسی ایک شخص کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی حسد وبغض اور کینہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور سچی زبان سے جنتی ہونے کی ضمانت مل چکی ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے، وہ جس کو چاہے اس سے نواز دے۔

صرف ان لوگوں کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے جو واضح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہیں ، اور ان بزرگ ہستیوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام

۱۶۵۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ولا تفرد بالصلاة على أحد إلا لرسول الله ﷺ وعلى آله فقط۔))

"اور انفرادی طور پر کسی پر درود (دعاء) نہیں بھیجا جائے گا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے۔"

شرح: ...... "الصلاۃ" کا لغوی معنی ہے دعا کرنا اور اس کا شرعی معنی ہے:" وہ عبادت جو تکبیر (اللہ اکبر کہنے) سے شروع ہوتی ہے،اور تسلیم (السلام علیکم کہنے) پر ختم ہوتی ہے۔ جو کہ قیام ،قرأۃ ،رکوع ،سجدہ قعدہ تسبیح وتکبیر پر مشتمل ہوتی ہے۔

جب آل اور اصحاب دونوں لفظ اکٹھے بولے جائیں تو آل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہوتے ہیں، اور اصحاب سے مراد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہوتے ہیں۔صحابی قرابت دار ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا اور جب ان دونوں لفظوں (آل اور اصحاب) کو علیحدہ علیحدہ بولا جائے تو یہ دونوں ایک دوسرے کے معانی کو شامل ہوتے ہیں۔

❶ رواه أحمد ١/ ١٩٣۔ الترمذی ٣٧٤٧۔ مختصر الشريعة ص ٢٦٧؛و عبدالرزاق في المصنف ١١٧٦۔

اصحاب کے آل میں شامل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آل کا اطلاق دو طرح سے ہوتا ہے:

- جب آل بولا جائے تو اس سے مراد وہ لوگ ہوں جن پر صدقہ حرام ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں۔
- آل بول کر آپ کے اتباع/ ماننے والے مراد لیے جائیں۔ اسے لیے کہ اتباع کرنے والوں کو بھی آل کہا جاتا ہے۔جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے: ﴿آل فرعون﴾ یعنی فرعون کے پیچھے چلنے/ اس کی بات ماننے والے۔ ایسے ہی آل محمد سے مراد ہوگی: ''محمد ﷺ کی بات مان کر چلنے والے۔

نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور پر منفرد صلاۃ (درود) پڑھنا؛ جیسا کہ صحابی وغیرہ پر جائز ہے؛ جب تک کہ اسے خاص نعرہ یا علامت نہ بنالیا جائے۔ مثال کے طور پر آپ یہ کہہ سکتے ہیں: " اللھم صلّ علی فلان " اے اللہ! فلاں پر رحمتیں نازل کر اور یہ خود رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے؛ آپ نے دعا فرمائی تھی:

((اللھم صلّ علی آل أبي أوفی)) ❶

اے اللہ! آل ابی اوفی پر رحمتیں نازل کر۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (التوبة: ۱۰۳)

''(اے پیغمبر) ان لوگوں کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے؛ آپ زکوٰۃ سے ان کو (گناہوں سے) پاک کریں گے؛ اوران کے لیے دعا کریں اس لیے کہ آپ کی دعا سے ان کو تسلی ہو جاتی ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔''

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ ان لوگوں پر رد کر رہے ہیں جو درود کے الفاظ کو بعض لوگوں کے لیے خاص شعار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اب یہ بدعت باقی فرقوں میں ختم ہو چکی ہے؛ البتہ شیعہ اور روافضہ اب بھی اس کو بطور شعار استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ کسی کے لیے درود شریف (دعا) پڑھا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ❷

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل سنت

۱۶۲۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وتعلم أن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قتل مظلوماً ، ومن قتله کان ظالماً۔))

''اور یہ بات اچھی طرح جان لیجیے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مظلوم شہید کیا گیا ہے، اور کو شہید کرنے والا ظالم تھا۔''

❶ بخاری ۱٤۲٦؛ مسلم ۱۰۷۸۔

❷ اور ایسے انبیاء کرام علیہم السلام پر درودا کیلیے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے دیکھیں: "جلاء الأفهام " لابن قیم رحمہ اللہ (ص ۳٤٥)؛ وتفسیر ابن کثیر (۳/۵۱٦ – ۵۱۷)؛ وفتح الباری (۱۱/۱٦۹)۔القول البدیع (ص ۸۱-۸۷)، للسخاوی۔

شرح: ...... خلیفۂ برحق داماد رسول اللہ ﷺ جناب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چالیس دن کے محاصرہ کے بعد سن چھتیس ہجری میں انتہائی مظلومیت کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کردیا گیا۔

آپ کا محاصرہ مصر اور عراق سے تعلق رکھنے والے بلوائیوں نے کیا تھا؛ جو کہ عبد اللہ بن سباء کی تحریک پر اس کے جھانسے میں آکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

آپ کا قتل فرقوں کے ظہور اور بدامنی کی پہلی لہر ثابت ہوئی۔ کچھ فرقے نہ صرف اس قتل پر بلکہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قتل ہونے پر بڑے خوش ہوتے ہیں، اور وہ ان کے قاتلوں کو اپنے اکابر اور محسن تصور کرتے ہیں، اور ان کے دربار بنا رکھے ہیں، جہاں صبح و شام ان کی پوجا ہوتی ہے۔ جب کہ اہل سنت والجماعت آپ کے قتل کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور جناب رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی اخبار کی تصدیق قرار دیتے ہیں۔ چونکہ آپ نے یہ بشارت دی تھی:

''اے عثمان! اللہ تعالیٰ یقیناً تجھے ایک قمیض پہنائے گا، اور لوگ تجھ سے اسے چھیننا چاہیں تو ان کے لیے اسے مت اتار دینا۔'' [1]

کتاب کی توثیق

۱۶۷۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ومن أقر بما في هذا الكتاب وآمن به واتخذه إماماً ، ولم يشك في حرف منه ؛ ولم يجحد حرفاً واحداً ؛ فهو صاحب سنة و جماعة ، كامل قد كملت فيه السنة۔ ومن جحد حرفاً مما في هذا الكتاب ، أو شك ووقف ؛ فهوى صاحب هوى۔))

''جس نے اس کتاب میں جو کچھ ہے، اس کا اقرار کیا، اور اس پر ایمان لایا؛ اور اسے اپنا رہنما و امام بنایا؛ اور اس کے کسی حرف میں شک نہ کیا اور نہ ہی کسی ایک حرف کا بھی انکار کیا؛ وہ اہل سنت والجماعت ہے، اور کامل ہے، جس میں سنت مکمل موجود ہے اور جس نے اس کتاب کے کسی ایک حرف کا بھی انکار کیا، یا اس میں شک کیا، یا اس میں توقف اختیار کیا؛ وہ بدعتی [صاحبِ ھوی] ہے۔''

شرح: ...... اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کتاب میں اہل سنت والجماعت کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ آخر میں کتاب کی تصدیق کے حوالے سے کہا ہے: ''اس کے کسی حرف میں شک نہ کیا اور نہ ہی کسی ایک حرف کا بھی انکار کیا'' یہاں پر حرف سے مراد ظاہری حرف نہیں بلکہ اصول مراد ہیں جن کے متعلق وضاحت کی جارہی ہے۔ عربوں کی عادت رہی ہے کہ کبھی ''جزء'' بول کر کل مراد لیتے ہیں۔ یہ بھی اسی طرح ہے۔

نیز اس سے کسی کو یہ گمان نہیں ہونا چاہیے کہ مصنف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا تزکیہ اور توصیف بیان کی ہے۔ بلکہ یہ

---

[1] رواه الترمذي في مناقب عثمان بن عفان ،برقم ٣٧٠٥؛وصححه ،و صححه الألباني

اہل سنت والجماعت کے بنیادی عقیدہ کے اصول ہیں جو کوئی ان میں شک کرتا ہے بیشک وہ گمراہ اور بھٹکا ہوا خواہشات کا پجاری ہے۔

قرآن کے منکر کا حکم

۱۶۸۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ومن جحد أو شك في حرف من القرآن ، أو في شيء جاء عن رسول الله ﷺ لقى الله تعالىٰ مكذّباً ، فاتق الله [واحذر] وتعاهد إيمانك۔))

''اور جس نے قرآن کے کسی ایک حرف کا انکار کیا، یا اس میں شک کیا، یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں شک کیا، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس کو جھٹلانے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈریے، اور بچ کر رہیے؛ اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھیں۔''

شرح: ......یعنی جو کوئی قرآن کے کسی کلمہ میں شک کرے، یا اس کا انکار کرے، خواہ وہ ایک حرف ہی کیوں نہ ہو، ایسا انسان کافر ہے۔ اس لیے کہ ایسا انسان اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام میں شک کرتا ہے۔

اور جو انسان رسول اللہ ﷺ سے ثابت صحیح حدیث/ سنت میں شک کرتا ہے؛ مثال کے طور پر وہ یوں کہے کہ: ''اگر چہ یہ حدیث صحیح اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ بھی ہے؛ پھر بھی جو کچھ اس میں ذکر ہوا ہے، میں اس پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ یا میں اس میں شک کرتا ہوں، یا اس کے بارے میں توقف کرتا ہوں، تو ایسا انسان رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے والا ہے۔ اس لیے کہ واجب یہ ہے کہ انسان ایسی چیزوں پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق کرے اور اس کا ایمان و یقین پختہ اور جازم (دوٹوک) ہونا چاہیے جس میں کسی قسم کا کوئی تردد یا شک و شبہ ہرگز نہ ہو۔ بلکہ مؤمن کو چاہیے کہ تمام قرآن پر ایمان لائے؛ اور ان احادیث پر بھی بغیر کسی شک و شبہ اور تردد کے ایمان لائے جو رسول اللہ ﷺ سے صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہیں۔

گناہ پر تعاون؟

۱۶۹۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ومن السنة أن لا تعين أحداً على معصية الله ، و لا أولي الخير ، ولا الخلق أجمعين ، لا طاعة لبشر في معصية الله۔ولا يحَبُّ عليه [أحداً] ، واكره ذلك كله لله تبارك و تعالىٰ۔))

''اور سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کسی کی بھی مدد نہ کی جائے۔ نہ ہی اہل خیر کی اور نہ ہی باقی تمام

مخلوق [میں سے کسی ایک] کی ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی انسان کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس پر کسی کو پسند کیا جائے گا اور ان تمام کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے مکروہ جانیں۔"

شرح: ...... مندرجہ بالا پیرائے میں لوگوں کے ساتھ معالات کا ایک موٹا اور سنہری اصول بیان کیا گیا ہے؛ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے عین مطابق ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (المائدہ: ۲)

"اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرو، اور برائی اور گناہ کے کاموں میں تعاون نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ بہت سخت عقاب والا ہے۔"

اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ احکام شریعت کی پیروی کرتے ہوئے کسی بھی ایسے کا حکم نہ مانیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لا طاعة المخلوق في معصية الخالق)) ❶

"اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔"

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

((إنما الطاعة بالمعروف)) ❷

"بیشک اطاعت معروف (بھلائی) کے ساتھ ہے۔"

پس جو کوئی گناہ اور برائی کا حکم دے گا اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اگر چہ حکم دینے والی کوئی بھی اور کیسا بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی یہی عادت ذکر کر کے ان پر رد کیا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں اپنے بڑوں کا حکم مانتے تھے ؛ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۱)

"انہوں نے اپنے مولویوں اور درویشوں (علماء و مشائخ) کو اللہ کے سوا (جو اکیلا اللہ ہے) رب بنالیا۔"

اللہ تعالیٰ کے بعد انسان پر سب سے بڑا حق اس کے والدین کا ہے؛ لیکن جب والدین بھی اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں گے تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا....﴾ (لقمان: ۱۴-۱۵)

---

❶ موطا امام مالك، باب الرجل يكتب إلى الرجل يبدأ ......؛ والترمذي۔ ❷ سبق تخريجه۔

''اور ہم نے آدمی کو اپنے ماں باپ کے لیے (اچھا سلوک کرنے کا) حکم دیا ماں نے تو اس کو تھک تھک کر (اپنے میٹ میں) اٹھایا اور دو برس میں (کہیں) اس کا دودھ چھوٹا (ہم نے آدمی کو یہ حکم دیا) کہ میرا شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا اور (آخر) تجھ کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔اور اگر تیرے ماں باپ زور زبردستی سے یہ کہیں کہ اللہ کے ساتھ ان کو شریک کر جن کے شریک ہونے کی تیرے پاس کوئی سند نہیں تو ان کا کہنا مت مان اور دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے موافق رہ......''

اور دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَ إِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (العنكبوت : ٨)

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (اے مخاطب) اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے جس کی حقیقت سے تجھے واقفیت نہیں تو اُن کا کہنا نہ ماننا تم (سب) کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے تھے میں تمہیں جتاؤں گا۔''

یہ بھی حقیقی اہل سنت کا امتیازی وصف ہے کہ ان کی سمع و طاعت؛ محبت، بغض، لین دین، بات چیت اور خاموشی سب کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ یہ بات ایمان کی نشانی اور باعث اجر و ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أعطى لله ، ومنع لله ، وأحب في الله ، وأبغض في الله فقد استكمل الإيمان)) ❶

''جو اللہ کے لیے کسی کو کچھ دے، اور اللہ کے لیے ہی روک لے، اور جو اللہ کے لیے ہی محبت کرے، اور اللہ کے لیے ہی بغض کرے، تحقیق اس کا ایمان مکمل ہوگیا۔''

اس کا تقاضا یہ ہے کہ نہ ہی اہل خیر پر خود کوئی ظلم کرے اور نہ ہی اہل خیر کے خلاف ظالموں کی مدد کرے اور نہ ہی ظالم یا ظلم سے محبت و دوستی رکھے؛ بلکہ ان سے نفرت و بیزاری رکھے، اور ہو سکے تو ان کی اصلاح کی کوشش کرے، جیسا کہ حدیث میں اس کا حکم موجود ہے۔

توبہ کا حکم

• ۱۷۰۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((والإيمان بأن التوبة فريضة على العباد ، وأن يتوبوا [إلى الله عز و جل] من كبير المعاصي و صغيرها۔))

❶ سبق تخريجه۔

''اور اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ توبہ کرنا بندوں پر فرض ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے، ہر چھوٹے اور بڑے گناہ سے [توبہ کی جائے]۔''

شرح: ......اور اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ گناہوں سے توبہ کرنا اللہ کی طرف سے بندوں پر فرض کی گئی ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس سے توبہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۵)

''اور وہ لوگ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اَڑے نہیں رہتے۔''

توبہ ہر شخص پر واجب ہے، خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (النور: ۳۱)

''اور تم سب اللہ کی طرف توبہ ورجوع کرلو اے ایمان والو، تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم: ۸)

''اے ایمان والو! اللہ کی طرف سچی توبہ (توبہ نصوح) کرلو۔''

توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرلے اور وہ گناہ جنھیں وہ جانتا ہے اور وہ بھی جنھیں وہ نہیں جانتا بلکہ نادانستہ اس سے سرزد ہوگئے یا کر کے بھول چکا ہے ان سب گناہوں سے توبہ کرے۔ بندے پر اللہ کی جو نعمتیں ہیں ان کے شکر کے سلسلہ میں جو تقصیر ہوئی ہے اس سے توبہ کرے اور ایک مسلمان اپنی زندگی کے مختلف اوقات میں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے؛ اس سے بھی توبہ کرے یہ سب امور توبہ میں شامل ہیں۔ حضرت ماعز مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ فَاِنِّيْ اَتُوْبُ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ)) [1]

''اے لوگو! اللہ کی طرف تائب ہو جاؤ اور اس سے بخشش طلب کرو، میں روزانہ ایک سو بار توبہ کرتا ہوں۔''

توبہ کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ اس کے بعد انسان استقامت پر رہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ (طٰہ: ۸۲)

''اور میں اسے بہت ہی بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور پھر ہدایت پر رہے۔''

[1] مسلم برقم ۲۷۰۲۔

انسان پر واجب ہوتا ہے کہ جتنا جلدی ممکن ہو سکے گناہوں سے توبہ کرے، اور گناہ پر اصرار نہ کرے، اور نہ ہی کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو گناہ کے بعد فوراً توبہ کرتے ہیں اور ان لوگوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے، فرمایا:

﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًاo وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى إِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًاo﴾ (النسآء: ۱۷۔۱۸)

''اللہ تعالیٰ پر انھی کی توبہ قبول کرنا ہے جو نادانی سے برا کام کر بیٹھتے ہیں پھر جلدی سے (یعنی مرنے سے پیشتر) توبہ کر لیتے ہیں (دل میں نادم ہوتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ اب ایسا نہ ہوگا) تو اللہ ان کو معاف کر دیتا ہے اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا۔ اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں جب موت ان میں سے کسی (کے سر) پر آن کھڑی ہوتی ہے تو کہتا ہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی جو کفر میں مرتے ہیں (اور اللہ کا عذاب دیکھ کر مرے بعد توبہ کرتے ہیں) ان (دونوں قسم کے) لوگوں کے لیے تو ہم نے تکلیف کا عذاب تیار کیا ہے۔''

جب موت کا وقت آ جائے تو پھر کوئی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اگرچہ انسان زندہ ہو، اور توبہ کر رہا ہو۔ چونکہ اے اس کے لیے توبہ کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ جب کسی انسان کو یہ پتہ نہیں ہے کہ کب اور کہاں اس کی موت کا پیغام آ جائے تو پھر اسے چاہیے کہ توبہ کرنے میں تاخیر نہ کرے، بلکہ فوراً اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ (الانفال: ۳۸)

''(اے پیغمبر) ان کافروں سے کہہ دے اگر یہ (اپنے کفر سے) باز آ ئیں تو ان کے اگلے قصور معاف کر دیئے جائیں گے۔''

پس مسلمان کو بہت ہی سخت ضرورت ہے کہ وہ اپنے ہر چھوٹے بڑے گناہ سے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر معافی مانگے اور سچی توبہ کرے۔

عشرہ مبشرہ اور اہل بدعت

۱۷۱۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومن لم يشهد [لمن] شهد له رسول الله ﷺ بالجنة ؛ فهو صاحب بدعة وضلالة

؛ شاك فيما قال رسول الله ﷺ .))

''اور جو شخص ان کے لیے گواہی نہ دے جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی گواہی [بشارت] دی ہے؛ وہ مبتدع اور گمراہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین میں شک کرنے والا ہے۔''

شرح: ...... کسی کے لیے جنتی یا جہنمی ہونے کی گواہی دینے میں اہل سنت والجماعت کے ہاں تفصیل ہے:

جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جنتی یا جہنمی ہونے کی گواہی دی ہے، اس کے لیے ہم بھی ویسے ہی گواہی دیں گے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی زبان سے بات تک نہیں کرتے، آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ٥﴾ (النجم: ۳۔ ٤)

''اور نہ (اپنے دل کی) خواہش سے وہ (کوئی) بات کرتا ہے۔ اس کی جو بات ہے وہ وحی ہے جو (اس پر) بھیجی جاتی ہے۔''

رہے وہ لوگ جن کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں، تو ہم بھی ان کے جنتی یا جہنمی ہونے کی گواہی نہیں دیتے۔ بلکہ اچھے کام کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھائی کی امید رکھتے ہیں، اور برے کام کرنے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر رکھتے ہیں۔ یہ افراد و اشخاص کے لحاظ سے ہے۔ عمومی اعتبار سے ہم اس بات کا پختہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مؤمنین جنت میں جائیں گے، اور سارے کے سارے کفار جہنم میں جائیں گے۔ یہ عمومی طور پر ہے۔

ایسے ضرور ہے کہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کچھ لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے۔ ان کے بارے میں ہم قطعی یقین رکھتے ہیں اور دوٹوک الفاظ میں کامل ایمان کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ جنتی ہیں۔ جنت کی بشارت دیے گئے ان افراد میں سے عشرہ مبشرہ سرفہرست ہیں۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أبو بكر في الجنة ؛ وعمر في الجنة ، وعثمان في الجنة ، وعلي في الجنة ، وطلحة في الجنة ، والزبير في الجنة ، وعبد الرحمن في الجنة ، وسعد في الجنة ، وسعيد بن زيد في الجنة ، وابو عبيده بن جراح في الجنة)) ❶

'' أبو بکر - الصدیق رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے؛ اور عمر - بن خطاب رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے، اور عثمان - بن عفان رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے۔ اور علی بن - ابی طالب رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے، اور طلحہ - رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے۔ اور زبیر - جنت میں ہے، اور عبد الرحمن - بن عوف رضی اللہ عنہ - جنت میں ہے؛ اور سعد - بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ -

❶ رواه أحمد ١/ ١٩٣۔ الترمذي ٣٧٤٧۔ مختصر الشريعة ص ٢٦٧؛ و عبدالرزاق في المصنف ١١٧٦۔

جنت میں ہے، اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ جنت میں ہے، اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنت میں ہے۔"

ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ افراد جنت میں ہے اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تمام کے تمام جنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا○ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا○﴾ (الفتح: ۱۷۔ ۱۸)

"اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لے تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں لے جائے گا جن تلے نہریں بہ رہی ہیں اور جو کوئی نہ مانے اس کو تکلیف کا عذاب دیگا۔ (اے پیغمبر) اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہو چکا ہے جب وہ (کیکر یا بیری کے) درخت کے تلے (حدیبیہ میں) تجھ سے بیعت کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو (اخلاص) ان کے دلوں میں تھا تو ان (کے دلوں) پر تسلی اتاری اور ایک نزدیک والی فتح ان کو انعام میں دی۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ○﴾ (التوبة: ۱۰۰)

"اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے اوّل ہجرت کی اور پہلے اسلام لائے اور جنھوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (اللہ ان سے خوش وہ اللہ سے خوش) اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔"

سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سارے جنتی ہیں۔ ان کے جنتی ہونے کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ بالخصوص عشرہ مبشرہ؛ پھر ان کے بعد باقی اہل بدر؛ ان کے باقی اُصحاب احد، پھر باقی اصحاب بیعت رضوان اور وہ لوگ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اور اپنا مال خرچ کیا۔ ان کا مقام فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والوں سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بعد ہر صحابی کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور مشیر بننے اور اس دعوت اسلام کو پھیلانے کے لیے چن لیا تھا۔ تمام صحابہ عادل اور ثقہ ہیں، اور تمام کے تمام جنتی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض اور دشمنی وہی رکھ سکتا ہے؛ یا ان کے بارے میں کسی بھی شک و شبہ کا اظہار صرف وہی

انسان کرسکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فتنہ و آزمائش میں مبتلا کر دیا ہو۔ پھر اس پر مستزاد کہ کوئی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ظالم اور شرابی کہے، اور انہیں قریش کے دو بت کہے، اور انہیں سرکش (باغی) اور شیطان کہہ کر پکارے؛ اور یہ عقیدہ رکھے کہ جب امام مہدی آئے گا وہ حضرات شیخین (جناب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو ان کی قبروں سے نکال کر ان پر حد جاری کرے گا، اور انہیں پھانسی پر لٹکائے گا۔ اور ان سے ان کے ظلم کا انتقام لے گا، جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ روا رکھا تھا۔

بیشک ایسا گستاخ یہود و نصاریٰ سے بھی گیا گزرا ہے۔ یہودی اور عیسائی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ نازیبا کلمات نہیں استعمال کرتے جو یہ اسلام کے نام نہاد دعویدار استعمال کرتے ہیں۔

یہودی اور عیسائی بھی کائنات کے افضل لوگ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے حواریوں کو شمار کرتے ہیں؛ مگر رافضی (ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو) ان سب یہود و نصاریٰ سے بدتر ہیں، جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو کائنات کے بدترین لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔

سنت اور اہل سنت کی اہمیت

۱۷۲۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((قال مالك بن أنس رحمه الله :"من لزم السنة و سلِمَ منه أصحاب رسول الله ﷺ ثم مات ، كان مع النبيين و الصديقين و الشهداء والصالحين ؛ وإن كان له تقصير في العمل۔ وقال بشر بن الحارث :" الإسلام هو السنة والسنة هي الإسلام۔" وقال فضيل بن عياض رحمه الله :" إذا رأيت رجلا من أهل السنة فكأنما أرى رجلا من أصحاب رسول الله ﷺ ؛ وإذا رأيت رجلا من أهل البدع فكأنما أرى رجلا من المنافقين۔" وقال يونس بن عبيد : ((العجب ممن يدعو اليوم إلى السنة ، وأعجب منه من يجيب إلى السنة فيقبل))۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے سنت کا التزام کیا، اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی لب کشائی سے محفوظ رہے، اور پھر اس کی موت [اسی حال میں] آگئی؛ تو وہ انبیاء صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ اگرچہ اس کے اعمال میں کمی ہی کیوں نہ ہو۔'' بشر بن حارث رحمہ اللہ [1] فرماتے ہیں:

اسلام ہی سنت ہے، اور سنت ہی اسلام ہے۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب میں اہل سنت میں سے کسی آدمی کو دیکھتا ہوں تو گویا کہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی ایک کو دیکھتا ہوں اور جب اہل بدعت میں سے کسی ایک کو دیکھتا ہوں تو گویا کہ میں منافقین میں سے کسی ایک کو دیکھتا ہوں۔ اور حضرت یونس بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تعجب

[1] بشر بن حارث المعروف بشر حافی؛ امام اور زاہد متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ ۲۲۷ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھو: "سیر الأعلام النبلاء" (۱۰/۴۶۹).

ہے اس آدمی پر آج کل سنت کی دعوت دے ؛ اور اس سے بھی بڑھ کر تعجب اس انسان پر ہے جو سنت کی دعوت پر جواب دے اور اسے قبول کرے۔''

شرح: ......مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جس نے سنت کا التزام کیا، اور اصحاب......):

یعنی جس نے علم ،عمل اور اعتقاد میں سنت رسول اللہ ﷺ کا التزام کیا، اور اسی پر اس کی موت آگئی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں لب کشائی سے محفوظ رہا، جملہ صحابہ کرام یا کسی ایک صحابی کے بارے میں اس نے کوئی طعن و تشنیع والی بات نہیں کہی ؛ تو اس کا انجام انبیاء ،صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝﴾ (النسآء: ٦٩)

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول کا کہا مانیں وہ (جنت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے سرفراز کیا یعنی پیغمبر اور صدیق اور شہید اور نیکیوں کے ساتھ اور ان لوگوں کا ساتھ اچھا ساتھ ہے۔''

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اصحاب رسول اللہ ﷺ اس کی لب کشائی سے محفوظ رہے):

اللہ تعالیٰ ایسے مخلص اور باصفا مسلمانوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ (الحشر: ١٠)

''اور وہ لوگ جو ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد (مسلمان ہوکر) آئے وہ یہ دعا کرتے ہیں مالک ہمارے ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دل میں مسلمانوں کی طرف سے میل (کینہ) مت آنے دے مالک ہمارے بے شک تو بڑی شفقت والا مہربان ہے۔''

اسی بنا پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اہل سنت و الجماعت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے کہ ان کے دل اور زبانیں اصحاب رسول اللہ ﷺ کی بدخواہی سے محفوظ رہیں ؛ پھر آپ نے یہ آیت بطور دلیل کے پیش کی ؛ ربنا اغفر لنا سے زبان کی سلامتی پر استدلال کیا ہے، ولا تجعل فی قلوبنا سے دل کی سلامتی پر)۔ [1]

صحیح عقیدہ پر مغفرت

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (اگر چہ اس کے اعمال میں کمی ہی کیوں نہ ہو......):

جس نے اچھا عقیدہ-اہل سنت والجماعت کا عقیدہ-اختیار کیا؛ اور پھر اس پر استقامت کے ساتھ رہا۔ صحابہ کرام اور سابقین اولین ائمہ ہدیٰ کی شان میں زبان درازی اور گستاخی سے محفوظ رہا ؛ اور نہ ہی ان کے متعلق دل میں کوئی کینہ و بغض رکھا؛ اگر چہ اس سے کچھ گناہ بھی ہو جائیں لیکن اس کا انجام آخر کار اچھا ہوگا، اور اسے جنت ملے گی ؛ ارشاد ربانی ہے:

[1] عقیدہ واسطیہ۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا٥﴾ (النسآء: ٤٨)

''بے شک اللہ شرک کوتو بخشنے والانہیں اور شرک کے سوا (جو گناہ ہیں) جس کو چاہے بخش دے (اور جس کو چاہے نہ بخشے عذاب کرے) اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے بڑا گناہ باندھا۔''

اس پیرائے سے مقصود اعتقادی بدعات کے شکار لوگوں اور منہج مستقیم پر کار بند رہنے والوں کے درمیان فرق کرنا ہے۔اس لیے کہ بدعات کی وعید بہت سخت ہے اور گناہ پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کی توفیق اور مغفرت کی کامل امید ہے۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا فرمان: ('' جب میں اہل سنت میں سے کسی آدمی کو دیکھتا ہوں تو گویا کہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی ایک کو دیکھتا ہوں)۔ایسے اس لیے ہے کہ صحابہ کرام کے سچے پیروکار تو اہل سنت والجماعت ہیں اور جو کوئی کسی کا پیروکار رہتا ہے وہ ان ہی میں سے ہوتا ہے۔امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک ایسا ہی فرمان منقول ہے؛ آپ فرماتے ہیں: ((وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا))[القرآن]۔سو جو کوئی ان کی پیروی کرے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا۔

بدعتی اور منافق میں مشابہت

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا فرمان: (('' اور جب اہل بدعت میں سے کسی ایک کو دیکھتا ہوں تو گویا کہ میں منافقین میں سے کسی ایک کو دیکھتا ہوں)):

یعنی جب آپ کسی کتاب وسنت کے مخالف خواہشات کے پجاری کو دیکھیں تو گویا کہ آپ منافقین میں سے کسی ایک کو دیکھ رہے ہوں، جو بظاہری طور پر تو اسلام کا دعوی کرتا ہے مگر اپنے اندر کفر کو چھپا کر رکھتا ہے۔ایسا وہ دھوکہ دینے کے لیے کرتا ہے۔یہی حال بدعتی لوگوں کا ہے؛وہ اسلام کا دعوی اور اظہار تو کرتے ہیں مگر سنت کی پیروی نہیں کرتے، بلکہ اس کے برعکس کرتے ہیں ان میں یہ خصلت منافقین کی خصلتوں میں سے ایک ہے۔

حضرت یونس بن عبید رحمہ اللہ کا فرمان: ((تعجب ہے اس آدمی پر آج کل سنت کی دعوت دے؛......)):

اس لیے کہ سنت غریب ہوچکی ہے،اور اس کی طرف دعوت دینے والے بھی غریب ہو چکے ہیں اور اس سے بڑھ کر غربت اور تعجب کی بات سنت پر عمل کرنا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا دور آئے گا جب سنت اپنے ماننے والوں میں غریب ہوکر رہ جائے گی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بدأ الإسلام غريباً ، وسيعود غريباً كما بدأ؛ فطوبىٰ للغرباء))

'' اسلام غریب ہی شروع ہوا تھا ، اور عنقریب پھر ایسے غریب ہوجائے گا جیسے شروع ہوا تھا، سو خوشخبری

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! غریب کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جو اس وقت لوگوں کی اصلاح کرتے ہوں جب لوگ فساد میں پڑ چکے ہوں۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے: ''غریب وہ لوگ ہیں جو اس چیز کی اصلاح کرتے ہیں جسے لوگوں نے فاسد (خراب) کر دیا ہو۔''

سنت میں نجات

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وكان ابن عون (رحمه الله) يقول عند الموت: "السنة ، السنة ؛ وإيّاكم والبدع حتى مات ـ"[وقال أحمد بن حنبل (رحمه الله)]: "مات رجل من أصحابي ، فرُئِيَ في المنام ؛ فقال: قولوا لأبي عبد الله : عليك بالسنة ؛ فإن أول ما سألني الله سألني عن السنة ـ"وقال أبو العالية: "من مات على السنة مستوراً ؛ فهو صديق ؛ يقال: الاعتصام بالسنة نجاة ـ")) ❶

اور ابن عون موت کے وقت فرما رہے تھے: ''سنت کو لازم پکڑو؛ سنت کو لازم پکڑو؛ اور اپنے آپ کو بدعت سے بچاؤ، یہاں تک کہ ان کی موت آ گئی۔'' ❷

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میرا ایک ساتھی مر گیا، اسے خواب میں دکھایا گیا؛ وہ کہہ رہا تھا: '' ابو عبد اللہ [احمد بن حنبل کی کنیت ہے] سے کہو: ''سنت کو اپنے لیے واجب کر لے؛ بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلا سوال سنت کے بارے میں کیا ہے''. امام ابو عالیہ رحمہ اللہ ❸ فرماتے ہیں: ''جو کوئی چھپا ہوا سنت کا عامل مر جائے، وہ صدیق ہے اور کہا جاتا ہے کہ: ''سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا نجات کی راہ ہے۔''

شرح: ...... حضرت ابن عون کا فرمان: ((سنت کو لازم پکڑو؛......))۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سنت پر عمل کرو، اور اسے مضبوطی سے پکڑے رہو' اور اپنے آپ کو بدعت سے بچا کر رکھو۔ کیونکہ ہر قسم کی خرابی بدعت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے سلفِ صالحین کی سنت سے محبت اور اس کے اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت بھی سنت پر عمل کرنے کی وصیت کر رہے ہیں۔

ابو عالیہ کا فرمان: ((جو کوئی چھپا ہوا سنت کا عامل مر جائے، وہ صدیق ہے......))۔ صداقت یا صدیقیت کا مرتبہ

---

❶ أخرجه ابو نعيم في "الحلية "(٣/٢١)؛ واللالكائي في " السنة"(٢١-٢٢-٢٣) ؛ وابن بطه في"الإبانة الكبرى" (٢٠)؛ بإسنادٍ حسن۔"

❷ دیکھیں: "سير الأعلام النبلاء "(١٠/٤٦٩)۔

❸ رفیع بن مہران؛ ابو عالیہ الریاحی، امام اور ثقہ؛ چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ ٩٠ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھو: "سير الأعلام النبلاء"(٤/٢٠٧)۔

نبوت کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔اس کا معنی ہے بہت زیادہ سچ بولنے والا۔اوراس سے مراد یہ ہے کہ اقوال وافعال اور اعمال میں سچائی کو اپنا شیوہ بنائے رکھے۔رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمایا ہے کہ صدیق کون ہے؟ فرمایا:

((لا یزال الرجل یصدق ، ویتحری الصدق)) ❶

''وہ انسان جوخود ہمیشہ سچ بولتا ہے؛ اورسچائی کی تلاش میں رہتا ہے۔''

ابو عالیہ کا فرمان کہ: ((سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا نجات کی راہ ہے))۔یعنی سنت پر کاربند رہنے میں فتنوں اورعذاب سے نجات ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((إنـه من یّعش منکم بعدي فسیری اختلافاً کثیراً؛ فإیّاکم و محدثات الأمور؛ فإنها ضـلالة ۔''و عـلیکـم بسـنتـي و سنة الـخلفاء الراشدین المهدیین وعضوا علیها بالنواجذ)) ❷

''بیشک تم میں سے جوکوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا؛پس اپنے آپ کو نئے ایجاد کردہ کاموں سے بچا کر رکھو؛ بیشک یہ امور گمراہی ہیں ؛ اورتم پر میری سنت کا التزام واجب ہے ، اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت ۔اسے اپنے کنچلی کے دانتوں سے مضبوط پکڑلو۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اعلان کردیں کہ:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۝﴾ (الانعام: ١٥٣)

''اور(اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے) یہ میری سیدھی راہ ہے اس پر چلو اوردوسری راہوں پر مت چلو وہ تم کو اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گی یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے اس لیے کہ تم (ان کا خلاف کرنے سے) بچے رہو پھر(ایک بات اوربھی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے پہلے)''۔

یہی وصیت اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی ہے ، اوریہی نیک بندوں کی وصیت ہے کہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑا جائے ،اورسنت پرعمل کیا جائے ،کامیابی اسی میں ہے۔

بدعت کے بارے میں احتیاط

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وقال سفیان ثوري : '' من أصغی بأذنه إلی صاحب بدعة ، خرج من عصمة الله ؛ ووُکل إلیها -یعنی إلی البدع ۔''وقال : داؤد بن أبي هند :'' أوحی الله تبارك و تعالیٰ

---

❶ متفق علیه ؛ رواه البخاری (٥٧٤٣)؛ مسلم (٢٦٠٧)؛ من حدیث عبد الله بن مسعود۔

❷ موطأ امام مالك ح: ٧٠٩۔ باب حد الشرب۔

إلى موسىٰ بن عمران (علیہ السلام): لا تجالس أهل البدع ؛ فإن جالستهم فحاك في صدرك شيء مما يقولون أكببتك في نار جهنم ـ"))

'امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے بدعتی کی بات کان لگا کر سنی، وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے باہر ہوگیا، اور اسے اس کے سپرد کر دیا گیا، [یعنی بدعت کے سپرد] ❶ ۔حضرت داؤد بن ہند رحمہ اللہ ❷ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرف وحی کی: ''اہل بدعت کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ اگر تم اہل بدعت کے ساتھ بیٹھے اور تمہارے دل میں ان کی باتوں سے کچھ کھٹکا پیدا ہو تو میں تجھے جہنم کی آگ میں اوندھے منہ ڈال دوں گا۔'' ❸

شرح: ......حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا فرمان: (جس نے بدعتی کی بات کان لگا کر سنی، وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے باہر ہوگیا......):

اس سے مراد یہ ہے کہ بدعتی کی بدعات بھری باتیں سنتا رہے مگر ان پر انکار نہ کرے اور اہل بدعت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور میل جول رکھے؛ وہ بھی ان کے ساتھ ہی ہلاک ہو جائے گا۔ پس یہ جائز نہیں ہے کہ اہل بدعت کی باتوں پر کان دھرے جائیں؛ اور یہ کہا جائے کہ میں بڑا پکا مؤمن ہوں، عقیدہ کے امور کو جانتا ہوں، ان کی باتیں مجھ پر کچھ بھی اثر انداز نہ ہوں گی۔ یہ صرف ایک دھوکہ ہے۔ یقیناً انسان فتنہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس لیے ان سے دور رہنے اور ان کی جھوٹ موٹ من گھڑت باتوں کی سماعت سے اجتناب کرنے میں عصمت و بھلائی ہے۔ اور جو انسان ان کی بدعات بھری باتیں سنتا ہے، مگر اس بدعت پر انکار نہ کرتا، اسے بھی اس بدعت کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جو کوئی (اپنے دین و ایمان کی) حفاظت چاہتا ہے؛ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتے ہیں، اور جو کوئی اہل بدعت کی باتیں سنتا اور ان پر کان دھرتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اسے فتنہ میں مبتلا کیا جائے۔ ایسا انسان اللہ کے ذمہ سے بری ہو جاتا ہے۔

اہل بدعت کا اثر

حضرت داؤد بن ہند رحمہ اللہ کا فرمان کہ: (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرف وحی کی: ''اہل بدعت کے ساتھ نہ بیٹھنا......):

یہ اثر بدعت کے مضر اثرات ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس سے ایک مسئلہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی کام اگر نبی کی موجودگی میں بھی کیا جائے، جب تک اس پر مہر نبوت نہ لگ جائے اس وقت تک وہ کام سنت نہیں ہو سکتا؛ اور نہ ہی کسی کے لیے حجت بن سکتا ہے۔ اور نبی اللہ موسیٰ علیہ السلام کو اہل بدعت کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے کہ کہیں اس

❶ أخرجه ابو نعيم في "الحلية "(٧/٢٦-٣٤)؛ وابن بطه في "الإبانة الكبرى" (٤٤٤)۔

❷ حضرت داؤد بن ہند القشیری مولاہم؛ امام؛ حافظ اور ثقہ تھے۔ ۱۴۰ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھو: "سير الأعلام النبلاء "(٦/٣٧٦)۔

❸ أخرج ابن وضاح في "البدع" (ص٤٩)؛ و نحوه عن محمد بن اسلم ـ والآجري في "الشريعة" ص(٥٧) وابن بطه في "الإبانة الكبرى" (٥٥٦)؛ نحوه عن خصيف بن عبد الرحمن الجزري ـ والبيهقي في " الشعب"(٧/٦٤)؛ عن بشر بن الحارث؛ ونحوه ؛ وعن عطاء۔

بدعت سے متأثر نہ ہو جائیں۔ تو پھر کوئی دوسرا کس باغ کی مولی ہے کہ وہ اپنے علم وعقیدہ پر نازاں وفرحاں ہو اور ایسے لوگوں سے دوستیاں لگاتا پھرے جن کا بدعتی ہونا صاف ظاہر ہے۔

جب انسان لوگوں کی چکنی چپڑی باتیں سنتا ہے تو بتقاضا بشریت وہ ان باتوں سے متأثر ہو ہی جاتا ہے۔ اہل بدعت کے پاس ایسی شیطانی چالیں اور پھندے ہوتے ہیں، ان کا بات کرنے کا انداز ایسا شیریں اور پرکشش ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اقرار کر کے اپنے نبی کو ایسے لوگوں کی باتیں سننے سے منع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ﴾ (المنافقون : ٤)

''اور (اے پیغمبرؐ) جب تو ان منافقوں کو دیکھتا ہے تو ان کے ڈیل ڈول بھلے لگتے ہیں اور اگر وہ کوئی بات کریں تو آپ ان کی بات (اچھی طرح) سنتے ہیں وہ (آدمی نہیں ہیں) گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں جو ٹیک لگا کر رکھی جائیں جہاں زور کی کوئی آواز ہوئی وہ سمجھتے ہیں ہم للکارے گئے (اے پیغمبرؐ) بڑے دشمن (تیرے) یہی لوگ ہیں ان سے بچا رہ خدا کی ماران پر کدھر بہکے جا رہے ہیں۔''

اہل بدعت کے بارے میں کسی سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی انسان ان کی باتوں کو حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دے۔ بلکہ چاہیے کہ انسان اپنے عقیدہ وایمان کی حفاظت کے لیے ہمیشہ چوکنا اور بیدار رہے۔

بدعت پر محرومی

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقال الفضيل ابن عياض (رحمه الله): "من جالس صاحب بدعة لم يؤت الحكمة۔"
وقال الفضيل ابن عياض (رحمه الله): "لا تجالس مع صاحب بدعة؛ فإني أخاف أن تنزل عليك اللعنة۔"))

''فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو اہل بدعت کے ساتھ مجلس کرتا ہے، اسے حکمت نہیں دی جاتی۔'' [1] فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہل بدعت کے ساتھ مجلس نہ کرنا، میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی لعنت نازل ہو۔'' [2]

شرح: ...... حکمت نہ دیے جانے سے مراد یہ اسے دین کی سمجھ سے محروم کر دیا جانا ہے؛ اور اس طرح وہ انسان

---

[1] أخرجه اللالكائي في السنة (٢٦٣ - ١١٤٩)؛ وابن بطه في "الإبانة الكبرى" (٤٣٩)؛ والبيهقي في "الشعب" (٦٤/٧)۔

[2] أخرجه اللالكائي في السنة (٢٦٢)؛ وفي "الإبانة الكبرى" (٤٤١ - ٤٥١)؛ و إسناده صحيح۔

نصوص صحیحہ کو درست منہج کے مطابق سمجھنے کے بجائے اس میں من پسند تاویلیں کرنے لگتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی عقوبت اور سزا ہے جو اہل بدعت کی ہم نشینی پر ملتی ہے۔ اس لیے کہ بدعتی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت، اس کا غضب اور گمراہی نازل ہوتے ہیں، اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ بدعتی کے ساتھ بیٹھنے والے پر بھی یہ مصائب و بلائیں نازل ہوں۔ اور اسے بھی وہی لعنت نصیب میں آئے جو بدعتی کے نصیب میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی مقدس کتاب میں ایسے لوگوں کی ہمراہی و ہم نشینی سے منع کیا ہے، فرمایا:

﴿وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الانعام: ٦٨)

''اور (اے پیغمبر) جب تک ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں کو کریدتے ہیں تو ان کے پاس سے سرک جا یہاں تک وہ (اس کو چھوڑ کر) دوسری بات میں لگ جائیں اور اگر (کبھی) شیطان (یہ نصیحت) تجھ کو بھلا دے تو یاد آئے پیچھے (ایسے) ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا﴾ (النسآء: ١٤٠)

''حالانکہ اللہ کتاب (قرآن مجید) میں تم پر یہ اتار چکا ہے کہ جب تم سنو اللہ تعالیٰ آیتوں سے کفر اور ٹھٹھہ کیا جاتا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ (جو کفر اور ٹھٹھہ کر رہے ہوں) مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ دوسری کسی بات میں لگیں (اگر تم ایسا کرو گے تو) تم بھی انھی کی طرح (کافر) ہو جاؤ گے بے شک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔''

ان آیات میں اہل بدعت اور گمراہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کا کلام سننے سے خبردار کیا گیا ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں کی کتابیں بھی نہ پڑھی جائیں، نہ ہی دیگر ذرائع نشر و اشاعت کو اپنے گھروں میں آنے دیا جائے؛ کیونکہ ان کے کام، کلام اور انداز میں زہر بھرا ہوتا ہے جس سے بڑے بڑے علماء کا بچنا بھی ممکن نہیں رہتا تو پھر کون سی وجہ ہے کہ سادہ لوح اور ان پڑھ لوگ، یا کم دینی علم رکھنے والے ان سے متاثر نہ ہوں۔

بدعت پر سزا

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وقال الفضيل ابن عياض (رحمہ اللہ): ''من أحب صاحب بدعة، أحبط الله عمله؛

وأخـرج نـور الإسلام من قلبه ـ"وقال الفضيل ابن عياض (رحمه الله): " من جلس مع صاحب بدعة في طريق ؛ فجز في طريق غيره ـ"))

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں :''جو اہل بدعت سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں اور اس کے دل سے اسلام کا نور نکال دیتے ہیں۔''❶

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں :''جو کوئی راہ میں بدعتی کے ساتھ بیٹھا ہو۔تو کسی دوسری راہ سے وہاں سے گزر جائیے۔''❷

شرح: ......مراد یہ ہے کہ جو کوئی اہل بدعت سے محبت کرتا ہے، وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کا علم اور اعمال ضائع کر دیے جائیں۔ اس جملہ میں بہت ہی سخت وعید ہے ؛ پھر خاص کر جب بدعت ایسی ہو جس کی وجہ سے کفر لازم آتا ہو؛ تو اس کی سختی اور بڑھ جاتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعتی کا ہم نشین کبھی ان کی باتوں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے، جس سے ان کی بدعات، کفریات اور شرکیات کو اچھا سمجھنا لازم آتا ہے۔ جب کہ ہر قسم کی بھلائی اور اچھائی اللہ کے دین میں ہے، اور جو چیز اس سے خارج ہے، یعنی بدعات و شرکیات ان میں ہرگز کوئی بھلائی نہیں۔ ان کا اچھا سمجھنا دین اسلام میں نقص وعیب سمجھنے کے مترادف ہے ؛ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس برائی سے محفوظ رکھے۔

اس پیرائے میں بدعتی کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے پر بہت سخت وعید ہے۔کوئی انسان یہ نہ سمجھے کہ وہ بہت پڑھا لکھا، اس پر ان کے کلام کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ وہ ہر سوال کا جواب دے سکتا ؛ ایسی سوچ پر اللہ کے سامنے توبہ و استغفار کرنی چاہیے؛ اور اللہ تعالیٰ سے دین پر ثابت قدمی اور استقامت کا سوال کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ انسان بشر ہے، اور کمزور ہے، اور اس کے پیچھے انتہائی مکار دشمن شیاطین جن و انس لگے ہوئے ہیں ؛ جن کے شر سے محفوظ رہنا صرف اللہ کی مدد سے ہی ممکن ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا فرمان: (جو کوئی راہ میں بدعتی کے ساتھ بیٹھا ہو......):

راستہ میں چونکہ بہت ہی کم دیر کے لیے (ستانے کے لیے) بیٹھا جاتا ہے۔ یہاں پر اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ انسان بہت ہی کم وقت کے لیے بھی بدعتی کی ہمراہی نہ اختیار کرے، اور نہ ہی اس کے ساتھ بیٹھے، نہ ہی اس کے ساتھ سفر کرے۔ نہ ہی انہیں اپنے سفر میں شریک کرے، اس لیے کہ ان کے خطرات بہت زیادہ ہیں، اور بہت مکارانہ اور شرطرانہ چالیں چل کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔اس میں ان لوگوں کے لیے پیغام عبرت ہے جو بدعتی کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ دعوت دین کی مصلحت کے پیش نظر کر رہے ہیں۔

❶ أخرجه اللالكائي في السنة (٢٦٣)؛ وابن بطه في "الإبانة الكبرى" (٤٤٠)؛أخرجه ابو نعيم في "الحلية "(١٠٣/٨)وابن جوزي في " تلبيس إبليس "(ص١٦) ؛و إسناده صحيح۔

❷ أخرجه ابن بطه في"الإبانة الكبرى" (٤٩٣)؛أخرجه ابو نعيم في "الحلية "(١٠٣/٨)وابن جوزي في " تلبيس إبليس "(ص١٦) ؛و

دیکھیں جو لوگ ہم سے زیادہ دین سمجھنے والے تھے، اور دعوتِ دین کے ہم سے بڑھ کر حریص تھے، وہ کیسے آپ کو منع کر رہے ہیں کہ اہل بدعت کے ساتھ کسی بھی مصلحت کے پیش نظر اٹھنا بیٹھنا نہ رکھا جائے۔

بدعتی کی تعظیم

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقال الفضيل ابن عياض (رحمه الله): "من عظم صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام - ومن تبسم في وجه مبتدع، فقد استخف بما أنزل الله عزوجل على محمد ﷺ؛ ومن زوج كريمته من مبتدع؛ فقد قطع رحمها؛ ومن تبع جنازة مبتدع، لم يزل في سخط الله حتى يرجع۔"))

''حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے بدعتی کی تعظیم کی؛ اس نے اسلام کو ختم کرنے میں مدد کی [1]؛ اور جو کوئی بدعتی سے مسکرا کر ملا؛ یقیناً اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن کو کم تر سمجھا؛ اور جس نے اپنی بیٹی کسی مبتدع سے بیاہ دی؛ تو اس نے اس کے ساتھ قطع رحمی کی۔ اور جو مبتدع کے جنازہ کے ساتھ چلا؛ وہ برابر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا شکار رہتا ہے یہاں تک کہ وہ واپس پلٹ جائے۔'' [2]

شرح: ...... (فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا فرمان): ((جس نے بدعتی کی تعظیم کی......)): اس لیے کہ بدعت اسلام کی ضد ہے۔ جب آپ بدعتی کو آشیر باد (دادِ شجاعت) دیں گے تو آپ اسلام کو مٹانے کے لیے اس کی مدد کریں گے۔ اس لیے کہ اسلام سنت ہی ہے؛ اور سنت ہی اسلام ہے۔ انسان پر یہ واجب ہے کہ وہ اہل بدعت کی تعظیم و تکریم نہ کرے؛ نہ ہی ان کی تعریف کرے؛ نہ ہی لوگوں میں ان کی بڑائی اور مدح بیان کرے۔ ہمارے بھائیوں کو سوچنا چاہیے جو آج کل کفار (یہود و نصاریٰ اور ملحدین) کی تعریفوں سے نہیں تھکتے؛ اور ان کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ اور انہیں ایک ترقیاتی اور جدت پسند قوم کے طور پر پیش کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو پسماندہ اور بیک ورڈ؛ پتھر کے دور کے لوگ کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ اللہ کا خوف کریں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی تحقیر نہ کریں اور نہ ہی ان پر دوسروں لوگوں کو کسی بھی طرح ترجیح دیں خواہ زبانی ہی حد تک کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا بہت بڑا اور کھلا ہوا نفاق ہے؛ جس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان ہو رہا ہے۔

(فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا فرمان): ((جو کوئی بدعتی سے مسکرا کر ملا......)):

1. اس معنی میں ایک مرفوع حدیث نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے؛ صحیح نہیں ہے۔ جیسے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے "السلسلة الضعيفة" (١٨٦٢) میں وضاحت کی ہے۔
2. أخرجه أبو نعيم في "الحلية" (٨/١٠٣) وابن جوزي في "تلبيس إبليس" (ص ١٦)؛ قطع رحمی تک اس کی اسناد صحیح ہے۔ لیکن ان دونوں کتابوں میں مسکرا کر ملنے کا ذکر نہیں ہے۔

کیونکہ بدعتی اس دین اور شریعت کی مخالفت کررہا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل کی ہے۔ پس جب وہ اس کے ساتھ مسکرا کر ملے اور خندہ پیشانی سے پیش آئے؛ تو یہ اس پیغام کی مخالفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے؛ جس میں ایسے لوگوں سے دور رہنے؛ ان کا ساتھ چھوڑنے؛ اور ان کے افعال و کردار پر راضی نہ ہونے کی تلقین ہے۔ جب انسان کسی سے مسکرا کر ملتا ہے تو اس سے رضامندی اور یکجہتی کا اظہار کررہا ہوتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے تاکہ ہم اپنے دین وعقیدہ کو محفوظ رکھ سکیں۔

(فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا فرمان): ((اپنی بیٹی کسی مبتدع سے بیاہ دی......)):

جس انسان کی زیر کفالت اس کی بیٹی؛ بہن یا کوئی دیگر ایسی عورت جس کے نکاح کا ولی یہ انسان بن سکتا ہو، تو اس ولی پر واجب ہوتا ہے کہ اس (زیر کفالت و ولایت) عورت کے لیے ہم پلہ اور دین دار رشتہ تلاش کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا جاء كم ممن ترضون دينه وخلقه فزوجوه؛ إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض)) [1]

"جب تمہارے پاس (رشتہ کی طلب میں) کوئی ایسا آدمی آئے جس کے دین اور اخلاق پر تم راضی ہو؛ تو اس کی شادی کردو؛ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں ایک بہت بڑا فتنہ اور شر وفساد بپا ہو جائے گا۔"

اگر آپ ایسا رشتہ نہیں تلاش کریں گے جو دین دار اور امانت دار ہو؛ اور کسی اہل نفاق (منافق) یا بدعتی سے رشتہ کردیا؛ اور یہ عورت بھی مرد کی ہمراہی و ہمنوائی میں گمراہ ہوگئی تو عند اللہ اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔

ایسے ہی نیک رشتہ مل جانے پر اگر آپ شادی نہیں کردیں گے تو اس کے بہت خطرناک نتائج ہوسکتے ہیں۔ جس میں اغواء، قتل، زنا؛ جبر یا دیگر کوئی بھی گناہ کا کام ہوسکتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی انانیت کو شریعت پر قربان کرے، شریعت کو انانیت (خودغرضی وخود پرستی) پر قربان نہ کرے۔

(فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا فرمان): ((جو بدعتی کے جنازہ کے ساتھ چلا......)):

اس سے مراد یہ ہے کہ جب بدعتی مر جائیں تو ان کے جنازے کے ساتھ نہیں چلا جائے؛ اس لیے کہ بدعتی پر اللہ کا عذاب اور ناراضگی نازل ہوتی ہے؛ فرشتے اور لوگ اس پر لعنت کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والا بھی ان ہی امور کا شکار ہوجائے۔

بدعت پر عقوبت اور ان کی صحبت کا حکم

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وقال الفضيل ابن عياض (رحمہ اللہ): "من جلس مع صاحب بدعة ورثه

العمی۔وقال الفضيل ابن عياض (رحمہ اللہ): "آكل مع يهودي و نصراني ولا آكل مع مبتدع؛ و أحب أن يكون بيني و بين مبتدع حصن من حديد" ❶

وقال الفضيل ابن عياض (رحمہ اللہ): ((إذا علم الله من الرجل أنه مبغض لصاحب بدعة؛ غفر له؛ وإن قل عمله ❷ ولا يكن صاحب سنة يمالئ صاحب بدعة إلا نفاقاً ❸۔ ومن أعرض بوجهه عن صاحب بدعة؛ ملأ الله قلبه إيماناً، ومن انتهر صاحب بدعة آمنه الله يوم الفزع الأكبر؛ ومن أهان صاحب بدعة؛ رفعه الله في الجنة مائة درجة، فلا تكن صاحب بدعة في الله أبداً۔"))

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو بدعتی کی ساتھ بیٹھا اسے اندھا پن وراثت میں ملتا ہے۔''

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں یہودی اور عیسائی کے ساتھ کھاتا ہوں، مگر مبتدع کے ساتھ نہیں کھاتا اور میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ میرے اور بدعتی کے درمیان لوہے کا قلعہ ہو۔''

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کے بارے میں جان لیتے ہیں کہ وہ اہل بدعت سے بغض رکھتا ہے؛ اس کے گناہ بخش دیتے ہیں۔ اگرچہ اس کے اعمال کم ہی کیوں نہ ہوں اور اہل سنت مبتدع سے رواداری نہیں برت سکتا مگر نفاق سے۔'' اور جو اپنے چہرے کو مبتدع سے موڑ لے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان کے نور سے بھر دیتے ہیں۔ اور جس نے مبتدع کو جھڑکا، اللہ تعالیٰ اس کو بڑے خوف کے دن امان دیں گے اور جو مبتدع کی اہانت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں سو درجے بلند کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کبھی بھی مبتدع نہ بن جانا۔''

شرح: ......اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے دل کو اندھا کر لیا جاتا ہے، اور اس سے بصیرت چھین لی جاتی ہے؛ وہ حق و باطل، گمراہی و ہدایت اور اچھے اور برے میں تمیز نہیں کر پاتا۔ اس کی آنکھیں، اس کا دل، سوچ و فکر اور دماغ کوئی بھی چیز اسے کچھ بھی کام نہیں آتی۔ سنت و شریعت کے نافرمان کا یہی بدلہ ہونا چاہیے تھا کہ اس کا اپنا جسم اور اعضاء بھی اس کے نافرمان ہو جائیں۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا فرمان: (میں یہودی اور عیسائی کے ساتھ کھاتا ہوں......):

اس لیے کہ یہودی اور عیسائی کا پتہ ہے کہ وہ ایک دوسرے دین کے پیروکار ہیں جو کہ ہمارے دین کا مخالف ہے۔

❶ أخرجه اللالكائي في السنة (١١٤٩)؛ وابن بطه في "الإبانة الكبرى" (٤٧٠)؛ أخرجه ابو نعيم في "الحلية" (١٠٣/٨)؛ و إسناده صحيح۔

❷ حدیث کا یہ آدھا حصہ ابو نعیم نے "الحلية" (١٠٣/٨) میں نقل کیا ہے: وہاں روایت کے یہ الفاظ ہیں: ''......میں امید کرتا ہوں کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔'' و إسناده صحيح۔

❸ أخرجه ابن بطه في "الإبانة الكبرى" (٤٢٩)؛ أخرجه ابو نعيم في "الحلية" (١٠٤/٨)؛ بإسناد لا بأس به۔

اور وہ اہل کتاب لوگ ہیں۔ جب کہ بدعتی اسلام کا دعوی کرتا ہے، اور لوگوں کے سامنے خود کو مسلمان پیش کرتا ہے؛ مگر کرتا وہی ہے جو یہودی اور عیسائی کھلے عام اور علی الاعلان کرتے ہیں یہی کام بدعتی آڑ لے کر کرتا ہے۔ واللہ المستعان۔

اور پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے اور بدعتی کے مابین لوہے کا قلعہ ہوتا کہ وہ ہم تک نہ پہنچ سکے۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا فرمان: (......جو کوئی اہل بدعت سے بغض رکھتا ہے؛ اس کے گناہ بخش دیتے ہیں):

اس لیے کہ یہ اسلامی عقیدہ ولاء و براء کا تقاضا ہے، جس کے تحت اہل ایمان سے دوستی ہونی چاہیے، اور کفار و مشرکین سے بغض و نفرت ہونا چاہیے؛ کیونکہ یہ اسلامی عقیدہ کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((من أحب لله ، وأبغض لله ، وأعطى لله ومنع لله ، فقد استكمل الإيمان)) ❶

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے نفرت کی؛ اور اللہ کے لیے دیا، اور اللہ کے لیے ہی روک لیا، اس انسان نے ایمان مکمل کر لیا۔''

اور جب کوئی اہل سنت کسی بدعتی سے یوں مجاملت (خوشامدانہ) رویہ سے پیش آئے، اور اس کے بارے میں اچھے تأثرات کا اظہار کرے تو یہ بھی نفاق کی ایک قسم ہے۔ جب کہ اس کے برعکس جو انسان بدعتی سے منہ موڑ کر چل دے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان سے بھر دیتے ہیں اور جو کوئی بدعتی کو جھڑک پلائے؛ اس کی بدعات کا رد کرے، اور اسے اس کی باتوں پر ٹوکے؛ تو اللہ تعالیٰ اسے بطور بدلہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھیں گے۔ اس لیے کہ اس نے برائی کا انکار اور رد کیا، اور صحیح دین کی حفاظت کے لیے اپنا فرض انجام دیا۔ جب کہ جو کوئی بدعتی کی تعریف اور مدح سرائی کرے تو بھی منافقت کی ایک قسم ہے۔ اس لیے کہ اس میں اللہ کے دشمنوں سے دوستی کا پہلو نکلتا ہے۔

اور جو کوئی اہل بدعت کی اہانت کرے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے سو درجے بلند فرمائیں گے۔ مسلمان (اہل سنت) پر واجب یہ ہے کہ اہل بدعت کی اہانت کرے، اور مجلس میں یا ان کی مدح سرائی کر کے، یا کسی بھی دوسرے طریقہ سے ان کی تعظیم و تکریم نہ کرے؛ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و رسوا کیا ہے، انہیں ذلیل ہی کیا جائے، اسلامی عقیدہ ولاء و براء کا یہی تقاضا ہے۔ پس کبھی بھی کسی بدعتی کا ساتھی نہ بننا چاہیے؛ اور ان سے بچ کر رہنے میں سستی نہ کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ ایمان و عقیدہ کی سلامتی اور دین کی حفاظت اسی طرح ممکن ہوسکتی ہے کہ انسان بدعت اور بدعتی سے بچ کر رہے اور سنت رسول اللہ ﷺ پر کسی بھی طرح آنچ نہ آنے دے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توحید و سنت کی سمجھ دے، اور اپنے دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

MAKTABA
AL-FURQAN

مکتبۃ الفرقان